رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷ جولائی سنہ ۱۹۳۴ء

معارف

مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

* * *

قیمت:- پانچ روپیہ سالانہ

دفتر:- دارالمصنفین اعظم گڈہ

تصانیف مولانا سید سلیمان ندوی

سیرۃ النبی جلد چہارم۔ منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اسکے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث، ضخامت ۸۰۰ صفحے، قیمت باستثناف کاغذ ہے ر سے، تقطیع کلان،

خیام، خیام کے سوانح، تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث اور آخر میں خیام کے چھ عربی و فارسی رسالوں کا ضمیمہ اور اس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، جامع اور حتی المقدور محققانہ یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے، ضخامت ۴۰۰ صفحات کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ قیمت غیر مجلد سے، مجلد للعہ

ارض القرآن حصہ اول، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اسطرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، طبع دوم ضخامت ۲۲۴ صفحے قیمت عہ

ارض القرآن حصہ دوم، قرآن مجید کے اندر جن قوموں کا ذکر ہے انمیں سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم تبع، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انباط اور قریش کی تاریخ اور عرب کی تجارت، زبان، اور مذہب پر تفصیلی مباحث، ضخامت ۴۲۰ صفحے، قیمت ہے طبع دوم،

عرب و ہند کے تعلقات، عرب و ہند کے علمی تجارتی مذہبی

تعلقات و روابط پر وہ پانچ خطبے جو مولانا سید سلیمان ندوی نے ہندوستانی اکاڈیمی الٰہ آباد میں دیئے اور خوبصورت اردو ٹائپ میں مجلد شائع ہوئے ہیں، قیمت للعہ، ضخامت ۴۰۴ صفحے،

سیرۃ عائشہؓ (طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور انکے مناقب، فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر انکے احسانات، اسلام کے متعلق انکی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، ضخامت ۳۵۰ صفحے، قیمت :- ہے،

حیات امام مالکؒ، امام مالک کی سوانحعمری، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ مدنی کی خصوصیت اور علم حدیث کی پہلی کتاب موطا امام مالک پر تبصرہ طبع دوم ضخامت ۱۶۰ صفحے، قیمت :- ۸؍

رسالہ اہل السنۃ والجماعۃ، فرقہ اہل السنت والجماعۃ کے اصولی عقائد کی تحقیق اور سلف صالحین کے عقائد صحیحہ کی تشریح طبع دوم قیمت ۲؍ حجم ۵۳ صفحے،

لغات جدیدہ، عربی زبان کے اخبارات، رسائل، تصنیفات اور بول چال میں ہزاروں نئے الفاظ پیدا ہو گئے ہیں جنکے بغیر آجکل کی عربی زبان سمجھنا دشوار ہے، مصنف نے اس کتاب میں اسی قسم کے چار ہزار جدید عربی الفاظ کا لغت لکھا ہے، طبع دوم قیمت عہ ضخامت ۱۶۱ صفحے،

دروس الادب ۱ و ۲، عربی کی پہلی اور دوسری ریڈریں جنکو مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علموں کیلئے اسطرح لکھا ہے کہ طالب علم کو ادب و نحو کیساتھ ساتھ تعلیم و مشق ہو سکے، اکثر مدارس میں یہ داخل نصاب ہے، طبع سوم مع ترمیم قیمت ۲؍ دوسری طبع سوم قیمت ۳؍

دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

چونتیسویں جلد

از

جولائی ۱۹۳۴ء تا دسمبر ۱۹۳۴ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ

فہرست مضمون نگاران معارف

جلد ۳۴ - جولائی ۱۹۳۴ء تا دسمبر ۱۹۳۴ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	جناب سید ابوسعید بزمی بھوپالی بی اے سہارنپور	۱۸۸		رفیق دار المصنفین،	۲۱۰، ۲۲۰، ۲۳۳، ۳۰۶، ۳۱۳، ۳۹۳، ۴۷۳،
۲	جناب "ارسطو"	۳۷	۹	جناب محمد سعید صاحب عثمانی، ہوشیارپوری، بمبئی،	۲۰۳
۳	مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی، ناظم کتبخانہ رامپور،	۲۹۷، ۳۴۵	۱۰	سید سلیمان ندوی	۲، ۵، ۸۲، ۸۵، ۱۶۴، ۱۶۵، ۲۱۵، ۲۴۲، ۲۴۵، ۲۶۰، ۲۶۶، ۳۲۲، ۳۴۳، ۳۸۵، ۴۰۲
۴	ڈاکٹر ایس این اے جعفری ایل ایل ڈی، بار ایٹ لا،	۲۷۱	۱۱	جناب ضامن حسین صاحب نقوی مصنف "فلسفۂ نفس"	۹۶
			۱۲	جناب محمد عبدالرزاق خانصاحب آل ال بی وکیل	۳۰
۵	پروفیسر تاثیر ایم اے کیمبرج،	۲۰۸، ۲۵۶	۱۳	مولنا عبدالسلام ندوی،	۲۷۷، ۲۴۲-۶۳، ۳۱۰، ۳۳۵، ۴۶۲
۶	نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمان خان شروانی،	۴۵۱	۱۴	جناب محمد عزیر صاحب ایم اے ال ال بی رفیق دار المصنفین،	۴۰۵-۴۸، ۵۳، ۵۵، ۱۳۴، ۱۳۷، ۱۴۰، ۱۴۲، ۲۲۵، ۲۲۷، ۲۸۵، ۲۸۸، ۲۹۱، ۲۹۴، ۳۷۰، ۳۷۳، ۳۷۷، ۴۵۹، ۴۶۶،
۷	جناب ذکی الدین صاحب ایم ایس سی، (علیگ)	۲۸۱			
۸	مولنا سید ریاست علی صاحب ندوی،	۶۶، ۶۹، ۱۴۹، ۱۵۴،	۱۵	جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز، نئی دہلی،	۱۷، ۱۱۶، ۱۶۴

شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
١٦	خان بہادر مولوی محمد حسین خانصاحب سابق ڈپٹی	٣٦٦	٦	ثاقب۔ مولوی سید ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری	٦١
	اکونٹنٹ جنرل گورنمنٹ آف انڈیا،		٧	جگر۔ جناب جگر مرادآبادی،	٢٣١، ٣٨٢
١٧	جناب محمد معین الدین دردائی متعلم بی اے،	٣٥١	٨	خیال۔ جناب مولوی محمد ریاض حسن خان	١٤٧
١٨	جناب سید منظور احمد صاحب ایم اے علیگ	٣٢٧		صاحب خیال رئیس رسولپور،	
١٩	مولنا سید ہاشم صاحب ندوی رکن دائرۃ المعارف	٤٦	٩	سعید۔ جناب محمد سعید صاحب ہوشیارپوری،	٤٧١
٢٠	جناب محمد یسین خانصاحب نیازی ایم اے	١٣٢	١٠	سہیل۔ جناب اقبال احمد صاحب سہیل	٤٧٢
	شعرا			ایم اے علیگ، اعظم گڈھ،	
١	اثر جناب عبدالسمیع پال صاحب اثر صہبائی	٣٨٢	١١	طاہر۔ جناب صفی الدولہ حسام الملک	٢٣١، ٣٨١
	وکیل سیالکوٹ،			شمس العلماء نواب علی حسن خانصاحب طاہر،	
٢	اسد، جناب اسد ملتانی بی اے،	١٤٦، ٤٧٠	١٢	عرفانی۔ جناب عرفانی، ایم اے،	١٤٨
٣	اظہر، جناب منشی اظہر الحق صاحب نعمانی ردولوی	٦٢	١٣	کیفی۔ جناب مولنا کیفی چریاکوٹی،	٣٨٣
٤	امجد حکیم الشعرا سید احمد حسین امجد حیدرآبادی،	١٤٨، ٤٧٠		ہندوستانی اکاڈیمی،	
٥	تپش، شیخ عبداللطیف صاحب تپش،	١٤٦، ٣٠٥	١٤	ماہر۔ مولوی منظور حسین صاحب ماہر حیدرآباد دکن	٣٠٤
	پروفیسر امرسن کالج ملتان،		١٥	منیر۔ جناب پروفیسر محمد اکبر منیر امرسن کالج ملتان	٥٩، ٣٠٣

فہرست مضامین

جلد ٣٤ جولائی سنہ ١٩٣٤ء تا دسمبر سنہ ١٩٣٤ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	عنوان مضامین	صفحہ
	شذرات	٢-٨٢-١٦٢-٢٤٢-٣٢٢- ٤٠٢

شمار	عنوانِ مضامین	صفحہ	شمار	عنوانِ مضامین	صفحہ
	مقالات		۲۱	کیا معیار الاشعار طوسی کی نہیں، ؟	۲۶۶
۱	ابن الہیثم اور علم مناظر۔	۲۸۱	۲۲	مسلمانوں کے چند مخصوص اوقاف،	۲۷۷
۲	اختر بہاری مرحوم	۳۵۱	۲۳	مغرب کی خوفناک غلطی اور اُسکا ازالہ،	۱۶، ۱۱۷، ۱۴۴
۳	اسلام اور تعین راہ کی کشمکش	۴۰۵	۲۴	مقر قلات، غلزی، اور قندھار	۵
۴	اسلامی قانونِ وراثت کی خصوصیات،	۳۰	۲۵	ملتان سے لکھنؤ،	۳۴۳
۵	اسلامی ہند کی تاریخ	۳۶۶، ۴۰۲	۲۶	مونس الاحرار فی دقائق الاشعار،	۴۵۱
۶	توضیح وتوجیہ،	۲۶۰	۲۷	نامۂ کیمبرج،	۲۰۸+۲۵۶
۷	حیات مابعد،	۹۶	۲۸	یوذاسف کون ہے؟	۳۷
۸	جان لاک کا فلسفہ	۴۲۷		**تلخیص وتبصرہ**	
۹	خواجہ حسن دہلوی،	۴۴۲	۱	امن کی ایک جدید تحریک	۲۹۱
۱۰	دہ فصل تبریزی،	۲۱۵	۲	ایران کا جدید ضابطہ وقانون	۳۷۰
۱۱	دیوان بیدل کے نسخہ بے بدل پر ایک استدراک	۱۳۲	۳	برص وجذام	۱۳۷
۱۲	علم الحیوانات پر ایک نئی توجہ،	۲۰۳	۴	ترکی کی وزارت تعلیم وحفظان صحت کی دہ سالہ خدمات	۲۲۰
۱۳	قانون شیخ کا پہلا مطبوعہ نسخہ،	۴۵۴	۵	تغیر پذیر جاپان،	۲۸۵
۱۴	قلعہ جدید وچمن،	۱۶۵	۶	دانش گاہِ ایران،	۲۱۸
۱۵	قندھار،	۸۵	۷	سائنس کی پیشین گوئیاں،	۱۴۰
۱۶	کتاب المعتبر لابی البرکات البغدادی،	۴۶	۸	عقلیت کا نقطۂ نظر	۴۸
۱۷	کمال الدین وحشی،	۱۸۸	۹	فریب ذہن،	۱۳۴
۱۸	کوئٹہ اور ملتان،	۲۴۵	۱۰	کائنات کی مقدار	۵۳
۱۹	کیا اردو زبان ہماری قومی زبان ہوسکتی ہے؟	۲۷۱	۱۱	کرۂ ارض کے علاوہ کسی اور سیارہ پر حیات کا امکان	۲۲۵
۲۰	کیا علم حدیث پر سلطنت کا اثر پڑا ہے؟	۳۳۵	۱۲	کیا سائنس نے ضرورت سے زیادہ ترقی کرلی ہے؟	۳۷۳

شمار	عنوان مضامین ،	صفحہ
۱۳	مکان وزمان کی سیر ،	۴۵۶
۱۴	منطق پر ایک قدیم عربی تصنیف ،	۲۸۸
۱۵	موصل اور بیان کا فرقۂ یزیدیہ	۴۶۲
	اخبار علمیہ	۵۵، ۱۴۲، ۲۲۷، ۲۹۳، ۳۷۷، ۴۶۴
	اوراق پارینہ	
۱	علامہ شبلی نعمانی کی دو غیر مطبوعہ تحریریں	۲۹۷
	ادبیات	
۱	بیان اظہر ،	۶۲
۲	تابش سہیل ،	۴۷۲
۳	تیری آنکھیں ،	۳۰۳
۴	جام صہبائی ،	۳۸۲
۵	جنون جاودان	۱۴۸
۶	حسن بیان	۳۰۵
۷	حشر جذبات	۶۱
۸	حقیقت مسلم ،	۴۷۱
۹	خون جگر ،	۲۳۱، ۳۸۲
۱۰	دریا اور ساحل ،	۵۹
۱۱	سائنس اور مذہب ،	۱۴۶
۱۲	سخن ماہر ،	۳۰۴

شمار	عنوان مضامین	صفحہ
۱۳	قطعۂ امجد ،	۱۴۸
۱۴	قطعۂ تاریخ زلزلۂ صوبۂ بہار ،	۱۴۷
۱۵	کلام امجد ،	۴۷۰
۱۶	کلام طاہر ،	۲۳۱، ۳۸۱
۱۷	مرقع شوق ،	۱۴۶
۱۸	مشرق ومغرب ،	۴۷۰
۱۹	مکالمۂ تدبیر وتقدیر ،	۳۸۳
	باب التقریظ والانتقاد	
۱	اردو کے نئے رسالے ،	۶۶
۲	اردو رسالون کے خاص نمبر ،	۱۴۹
۳	"تحفۂ سامی" ،	۳۸۵
۴	"حیات حافظ رحمت خان"	۳۰۶
۵	"کلیات حسن دہلوی"	۳۱۰
۶	"مرآۃ المثنوی"	۶۳
	مطبوعات جدیدہ	۷۹، ۱۵۴، ۲۳۳، ۳۱۳، ۳۹۳، ۴۷۳

جلد ۳۴ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۴ء عدد ۱

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۲ - ۴
مقر، قلات غلزی، اور قندھار،	〃	۵ - ۱۵
مغرب کی خوفناک غلطی اور اسکا ازالہ،	جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز، نئی دہلی،	۱۶ - ۲۹
اسلامی قانونِ وراثت کی خصوصیات،	جناب محمد عبدالرزاق خانصاحب بی اے ال ال بی وکیل و ایڈوکیٹ ناگپور	۳۰ - ۳۶
یوذاسف کون ہے ؟	جناب "ارسطو"	۳۷ - ۴۵
کتاب المعتبر لابی البرکات البغدادی،	مولنا سید ہاشم صاحب ندوی رکن دائرۃ المعارف،	۴۶ - ۴۷
عقلیت کا نقطۂ نظر،	"ع ز"	۴۸ - ۵۳
کائنات کی مقدار،	〃	۵۳ - ۵۴
اخبار علمیہ،	〃	۵۵ - ۵۸
دریا اور ساحل،	جناب پروفیسر محمد اکبر منیر ایم اے گورنمنٹ کالج ملتان،	۵۹ - ۶۱
حشرِ جذبات،	مولوی سید ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری،	۶۱
بیانِ اظہر،	جناب منشی اظہر الحق صاحب نعمانی، ردولوی،	۶۲
"مرآۃ المثنوی"	"ع"	۶۳ - ۶۵
اردو کے نئے رسالے،	"ر"	۶۶ - ۶۸
مطبوعات جدیدہ،	〃	۶۹ - ۸۰

68117-2

شذرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لوگ گرمیون مین پہاڑی مقامات کا رخ کرتے ہین، اور مین نے اس کے لئے اپنی خاکِ وطن (دیسنہ ضلع پٹنہ) کی دیہاتی و دہقانی زندگی پسند کی ہے، دو مہینون سے مین اپنے مرکز (دار المصنفین اعظم گڈھ) سے دور ہون، اس درمیان مین احباب کے خطوط مجھے دیر سے ملتے رہے، اور اسی نسبت سے جواب مین تاخیر و تعویق ہوتی رہی، اور اب بھی بہت سے دوستون کے خطوط کا مقروض ہون جس کے لئے اُن سے معافی کا خواستگار ہون، امید ہے کہ ۱۵ر جولائی تک مین اپنے مرکز مین پہنچ جاؤنگا، اور ان قرضخواہون کے تقاضون اور مطالبون سے نجات پانے کی جلد کوشش کرونگا،

* * *

اسی اثنا مین صوبہ بہار و اڑیسہ کے سرکاری عربی مدارس کی ترتیبِ نصاب کے سلسلہ مین رانچی کے سفر کا اتفاق ہوا، یہ سفر دخانی گھوڑے کی گاڑی (موٹر) پر طے ہوا، ہمارے وطن سے رانچی دو سو میل ہے، یہ دو سو میل ۸ گھنٹون مین طے ہوئے، رفیقِ سفر ہمارے ہمسایہ، ہم پیشہ، اور عزیز دوست مولنا مناظر احسن صاحب گیلانی تھے، راستہ ادبی، مذہبی اور صوفیانہ لطائف مین آتے جاتے بہت دلچسپی کیساتھ کٹا، رانچی جانے کا پہلے بھی اتفاق ہوا تھا جب مولنا ابولکلام صاحب آزاد رانچی مین نظر بند تھے، لیکن پٹنہ، رانچی کے نئے راستہ سے موٹر کے ذریعہ جانے کا پہلا اتفاق تھا، انتہائی جنوبی بہار اور چھوٹا ناگپور کے اس خطہ کے مشاہدہ نے تاریخِ قدیم کے بہت سے کہنہ اوراق، اور عجائباتِ فطرت کے متعدد دلچسپ صفحات نظر کے سامنے کردیئے

* * *

قصبہ بہار جسکی نسبت سے اس صوبہ مگدھ کا اسلامی نام بہار پڑگیا، بودھون کی حکومت و حکمت کا قدیم پایۂ تخت ہے، اسکے نام کا صحیح تلفظ "ویہار" ہے جس کے معنی بودھ درسگاہ اور خانقاہ کے ہین، اس تعلق سے پہلے اس قصبہ کا نام بھی

پورے صوبہ کا نام وہار (بہار) پڑگیا، بہار سے ایک سڑک تو پٹنہ کو جاتی ہے، جسکا قدیم نام پاٹلی پتر ہے اور دوسری گیا کو، یہ دونوں راستے بودھوں کے پرانے تاریخی آثار سے بھرے پڑے ہیں، بہار سے گیا کو جو سڑک جاتی ہے، اسمیں بہار کے بعد اس سے ۲۲ میل کی مسافت پر ایک قصبہ نوادہ آتا ہے، جس کی فارسی اصل (بقول رفیق سفر مولنا) نوآباد ہے، یہ مغلوں کے اخیر عہد طوائف الملوکی میں ایک حوصلہ مند امیر نواب کامگار خان کا دارالامارہ تھا، اس خاندان کے کچھ لوگ اب بھی زمیندار کی حیثیت سے اس کے آس پاس رہتے ہیں،

* * *

بہار سے آگے بڑھکر ایک سڑک تو نوادہ ہوکر گیا چلی جاتی ہے، اور دوسری راجگیر کو جاتی ہے، جو قدیم ہندو اور بودھ اور شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے چلہ گاہ ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کے توجہات کا مرکز بھی ہے، اسی قصبہ بہار اور راجگیر کے بیچ میں مشہور بودھ درسگاہ نالندہ کے کھنڈر واقع ہیں، بہار اور نوادہ کے درمیان نوادہ سے دو میل پہلے پاواپوری نام جینیوں کی سب سے بڑی مذہبی پرستشگاہ ہے، یہ مقام جینی مت کے بانی کی جائے پیدائش ہے، یہاں ان کے مندروں کا سلسلہ دور تک قائم ہے، اور مارواڑیوں کی دولتمندی کا مظہر ہے،

* * *

نوادہ سے آگے نکلے تو وہ سڑک ملی جو شیر شاہ نے مغربی سرحد سے لیکر بنگال تک بنائی تھی، سنا ہے اس کے قریب اسکی بنائی ہوئی سرایوں، مسجدوں، اور دھرمسالوں کے مٹے مٹے نشان کہیں کہیں ملتے ہیں، پھر رجولی کا جنگل آیا، جو ہندوستان میں شیروں کے شکار کے لئے مشہور ہے، اس کے بعد ابرک کے پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوا، ٹھیک بارہ بجے دن کا وقت تھا آفتاب کی روشنی پورے عروج پر تھی، اور ساری زمین، میدان اور پہاڑی سلسلہ ابرک کی ضوفشانی سے جگمگا رہا تھا، اور آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا،

* * *

اس کے بعد کوڈرمہ کی نئی آبادی آئی، جہاں ریلوے اسٹیشن ہے، آج سے بیس سال پہلے جب یہ آبادی نہ تھا

ایک مسلمان صاحب دل حکیم بادشاہ میان صاحب نے اسکو اپنی سکونت کیلئے پسند کیا، حکیم صاحب ممدوح ایکطرف شیرون کا شکار اور دوسری طرف انسانی دلون کا شکار کیا کرتے ہین، چنانچہ ممدوح نے اپنے دونون شکار دکھائے، ایک بہت بڑے شیر کی کھال مع سر دکھائی جس سے بڑا شیر ہندوستان مین شاید ہی شکار ہوا ہو، اور ایک تعلیم یافتہ بنگالی نوجوان کو دکھایا جو صدق دل سے مسلمان ہوکر متقی مسلمان بنگیا ہے،

* * *

کوڈرمہ کے بعد ہزاری باغ آیا، اور اُس احاطہ کے سامنے سے گذر ہوا جہان صوبہ سرحد کا شیر خان عبدالغفار خان زندان کے کٹہرہ مین بند تھا، یہ قید خانہ آبادی سے دور ایک کھلے میدان مین واقع ہے، ہزاری باغ کی آبادی سے نکلے تو بارہ میل کا ایک اور جنگل شروع ہوا، یہ پورا علاقہ مع رانچی کے رام نگر کے راجہ کی ملکیت ہے، جنگل سے باہر ہوئے تو رانچی کی چڑھائی آئی،

* * *

رانچی ایک بلند کھلے میدان مین واقع ہے، شہر کی آبادی پچاس ہزار ہے، ایک چوتھائی مسلمان ہین، مولانا ابو الکلام آزاد کی نظربندی کی یادگار یہان ایک انجمن اسلامیہ اور اسکا مدرسہ قائم ہے، مدرسہ اور انجمن کی خاص عمارت ہے، شہر کے اندر سیر کے قابل کوئی چیز نہین، جا بجا حکومت کے صیغون کے دفاتر کی معمولی عمارتین ہین،

* * *

لیکن دو برس سے یہان ایک عجیب جائے عبرت وجود مین آئی ہے، شہر سے باہر سر علی امام کا وہ ناتمام قصر واقع ہے جس کے سر بفلک ستونون، منارون اور سقف کی زبان حال، انسانی آرزوؤن کی ناتمامی کی داستان سنا رہی ہے، اس عظیم الشان قصر کا دامن قسم قسم کے نادر درختون سے بھرا ہے، اور ہائے افسوس کہ اس عظیم الشان قصر و باغ کے ایک دور افتادہ گوشہ مین پھوس کے ایک چھپر کے نیچے اسکا اولوالعزم بانی دو گز مٹی کے فرش پر تنہا پڑا سو رہا ہے، زبان نے اس فرش خاک پر سونے والے کے لئے دعائے مغفرت مانگی، اور آنکھون نے آنسوون کے چند پھول تربت پر چڑھائے، اور دل نے کہا،

آئے تھے دنیا مین اس دن کے لئے

مقالات

مُقر، قلاتِ غلزی اور قندھار

منزلین ۳۱ر اکتوبر کی صبح کو غزنین سے آگے روانہ ہوئے، ہمارا مختصر قافلہ آج بھی دو موٹرون اور دو لاریون پر مشتمل تھا، غزنین کے بعد موٹر کی پہلی منزل مقر ہوتی ہے، اور دوسری قلات غلزی، مگر رفیقون کی جلدی کے باعث آج مُقر اور قلات کی دو منزلین ایک ساتھ طے کرنی ہین،

غزنین سے مُقر نوّے میل ہے، پہلے عموماً یہ راستہ سات منزلون مین ختم کیا جاتا تھا پہلی منزل قلعہ نانی، دوسری قرہ باغ، تیسری قلعہ غوجان، چوتھی قلعہ مکُر، پانچوین چشمہ سرہ، چھٹی قلعہ ترین[1] پھر قلات مگر موٹر کیلئے یہ سات منزلین چند گھنٹون کا راستہ ہے، چنانچہ ہم ۸ بجے صبح کو غزنین سے روانہ ہوے اور ۱۱ بجے دوپہر کو مُقر پہنچ گئے، راستہ بہت صاف اور ہموار تھا، جگہ جگہ گاؤن ملے، وادیون مین کھیتون کے بڑے بڑے تختے نظر آئے، جابجا چشمے بھی بہ رہے تھے،

مُقر یعنی پرانا بیہق بیہق ایک پرانے تاریخی شہر کا نام ہے جہان سے بڑے بڑے ائمۂ حدیث، مورخین اور اہل ادب انشا پیدا ہوئے ہین یاقوت نے معجم البلدان مین بیہق کے علاقہ کو ایک پورا ضلع قرار دیا ہے، اور جسکی جائے وقوع نیشاپور، قومس اور جوین کے بیچ مین بتائی ہے اور لکھا ہے کہ بیہق کی ابتدائی حد سے نیشاپور تک ساٹھ فرسنگ ہین (یعنی موجودہ ایکسو تیس میل) اس کا پرانا صدر مقام خسروگرد تھا، پھر سبزوار ہوگیا، اس کے اندر تین سو اکیس گاؤن تھے، اس کا فارسی تلفظ بیہہ ہے، مگر عربون نے اپنے قاعدہ سے اسکو بیہق بنادیا اور وہی مشہور ہوگیا، ابوبکر احمد بن حسین مشہور بہ امام بیہقی شافعی جن کی سنن بیہقی اور دلائل النبوۃ مشہور کتابین ہین بیہقی تھے

نوجوان افغانون کا دعویٰ ہے کہ پرانا بیہق یہی ہے، چنانچہ ہمارے فاضل افغان رفیق سفر سردار خان

---

[1] ترین پٹھانون کا ایک قبیلہ ہی

گویا نے بڑے وثوق کے ساتھ مجھے اسکا یقین دلایا، مقر کے قریب دو قبرون کے روضے دکھائی دیئے، فاضل مذکور نے بتایا کہ ان مین سے ایک ابو الفضل بیہقی کی قبر ہے، اور دوسری ابو نصر مشکانی کی، ابو الفضل بیہقی غزنوی خاندان کا مشہور مورخ ہے، ۴۷۰ھ مین وفات پائی ہے، ابو نصر مشکانی بھی اسی عہد کا ادیب و مورخ ہے جسکی تصنیف مقامات پچھلے مصنفین کا ماخذ ہے،

مُقُر مین داخلہ اور روانگی مُقُر ایک وسیع و خوش فضا میدان مین واقع ہے، آبادی بہت ہی معمولی ہے، افغانون کا ایک فوجی دستہ ایک افغان کرنل کی ماتحتی مین یہان رہتا ہے،

مقامی سرکاری افسرون کو ہم لوگون کے آنے کی اطلاع پہلے سے تھی، جیسے ہی موٹر آکر رُکے گارڈ آف آنر نے جو پہلے سے وہان کھڑا تھا، مہمانون کو اعزازی سلامی دی، دل نے کہا اسلامی مملکت مین آکر غیر ملکی مسلمان بھی بیگانہ نہین رہتا، اور اس اعزاز کا مستحق قرار پاتا ہے، جو اسکو اپنے وطن مین بھی میسر نہین، آزادی اور غلامی کے درمیان کتنا عظیم فرق ہے،

یہان کی سرکاری عمارت نہایت سلیقہ سے پختہ دو منزلہ بنائی گئی ہے، اوپر کی منزل مہمانون کے لئے ہے، متعدد کمرے ہین، جن مین خاصہ آرام دہ فرنیچر ہے، بیت الخلا جدید اصول (فلشنگ سسٹم) کے مطابق بنا تھا، عمارت بھی اینٹون کی معلوم ہوتی تھی، عمارت کے پاس ہی چھوٹی سی نہر جاری تھی، سامنے کچھ سرسبز و شاداب درختون کی قطار تھی،

تعجب آتا تھا کہ ایسا خوش فضا اور پر سکون مقام اور آبادی سے یون خالی ہو، اگر یہ مقام ہندوستان مین ہوتا تو بڑے بڑے امراء کی کوٹھیون سے معمور ہوتا، زمانہ کے انقلاب کی یہ کیسی عبرت انگیز تصویرین ہین، کہ کبھی ویرانہ پر رونق شہر اور کبھی پر رونق شہر ویرانہ بنجاتا ہے،

بالائی منزل پر جاکر ہم نے تھوڑی دیر آرام کیا، پہلے گرم دودھ کا ایک ایک پیالہ مہمانون کو پیش کیا گیا، پھر بے دودھ کی سبز چائے آئی، جسکا مزہ مجھے تو تازہ بنفشہ کے جوشاندہ سا معلوم ہوتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد میز پر کھانا چنا گیا، کھانے سے فارغ ہوکر ہم آگے بڑھنے کو تیار ہوگئے، چلتے وقت بھی فوجی دستہ نے اعزازی سلامی دی، ایک بجے موٹرون نے قلات کی سمت حرکت کی، راستہ صاف اور ہموار تھا،

قلات غلزئی قلات دو ہین، ایک قلاتِ بلوچ، اور دوسرا قلاتِ غلزئی، پہلا بلوچستان مین واقع ہے، جو آجکل

ہندوستان کے ماتحت ہے، اور دوسرا غزنین اور قندھار کے بیچ مین ہے، پہلے افغانستان کی سرحد بلوچستان تک تھی، اور قلات بلوچ کا امیر شاہ افغانستان کا ماتحت تھا، ۱۸۳۹ء مطابق ۱۲۵۵ھ مین شجاع الملک شاہ افغانستان کو دوبارہ تخت نشین کرنے کے لئے جو انگریزی فوج سندھ اور قندھار کے راستہ سے کابل گئی تھی، اس نے واپسی مین قلات بلوچ کے امیر محراب خان کو مہمانداری کے دھوکے سے قتل کر کے قلات بلوچ پر قبضہ کرلیا، مگر اس کے جوانمرد بیٹے نصیر خان نے بڑی بہادری سے انگریزی فوج کو شکست دی، غرض شاہ افغانستان کی امداد کا یہی بہانہ تھا جس نے قلات اور سندھ کو ہندوستان کا ماتحت بنا دیا، یہ تفصیل مین نے اس لئے کردی کہ حال کے ایک مشہور مصنف نے قلات بلوچ کے محراب خان کو قلات غلزی کا حاکم بنا دیا ہے،

قلات کی اصل مجھے قلعات معلوم ہوتی ہے، قلعہ کی جمع، کثرت استعمال سے قلات ہو گیا ہے،

مُقُر سے ایک بجے چل کر ۴ بجے شام کو قلات غلزی پہنچے، یہ غلزی اور توخی افغانون کی جائے سکونت ہے، مگر خود قلات کی آبادی بہت ہی مختصر ہے، یہان کا سرکاری مہمانخانہ کچی دیوارون کا ہے، گو وسیع ہے، مگر پرانا بنا ہوا ہے، ہمارے آنے کی اطلاع یہان پہلے سے تھی، لیکن اتفاق سے خانسامان موجود نہ تھا، تھوڑی دیر مین بیچارہ دوڑتا ہانپتا آیا اور مہمانخانہ کے دروازے کھولے، کمرے متعدد تھے، اور سامان بھی ستھرا تھا، ہر کمرہ مین پردہ دار مسہریان تھین اور مسہریون پر بستر اور کمبل لگے تھے، ہم سب مین سے ہر ایک نے ایک ایک مسہری پر قبضہ کیا،

مہمانخانہ کھلے میدان مین واقع ہے، آس پاس کوئی آبادی نہین، سامنے پہاڑی ہے، اس پر ایک قلعہ ہے جسمین افغانی فوج رہتی ہے، قلعہ سامنے سے معلوم ہوتا ہے، اس سے ذرا ہٹ کر قصبہ کی آبادی ہے، قلات غزنین سے بھی ایک ہزار فیٹ بلند ہے، اور کابل سے دو ہزار فیٹ اونچا، یہ چار بجے شام کا وقت تھا، مگر ہوا اتنی تیز چل رہی تھی، اور ٹھنڈک ایسی تھی کہ ۱۸ر اکتوبر کو عصر کی نماز کے لیے گرم پانی سے وضو کرنا پڑا،

مہمانخانہ سے باہر کھلے میدان مین جو مسطح زمین تھی، ریت کی بڑی کثرت نظر آئی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہان پانی کا بہاؤ ہے، اسکی دوسری دلیل یہ نظر آئی کہ مختلف رنگ کے پتھرون کے خوشنما اور چکنے ٹکڑے اور کنکریان بڑی کثرت سے ادھر اودھر پڑی نظر آتی تھین، چنانچہ چند چمکدار اور رنگین کنکریان یادگار کے طور پر ہم نے چن کر رکھ لین، اسی طرح سنہ ۱۹۲۵

کے سفرِ عرب مین پوٹ سوڈان کے ساحل پر بھی ہم کو ایسے ہی پتھر ملے تھے، تو ہم نے وہان سے بھی پتھر کے چند چھوٹے ٹکڑے یادگار کے طور پر رکھ لئے تھے،

مغرب کے بعد ہی یہان ٹھنڈک ایسی ہوگئی جو ہمارے یہان دسمبر اور جنوری کے مہینون مین ہوتی ہے، چنانچہ آتشدانون مین آگ جلائی گئی،

ایرانی اور افغانی فارسی یہان رفقاے سفر مین سے پروفیسر ہادی اور سرور خان گویا مین ایرانی اور افغانی فارسی کی باہمی فضیلت پر ایک دلچسپ گفتگو ہوئی، پروفیسر صاحب ایرانی فارسی کے مداح تھے، اور گویا اپنی مادری افغانی فارسی کے، دیر تک مباحثہ رہا۔ گویا کا دعویٰ تھا کہ فارسی اصل مین ہماری زبان ہے، ہم نے بخارا مین (سامانیون کے عہد مین) اس کو پیدا کیا، اور غزنین مین غزنوی شعرا کے ہاتھون اس کو نشو و نما بخشا، رودکی سے لیکر غضائری، عسجدی، اسدی، دقیقی، فردوسی، عنصری، سلمان اور سنائی وغیرہ ہمارے تھے، اور انھین کی سخنورانہ کوششون کا نام ادبیات فارسی ہے، پروفیسر صاحب متوسطین سعدی، حافظ اور متاخرین کے نام پیش کرتے تھے،

سرور خان گویا نے ایرانیون کی متکلمانہ زبان کا وہ خاکہ اڑایا، کہ ہم لوگ ہنستے ہنستے لوٹ گئے، انھون نے کہا ہم کو اگر آپ کا شکریہ ادا کرنا ہے تو صاف صاف شکریہ اور سپاس ادا کرینگے، ایرانیون کی طرح جھوٹی بناوٹ کے ساتھ بجانِ شما، اور بسرِ شما اور قربانت شوم نہین کہین گے، ایران اور افغانستان مین فارسی کا جو جدید لٹریچر پیدا ہوا ہے، اسکی نسبت کہا، کہ ہم نے ادبیات جدی اور سنجیدہ لٹریچر پیدا کیا ہے، اور انھون نے صرف تفریحی ادب، آخر مین لہجہ پر گفتگو آئی، ایرانی اس لفظ کو جس کے آخر مین الف نون ہو، واو نون پڑھتے ہین، مثلاً ہمان کو ہمون اور آن کو اون (نون کے اظہار کے ساتھ) سرور خان نے جل کر کہا۔ "آقا! درست است، دوکانِ شما . . . . است و زبانِ شما زبون" اس پر سب نے قہقہہ لگایا،

قلات کی رات رات زیادہ آچکی تھی، سب اپنے اپنے بسترون پر آرام کرنے گئے، ہوا بڑی تیزی سے رات بھر چلتی رہی، اگرچہ کھڑکیان شیشون کی تھین اور وہ بھی بند، اور کمرون مین آتشدان جل رہے تھے، اس لئے سردی نہین لگی، لیکن ساتھ کے افغانی سپاہیون کو شاباشی دینی چاہئے کہ وہ اس کڑاکے کی سردی، اور ہوا مین باہر چھولداریون مین بہت آرام سے میٹھی نیند سوتے رہے

قلات سے روانگی آج نومبر کی پہلی تاریخ ہے، صبح سویرے آنکھ کھلی، گرم پانی موجود تھا، وضو کرکے صبح کی نماز ادا کی، ساتھ کے رفیقون نے گرم پانی کی پیالیون کی مدد سے چہرے صاف کئے، تھوڑی دیر مین چاے آئی، ناشتہ کیا، چاے پی' اور آگے بڑھنے کے لئے تیار ہوئے،

روانگی کے وقت یہان بھی فوجی دستہ نے اعزازی سلام کیا، ۸ بجے کے قریب روانگی ہوئی،

قندھار کا راستہ سردی کا وہی عالم تھا، موٹے موٹے کپڑون مین لپٹے اور اوپر سے اوورکوٹ وغیرہ پہنکر موٹرون مین بیٹھے موٹر کی کھڑکیان گو بند تھین، مگر ہوا اور سردی کا اثر اس کے اندر تک سرایت کر رہا تھا،

افغانستان کے اس حصہ مین قلات تک اونچائی ہوتی چلی آئی ہے، قلات سے نکل کر نصف راستہ کے بعد سے اتار شروع ہو جاتا ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ سردی کم اور گرمی بڑھتی جاتی ہے، یہان تک کہ قندھار پہنچکر پنجاب کے شہرون کے قریب قریب کا موسم آجاتا ہے، ہندوستان مین اخیر جنوری مین جاڑون کے دنون مین دہلی سے بمبئی جائے تو اچھے خاصے گرم کپڑون مین لپٹے ہوے سوار ہو جائے، مگر بھوپال کے بعد سے سردی کا زور کم ہونا شروع ہوگا، منماڈ کے بعد سے کپڑے اترنے شروع ہو جائینگے، یہان تک کہ جب آپ بمبئی پہنچین گے تو بدن پر گرمی کے کپڑے اور ہاتھون مین پنکھے ہونگے، اسی طرح جیسے جیسے ہم قلات سے دور، اور قندھار سے نزدیک ہوتے جاتے تھے، جاڑون کے کپڑے اترتے جاتے تھے،

قلات سے قندھار تک کا راستہ اچھا نہین، عموماً راستہ گو ہموار ہے، تاہم کہین کہین چڑھائیان بھی آتی جاتی تھین، راستہ مین ایک بہت بڑا افغانی قلعہ سامنے سے گذرا، راہ مین چشمے بھی جابجا بہ رہے تھے، دیکھنے مین یہ علاقہ بھی سرسبز و شاداب معلوم ہوتا تھا، بڑی بڑی وادیان کھیتون سے آباد تھین،

اطراف خیبر فتنہ زا کیون ہین افغانستان کے پچھلے حوادث پر جب نظر کیجئے تو آپ کو یقین آجائیگا کہ خیبر کے اطراف ہی دراصل ان کے ہر فتنہ کی جڑ ہین، ان اطراف کے قبائل خواہ ہندوستان ہو یا افغانستان جہان موقع ہو وہ لوٹ مار کے لئے آمادہ رہتے ہین اور یہین سے بغاوتین اٹھتی ہین، کبھی آپ نے غزنین اور قندھار کے اطراف مین کسی بغاوت کا قصہ نہین سنا ہوگا، حالانکہ اگر لڑائی آپڑے تو اس مین ادھر کے پٹھان بھی کم نہین، دُرانی کے ہندوستانی حملون کے سپاہی یہی تھے، ہم نے پشاور

سے کابل تک اور کابل سے قندھار تک افغانستان کے جو علاقے دیکھے، اس سے یقین آگیا، کہ اس اختلافِ نتائج کی تہ مین ان دونون مختلف سمتون کی معاشی کیفیتون کا اختلاف ہے، خیبرستان تمامتر سنگستان اور پتھریلا ہے، زمین قابل زراعت بہت کم ہے، اس لئے اُدھر کے قبائل اپنے پیٹ کے لئے اس بات پر مجبور ہین کہ فتنے پیدا کرین، بغاوتین اٹھائین اور لوٹ مار کرکے پیٹ بھرین، برخلاف اس کے کابل سے قندھار تک کا علاقہ بہت سرسبز و شاداب ہے، اور لوگ کھیتی باڑی اور تجارت کرکے اپنی روزی پیدا کرتے اور مشغول رہتے ہین، اس لئے طبعاً امن پسند ہین،

قندھار کی منزلین

قلات سے قندھار تک پرانی منزلین حسب ذیل تھین،

۱۔ قلعہ قلات سے تیر انداز تک، جو ترنگ نام ایک ندی کے کنارہ آباد ہے، اور جہان سے درّانی قوم کا مسکن شروع ہوجاتا ہے

۲۔ قلعہ تیر انداز سے شہر صفا تک، اس شہر کو تیمور شاہ بن احمد شاہ ابدالی کے مدار المہام قاضی فیض اللہ خان نے آباد کیا تھا،

۳۔ شہر صفا سے کاریز علمدو تک، یہ ایک چشمہ ہے،

۴۔ کاریز علمدو سے شہر قندھار تک،

ان مین سے ہر منزل بارہ، تیرہ، چودہ اور بعض سولہ کوس کی مسافت پر آبادی کی مناسبت سے قائم کی گئی تھی، اب ان مین سے بعض منزلین باقی ہین، اور بعض بدل گئی ہین، مثلاً اب قلات سے پہلی منزل قلعہ جلدگ، دوسری تیر انداز، تیسری شہر صفا، چوتھی مانجھا، پانچوین مومند ہے، مگر تیز رفتار موٹرون نے اب ان منزلون کو منسوخ کردیا ہے، صرف پیدل اور جانورون پر سوار ہوکر چلنے والون کے حق مین ان منازل کا حکم باقی رہ گیا ہے، چنانچہ آپ دیکھین کہ راستہ کی خرابی کے باوجود قلات سے ۸ بجے چل کر ۱۲ بجے چار گھنٹون مین قندھار پہنچ گئے،

قندھار مین داخلہ

سوادِ شہر کے قریب پہنچنے کے ساتھ شہر کے کچھ گنبد اور مینارے دکھائی دینے لگے، اور معلوم ہونے لگا کہ ہم کسی آباد مشرقی شہر مین داخل ہو رہے ہین، یورپ مین جائیے تو پہلے اکثر مقامون پر آبادی کی دودکش چمنیان دکھائی دینگی، شہر سے پہلے ایک بڑا میدان جس کے ایک طرف بنگلہ نما کچھ فوجی عمارتین تھین نظر آیا، یہ میدان

بھی کسی فوجی غرض کے لئے معلوم ہوتا تھا، شاید ہوائی جہازات اور فوج کی چاند ماری کی جگہ ہو، اس کے بعد اصل شہر آیا، اللہ اللہ! یہ شہر تو افغانستان کے تمام گذشتہ شہرون سے بڑا، متمدن، پر رونق اور کاروباری ہے، کشادہ سڑکین، باترتیب دکانین، مسقف اور گنبد والی عمارتین، منارون اور گنبدون والی مسجدین،

پہلے موٹرین ایک بازار سے گذر کر ایک بڑے گنبد دار چوراہہ پر پہنچین، اس گنبد کے چارون طرف سڑکین اور ہر سڑک پر بازار تھا، اسکی کیفیت شہر حیدرآباد دکن کے چارمینار کی سمجھئے بجز اسکے کہ چارمینار کے اندر ہو کر راستے نہین جاتے، اور اس کے اندر ہو کر سب راستے جاتے ہین، پہلے موٹرون نے اس سڑک سے جانا چاہا جو سرکاری عمارتون کی طرف جاتی ہے، اور جسکا نام شاہ بازار ہے، غالبًا اسی لئے کہ وہ شاہی عمارتون کیطرف جاتی ہے، مگر معلوم ہوا کہ وہ سڑک مرمت کے لئے بند ہے، اس لئے دوسری سڑک سے ہو کر شہر کے باہر کی سڑک سے عمارتون کی پشت کی طرف سے ہم ارگ یعنی قلعۂ شاہی مین پہنچے، اور یہین ایک عالی شان اور وسیع عمارت کی دوسری منزل پر قیام ہوا،

قندھار کا ارگ قندھار کی شاہی قیام گاہ کی یہ عمارت تمام پچھلے شہرون کی عمارتون سے وسیع، بلند، خوشنما، باآسایش اور پر تکلف ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ دار الحکومت تھا، تو یہ ایوان شاہی تھا، شہر کا قلعہ جس مین یہ ارک واقع ہے بدستور کچی مٹی کا بنا ہوا ہے، مگر اس کا عرض اس قدر ہے کہ دو تین سوار اس پر چل سکتے ہین، جابجا گوشون پر برجیان بنی ہین، ایک دو جگہ نالیون مین بارش کے بہاؤ سے دیوارین کچھ کچھ کٹ گئی ہین، دیوارین اتنی صاف اور چکنی ہین کہ کسی مصالحہ کا دھوکا ہوتا ہے،

اسی ارگ کے اندر تمام سرکاری عمارتین ہین، اور سب کے آخر مین دو منزلہ عمارت ہے جو ہماری قیامگاہ ہے، اسی پر اس ارک کی عمارت کا خاتمہ ہوتا ہے، اس کے شمالی رخ پر بلند دیوارون کے اوپر دوسری منزل ہے، اس دوسری منزل کے شمالی رخ بڑے بڑے اونچے ستونون پر چھت ہے، اور اس کے اوپر افغانستان کا شاہی جھنڈا لہرا رہا ہے، یہ رخ اسی شاہ بازار کی طرف ہے جسکا نام پہلے آیا، ارک کی دیوار کے نیچے اس رخ پہلے ایک وسیع میدان ہے، جس کو اب باغ عمومی (پبلک گارڈن) بنایا جا رہا ہے، داہنے بائین دو باغ لگ رہے ہین، ان دونون

کے بیچ سے چوڑی سڑک نکل کر سیدھی شاہ بازار کی سڑک مین جا کر مل جاتی ہے، پھر دو سڑکین ارک کے پیچھے سے دونون باغون کے پیچھے سے ہلالی شکل مین نکل کر شاہ بازار کی سڑک مین ملائی گئی ہین، اور ان ہلالی سڑکون کے کنارے اودھر سے ایک قطار مین مسلسل ہم شکل دوکانین بنائی گئی ہین، جنمین بعض آباد ہین، بعض کی تعمیر ناکمل ہے،

ارک کے اندر ہماری قیامگاہ کے جنوب رخ گھرا ہوا ایک صحن ہے، جس مین چمن بندی ہے، بیچ مین فوارہ ہے، اور اس صحن کے دوسری طرف جنوب مین بالمقابل دوسری عمارت ہے، یعنی یہ صحن ان دونون کے بیچ مین ہے، اس صحن سے ہو کر باہر کا صدر دروازہ یا پھاٹک مغربی رخ کو واقع ہے، پھاٹک سے داخل ہون تو صحن مین آیئے، صحن کے شمالی اور جنوبی سمتون مین مذکورۂ بالا دو عمارتین ہین، ہماری قیامگاہ شمالی عمارت ہے، ادھر آپ کو زینہ ملیگا، زینہ پر چڑھیے تو ارک کی اس چھت پر آ گئے جہان ہم ٹھہرے ہین، اوپر نیچے اور مضبوط ستونون پر شمال کے رخ شاہ بازار اور باغ عمومی کی سمت کا کھلا منظر ہے، یہ گویا سائبان ہے، جو ہلالی صورت، یا نصف دائرہ کی شکل مین ہے، سائبان سے اندر داخل ہو جایئے، پہلے دو درجون کا وسیع ہال ملے گا، پہلے پہلا درجہ آئیگا یہ شاید دربار شاہی کے منتظرین کی جگہ ہوگی، بالفعل یہ اس عمارت کا ڈائننگ ہال (کھانے کا کمرہ) تھا، یہان کھانے کی میزین بچھی تھین، کمرہ کی پوری زمین مین ولایتی ساخت کا ایک قالین بچھا تھا، ہال کے دوسرے درجہ مین، جا بجا کوچ اور مختلف شکلون مین عمدہ میزون کے گرد صاف ستھری کرسیان بچھی تھین، اس ہال کے دونون مغربی و مشرقی رخ پر سونے کے متعدد کمرے تھے، ہر کمرہ سامان، فرنیچر اور یورپین ساخت کی لوہے کی کمانی دار اونچی مسہریون سے آراستہ تھا، زمین مین قالین بچھا تھا، مسہریون پر صاف اجلے پردے لٹک رہے تھے، مشرقی رخ جدھر خاص میرا کمرہ تھا، ایک اور مستطیل کمرہ تھا، جو ہر طرف پردون سے گھرا ہوا تھا، وہان ایک لمبی سبز بانات کی میز بچھی تھی، اور اس مین لکھنے پڑھنے کا سامان اور ٹیلیفون تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ خاص الخاص استعمال کے لیے ہے،

بڑے ہال کی دیوارون پر افغانستان اور قندھار کے مختلف سلاطین اور امرا کے فوٹو، دربارون کے عکس، اور جشنون کے مرقعے آویزان تھے، جنمین امان اللہ خان کے عہد کی تصویرین بھی تھین،

گندھار قندھار بھی دنیا کے پرانے شہرون مین ہے، ہندؤن کی پرانی کتابون مین اس کو گندھار کہا گیا ہے، اس نام کا شہر جنوبی ہند مین بھی ہے، قندھار غلزی پٹھانون کا خاص مرکز ہے، اور پشتو زبان بولنے والی قومون کی خاص آبادی ہے،

پٹھان اور راجپوت میرا ایک پرانا نظریہ جواب تک مزید دلائل کا تشنہ ہے، یہ ہے کہ ہندوستان کے راجپوت اور افغانستان کے پٹھان دونون ایک قوم ہین، ان میں سے جو ہندوستان آکر ہندؤن مین شامل ہوگیا، اس نے راجپوت نام پایا، اور جو ادھر رہ گئے اور بعد کو اسلام سے مشرف ہوے وہ پٹھان کہے گئے، یہان کے مختلف کوہستانی درون سے سلطان محمود اور سلطان شہاب الدین کے پرچمون کے نیچے جو حملہ آور ہندوستان آئے وہ ہندوستان کی تاریخ کا نیا واقعہ نہ تھا، بلکہ انھین پرانی پٹھانی مسلسل آمدون اور فوجی داخلون مین سے ایک داخلہ تھا جو ہمیشہ ہندوستان مین ہوتے رہتے تھے، لیکن چونکہ یہ حملہ آور اب بودھ دھرم کے نہ تھے، بلکہ مسلمان، اور ایک قومی و منظم حکومت کے ماتحت تھے، اس لئے قدیم سے آئے ہوے راجپوتون نے ان کو قدم قدم پر روکا،

مورخ مسعودی جس نے ۳۰۳ھ کے پس و پیش مین اطراف سندھ کا سفر کیا تھا وہ قندھار کے ذکر مین لکھتا ہے، والقندھار یعرف ببلاد الرھبوط (مروج ۳۷۲ جلد اول پیرس) یعنی قندھار رہبوط (؟) کے ملک کے نام سے معروف ہے، مین رہبوط کو رجپوت (راجپوت) سمجھتا ہون، اس نے غالبًا سندھ مین قندھار کے پٹھانون کا نام "رجپوت" سنا ہوگا،

قندھار سندھ کے خاتمہ پر ہے، دوسری طرف اگر پہاڑ حائل نہ ہون تو بنون (صوبۂ سرحد) اور قندھار مین بہت کم مسافت رہ جائے، اس کے بعد وادی سندھ اور دریائے سندھ سامنے آجاتے ہین، غالبًا یہی وجہ ہے کہ قندھار کے حکمرانون نے سندھ پر بارہا قبضہ کیا ہے،

موجودہ قندھار شہر قندھار گو پرانا شہر ہے، مگر ہماری دلّی کی طرح وسیع و فراخ وادی کے گوشون مین مختلف حکمرانون اور فاتحون کے عہد مین اپنی نئی نئی جگہ بدلتا رہا ہے، گویا یہ وہ گھر ہین، جو اپنی جگہ قائم بھی ہین، اور حرکت دوری بھی کر رہے ہین، سب سے اخیر زمانہ مین قدیم قندھار کی بربادی احمد شاہ درانی کے ہاتھون ہوئی، جس نے قندھار کے شہر اور قلعہ کو برباد کرکے نیا شہر آباد کیا، اور اب موجودہ قندھار درحقیقت یہی احمد شاہی قندھار ہے، احمد شاہ اور اس کے جانشینون کا دار الحکومت

رہا، اس زمانہ مین افغانستان کی حکومت مین بلوچستان سندھ صوبہ سرحد پنجاب کے کچھ اضلاع اور کشمیر داخل تھے، احمد شاہ نے ہندوستان پر جو فوج کشیان کین اور مرہٹون کے خلاف جو فاتحانہ جنگ کی، ان کا مرکز یہی شہر قندھار تھا،

موجودہ شہر قندھار کی تصویر آج بھی وہی ہے جو آج سے سو برس پیشتر تھی، تاریخ احمد شاہ درانی کا مصنف سنہ ۱۲۶۴ھ مین اس کا نقشہ یہ کھینچتا ہے،

« وگردِ شہر بادشاہ ممدوح قلعۂ پختہ، و جویہاے آبریز زیرِ ہر بازار دوکانہا جاری، وکنارِ جویہا سایۂ درختانِ توت، و بازارش چارسو، و درمیانش گنبدے بلند بنا ساختہ » (ص ۴۵)

ارک شاہی مین قیام

ارک مین پہنچکر کچھ دیر آرام کرکے مین نے اور بعض دوسرے صاحبون نے غسل سفر کیا، کہ اب ہندوستان کی صرف ایک آخری منزل باقی ہے، یہ تعجب کی بات ہے کہ اتنے بڑے شاہی محل مین بھی مکان کے دو ضروری کمرے (غسلخانہ و بیت الخلاء) اسکی حیثیت سے بہت ادنیٰ اور معمولی، بلکہ تکلیف دہ تھے، بات یہ ہے کہ قدیم تمدن مین غسلخانے رہنے کے مکانون سے الگ حمام کی صورت مین مستقل بنائے جاتے تھے، چنانچہ یہان بھی نیچے حمام الگ موجود تھا، جس مین ٹھنڈا اور گرم پانی الگ الگ اور نہانے کے دوسرے ضروری سامان موجود تھے، بعض صاحبون نے وہان جاکر غسل کیا، لیکن مین نے اسی ارک کے مختصر غسلخانہ مین حمام سے گرم پانی منگواکر غسل کیا، یہان کا موسم ملتان کے موسم کے قریب تھا، نہانے مین بھی لطف آیا، اور کپڑے بھی اب ہندوستان کے موسم والے پہنے،

پشتو تحریک

ہم لوگون کے پہنچنے کے بعد شہر کے کچھ ممتاز اصحاب ملنے آئے جن مین سے قابل ذکر دو صاحب ہین، وزارت خارجیہ افغانستان کے نمایندہ متعینہ قندھار، اور یہان کی انجمن ادبی کے ناظم اور پشتو رسالہ طلوع افغان کے اڈیٹر عبدالحئی خان، وزارت خارجیہ کے یہ نمایندہ پہلے ٹرکی کی افغان سفارت مین کسی عہدہ پر رہ چکے ہین، اور اب یہان متعین ہین، عبدالحئی خان ہندوستان مین شاید سندھ اور بندر کراچی مین کچھ دنون مقیم رہے ہین، اردو خاصی بولتے ہین، وہ اس تحریک کے کہ افغانون کی قومی زبان پشتو کو ترقی دیکر یہان کی تعلیمی و علمی و سرکاری زبان بنائی جائے، علمبردار ہین، انھون نے آنے کیساتھ ڈاکٹر اقبال سے اسی موضوع پر گفتگو شروع کی، ڈاکٹر صاحب نے جواب مین زبانون کی نشو و نما اور ترقی پر اصولی بحث فرمائی، اور اس بات پر

زور دیا کہ زبان ایک قوم کے مختلف افراد کی باہم پیوستگی کا سب سے ضروری اور موثر ذریعہ ہے، لیکن اگر اس تحریک سے قوم کے افراد مین اتحاد کے بجائے اختلاف رونما ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ پیوستگی کا پیغام ہونے کی جگہ نزاعات اور اختلافات کا ترانۂ جنگ ہے، جس سے افغان قوم کو موجودہ منزل مین بہت کچھ بچنا ہے،

میرا خیال ہے کہ آجکل تنگ قومیت اور غلط نیشنلزم کا جو بھوت قومون کے سرون پر سوار ہے اس کے اثر سے نوجوان افغانون کے دل و دماغ کا بھی متاثر ہونا ضروری ہے، فارسی گو ایکہزار سال سے اس ملک کی علمی و ادبی و سرکاری زبان ہے تاہم اس دیس کے عوام کی مادری زبان اب تک پشتو ہی ہے، اسلئے عجب نہین، کہ اس پشتو تحریک کو آئندہ مزید تقویت پہنچے، اور ایک دن وہ افغانی قوم کی سرکاری زبان کا درجہ حاصل کرلے،

گورنر قندھار اور دیگر عہدہ دار

ابھی ہم لوگ جنگجو افغانون کی "زبانی جنگ" مین مصروف تھے کہ قندھار کے گورنر اپنے کشوری (سول) اور لشکری (ملٹری) اسٹاف کیساتھ تشریف لے آئے، وہ ملیریا بخار مین مبتلا تھے، اور بخار کے اترنے کے بعد بھی اسکا ضعف باقی تھا، اور اسی لئے شہر سے کئی میل دور کسی فرحت افزا مقام مین تھے، مگر صرف ہم لوگون سے ملنے کی خاطر انھون نے علالت اور ضعف کے باوجود یہان آنے کی تکلیف گوارا کی، سردار موصوف نے ہم سب سے سلام و مصافحہ کے بعد اسٹاف کے ایک ایک عہدہ دار کا تعارف کرایا، یہان کے بلدیہ (میونسپلٹی) کے صدر بھی اسٹاف کے ساتھ تھے، دیر تک مختلف امور پر باتین ہوا کین، آخر چار بجے کے قریب ملنے والے میہمانون نے رخصت چاہی، ہم لوگ بھی ساتھ ہی قندھار کی سیر کے لئے اٹھے،

سردار موصوف نہایت متین سنجیدہ اور ملنسار معلوم ہوئے، یہ بھی موجودہ حکمران خاندان سے تعلق رکھتے ہین خیال آتا ہے کہ شاہ نادر خان مرحوم کے بھانجے ہین، ارک کے صدر دروازہ تک ہم لوگ ساتھ چلے، سردار موصوف قریبکے مقامات تک ہمراہ چلنا چاہتے تھے، مگر ان کے ضعف کے سبب سے ان کو رخصت کیا، اور وہ اپنی خوبصورت اور شاندار کار پر سوار ہو کر واپس گئے،

خرقہ شریف کی زیارتگاہ اور احمد شاہ درانی کا مقبرہ قریب تھا، اسلئے ہم لوگ پیدل روانہ ہوے، اور موٹرون کو مقبرہ کے دروازہ پر لیجانے کا حکم دیا گیا،

(باقی)

مغرب کی خوفناک غلطی اور اسکا ازالہ

از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز، نئی دھلی

یورپ نے مذہب کو تیاگ دیا، اور حقیقت یہ ہے کہ جو مذہب ان کے سامنے پیش کیا گیا تھا وہ تھا بھی اسی قابل کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس سے تبری و بیزاری کا اعلان کر دیا جائے، اس لئے کہ ایک ایسی قوم جس کی قوتِ بازو قلزم بادہ پرستی مین ساحل نا آشنا، اور جس کی ذہنی جولانگاہ فضاے سائنس مین حدود فراموش واقع ہوئی ہو، ایسے خدا کو لے کر کیا کرے جس کی "شاہنشاہیت مین مرفہ الحال انسان کے لئے کوئی جگہ نہ ہو" اور جس کی بارگاہ جبروت وسطوت سے ہر جویاے علم وحقیقت کے لئے فتواے موت صادر ہو جائے، دنیاے عمل مین اس مذہب کی تعلیم انھین آگے ہی نہین بڑھنے دیتی تھی، اس لئے وہ اسے کار بیکاران سمجھکر اس سے کنارہ کش نہو جاتے تو اور کیا کرتے؛ لیکن چونکہ یورپ کا ذہنی انقلاب نتیجہ ہوتا ہے کسی نہ کسی شدید ردِ عمل کا، اس لئے ان کی گاڑی جب کبھی کانٹا بدلتی ہے تو جادۂ اعتدال سے بہت دور جا پڑتی ہے، مذہب سے تبری اور علحدگی کے وقت بھی ان سے یہ خطرناک غلطی ہوئی کہ بجاے اس کے کہ وہ یہ دیکھتے کہ قصور اس مذہب کا ہے جس کے مخصوص معتقدات کارزارِ حیات مین ان کا ساتھ نہین دے سکتے، وہ نفس مذہب ہی سے بیزار ہوگئے، جسکا فطری نتیجہ یہ کہ ہر چند انھون نے مادیات مین ایسی ترقی کی کہ تاریخ عالم کے صفحات اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہین، اخلاقیات مین وہ ایسے پچھڑے کہ اسکی مثال بھی ڈھونڈے سے نہ ملیگی، اور چونکہ نظام کائنات کا دار و مدار ان دونون قوتون کے بروے کار لانے پر ہے، اور یہ قوتین ایک پرند کے دو بازوؤن کے مشابہ ہین، (جنھین اخلاقیات یا روحانیت بمنزلہ دائین بازو کے ہے) کہ ان مین سے اگر ایک بھی کمزور ہو جائے (چہ جائیکہ مفلوج) تو طائر فلک آشیان زمین گیر ہو کر رہ جائے، اور حسرتِ پرواز

زبان حال سے کہہ رہی ہو کہ

صبا شکستہ پرون کی دعائین لیتی جا جھکا دے اور ذرا شاخ آشیانے کی،

لہذا ان مطففین اور معتدین کے عدم توازن کی وجہ سے ان کا معاشرتی نظام کچھ ایسا بے طرح متزلزل ہوا ہے کہ اب سنبھالے نہین سنبھلتا،

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَا اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ (۴۷ : ۳)

یہ اس لئے کہ انھون نے اس چیز کی پیروی کی جس نے خدا کو ناخوش کر دیا اور انھون نے خدا کی رضا جوئی حاصل کرنے کو پسند نہ کیا، لہذا ان کے اعمال غارت ہو گئے،

یورپ نے تو یہ ٹھوکر کھائی تھی، لیکن افسوس آتا ہے ان روشنخیال مسلمان حضرات پر جن کے نزدیک یورپ کا ہر قول و فعل وحی ربانی سے بھی بڑھکر واجب العمل ہوتا ہے، ان کی دیکھا دیکھی انھون نے بھی بیباکی سے کہنا شروع کر دیا کہ "ہم تو کامل غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہین کہ مسلمانون کی نکبت و افلاس اور ذلت و مسکنت کا واحد سبب انکا مذہب ہے، جب تک یہ اس حدیث پارینہ کو خیرباد نہین کہتے دنیاے جدید مین ان کا کوئی قدم آگے نہین بڑھ سکتا" حالانکہ انکے کامل غور و خوض، اور مکمل ریسرچ کی حقیقت صرف اس قدر ہوتی ہے کہ گراموفون یورپ مین رکھا ہوتا ہے اور ریکارڈ یہان بجتا ہے،

ع کوئی چمن نہ ملا جس کو وہ بہار نہ دے

دیکھنا یہ ہے کہ

(۱) مذہب کو چھوڑ کر یورپ کی اخلاقی حالت کیا ہو گئی،

(۲) کیا مذہب (اسلام) مادی ترقی کا مانع ہے، ؟

(۳) اسلامی ترقی اور مذہبی ترقی مین کیا فرق ہے، ؟

مختلف زاویہ ہاے نگاہ سے تہذیب اور اخلاق کے مختلف معانی ہین، لیکن ہمارا مقصد تہذیب سے وہ

نصب العین حیات ہے، جس کے ماتحت کسی قوم کے مخصوص ترکیبی عناصر مثل تمدن و معاشرت، صنائع و حرف، سیاست مدن اور تدابیر منازل متشکل ہوتے ہین، اور اخلاق سے وہ عالمگیر مفہوم مراد ہے جو ملکات فاضلہ اور عادات جمیلہ کا تصور ذہن نشین کرانے کے لیے مستعمل ہوتا ہے،

ہمارے "نئے اخلاقیین" (جو تزکیۂ نفوس اور اصلاح قلوب کیلئے مذہبی اعمال و عقائد کی ضرورت نہین سمجھتے) انکا اس باب مین عروۃ الوثقیٰ یہی ہے کہ تہذیب اخلاق کے لئے سوسائٹی کے قوانین ہی کافی ہین، لیکن وہ اس حقیقت پر نظر نہین رکھتے کہ سوسائٹی کی نظر تو محض اعمال و افعال پر پڑ سکتی ہے جو سوسائٹی کے مشاہدات مین آجائین لیکن قلب انسانی جو حقیقی سرچشمہ ہے ان اعمال و افعال کا وہ سوسائٹی کی ظاہر بین نگاہون کی گرفت مین نہین آسکتا، اور حقیقت یہ ہے کہ اعضاء و جوارح کے اعمال نظام کائنات مین اس قدر بے اعتدالی پیدا نہین کرتے جتنے قلبی رجحانات اور ذہنی تغیرات،

مین اب سمجھا کہ دنیا کچھ نہین دنیا مرا دل ہے   بدل جانے سے اسکے رنگ ہر اک چیز کا بدلا

مذہب اپنے آپ کو علیم ما فی الصدور اور مقلب القلوب کی طرف سے پیش کرتا ہے، وہ اعمال و رسوم سے پہلے نیتون اور ارادون پر نظر رکھتا ہے، نیات فاسدہ کے عمل مین آنے سے پیشتر ان کے انسداد کی کوشش کرتا ہے، مذہب اور سوسائٹی کے قوانین اور تدابیر انسداد اعمال رذیلہ مین یہ ایک ایسا بین فرق ہے جو زیادہ وقت نظر کا محتاج نہین، وفیھا بصائر للناس،

علاوہ ازین اخلاق جمیلہ محض عادات رذیلہ سے اجتناب کا ہی نام نہین، بلکہ اس کے بعد اعمال حسنہ کا اکتساب بھی ضروری ہے، سوسائٹی کے مسلمات اپنی جگہ جس درجہ صحیح و موثر ہون تاہم زیادہ سے زیادہ انسداد افعال شنیعہ ہی اُن کے حیطہ امکان مین ہوگا، ملکات فاضلہ کی نشو و نما اور انھین بروے کار لانے کے لئے سوسائٹی کے پاس کونسا حربہ ہے، زیادہ سے زیادہ نام کی شہرت، اور ستایش خلق، سو جو عمارت ان بنیادون پر قائم ہوگی، اسکا استحکام معلوم،

مذہب صرف تقویٰ و پرہیزگاری کی تلقین ہی پر اکتفا نہین کرتا، بلکہ اس سے آگے عملوا الصلحت کی

لائفنگ شرط بھی عائد کرتا جاتا ہے، وہ اگر پہلے جذبات خبیثہ کی حدت کو اعتدال پر لانے کے لئے "شراب کافوری" تجویز کرتا ہے، تو اس کے بعد تقویت قلب (مومن) کے لئے "شربت زنجبیل" بھی اس کے نسخے مین موجود ہوتا ہے، اور مقصد ان تمام اعمال صالح کا شہرت نام نہین بلکہ ابتغاء مرضات اللہ قرار دیتا ہے، جو تمام فانی مقاصد سے ارفع و اعلیٰ ہے

سب سے بڑھ کر یہ کہ سوسائٹی نام ہے افراد کے مجموعہ کا، اور افراد کی طبائع کا یہ عالم کہ جب کوئی عادت راسخ ہو جائے تو بلا قصد و ارادہ خودبخود سرزد ہوتی رہتی ہے، اور آہستہ آہستہ اس کی برائی تک محسوس نہین ہوتی ایسی برائیان جب سوسائٹی کی اکثریت مین حلول کر جائین تو ان کے عیوب نگاہون مین کھٹکتے ہی نہین، بلکہ تدریجاً یہی چیز جب فیشن (روش مروجہ) مین داخل ہو جاتی ہے تو اس کے عیوب محاسن مین شمار ہونے لگ جاتے ہین؛ جب کسی برائی کی یہ حالت ہو جائے تو ظاہر ہے کہ اس کی اصلاح انہی افراد کے ہاتھون کیسے ممکن ہے، غور سے دیکھئے تو یورپ کی تہذیب کا آج یہی نقشہ ہے، جس چیز پر انگلی رکھئے، ہمارے اخلاقین اسے مغرب کا مخصوص تمدن کہکر بزعم خود اس کی تمام سیأت کو مبدل بہ حسنات کر دیتے ہین، حالانکہ اصولاً برائی جتنی عام ہوتی جائے اتنی ہی زیادہ خطرناک ہوتی جاتی ہے، چہ جائیکہ عام ہونے کی وجہ سے اسے حسنات کا لائسنس مل جائے، قرآن حکیم نے بعثت نبوی (صلعم) کے وقت تہذیب عالم کا جو نقشہ کھینچا ہے اس مین یہی نکتہ ہے کہ ظہر الفساد فی البر والبحر؛ یعنی خشکی و تری، تمام روئے ارض پر فساد ہی فساد رونما ہو چکا تھا، کوئی چیز اپنی اصلیت پر باقی نہ رہی تھی، اور سوسائٹی مین عیوب عام ہو چکے تھے، بھلا فرمائیے ایسے مین انسانی افراد ان افراد کے مجموعی دماغ اور ان دماغون کے وضع کردہ قوانین ان برائیون کا استیصال کیسے کر سکتے ہین، اس تو بہ تو اندھیرے[1] کے لئے ایک ایسی مشعل ہدایت کی ضرورت ہے جس کی کرنین سوسائٹی کے تاثرات کے رنگین فانوس سے چھنکر نہ نکلین بلکہ اس کا مجلہ تنویر دہ سراجاً منیراً ہو جو انسانی فضاؤن سے بلند و بالاتر ہو،

---

[1] سورۂ نور (۴۰ - ۳۹) ان کے اعمال ایک بحر ذخار مین گھٹا ٹوپ اندھیرے کی طرح ہین جہان موج پر موج متلاطم ہو اور ان کے اوپر بادل، تو بر تو ظلمات اور اندھیرا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اخلاقِ رذیلہ کی تفصیل یون تو بہت طویل ہے، لیکن ان مین کچھ اجزاے مشترکہ ایسے بھی ہین جنھین ہر تہذیب و معاشرت نے ام الخبائث، قرار دیا ہے، مثلاً شراب خواری، قمار بازی اور زناکاری، آئیے پہلے انھی تین عنوانون سے اس داستانِ رنگین پر سرسری نگاہ ڈالین اور اس تصویر کا نظارہ اپنی عینک سے نہین بلکہ خود اہلِ یورپ کی مہیا کردہ آنکھون سے کرین کیونکہ سب سے معتبر شہادت من اھلھا (سورۂ یوسف) ہوا کرتی ہے،

شراب خواری

خمخانۂ مغرب کے متوالے اکثر کہا کرتے ہین کہ صاحب یورپ مین

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو

وہان تو صرف ایک آدھ گھونٹ، اوقاتِ معینہ پر محض بطور ٹانک (مقویات[1]) استعمال کیجاتی ہے، لیکن ذرا سنئے کہ رندانِ بلانوش کا خود اس کے متعلق کیا بیان ہے،

ڈاکٹر الفرڈ سالسٹر، جو ایک مشہور ڈاکٹر، ماہر سائنس اور حکومت برطانیہ کی پارلیمنٹ کے ممبر ہین، ۱۴، مئی کو گلاسکو مین تقریر فرماتے ہوے بتاتے ہین کہ

> ”شراب، پارٹی (لیبر پارٹی) کے اکابر کو برباد کر رہی ہے، شراب پئے ہوئے لیبر ممبر پارلیمنٹ مین ہر رات دیکھے جاسکتے ہین، کچھ ممبر ایسے بھی دیکھنے مین آئے ہین جو اٹھ کر سگرٹ نوشی کے کمرے مین چلے جاتے ہین، اور وہان جاکر اتنی پیتے ہین کہ بدمست ہوجاتے ہین، وزراے سلطنت تک ایسی حالت مین پارلیمنٹ کے اندر آتے ہین کہ کھڑے بھی نہین رہ سکتے“

اس کے بعد ڈاکٹر موصوف نے پریس کے ایک بیان کے دوران مین فرمایا کہ

> ”مین نام بنام ایک ایک ممبر کو بتا سکتا ہون، بلکہ ایک بار تو مین خود ایک ممبر کو پکڑ کر موٹر تک لے گیا تھا“

---

[1] ہمارے مغربی ٹکسال کے مجددینِ ملت، اسی بات سے سند لیکر شراب کے بطور دوائی استعمال کرنے کے جواز کا فتوی صادر فرما دیتے ہین اور WINCARNESS (جسمین ایک تہائی شراب خالص کی آمیزش ہوتی ہو) تو آجکل بلا تامل پی لیجاتی ہے اور بڑے بڑے معتبر حلقون سے اس ام الامراض کے عین شفا ہونے کے سارٹیفکٹ عطا ہوتے رہتے ہین، ذالک رجس من عمل الشیطان

انھون نے یہ بھی فرمایا کہ

"مین نے اپنی اسپیچ مین لیبر ممبرون کا ذکر کیا، اس سے یہ مراد نہین کہ قصوروار صرف لیبر ممبر ہی ہین، ہم کو غرض اپنی پارٹی سے ہے، دوسری پارٹیون والے خود اپنے افعال کے ذمہ دار ہین"،

ان کا بیان ہے کہ

"جتنا خرچ دودھ، روٹی، کرایہ مکانات و دیگر اشیائے ضروری پر ہوتا ہے اس کے مجموعہ سے بھی زیادہ شراب پر ہوتا ہے"

اور ایک اور سرکاری بیان کے مطابق تو قریباً ۲ ارب - ۸۷ ۳/۴ کرور روپیہ سالانہ برطانوی قوم صرف شراب پر صرف کرتی ہے،

ملاحظہ فرمایا آپ نے، یہ جہلا کی جماعت کا ذکر نہین، عوام الناس کا تذکرہ نہین، بلکہ خیر سے ان ممتاز اشخاص کا ذکر ہے جو تہذیب وتمدن کے علمبردار، ساری قوم کے بہترین دماغون کا نچوڑ، اور حکومت کے اربابِ حل وعقد ہین کہ جنکی کثرتِ آرا سے قومی قسمتون کے فیصلے ہوتے ہین، اور جن کے وضع کردہ قوانین سوسائٹی کے قانون کہلاتے ہین،

اور پھر یہ پونے تین ارب روپیہ سالانہ کا خرچ بھی ملاحظہ فرمایا، ان حقیقتون کے سامنے تو مشرق کے افسانے بھی مات ہین، مشرقی شاعر کے شہپرِ تصور نے اتنی ہی بلند پروازی کی تو یہ کہ

پیون شراب اگر خم بھی دیکھ لون دوچار یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے،

اور اتنے ہی مین دیوالہ پٹ گیا کہ

صرف بہائے مے ہوئے آلات میکشی تھے یہ ہی دو حساب سو یون پاک ہو گئے

لیکن مغربی اعداد وشمار کے سامنے تو عمر خیام اور حضرت ریاض کی خمریات بھی پھیکی ہو گئین،

اور سنئے

لندن کے ایک معزز اہلِ قلم مسٹر ٹیلر کراف نے حال ہی مین ایک کتاب CLOVEN HOO کے نام سے شائع

کی ہے جس مین اہل لندن کی معاشرتی اور تمدنی زندگی کے اصل خط و خال نمایان کئے ہین، اسمین وہ رقمطراز ہین کہ

> "مے نوشی کی رسم اتنی قدیم ہے اور شعر و ادب نے اسے اس قدر رنگین بنا دیا ہے کہ انگریزی قوم مین یہ عیب کوئی عیب ہی نہین رہا، بلکہ لوگ اسے ہنر سمجھنے لگ گئے ہین، اور ایسا جوہر کہ بغیر اس کے گویا مردانگی مین فرق ہے"

دیکھ لیجئے، عیوب کے عام ہونے سے عیب ہنر بنگیا، ڈھونڈھئے اب اس سوسائٹی مین مصلحین کو، مے نوشی کی اس عمومیت سے ان کی معاشرتی زندگی پر جو جہنم زا اثر ہوا اسکا اندازہ مسز میور کے ان الفاظ سے لگ سکتا ہے، جو انھون نے کلکتہ روٹیرین کلب کے ہفتہ وار جلسہ مین اواخر مئی ۱۹۳۳ء مین کہے، ان کا بیان ہے کہ

> "واقعات طلاق کی بہت بڑی تعداد کی ذمہ داری شراب نوشی ہی پر ہے، خواہ وہ شراب نوشی افراط کی حد تک بھی نہ پہنچی ہو" (اسٹیٹسمین یکم جون)

ان اقتباسات پر ایک دفعہ اور نظر ڈالئے، دیکھئے کہ یورپ کی ساری

فضا کی گود مین میخانے تھرتھراتے ہوئے،

دکھائی دیتے ہین یا نہین، جس قوم کے عناصر حیات مین ام الخبائث اس درجہ سرایت کر چکی ہو اس کے اخلاقیات کے متعلق کچھ بھی کہنا تحصیل حاصل ہے،

قمار بازی قدامت پسند مشرق اپنے عیوب و جرائم مین بھی کوئی جدت پیدا نہین کر سکا، لیکن قربان جائے مغربی ترقی کے کہ اپنے عیوب مین اس قدر اختراعات سے کام لیا ہے کہ ان کی یکسانی تنوع سے بدل گئی ہے، پانسے اور گولیون سے جو جوا خلاف قانون اور خلاف تہذیب ہے، وہی جوا جب تاش کے پتون سے کھیلا جائے تو برج BRIDGE نام رکھا جائے اور مہذب سوسائٹی کا بہترین مشغلہ بنے، اس کے علاوہ کارینوال اور گھوڑ دوڑ، لاٹری اور ڈربی، اور پتہ نہین اور کیا کیا طریقے اس قدر مروج اور عام ہو چکے ہین کہ کھلے بندون، سورج کی شعاعون مین اور بجلی کی روشنی مین قمار بازی کا اندھیر مچ رہا ہے اور کوئی تہذیب، کوئی قانون اسے عیب قرار نہین دیتا،

مسٹر ٹیلر کرافٹ مذکور اپنی کتاب کے صفحہ ۳۴ پر رقمطراز ہین کہ

"انگریزون کا من حیث القوم جواری ہونا تو ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ میرے خیال مین اگر قماربازی کو معصیت قرار دیا جائے تو ہر انگریز اس مین اپنی توہین سمجھے اور اسے غصہ آجائے، تمام قومون مین ہم ہی ایسے ہین جنکے ہان بجز اتوار، گڈ فرائیڈے اور بڑے دن کے گھوڑدوڑ سال بھر برابر ہر روز ہوتی رہتی ہے، اور اس موقع پر جو بازیان لگتی ہین چاہے وہ کتنی ہی قیود و شرائط کے ساتھ کیون نہ ہون، ہر جگہ سے زیادہ کھل کر لگتی ہین، یہ مشغلہ ہماری قوم کے ہر طبقہ کا جزو زندگی بن گیا ہے . . . .

خاص شہر لندن مین کوئی ایک لاکھ افراد تو ضرور ایسے نکلین گے (علاوہ باضابطہ دلالون اور ان کے عملہ والون کے) جنکا ذریعۂ معاش ہی یہی ہے" (CLOVEN HOOF)

اسی طرح موجودہ صدر کلکتہ روٹیرین کلب کے جلسہ مین مسٹر وارن بولٹن نے کہا کہ

"کلکتہ مین جتنے لوگ مے نوشی سے تباہ ہو رہے ہین اس سے بھی بڑھکر گھوڑدوڑ کے جوئے سے برباد ہو رہے ہین ہین" (اسٹیٹسمین یکم جون)

فرمائیے اب سوسائٹی کا کونسا قانون اس کا سدباب کریگا،

زناکاری تہذیب حاضر کا یہ باب اس درجہ عریان اور شرمناک ہے کہ معارف کے صفحات کو ان کے ذکر سے ملوث کرنے کو جی ہی نہین چاہتا تھا، لیکن مشکل یہ کہ

بنتی نہین ہے ساغر و مینا کہے بغیر

معارف سے تو مین کسی عفوخواہی کی ضرورت نہین سمجھتا، کیونکہ

ہمہ عالم گواہ عصمت اوست

البتہ قارئین کرام کے ذوقِ سلیم سے ضرور معذرت طلب ہون کہ اس باب کے بعض ٹکڑون سے تو استفراغ ہونے کا احتمال ہے،

حقیقت یہ ہے کہ کثرت مے نوشی سے جذبات پر بہیمیت اس درجہ غالب آجاتی ہے کہ پھر خواہشات کی کامجوئی کے لئے جائز و ناجائز کی تمیز مشکل ہوجاتی ہے، اس پر بلحاظ تناسب عورتون کی آبادی کی اس قدر اکثریت، پھر آزادیٔ نسوان کی وجہ سے بیوی کی کفالت اس قدر گران کہ ایک بھلے آدمی کی متوسط آمدنی اس کی متحمل ہی نہین ہوسکتی، ان حالات کے ماتحت تدریجًا وہان نکاح کی رسم ہی اٹھتی چلی جارہی ہے، ادھر ضبطِ تولید کے آلات وادوات نے رہا سہا خدشہ بھی مٹادیا، نتائج ظاہر کہ

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہون رہزن کو

خاص شہر لندن مین، عام بے عصمتی سے قطع نظر کرکے، ان مخصوص کسبیون کی تعداد، بقول مسٹر ٹیلر کرافٹ مذکور، ۳۰ ہزار ہے جو باضابطہ لائسنس حاصل کرکے علانیہ اور خالصتًہ اس پیشے کو کررہی ہین، جن کے محبوب مشاغل علاوہ عصمت فروشی کے یہ ہین،

"نشیلی دواؤن کا استعمال، شرفا کو دھمکا کر ان سے روپیہ وصول کرنا، مخبری کرنا، ناجائز شراب کی تجارت پر کمیشن وصول کرنا، اور جیب کاٹ لینا، گویا بیسوا ہونا، اور جرائم پیشہ ہونا کچھ اس طرح لازم وملزوم ہوگیا ہے کہ ایک کو دوسرے سے الگ کرنا دشوار ہے" (CLOVEN HOOF)

علاوہ برین عیاشی کے غیر طبعی طریقے بے حد عام اور مروج ہورہے ہین، جو عورتین عورتون کی طرف میل رکھتی ہین ان کی تعداد مسٹر ٹیلر کرافٹ کے الفاظ مین "خطرناک حد سے زائد" ہے، اسی طرح صاحب موصوف نے اس حقیقت کا بھی انکشاف فرمایا ہے کہ

"یہ تو عرصہ سے معلوم تھا کہ لندن مین خاص انھی اغراض کے پورا کرنے کے لئے مستقل عمارتین موجود ہین، لیکن حال مین ایک مقدمہ کے دوران مین اسکا علم ساری پبلک کو ہوگیا" (صفحہ ۹۶ - ایضًا)

اس کے بعد مصنف موصوف نے عیاشی کے ایسے مکروہ اور گھناؤنے طریقون کا ذکر کیا ہے جنکا تصور بھی ذوق سلیم برداشت نہین کرسکتا، صنف نازک کا جذبات پرستی کے لئے انسانون سے گذر کر جانورون تک پہنچنا فحش کاری

کا ایسا واقعہ ہے کہ صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ اولئک کالانعام بل ہم اضل

خواہشات کا یہ باب صنف نسوان تک ہی بند نہین ہو جاتا بلکہ مردانہ بیحیائی کی تصویرین بھی (جو شہر سدوم کی داستان پارینہ سمجھی جاتی ہین) وہان متحرک نظر آتی ہین، چنانچہ اس کے لئے بھی متعدد کلب اور سوسائٹیان موجود ہین جن کے سرپرست

"اسکولون کے ماسٹر، گرجون کے پادری اور اسکاؤٹ ماسٹر حضرات ہین" (منٹ - ایضاً)

ان تمام تفصیلات سے مقصد یہ نہین کہ کسی خاص فرقہ، قوم یا ملک کے اخلاقیات کی تصویر کا سیاہ رخ نمایان کر کے ان کے خلاف نفرت کے جذبات ابھار دیئے جائین، بلکہ مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ جب جذبات سفلی کے حدود و قیود توڑ کر انھین آزادانہ چھوڑ دیا جائے تو پھر "سیلاب نہ پرسد کہ در خانہ کدام است"۔ جذبات بہیمیہ کو ضرور کسی نہ کسی قاعدے اور ضابطے کے ماتحت رکھنا پڑیگا، اور وہ قواعد انسانی دماغ یا تاریخی تجارب کا نتیجہ نہ ہونگے بلکہ اس ہستی مطلق کے مرتب فرمودہ ضوابط ہونگے، جو انسانی سرشت اور اس کے بہاؤ سے خوب واقف ہو،

یہ بھی نہین کہ یہ اخلاق رزیلہ سوسائٹی کے کسی ذلیل طبقہ سے ہی متعلق ہین بلکہ حالت یہ ہے کہ جب فواحش کاری اس حد تک عام ہو جائے، جب زندگی کا مفہوم ہی جذبات پرستی قرار دے دیا جائے، تو آہستہ آہستہ سوسائٹی سے فحش کاری کی برائیون کا احساس اٹھتا چلا جاتا ہے، امریکہ مین بچون کے اخلاق کی نگرانی کی خاطر ایک انجمن قائم ہے، اس نے عدالت مین دعویٰ دائر کیا کہ فلان مرد و عورت بلا نکاح رہ رہے ہین اور اس کا اثر ان کے چہار سالہ بچے کے اخلاق پر پڑتا ہے، عدالت نے فیصلہ صادر فرمایا کہ نہین، اس سے بداخلاقی کا کیا خطرہ، وہ تو جب تھا کہ مرد و عورت کسی فضیحتے سے رہتے، چنانچہ قانونی نقطۂ خیال سے بھی محض زنا کوئی جرم نہین تاوقتیکہ اس کا شمار ان امور مین نہ ہو، جو تکلیف، (پبلک نیوسنس) کا باعث ہوتے ہین، اسی طرح محض "تفنن طبع" کے لئے کسی غیر مرد سے آشنائی پیدا کر لینا بھی وہان کوئی جرم نہین، کیمبرج کے ایک دکاندار کی بیوی نے ایک مقامی ڈاکٹر سے راہ و رسم پیدا کر لی، دکاندار نے ڈاکٹر صاحب کے خلاف دعویٰ دائر کر دیا اور عدالت عالیہ کے جج مسٹر میکارڈی نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ بیوی شوہر کی غلام نہین ہے،

اسے بھی اپنی پسند کے مطابق مردون سے دوستی پیدا کرنے کا حق حاصل ہے،

جب خانگی زندگی کی یہ حالت ہوجائے تو عصمت فروش طبقہ کی آزادی کا خود قیاس فرمالیجئے، ابھی کچھ دن ہوئے یہ خبر گشت کر رہی تھی کہ بمبئی کارپوریشن زنانِ بازاری کو شہر سے نکال دینے کی تجویز پر غور کر رہی تھی لیکن حکومت بمبئی نے جواب دیا کہ یورپ کے بڑے بڑے متمدن شہرون نے بھی ایک عصمت فروش طبقہ کی ضرورت محسوس کرلی ہے اور وہان بازارِ حسن شہر کے اندر ہی ہوتا ہے، لہذا اگر بمبئی مین انھین شہر بدر کردیا گیا تو یہ فعل جدید تمدن کے خلاف رجعت پسندی کے برابر ہوگا

جب شہرون کی مہذب آبادی کی یہ حالت ہے کہ زناکاری بھی ضروریاتِ معاشرت مین سے تسلیم کیگئی ہے، تو فوجی زندگی جو اپنے سپاہیانہ پن کے لئے پہلے ہی بدنام ہے، اس کا کیا حال ہوگا، مشتے نمونہ از خروارے سن لیجئے، کہ فرانسیسی فوج کا جو حصہ "فرنچ فارن لیجن" کے نام سے نامزد اور اپنے ضبط ونسق کی سختیون کے اعتبار سے ضرب المثل ہے، اس کی جو پلٹنین فاس مین متعین ہین، ان مین ایک انگریز ٹامس جے میک ہنری نامی پانچ سال تک ملازم رہا ہے، اس نے اپنے مشاہدات حال ہی مین شائع کئے ہین، جنمین وہ لکھتا ہے کہ

> "یہ بات بہت کم لوگون کو معلوم ہوگی کہ ہم لیجن والون کو ایک خاص پیشہ کی عورتون کی کوئی کمی نہین، چنانچہ فاس (مراکش) مین ایک پورا محلہ ان سے آباد ہے جنمین کوئی تین ہزار عورتین ہونگی، اور ہر نمونہ اور ہر قوم کی، اور چھوٹی سے چھوٹی چوکی پر بھی دو تین ایسی عورتین ضرور رہتی ہین،" (ڈنال ایڈورٹائزر - ۱۰ جون)

جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پبلک ہیلتھ کمشنر کی سالانہ رپورٹ کے مطابق ۲۶ء مین مرض آتشک مین مبتلا ہوکر اسپتال مین داخل ہونے والے دیسی سپاہیون کی اوسط فی ہزار ۷ر۱۵ اور گورون کی ۱ر۶۲ تھی، (ماڈرن ریویو نومبر ۳۲ء)

ثمرات تمدن

یہ تو تھا مختصر سا تذکرہ ان تین عنوانون کے تحت جنھین خالصۃً اخلاق سے تعلق ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اخلاقی حالت کے علاوہ مادی ترقی کی برکات کا ان کی عام معاشرتی زندگی، اور زندگی کے سکون اور امن پر کیا اثر ہوا اگر یہ درست ہے کہ درخت اپنے پھل ہی سے پہچانا جاتا ہے، تو مذہب کو تیاگ کر جو مادی ترقی حاصل کیگئی ہے، اس کے نتائج سے اس کے حسن وقبح کا صحیح صحیح اندازہ ہوسکیگا، سب سے پہلے یہ متعین کرلینا چاہئے کہ انفرادی واجتماعی، ملکی وملی تگ ودو

حیات اور جدو جہد زندگی سے مقصد کیا ہے؟ مادی ترقیات کا، خدا کی زمین پر بسنے والون پر جو احسانِ عظیم ہے، وہ کن عنوان مین احسان ہوگا؟ ہمدردانِ بنی نوع انسان یعنی مفکرینِ امم اور مصلحینِ ملل نے اپنے پیہم تدبر و تفکر سے جو حیرت انگیز انکشافات کئے ہین، دنیا مین رہنے والون پر ان کا کیا اثر ہونا چاہئے، ظاہر ہے کہ ان تمام سوالات کا ایک ہی جواب اور ان تمام خوابون کی ایک ہی تعبیر ہو سکتی ہے، یعنی یہ کہ انسان کا جو قدم اس دنیا مین اٹھے وہ اس غرض سے اٹھے کہ اس سے بنی نوع انسان کے سکونِ قلب اور جمعیت خاطر مین کچھ اضافہ ہو، دماغ سوچین تو اس لئے کہ مصائب و آلام ارضی و سماوی کا حل کیا ہے، اور ہاتھ اٹھین تو اس غرض سے کہ وہ اس سیلاب بلا کو روکین جو نوع انسانی کے امن و مسرت کو تہ و بالا کرنے کے لیے امڈتے چلے آرہے ہون، ترقیون کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ اس جہان عناصر سے خوشیون کے چشمے ابلنے لگین، مسرتون کے دریا بہہ رہے ہون، سکونِ قلب کی بارشین ہون، طرب و سرور کی ہوائین چلین، سائنس کی کرشمہ زائیان اگر بجلی کے شرارے پیدا کرین تو ظلم و فساد کے خرمن کے جلانے کے لیے اور مشینین اگر آلات حرب جدید اصولون پر تیار کرین تو جور و استبداد کے انسداد کی خاطر، غرضیکہ ذہنی و دماغی قوتین بڑھین تو امن و سکون کی فضا پیدا کرنے کے لئے نہ کہ اس جنت ارضی کو جہنم زار بنانے کی خاطر،

تو کیا موجودہ تمدن نے یہی نتائج پیدا کئے ہین، افسوس کہ واقعات اس کا جواب نفی مین دے رہے ہین،

امریکہ جو آج تہذیب حاضرہ کا علمبردار اور مادی ترقیون مین دنیا کا امام ہے اس کی امن پسندی کی کیفیت یہ ہے کہ

> "۱۹۳۱ء مین ایک سال کے اندر ۱۲ ہزار قتل ہوئے، ۳۵ ہزار انسان موٹرون وغیرہ کے حوادث سے ہلاک ہوئے اور ۲۰ ہزار انسانون نے خودکشی کی" (ماڈرن ریویو - دسمبر ۱۹۳۲ء)

جرمنی علم و فضل مین آج اپنی نظیر نہین رکھتا لیکن وہان بھی،

> "۱۹۱۳ء مین خودکشی کرنے والون کی سالانہ تعداد ۱۴۷۷۳ تھی، اور یہ تعداد ۳۲-۱۹۳۱ء مین ۲۱۰۰۰ تک پہنچ گئی" (ریوٹر - ڈیلی اکسپرس لندن - ۲۲ مئی ۱۹۳۳ء)

یعنی جس قدر تہذیب مین ترقی ہوتی چلی جا رہی ہے انسان اپنی زندگی سے تنگ آتا جا رہا ہے، جنون خودکشی

کے بعد اب جرائم کا نقشہ ملاحظہ فرمائیے،

سر ارنسٹ وریلڈ نے برطانیہ کے عدالتی اجلاس کے افتتاح کے موقعہ پر ستمبر ۳۲؁ء مین فرمایا کہ

"چوری، نقب زنی، رہزنی اور تشدد کی وارداتین عموماً بڑھتی جارہی ہین، اور اس مین شک نہین کہ انگلستان مین آج قانون شکنی اس سے زائد ہے جو دو تین سال قبل تھی"!

اسی طرح امریکہ مین ۲۷؁ء سے ۳۱؁ء تک کی تعداد جوڑنے سے معلوم ہوا کہ اس پانچ سال کے عرصہ مین ۵۱۲۰۶ قتل کے واقعات پیش آئے ہین، اور قتل عمد ملک مین ایک فن لطیف کی حیثیت حاصل کرتا جاتا ہے" (نیوز آف ورلڈ ۱۲ اپریل ۳۳؁ء)

مادی ترقی کا تعلق اخلاقی اصلاح سے نہ سہی جسمانی صحت اور دماغی قوائے مین تو کچھ اصلاح ہونی چاہئے تھی؛ لیکن وہان تو

زبان بیچارہ می سازی نہ با ما ساختی

کا مضمون ہے چنانچہ

"صوبہ متحدہ کے انگریزی علاقہ مین فی لاکھ ۲۳ اشخاص دیوانے نکلے اور دیوانون کی یہ تعداد گذشتہ مردم شماری سے بہت زائد ہے، لیکن اس پر بھی برطانیہ مین دیوانون کی تعداد مین جس سرعت سے اضافہ ہو رہا ہے، اس سے یہ کہین کم ہے، ۱۹۱۱؁ء کی مردم شماری مین وہان فی لاکھ ۵۵۰ اشخاص دیوانے تھے، اور دیگر یورپی ممالک مین شرح دیوانگی اس سے بھی زائد ہے" (لیڈر ۱۵ر اپریل ۳۱؁ء بحوالہ رپورٹ مردم شماری)

اب اس دیوانگی کا باعث بھی ایک معتبر انگریز مسٹر ٹرنر کی زبانی سن لیجئے جو صوبہ متحدہ کی مردم شماری کے مرتب ہین، وہ فرماتے ہین کہ

"یورپی ممالک کے مقابلہ مین اس صوبہ مین دیوانگی کی کمی کا بڑا سبب وہ پرسکون زندگی ہے جو عموماً یہان کے باشندون کو حاصل ہے . . . . . . یہ مشہور و مسلم ہے کہ تمدن کی وسعت کے ساتھ ساتھ دیوانگی بھی بڑھتی رہتی ہے کہ اعصاب پر تمدنی حالات سے طرح طرح کا زور پڑتا ہے" (ایضاً)

یقیناً۔ اور اس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ کسی شہر مین جا کر دیکھ لیجئے کہ اشیاے خوردنی و دیگر ضروریاتِ زندگی کی دکانین اتنی نہ ہونگی جتنی ڈاکٹرون اور دوافروشون کی، اب ذرا حوادثِ اتفاقی کا اندازہ فرمائیے،

سر لیو جیوزافی برطانیہ کے ایک نامور مدبر، ویکلی ٹیلیگراف مین رقمطراز ہین کہ

"جس چیز کا نام ہم نے حوادثِ اتفاقی رکھ لیا ہے اس کے ذریعہ سے ہر سال ملک مین ۲۰ ہزار نفوس سڑکون پر ہلاک ہوتے رہتے ہین، اور کم از کم ۶ لاکھ کی تعداد مین زخمی، یہ ہولناک اتلاف جان و اعضا کھلا ہوا نتیجہ ہے سائنس اور انجینیری کی ترقی کا جس پر ہم نے ہر چیز کو قربان کر دینے کا تہیہ کر رکھا ہے، فرض کر لیجئے کہ کسی غنیم سے ہمین جنگ در پیش ہو اور اس مین ہر سال "بیس یا بائیس" ہزار آدمی کٹنے اور ۷-۶ لاکھ زخمی ہونے لگین تو ملک مین کیسی ہلچل مچ جائے" (آبزرور ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء)

ممکن ہے یہان یہ اعتراض کر دیا جائے کہ جانون کو بچانے کی ہی اگر فکر ہے تو پھر تو ترقی ہو چکی، پھر تو جین مت والون کی طرح منہ پر کپڑا باندھ کر ننگے پاؤن پھرتے رہنا چاہئے کہ کہین جیو ہتیا نہ ہو جائے، لیکن یہ اعتراض غلط فہمی پر مبنی ہے، جس چیز کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہین وہ یہ ہے کہ ترقی کی دھن اور "مشینون کی دنیا" مین مہذب انسان اس درجہ لاپروا ہو رہا ہے کہ اسے انسانی زندگی کی قیمت کا اندازہ ہی نہین رہا، وہ اگر پروا کرتا ہے تو اپنے آرٹ اور سائنس کی خواہ اس تزئین و تحسین مین انسانی خون کی سرخی کی آمیزش ہی کیون نہ ہو، پچھلے دنون شملہ مین ڈاکٹر رشید الدین خان (سابق رامداس خان) ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ نے اپنے ایک لکچر کے دوران مین کیا صحیح فرمایا کہ چند سال پیشتر انگلستان مین یہ سوال اربابِ فکر و نظر کے سامنے پیش کیا گیا کہ "فرض کرو کہ ایک کمرہ مین ایک انسانی بچہ اور ایک یونانی سنگ تراش کا ایک نادر روزگار مجسمہ رکھا ہے، کمرہ مین آگ لگ گئی ہے اور ان دو چیزون مین سے صرف ایک ہی چیز بچائی جا سکتی ہے تو آپ کے خیال مین کس چیز کا بچانا ضروری ہے؟" اس کے جواب مین بڑے بڑے مقتدر دانایانِ فرنگ کی اکثریت اسی طرف تھی کہ اس مجسمہ کو ضرور بچا لینا چاہئے، کیونکہ بچے کا کیا ہے، وہ تو ہر روز پیدا ہوتے رہتے ہین: ہمارا مقصد اس ترقی کے خلاف لب کشائی کرنا نہین بلکہ محض اُسی ذہنیت کو منظرِ عام پر لانا ہے،

(باقی)

اسلامی قانون وراثت کی خصوصیات

از

جناب محمد عبدالرزاق خان صاحب بی اے ال ال بی، وکیل ہائی کورٹ ناگپور،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "قوانینِ وراثت کو معلوم کرو اور انھین دوسرون کو بتاؤ کیونکہ وہ مفید علم کا نصف حصہ ہین" (سراجیہ)

موجودہ زمانہ مین جبکہ سخت پیچیدہ معاشرتی و تمدنی مسائل پیدا ہوگئے ہین اور دنیا تقسیم دولت کے مختلف اصول کی بناپر دو مخالف و متضاد حصون مین تقسیم ہوگئی ہے، یعنی ایک جانب سرمایہ داری ہے اور دوسری طرف اشتراکیت تو اس وقت مختلف مروجہ قوانینِ وراثت کا مطالعہ دلچسپی نیز فائدہ سے خالی نہین ہوسکتا،

ہم دیکھتے ہین کہ عہدِ حاضر مین مجلسِ انسانی کا نظام تمدن زیادہ تر سرمایہ داری پر مقرر ہے، جس کی وجہ سے نہایت ضروری اور خطرناک مسائل پیدا ہوگئے ہین، صرف یہی نہین کہ ہر قوم کی اندرونی حالت مین ایک اضطراب کارفرما نظر آرہا ہے، بلکہ تمام بین الاقوامی حالت بھی نہایت خطرناک طور پر مضطرب و مشتعل معلوم ہوتی ہے، اور ایک عالمگیر تزلزل و تباہی کا اندیشہ ہے، اس تمام خرابی کا سبب صرف دولت ہی کی نہایت غیر مساوی تقسیم ہے، ہم دیکھتے ہین کہ نظامِ سرمایہ داری مین قومی دولت کا غالب حصہ صرف چند افراد کے خزانون مین جمع ہے اور اشتراکی نظام مین ذاتی مال و جائداد کا دستور ہی ممنوع ہے، اور سرمایہ داری منسوخ اور سود ممتنع قرار دیا گیا ہی، درحقیقت موجودہ زمانہ مین ہر چیز کی بہتات کے باوجود قحط کا ایک بے مثل منظر پیش نظر ہے، گویا فصلِ بہار مین خزان کا دور دورہ ہے، کروڑون فاقہ کش بیکار آدمی خلافِ وقت پیدا ہوگئے ہین، اور کساد بازاری کی وجہ سے عمدہ خوراک زمین مین دفن کیجارہی ہے، یعنی عصرِ حاضر مین جبکہ دنیا بیکاری و فاقہ کشی کی مصیبت مین مبتلا ہے، سرمایہ دار اپنی دولت مین

اضافہ کرنے کی غرض سے اس کو محفوظ کر رہے ہین،

اس وقت ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ قارئین کرام کو اسلامی قوانین ملکیت و وراثت کی ایک جھلک دکھائین، اسلام مین ذاتی جائداد رکھنے کی اجازت ہے اور اس کو اچھی طرح محفوظ کیا گیا ہے، تمام جائداد ایک امانت الٰہی (TR USTFROM GOD) متصور ہوتی ہے، اور مقدس قانون کے مطابق اس کو رکھا جاتا ہے،

اسلامی قانون جہان پورے طور پر ذاتی جائداد رکھنے کی اجازت دیتا ہے، وہان وہ اس کی منصفانہ تقسیم بھی دو طرح کرتا ہے،

اولؔ طریقہ زکوٰۃ ہے، جو کہ مساکین کی امداد کے لئے اسلامی محصول ہے، ہر دولتمند مُسلم پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنی دولت کا ایک مقررہ حصہ غربا کو دیدے، دراصل لفظ زکوٰۃ بہت ہی معنی خیز ہے، اس کے معنی ہین تراش کے ساتھ کانٹ چھانٹ کرنا، اور پودون کو سیدھا اگانا، جب ایک پودہ اپنی بالیدگی کے بار کا متحمل نہین ہو سکتا تو اس کی شاخون کو تراشنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ تندرست اور طاقتور زندگی سے لطف اندوز ہو سکے یہی قاعدہ ہر فرد بشر پر بھی منطبق ہوتا ہے اگر صرف چند افراد کو قومی دولت کا زیادہ حصہ جمع کرنے کی اجازت دے دیجائے تو یہ قومی زندگی کی فلاح وبہبود کے لئے مفید نہین ہو سکتا،

مطالعۂ تاریخ شاہد ہے کہ جب اسلامی ممالک مین باقاعدہ زکوٰۃ وصول کیجاتی تھی اور حسب ضرورت مستحقین مین تقسیم کرنے کے بعد باقی حصہ بیت المال (ایک قسم کا بینک جو تمام فرقہ کی مساعی کا معاون ہوتا تھا) مین جمع کردیا جاتا تھا، تو اہل حاجت کو امداد دینے اور خیرات کو صحیح مصرف مین لانے کا ایک نہایت اعلیٰ و باقاعدہ انتظام تھا، جس سے اسلامی ممالک مین صدیون تک تمام قومی ضرورتین پوری ہوتی رہین، ان ممالک مین جہان اب بھی زکوٰۃ باقاعدہ وصول اور تقسیم کیجاتی ہے، یعنی نجد مین تو وہان شاذ ونادر ہی کوئی مفلس مسلمان نظر آسکتا ہے،

دوسرا طریقہ جس کے ذریعے سے اسلامی شریعت دولت کی مؤثر تقسیم کامیابی کے ساتھ کرتی ہے، وہ قانون وراثت ہے، جیسا کہ ہم کو آیندہ معلوم ہوگا، کہ قانون مشترکہ خاندان کی دوامی ملکیت وغیرہ کو تسلیم نہین کرتا

بلکہ یہ پورے خاندان پر اثر انداز ہوتا ہے اور ہر مرد عورت اور بچے کی شخصیت کا جائزہ لیتا ہے اور خاندان کے ہر رکن کو ایک انفرادی شخصیت و حیثیت عطا کرتا ہے، اس کے قواعد ان اصول سے مشابہ ہین، جو بینتھیم کے آئڈیل کوڈ (BENTHAM'S IDEAL CODE) مین بیان کئے گئے ہین، قانونِ وراثت کو اخلاقی ذمہ داری کے نہایت نمایان اسباب اور اس فطری تعلق کے مطابق ہونا چاہئے، جو ہر خاندان کے ذاتی نظام مین پایا جاتا ہے، اور وہ اشخاص متوفی کی جائداد کے جائز مستحق ہونے چاہئین، جنکو وہ اپنی زندگی مین امداد دینے کا ذمہ دار تھا، اسلامی قانون کے رو سے پانچ اشخاص بلا تفریق وارث قرار دیئے جاتے ہین یعنی (۱) باپ، (۲) مان (۳) بیٹا (۴) بیٹی (۵) شوہر یا بیوی، پہلے درجہ جو ذوی الفروض کہلاتے ہین بلحاظ تعداد بارہ ہوتے ہین ان مین چار مرد ہین، اور آٹھ عورتین یعنی (۱) بیوی یا متعدد بیویان (۲) بیٹی یا بیٹیان (۳) بیٹے کی بیٹی یا بیٹیان جو نسلاً خواہ کسی پشت مین ہون (۴) اخت عینیہ یعنی حقیقی بہن یا بہنین (۵) اخت علاتیہ یعنی وہ سوتیلی بہن یا بہنین جو ایک ہی باپ کے صلب سے ہون (۶) اخت اخیافیہ یعنی وہ سوتیلی بہن یا بہنین جو ایک ہی مان کے بطن سے ہون (۷) مان اور (۸) حقیقی دادی یا وہ دادی جو نسلاً خواہ کسی پشت مین ہو، ذوی الفروض مین جو چار مرد ہین، ان کی تفصیل یہ ہے (۱) باپ (۲) حقیقی دادا (خواہ کسی پشت مین ہو) (۳) اخ اخیافی یعنی سوتیلا بھائی یا خیف بھائی (جو ایک ہی مان کے بطن سے ہون) اور (۴) شوہر،

اس درجے کے ورثہ یعنی ذوی الفروض کے لئے جو مخصوص حصص مقرر ہین وہ بلحاظ تعداد چھ ہین، یعنی اُن کے حصون کی مقدار یہ ہے، $\frac{1}{2}$ ، $\frac{1}{4}$ ، $\frac{1}{8}$ ، $\frac{1}{3}$ ، $\frac{1}{6}$ اور $\frac{2}{3}$ ، بعد اس کے عصبہ ہین جو تین درجون مین منقسم ہین،

اوّل وہ جو ذاتی حق کی بنا پر حصہ پاتے ہین، یعنی متوفی کی اولاد نرینہ (خواہ نسلاً کسی پشت مین ہو) اس کے آبا و اجداد (خواہ نسلاً کسی پشت مین ہون) اس کا حقیقی اور اخت علاتی یعنی سوتیلا بھائی (جو ایک ہی باپ کے صلب سے ہو) اور ان کی اولادِ نرینہ اور سب سے آخر مین وہ اولاد نرینہ جو بلحاظ نسل خواہ کتنی ہی دور کا تعلق رکھتی ہو،

دوئم وہ حصے دار جو دوسرون کے حصون کی وجہ سے حقدار ہوتے ہین، (وہ چار عورتین جو اپنے ہم رتبہ مردون کے حصون مین سے حصہ پاتی ہین) یعنی وہ بیٹی جو بیٹے کی ہمعصر ہو، بیٹے کی بیٹی جو بیٹے کے بیٹے کی ہمعصر ہو،

حقیقی بہن جو حقیقی بھائی کی ہمعصر ہو اخت علاتیہ یعنی سوتیلی بہن (منجانب پدر) جو سوتیلے بھائی (منجانب پدر) کی ہم عصر ہو،

سویم وہ حصے دار جو دوسرون کے ساتھ حصہ پاتے ہین، (وہ عورتین جو اپنے ہمرتبہ عورتون کے حصون مین حقدار ہوتی ہین) یعنی وہ حقیقی اور سوتیلی بہن (منجانب پدر) جو بیٹی یا بیٹے کی ہمعصر ہو بعد ازان ذوی الارحام حصہ پانے کے مستحق ہوتے ہین،

اس عجیب وغریب تقسیم کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلم کی متروکہ جائداد چھوٹے چھوٹے حصون مین تقسیم ہو جاتی ہے اور ورثہ کی ایک کثیر تعداد اس سے مستفید ہوتی ہے اس طرح ایک شخص کی جائداد تین نسلون مین عموماً خود بخود قابلِ اطمینان حصون مین تقسیم ہو جاتی ہے، اور نہ صرف ایک خاندان بلکہ بہت سے خاندانون کے افراد نیز بہت دور کے رشتہ دارون کو حصۂ رسد پہنچتی ہے،

اس طرح ہر خاندان مین یہ عمل کارفرما ہونے کے باعث اس کا اعلیٰ نتیجہ یہ ہے کہ دولت زیادہ سے زیادہ قابلِ لحاظ افراد مین تقسیم ہو جاتی ہے، درانحالیکہ ہر ایک کو ذاتی جائداد رکھنے کا حق حاصل رہتا ہے، دراصل یہ قانون ابنائے نوع کے معاملہ مین اس قدر محتاط ہے کہ اگر کوئی شخص تقسیم وراثت کے اصول کو نظرانداز کرکے کسی خاص شخص کو اپنی تمام ملکیت دینا چاہے تو یہ اس کے حق وصیت کو مسلوب کر سکتا ہے، اور اگر کسی ایک وارث کے حق مین وصیت کیجائے تو اسکو ناجائز قرار دیتا ہے، جبتک کہ دوسرے ورثہ رضامند نہ ہون، اور اگر کسی غیر شخص کے حق مین وصیت کیجائے، تو جب تک وصیت کنندہ کے دوسرے ورثہ رضامند نہ ہون وہ جائداد کا صرف ایک ثلث پانے کا مستحق ہو سکتا ہے،

قانون جانشینی و وراثت کے انہی دوررس اثرات کی بنا، پر جس سے مجلسِ انسانی عام طور پر متأثر ہوتی ہے، پیغمبر عربی ؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ قوانینِ وراثت کو معلوم کرو اور انھین دوسرون کو بتاؤ کیونکہ وہ مفید علم کا نصف حصہ ہین،

اب اسلامی قانون کی چند اور خصوصیات ملاحظہ کیجئے،

اس مین بزرگی کا کوئی لحاظ نہین لہذا سب سے بڑے لڑکے کے مقابلہ مین دوسرون کو نظرانداز نہین کیا جاسکتا؛ البتہ، شیعہ، شافعی اور مالکی حضرات اس قانون پر صرف اس حد تک عمل پیرا ہین کہ متوفی کا قرآن پاک، جبہ، اسلحہ اور گھوڑا سب سے بڑے لڑکے کا حق سمجھے جاتے ہین،

اس قانون مین جدی اور خود پیدا کردہ اصلی (ظاہر وموجود) اور ذاتی، منقولہ اور غیر منقولہ جائداد مین کوئی تمیز وتفریق نہین، کسی جائداد کو مخصوص ومحفوظ کردینے کی بھی اجازت نہین اور حنفی فقہ کے روسے اس کو وقف بالذات کرلینے یا مشروط طور پر قبضے مین رکھنے کو بھی جائز نہین قرار دیا جاسکتا، اس مین مشترکہ خاندان اور استمراری ملکیت کا بھی قاعدہ نہین، یہ قانون رسم ورواج کی بنا پر وراثت مین تغیر وتبدل کو بھی تسلیم نہین کرتا، البتہ ہندوستان مین عہد انگریزی مین بعض حالات مین بعض رسوم کی بنا پر بعض قومون اور صوبون مین اس قسم کے تغیر کو تسلیم کیا جاتا ہے؛ اس مین کسی کو متبنیٰ بنانے کا بھی طریقہ نہین اور متوقع جانشینی ووراثت بھی ناقابل تسلیم ہے، شیعہ حضرات کے سوا وراثت کی غرض سے اصلی وارث کا قائم مقام اور فرقون کے نزدیک جائز نہین،

متوفی خواہ مرد ہو یا عورت تقسیم وراثت کا قانون دونون کے لئے یکسان ہے، علاوہ ازین مرد یا عورت کے لئے خود جائداد پیدا کرنے کی کوئی ممانعت نہین، غیر وصیت شدہ جائداد کو منقسم ومنتقل کرنے مین بھی موانع وقیود نہین، ہر شخص کو پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی تمام جائداد یا اس کا کوئی حصہ دوسرے کے نام منتقل کردے، ایک ہی درجہ کے ورثہ مین تقسیم جائداد بلحاظ افراد ہوتی ہے نہ کہ خاندانی ورثہ کے مطابق (PER STIRPES) اسطرح ایک وارث کے تنہا لڑکے کو دوسرون کے حقوق پر کوئی ترجیح نہین دیجاتی یعنی ایک شخص نے پانچ پوتے چھوڑے، مثلاً اس کے ایک لڑکے زید کا ایک بیٹا ہو اور دوسرے لڑکے بکر کے چار لڑکے ہون تو ان پانچون مین سے ہر ایک کو جائداد کا ۱/۵ حصہ ملیگا، اور زید کا لڑکا یہ دعویٰ نہین کرسکتا کہ اس کو جائداد کا نصف حصہ ملنا چاہئے، کیونکہ اُسکا باپ زید زندہ ہوتا تو وہ بکر کے ساتھ برابر حصہ پاتا،

اسلامی قانون مین عورتون کے حقوق پر اُن کے شوہرون کو کوئی حق حاصل نہین، حالانکہ انگریزی قانون

کی رو سے ایک عورت شادی کے بعد اپنی قانونی حیثیت کو کھو دیتی ہے، انگلستان مین "میرڈ ویمینس پراپرٹی ایکٹ" (THE, MARRIED WOMEN'S PROPERTY ACT) کے نفاذ سے پہلے کوئی شادی شدہ عورت جائداد نہین رکھ سکتی تھی، وہان کا قانون شادی شدہ جوڑے کو ایک شخص سمجھتا ہے، اب بھی ایک انگریزی عورت کو یہ حق حاصل نہین کہ اگر اس کا شوہر اس کو کوئی ذاتی نقصان پہنچائے مثلاً اس کو مارے یا اس کی ناک یا کان یا ہاتھ کاٹ ڈالے تو وہ اس نقصان کا دعویٰ نہین کرسکتی، لیکن ایک مسلم خاتون کو اپنے شوہر کے خلاف دعویٰ دائر کرنے کا حق حاصل ہے، اسکی حیثیت و شخصیت اس کے شوہر کے مقابلہ مین بالکل ممیز و ممتاز ہے، دراصل شادی ہوتے ہی وہ اپنے شوہر کی گویا قرضخواہ ہو جاتی ہے اور جب تک اس کا مہر ادا نہ کیا جاوے اس کا قرض باقی رہتا ہے[1]،

چونکہ جائداد کو ایک امانتِ الٰہی (TRUST FROM GOD) خیال کیا جاتا ہے، لہذا قانون کا قدیم نظریہ یہ تھا کہ مرورِ ایام کے باعث کسی شخص کا حق ساقط نہین ہو سکتا، یعنی تمادی عارض ہوتے یا مخالفانہ قبضہ کرنے کا کوئی قاعدہ نہ تھا، مگر بعد کے قانون دان حضرات نے زمانۂ خلافت مین ان اصول کو تسلیم کر لیا، جو خلفا نے میعاد مقرر کرنے کے لئے جاری کئے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ اسلامی ملک کے بادشاہ کو اضافی قانون وضع کرنے کا اختیار حاصل تھا، اور وہ یہ حکم دے سکتا تھا کہ ایک مقررہ میعاد منقضی ہونے کے بعد دائر ہونے والے مقدمات کی سماعت قاضی نکرے۔

درحقیقت اسلامی اصول قانون مین کوئی ایسی دفعہ نہین جس کے رو سے لاوارث جائداد حکومتِ وقت کی ملکیت متصور ہو، ایک ایسے مسلمان کی جائداد جو لاوارث فوت ہو جائے اور اس نے اپنی جائداد کے متعلق کوئی وصیت بھی نہ کی ہو تو وہ بیت المال کے سپرد ہونی چاہئے، خزانۂ عامرہ (PUBLIC TREASURY) بیت المال کا صحیح ترجمہ نہین، بیت المال کا دراصل مفہوم خزانے کے تہ خانے نہین بلکہ وہ ایک سرمایہ (فنڈ) ہے، اور غریب مسلمانون کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے جو کچھ بھی خرچ کیا جاوے وہ اسی سرمایہ سے خرچ

---

[1] **معارف:** اور بلکہ جب تک وہ مہر واجب الادا، ادا نہ ہو جائے، قانونِ وراثتِ اسلام کے رو سے جائداد کی تقسیم بھی صحیح نہین کہ اولاً متوفی کے دیون ادا ہونگے، پھر ترکہ کی تقسیم عمل مین آئیگی، "ر"

ہونا چاہئے (آغا خانی صفحہ ۲۲۳) شیعہ قانون جو بیت المال کے قیام کو تسلیم نہین کرتا اس کے رو سے شہر کے غربا لاوارث جائداد کے آخری وارث قرار پاتے ہین، امیر علی کی رائے ہے کہ ہندوستان مین لاوارث جائداد کو حکومت برطانیہ کی جائز ملکیت کبھی تسلیم نہین کیا جاسکتا، حکومت کی جانب سے جو دلائل پیش کئے جاتے ہین وہ شیعہ یا سنی عقائد (اصول وراثت) کے مطابق مستند نہین، اگر حکومت کا دعوی تسلیم کیا جاسکتا ہے تو صرف اس صورت مین کہ لاوارث جائداد بطور امانت (IN TRUST) افسران حکومت کی نگرانی مین رہے اور اس سے غربا کی امداد کیجائے،

یہ سوال کہ آیا برطانوی ہند مین ایک مقامی مسلم جماعت مسلمانون کی امداد کے لئے ایسا فنڈ (بیت المال) قائم کر سکتی ہے اور اس کو جاری رکھ سکتی ہے اور یہ کہ آیا کوئی شخص لاوارث اور بغیر وصیت کئے مرجائے تو اسکی جائداد کو اس فنڈ کے حوالہ کیا جاسکتا ہے، اس کا جواب سر رولینڈ ولسن (SIR ROLANDWILSON) نے اثبات مین دیا ہے، یعنی "درحقیقت کوئی وجہ نہین معلوم ہوتی کہ حکومت برطانیہ کو جس نے مذہبی معاملات مین غیر جانبدار رہنے کا عہد کیا ہے، کیون معقول طور پر اس امر پر آمادہ نہین کیا جاسکتا کہ لاوارث جائداد کو ان لوگون کے عام فائدے کے لئے جو ایسا عقیدہ رکھتے ہین کام مین لائے اور اس کے لئے کوئی ادارہ قائم کرے[1]،

⁂

[1] **معارف**: یہ کام ہندوستان مین حکومت برطانیہ کی قائم کردہ انھی اسلامی مجلس قضا کے ماتحت انجام پاسکتا ہے جسکے قیام کی تحریک سالہاسال پیشتر معارف نے کی، لیکن ہماری بدقسمتی سے ہمارے بہت سے قومی مسائل کی طرح یہ تحریک بھی، ابھی تک ہمارے باہمی اختلاف و انتشار کے نذر ہے، "ر"

رسائل شبلی

مولنا کے مختلف علمی مضامین کا پہلا مجموعہ جس مین اسلامی علوم و فنون، اور اسلامی تمدن، مدارس اسلامی، اسلامی شفاخانے کتبخانۂ اسکندریہ مسلمانون کی گذشتہ تعلیم وغیرہ مضامین ہین، ضخامت ۲۸۸ صفحے

قیمت :- عـہ

یوذاسف کون ہے؟

بُدھ یا یسوع!

از جناب "ارسطو"

یوذاسف کون ہے؟ یہ علم تاریخ کا کوئی نیا مسئلہ نہیں، متعدد علماے مشرق و مغرب نے اس پر خامہ فرسائی کی اور وہ ایک ہی نتیجہ پر پہنچے، کہ یہ بدھ ہے، مگر سری نگر (کشمیر) مین ایک قبر بنی ہے، جس کی نسبت عوام مین مشہور ہے، کہ یہ یوذاسف کی قبر ہے، احمدی فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ

۱- یسوع ناصری کی قبر ہے،

۲- یوذاسف لفظ یسوع کی بگڑی ہوئی شکل ہے،

۳- قبر انیس سو برس کی پرانی بتائی جاتی ہے، اس کی اسلامی محلون مین موجودگی بھی اس امر کی دلیل ہے، کہ یہ کسی ہندو رشی منی کی سمادھ نہین،

انھون نے خاص اس مسئلہ کے متعلق ایک رسالہ رازِ حقیقت لکھا ہے، جس مین قبر کے گرد و نواح کا نقشہ وغیرہ دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے،

لیکن یہ نظریہ بوجوہ غلط ہے،

ہندوستان ایام قدیم سے قصہ کہانیون کی وجہ سے خاص طور پر مشہور رہا ہے، یہان کے لوگ افسانے گڑھنے مین خاص مہارت رکھتے ہین، آج مغرب و مشرق مین جس قدر تماثیل اور افسانے ہین، اگر ان پر غور کیا جائے، اور ان کے ماخذ کی کھوج نکالین، تو معلوم ہوگا کہ ان مین سے اکثر ہندوستان کی پیداوار ہین، منجملہ آن بدھ کی پیدائش کے افسانے

(جنمین سے اکثر زمانۂ قبل مسیح کی تصنیف ہین) "پنچ تنتر" "ہتست اوپدیش" "قصۂ سندباد" "پران" وغیرہ عجیب و غریب کہانیون کا مجموعہ ہین، الف لیلہ مین بھی ہندی اثرات کا سراغ لگایا گیا ہے، لیکن اس سے یہ خیال نہین کرنا چاہئے کہ یہ سب محض تفنن طبع کا سامان تھے، بلکہ ان مین اخلاقیات، مذہب، سیاسیات وغیرہ مباحث پر تمثیلی پیرایہ مین گفتگو ہے،

مختلف زمانون مین یہ کتابین تراجم وغیرہ کے واسطہ سے اقطار مغرب مین پہنچین، اور ہندوستان کی شہرت کا باعث ہوئین، ان مین سے جس کتاب نے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی، وہ کلیلہ و دمنہ ہے، اس کتاب کی اصل سنسکرت اب ناپید ہے، یہ کتاب چھٹی صدی عیسوی مین پہلی بار پہلوی مین ترجمہ ہوئی، اس ترجمہ کا پھر سریانی زبان مین ترجمہ ہوا، پہلوی ہی سے خلیفہ منصور عباسی کے عہد مین عبداللہ ابن المقفع نے عربی مین منتقل کیا، اور اس سے آگے یہ دنیا کی مختلف زبانون مین شایع ہوئی، اس کتاب کا اصل موضوع سیاسیات اور اخلاق ہے،

"ہندی حکمت و دانش کی دوسری کتاب "بوذاسف و بلوہر" ہے، جس کی شہرت گو کلیلہ دمنہ سے کم ہے، مگر اسکی اہمیت اور بلندی اس سے کہین بڑھ کر ہے، ابن ندیم نے اس کا ذکر ان ہندی افسانون مین کیا ہے، جو عربی زبان مین ترجمہ ہوئے تھے، اس مین تو کوئی شک نہین کہ بوذاسف سے بدھ مراد ہے، پرانی فارسی مین دال کی جگہ ذال لکھتے تھے، اس لئے بوداسف کی جگہ بوذاسف ہوگیا، آخری حرف سف بقول زخاؤ ستو ہے، بودھی ستو کا بوذاسف ہوگیا، کہ خاص قسم کے واؤ جیسے رومن کی (ز) عربی مین ف ہوجاتی ہے، اور بلوہر کی اصل زخاؤ صاحب پروہیتر سمجھتے ہین، جس کے معنی گورو کے ہین، اس کتاب مین بدھ کی پیدائش، تربیت اور پھر ایک اتفاقی واقعہ سے اس کا دنیا سے بیزار ہونا، اور اس کی خبر سنکر سراندیپ کے ایک جوگی کا سوداگر کے لباس مین اس کے پاس آنا اور تلمیح و اشارہ مین اور حکایتون اور تمثیلون مین شاگرد و استاد کا دنیا کے سربستہ رازون اور کائنات کے لاینحل عقدون پر تشفی بخش بات چیت اور سوال و جواب ہی، یہ کتاب عربی زبان سے مختلف زبانون مین پھیلی، اور مذہبی حلقون مین اسقدر پسند کیگئی، کہ عیسائیون نے اس کو اپنے ایک ولی کی طرف منسوب کر لیا، مسلمانون کے ایک فرقہ نے

> اس کے بڑے حصہ کو لے کر اسے ایک امام کی تصنیف بتایا" "اخوان الصفا" جو چوتھی صدی (ہجری) کی ایک نیم مذہبی اور نیم فلسفیانہ کتاب ہے، اور جس کی اس حیثیت سے ایک خاص اہمیت ہے کہ ایک خاص نظام تخیل (اسکول آف تھاٹ) کے طریق پر یہ کتاب چوتھی صدی مین ایک پوشیدہ انجمن نے رازدارانہ طریقہ پر لکھی تھی اور اسلام کے ایک فرقہ کے نزدیک وہ ایک مذہبی صحیفہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس کتاب مین بوذاسف و بلوہر کی کتاب کے مختلف ابواب داخل ہین۔ میری نظر مین وہ کتاب دنیا کی ان چند کتابون مین سے ہے، جن کی تاثیر گنہگارون کے دلون مین بھی گھر کر لیتی ہے، اسمین بعض ایسی موثر مثالین بھی ہین، جو آج مسیح کے کلام مین ہم کو ملتی ہین، اور ہم نہین کہہ سکتے، کہ یہ موتی کس سمندر کی تہ سے پہلے نکلے ہین[1] "

بدھ کے متعلق اور کتابین بھی عربی زبان مین منتقل ہوئین، چنانچہ ایک کتاب "البُدُّ" خاص طور پر مذکور ہے[2]، صفحہ ۳۴۷ پر ابن ندیم لکھتا ہے، کہ بدھ اور بوداسف ایک ہی شخص ہے،

مولنا سید سلیمان صاحب ندوی نے فرمایا ہے، کہ اسی کتاب بوذاسف و بلوہر کا ترجمہ عیسائیون مین پھیلا، یہان میرے نزدیک انھین مغالطہ ہوا ہے، اگر ان کی مراد اس یونانی کتاب سے ہے، جو سنٹ جان دمشقی نے لکھی اور جسکا نام "بارلعم و یواسف" یا "بارلعم و جوزافٹ" ہے، تو وہ خود لکھتا ہے، کہ مین نے یہ کہانی ہندوستانی لوگون کی زبان سے سنی، مگر "بارلعم و جوزافٹ" مین جوزافٹ کے ابتدائی حالات بالکل ویسے ہین، جیسے بدھ کی منظوم سوانح عمری "للت وستارا" (LALITA VISTAYA) مین دیے ہین، وہ بدھ کی پیدائش پر نجومی کی پیشینگوئی، وہ اس کی بچپن ہی سے سنجیدہ اور سوچ بچار کی عادت، اس کے والد کی قدغن، وہ اس کی مشہور تین ملاقاتین جب وہ باری باری ایک ضعیف و نزار بوڑھے، ایک بیمار اور ایک لاش سے ملتا ہے، نہ صرف یہ کہ جوزافٹ کے حال مین دی ہین، بلکہ دونون کے لفظ بالکل ایک سے ہین، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ایک دوسرے کا ترجمہ ہے، رہا یہ سوال کہ کون ترجمہ ہے اور

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات از مولنا سید سلیمان ندوی صفحہ ۱۷۰-۱۷۱ [2] الفہرست ابن ندیم جلد اول (فلوگل) صفحہ ۳۰۵،

اور کون اصل، تو اس مین کوئی شک نہین رہتا، جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ للت وستار بارلعم وجوزوفٹ سے پہلے کی تصنیف ہے، اس سے بھی بڑھکر للت وستار کی قدامت کا یہ ثبوت ہے، کہ چینی سیاح فاہیان جب پانچوین صدی کے اوائل (۳۹۹ء لغایۃ ۴۱۴ء) مین ہندوستان آیا، تو اس نے کپل وستو مین جو بدھ کی جنم بھومی تھی، ان چارون منارون کو دیکھا، جو بدھ کی ان ملاقاتون کی یادگار مین قائم کئے گئے تھے، سینٹ جان دمشقی اس سے تین صدی بعد ہوا[لہ]، غرضکہ بارلعم وجوزافٹ کی داستان سنی سنائی ہے، یا للت وستار سے ماخوذ ہے، شروع سے آخر تک بدھ کی کہانی،

ایک اور ثبوت بھی اس کے بدھ کا حال ہونے کا یہ ہے، کہ ایک وقت جرمنی، فرانس اور انگلستان کے محققین اس نتیجہ پر پہنچے، کہ "بارلعم وجوزافٹ" بدھ کے حالات بیان کر رہی ہے، جبکہ دوران تحقیق مین ایک دوسرے کا پتہ نہ تھا، کہ وہ بھی اسی موضوع پر کچھ کام کر رہے ہین،

یہ کتاب ازمنۂ وسطیٰ مین یورپ کی نہایت ہر دلعزیز کتابون مین سے تھی، اس کے تراجم مختلف زبانون

[لہ] خاندان عباسی کے دوسرے خلیفہ المنصور (۷۵۳ء لغایت ۷۷۴ء) کے عہد مین حکومت کی طرف سے بغداد مین ایک مستقل دارالترجمہ قائم کیا گیا، اس کی نگرانی مین مختلف زبانون کی بیش قیمت کتابین عربی مین منتقل کیگئین، عبداللہ ابن المقفع نے کلیلہ دمنہ کا پہلوی سے عربی ترجمہ اسی عہد مین کیا، خلیفہ المنصور کے دربار مین ایک عیسائی سرجیوس (SERGIUS) تھا، وہ کئی سال بیت المال مین ملازم رہا، سرجیوس کا ایک لڑکا تھا، جسے اس نے بہترین تعلیم دلائی، اس کا اتالیق خاص ایک طالوی راہب کاسمس (COS MOS) نامی تھا، جسے سرجیوس نے غلامی سے خرید کر آزاد کر دیا تھا، اس لڑکے کا عربی نام منصور اور عیسائی نام جان تھا، اپنے مولد کی نسبت سے جان دمشقی کہلاتا ہے، اپنے والد کی وفات کے بعد یہ اس کا جانشین ہوا، ۷۳۰ء کے قریب اس نے بت پرستی کی تائید مین چند رسائل تصنیف کئے، جس کے خلاف اس وقت شہنشاہ لیو (LEO) نے ایک جہاد شروع کر رکھا تھا، آخر جان نے دنیا ترک کر دی اور یروشلم کے قریب سینٹ سبا کے راہب خانہ مین مقیم ہو گیا، اور اپنی جائداد غربا و احباب مین تقسیم کر دی، اس گوشہ نشینی کے بعد اس نے عیسائیت کے متعلق کئی ایک عالمانہ کتابین لکھین،

ہین ہوئے، مشرق مین سریانی، عربی، افریقی (ETHIOPIC) ارمنی، عبرانی اور مغرب مین لاطینی، فرانسیسی، اطالوی، بوہیمی، پولستانی، جرمنی، انگریزی، اسپینی زبانون مین اس کے تراجم ہوئے، ۱۲۰۴ء مین ایک ناروے کے بادشاہ نے اس کا آئس لینڈی زبان مین ترجمہ کیا، اور جزائر فلپائن کی قدیم زبان تگلا (TAGALA) مین ایک عیسائی راہب نے ترجمہ کیا[1]، آخر اس کا اتنا چرچا ہوا، کہ پاپائے روم اور یونانی کلیسا دونون نے جوزافٹ اور بارلعم کو مذہب عیسوی کے ولیون مین شامل کرلیا، اور دونون جگہ حکم مین لکھا، کہ یہ دونون ولی ہندوستان مین ہوئے ہین، یونانی کلیسا مین ۲۶ اگست کا دن سینٹ جوزافٹ سے مخصوص ہے، اور کلیسائے روما مین ۲۷ نومبر ہردو بارلعم و جوزافٹ سے منسوب ہے[2]،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰) اس نے اسلام کے خلاف بھی چند رسائل لکھے، اور آخر اپنے علم اور زور بیان کی وجہ سے عیسائیت کے مستند علما اور اہل قلم مین شمار ہونے لگا، فصاحت کی وجہ سے اُسے "گوہربار" کا خطاب دیا گیا، وہ عربی، یونانی اور غالباً فارسی زبانون کا ماہر تھا، اپنی زندگی کے آخری ایام مین اس نے شام کا سفر کیا، اور بت پرستی کی تائید اور بت شکنی کی مخالفت مین پروپگنڈا کیا، اسی سلسلہ مین وہ اپنی جان کی پرواہ نہ کرتا ہوا قسطنطنیہ بھی گیا، جہان عیسائیت کے دونون کلیساؤن کا سینٹ ہے، یونانی کلیسا اس کا تیوہار ۴ دسمبر اور ۲۹ نومبر کو مناتا ہے، اور لاطینی ۲۷ مئی کو، اس کا زمانۂ وفات ۷۵۲ء کے قریب قریب ہے، اپنی تصنیف "بارلعم و جوزافٹ" مین اس نے دراصل عقائد عیسوی کی تشریح کی ہے، کہانی چند لفظون مین یہ ہے:- کہ "ہندوستان کا ایک بادشاہ عیسائیون کا اشد مخالف تھا، اس کا اکلوتا لڑکا تھا، جوتشیون نے پیشین گوئی کی، کہ وہ عیسائیت قبول کریگا، بادشاہ ہر طرح کوشش کرتا ہے، کہ اُسے دنیا کی تکالیف اور مکروہات سے ناواقف رکھے، اور کسی طرح اس کی توجہ عیش و عشرت مین لگ جائے، ایک عیسائی راہب کسی طرح شاہزادہ تک پہنچ جاتا ہے، اور اسے عیسائیت کی تعلیم دیتا ہے، آخر نوجوان شہزادہ کو اصطباغ دیا جاتا ہے، اور وہ ترک دنیا کا عزم کرلیتا ہے، انجام مین وہ اپنے والد اور اسکی کثیر رعایا کو بھی عیسائی بنا کر اس راہب کی معیت مین صحرا کو چلا جاتا ہے" انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس ج ۴ از میکس طرح ص ۴۴۴-۴۷

[1] انسائیکلوپیڈیا برطانیکا ج ۳ ص ۴۵۵، [2] میکس طرح ج ۴ ص ۴۵۷،

بارلم وجوزافٹ کی تحقیق پر مفصل بحث رہس ڈیوڈز نے کی ہے، رہس ڈیوڈز بدھ مت کے ماہر مستشرقین کی صف اول مین نمایان جگہ کا مالک ہے، وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہین، کہ جوزافٹ بدھ ہے، اور کہ جوزافٹ عربی اور فارسی مین یوذاسف لکھا جاتا ہے، [1]

کاتبون نے اس لفظ بوداسف کے املا مین عجیب وغریب جدتین کی ہین، چنانچہ اس کے بعض مختلف املا جو نسخون مین ملتے ہین، لواسف، یواسف، برسف، یوذاسف، بوراسف، بوداسف، سوراشف ہین، [2] بودھی ستو سے بوذاسف اور پھر یوذاسف یہ اس لفظ کی تین ارتقائی صورتین ہین [3]، بھلا کاتب کے لئے بوذاسف کے نیچے ایک نقطہ اور بڑھا دینا کونسی ایسی مشکل بات تھی،

بدھ مت کسی زمانہ مین افغانستان اور ایران کا مذہب تھا، اور وہان بدھ بوذاسف ہی کے نام سے مشہور تھا، چنانچہ نوبہار (نودہار) جو ایران مین بدھون کا سب سے بڑا اور عالیشان وہار تھا، اس کے دروازے پر لکھا تھا:-

"بوذاسف کا قول ہے کہ بادشاہون کے دروازے تین خصلتون کے محتاج ہین عقل، صبر اور مال" [4]

رفتہ رفتہ یہی لفظ بوذاسف بگڑ کر یوذاسف زبانون پر چڑھ گیا، اور یوذاسف سے بدھ سمجھا جانے لگا، مولنا سید سلیمان ندوی کی تحقیق نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے، کہ بغداد کے عباسی خاندان کے مشہور وزراء برامکہ بھی اصل مین بدھ مت کے پیرو تھے، ان کا جد امجد اسی نوبہار کا پرمک تھا، یہی لفظ پرمک بگڑ کر برمک بنا، جس سے اس خاندان کا نام ہی برمکی ہو گیا، [5]

---

[1] BUDDHIST BIRTH STORIES PHYS DAVIDS دیباچہ صفحہ ۳۶ سے آگے،

[2] الفہرست (فلوگل) جلد دوم صفحہ ۱۰۰، [3] معارف:- دال کا حرف قدیم ایرانی مین ذال سے لکھا جاتا تھا، اور دھ کے بجاے دال بولا جاتا تھا، اس لئے بودھ، بودا، اور بوذا، بوذاسوا، [4] مسعودی بحوالہ "عرب وہند کے تعلقات" صفحہ ۱۱۵،

[5] اس مسئلہ پر مفصل بحث "عرب وہند کے تعلقات" مین موجود ہی،

جناب مرزا صاحب قادیانی نے یسوع کے یوذاسف ہونے کا ایک اور ثبوت دینا چاہا ہے، لکھتے ہین کہ کتاب "اکمال الدین واتمام النعمۃ" مین یسوع کے سفر ہندوستان کے حالات درج ہین، اور وہان یسوع کا نام یوذاسف درج ہے،

مندرجۂ بالا طویل اقتباس مین جہان مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے فرمایا ہے، کہ "مسلمانون کے ایک فرقے نے اس کے بڑے حصہ کو لے کر اپنے ایک امام کی تصنیف بتایا" وہان غالباً ان کی مراد اسی کتاب "اکمال الدین واتمام النعمۃ" سے ہے، اس کا پورا نام "اکمال الدین واتمام النعمۃ فی اثبات الغیبۃ وکشف الحیرۃ" ہے، اس کے مصنف جناب علامہ ابوجعفر محمد بن یحیٰی ابن الحسین ابن بابویہ (المتوفی ۳۸۱ھ) ہین، اس کتاب مین انھون نے غیبت ورجعت امام منتظر کے مشہور مسئلہ پر بحث کی ہے، پوری کتاب عجیب وغریب افسانون کا مجموعہ ہے، امام محمد بن حسن عسکری کی رجعت کے ثبوت مین مختلف انبیا علیہم السلام کی غیبت اور رجعت کا بیان کرتے ہوے مصنف علام ازمنۂ گذشتہ کے ان اشخاص کا ذکر چھیڑ دیتا ہے، جنھون نے حالات سے مجبور ہو کر غیبت اور تقیہ کا دامن پکڑا اور اسی سلسلہ مین وہ یوذاسف کا قصہ شروع کر دیتا ہے، اور اس کے والد کا "ملکا من ملوک الہند" کہکر تعارف کراتا ہے، اس کے بعد وہی حالات ہین، جو کتاب "یوذاسف وبلوہر" مین ہین، نہ معلوم اس سے مرزا صاحب نے یہ استدلال کیسے کیا، کہ اس کتاب مین یوذاسف سے مراد یسوع ہی،

بدھ کی وفات کے قریبی زمانہ مین ہی بدھ مت کشمیر مین پہنچ چکا تھا، کشمیر موریا خاندان کی وسیع سلطنت مین شامل تھا، اشوک اعظم کے عہد مین بدھ مت نے جس قدر ترقی کی اور خود اس بادشاہ نے لوگون تک بدھ کا پیغام پہنچانے کے لئے جو مساعی صرف کین، وہ تاریخ کے مبتدی سے بھی مخفی نہین، انہی کا نتیجہ تھا، کہ کشمیر بدھ مت کا نہایت زبردست مرکز بنگیا، تا آنکہ سک خاندان کے بادشاہ کنشک کے عہد (پہلی دوسری صدی عیسوی) مین کشمیر کے دارالخلافہ سری نگر مین اس مذہب کے پیروون کی چوتھی کونسل ہوئی، اس کونسل کے فیصلہ جات کو تانبے کے پترون پر کندہ کرا کے زمین مین دفن کر دیا گیا، اور جس طرح مسٹر وی، اے، اسمتھ لکھتے ہین، کیا عجب ہے، کہ کسی دن حسن اتفاق سے زمین اپنا یہ دفینہ اگل دے، جس جگہ یہ پترے دفن کئے گئے تھے، وہان بودھی طرز کا ایک استوپ بنایا گیا تھا،

اس کے بعد پھر برہمنی دور آیا، لیکن اس حالت مین بھی بدھ مت والون کا اقتدار کافی تھا، پھر مسلمان آئے، چودہوین صدی مین (۱۳۴۳ء کے قریب) سلطان شمس الدین شاہ مرزا نے کشمیر مین اسلامی حکومت قائم کی، اور کشمیر کی آبادی کا کثیر حصہ اس خاندان کے چھٹے حکمران سلطان سکندر (۱۳۸۶ء لغایتہ ۱۴۱۰ء) کے عہد مین داخلِ اسلام ہوا، غرضیکہ چودھوین صدی تک کشمیر کی آبادی کی اکثریت بدھ یا برہمنی مذہب کی مقلد تھی، خود افغانستان مدتون بدھ مت کا گہوارہ رہا، وہان کے آثارِ قدیمہ اس دعویٰ کے مسکت ثبوت ہین، یہ ہم اوپر ثابت کر آئے ہین، کہ افغانستان اور ایران مین بدھ، یوذاسف کے نام سے مشہور تھا؛ اس لئے جب مسلمان کشمیر مین داخل ہوے، تو انھون نے یہان کے بودھون کو یوذاسف کے پیرو ہی کہا،

اگر قبر انیس سو برس کی پرانی ہے، جو بجائے خود محلِ نظر ہے، تو بہرحال اپنی تعمیر کے وقت تو یہ اسلامی محلون مین نہین ہوسکتی، کیونکہ اس وقت نہ صرف یہ کہ اسلام کشمیر مین نہین تھا، بلکہ ابھی عالمِ وجود ہی مین نہین آیا تھا، لہذا آج اس کا اسلامی محلون مین ہونا لائقِ حجت نہین،

رہا یہ سوال کہ پھر یہ "یوذاسف کی قبر" کس کی قبر ہے، تو اس کے متعلق کئی امکانات ہوسکتے ہین،

۱- بدھ کی وفات پر جب راج گرہ مین اس کے جسدِ خاکی کو سپردِ آتش کیا گیا، تو مختلف جگھون کے لوگ اسکی راکھ کو لے گئے تھے، اپنے اپنے ملکون مین انھون نے اس پر یادگاری استوپ قائم کئے، ممکن ہے کہ جہان آج یوذاسف کی قبر ہے، وہان کسی زمانہ مین وہ استوپ رہا ہو، جو حوادثِ زمانہ سے گرگیا، مگر اس کا نشان رہ گیا، اور اسلامی مین اسے "یوذاسف کی قبر" کے نام سے شہرت حاصل ہوگئی،

یا (۲) مین اوپر لکھ چکا ہون، کہ کنشک نے بدھ مت کے پیروون کی چوتھی کونسل کے انعقاد کے بعد اس کے تمام فیصلون کو تانبے کے پترون پر کندہ کرکے زمین مین دفن کرادیا، اس جگہ ایک استوپ بنایا گیا تھا، ممکن ہے کہ موجودہ "یوذاسف کی قبر" انہی تاریخی خزائن کا مدفن ہو،

یا (۳) پھر یہ بھی ممکن ہے، کہ اسلامی عہد کے ابتدائی زمانہ مین بدھ مت کا کوئی قابلِ عزت بزرگ بھکشو

یا تھیرا فوت ہوا ہو، اس جگہ اس کی سمادھ بنی ہو، مرور زمانہ سے صاحب قبر کا نام مجہول گیا، مگر مسلمانون نے اس کے مرشد کے نام پر اس جگہ کا نام محض "یوذاسف کی قبر" رکھ دیا ہو،

۴- یہ بھی ممکن ہے، کہ اس جگہ کسی زمانہ مین بدھ دہار رہا ہو، جس کی باقیات مین سے یہ قبر اب رہ گئی ہی، مگر یہ سب ظنیات سے ہین، جنکا فیصلہ کبھی اس نواح مین آثار قدیمہ کی کھدائی ہی سے ہو سکتا ہے، بہر حال ایک بات قطعی طور پر ثابت ہے، کہ یوذاسف بدھ کے سوا اور دوسرا نہین،

خیام

اور اسکے سوانح و تصنیفات پر ناقدانہ نظر

خیام کے سوانح و تصنیفات، اور فلسفہ و شاعری پر دلچسپ، مفصل، مکمل اور محققانہ مباحث جو سب سے پہلی مرتبہ لکھے گئے، از مولٰنا سید سلیمان ندوی، حجم ۵۰۲ صفحے، قیمت غیر مجلد بیہ - مجلد للعہ

تاریخ صقلیہ

(جلد اول)

مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اس کو بھی اسلامی خیر و برکت کا چشمہ بنا دیا اور تقریبًا پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو انگریزی مین کیا عربی مین بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین اس کی تاریخ مرتب کی گئی ہے، جن مین سے پہلی جلد اب شائع ہو گئی ہے جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی، اٹلی، و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتداء، اسلامی حکومت کا کام، عہد بعہد کے دورون کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ اور جزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب و جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھلایا گیا ہی، ضخامت مجموعی ۵۴۶ صفحے، کاغذ لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت :- للعہ

"منیجر"

کتاب المعتبر لابی البرکات البغدادی

از

مولوی سید ہاشم صاحب ندوی رکن دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن،

رسالہ معارف مئی سنہ ۳۴ء کے شذرات مین کتاب المعتبر لابی البرکات کی طباعت کی خبر شائع ہوئی ہے، جسمین اس امر کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ وہ عربی کے بجائے نئے ترکی لاطینی خط مین چھپی ہے،

ہم دلی مسرت سے اہل علم اصحاب کو یہ اطلاع دیتے ہین کہ یہ کتاب اس وقت بحمد اللہ دائرۃ المعارف مین زیر تصحیح ہے اور انشاء اللہ جلد از جلد حلیہ طبع سے آراستہ ہوگی،

یہ کتاب ہمارے مطبوعہ برنامج (لائحۂ عمل) مین درج نہ تھی لیکن علامہ شرف الدین آفندی پروفیسر دار العلوم آستانہ نے جنکو علوم عقلیہ سے خاص دلچسپی ہے اس کتاب کا ایک نایاب قلمی نسخہ بتوسط مولوی حمید اللہ صاحب ریسرچ اسکالر عثمانیہ یونیورسٹی مجلس دائرۃ المعارف کے پاس روانہ فرمایا اور اس کو جلد طبع اور شائع کرنے کی خواہش ظاہر کی، مجلس نے اس کتاب کی خصوصیت اور اہمیت کا لحاظ کرکے پروفیسر موصوف کی تحریک کو منظور کیا، انکی اس علمی اعانت کا بطور خاص شکریہ ادا کیا اور اس کتاب کو اپنے نظام العمل کے دوسرے سال مین شریک کرنے کی اجازت دی، چنانچہ یہ کتاب اس وقت مولوی سید زین العابدین صاحب رکن و مصحح علوم عقلیہ کے زیر تصحیح ہے جو چند ماہ مین لائق طبع ہو سکے گی، یہ کتاب تین حصون پر منقسم ہے، (۱) علوم منطقیہ (۲) علوم طبیعیہ (۳) علوم الٰہیہ مقدمہ مین یہ عبارت درج ہے جو بغرض وضاحت نقل کیجاتی ہے،

الی تصنیف هذا الکتاب فی العلوم الحکمیة الوجودیة والطبیعیة والالهیة وسمیته بالکتاب المعتبر لانی ضمنته ما عرفته واعتبرته وحققت النظر فیه و

وتممته لا ما نقلته عن غير فهم او فهمته وقبلته من غير نظر واعتبار لم اوافق على ما اعتمدت عليه فيه من الآراء والمذاهب كبير الكبرة وخالفت صغير اصغرة بل كان الحق من ذلك هو الغرض والموافقة والمخالفة فيه بالعرض وكان اغلب اجابتي فيه لكبير تلامذتي وقديمهم الذي هو كاتبه ومستمليه والذي تصفح تعاليمه وراجع في علومه حتى كمل وانتهى باستملائه مع تعليمه وتحقيقه وقدمت على ما ضمنته من العلوم الوجودية ذكر العلوم المنطقية التي قيل فيها انها قوانين الانظار وعروض الافكار واحتذيت في ترتيب الاجزاء والمقالات والمسائل والمطلوبات حذو ارسطو طاليس في كتبه المنطقية والطبيعية والالهية،

مصنف کا ترجمہ طبقات الاوبا ص۲۷ مین درج ہے، یہ سنہ ۵۶۰ھ مین موجود تھے، پہلے یہودی تھے اس کے بعد اسلام لائے خلیفہ مستنجد باللہ کے دربار مین کسی خدمت پر مامور تھے ان کے تصانیف مین کتاب المعتبر کو (اجل کتبہ) لکھا ہے یہ نسخہ جو دائرۃ المعارف کے پاس قسطنطنیہ سے وصول ہوا ہے نہایت نایاب ہے جزء اول کے آخر مین یہ عبارت درج ہے

فی آخر الجزء الاول - عورض بنسخة مهذبة مقروءة على المصنف وذالك في شهور سنة ست وخمسين وخمسمائة. والحمد لله حق حمده كما هو اهله،

اس نسخہ کے علاوہ پروفیسر شرف الدین آفندی نے دو اور قدیم نسخون کا آستانہ کے کتب خانون مین پتہ چلایا ہے، اگر اس امر کی ضرورت محسوس کیگئی کہ اس کتاب کا مقابلہ دوسرے نسخون سے بھی کر لیا جائے تو اس کام مین پروفیسر موصوف سے ہم کو بڑی مدد ملنے کی توقع ہے،

تلخیص و تبصرہ

عقلیت کا نقطۂ نظر

عہد حاضر کے تمام فتنوں مین عقلیت (RATIONALISM) سب سے زیادہ دلفریب فتنہ ہے، یہ انسانی زندگی کے ہر پہلو مین عقل کا بیش از بیش استعمال چاہتی ہے اور یہی چیز اس کو مقبول بنا رہی ہے، خداوند عالم کی اس نعمت کے افادہ و اہمیت سے کسی کو بھی انکار نہین ہو سکتا، لیکن عقلیت کی تمام موجین مادی حدود سے ٹکرا کر رہ جاتی ہین اور جو باتین مادہ کے دائرہ سے باہر ہین عقلیت انھین ناقابل فہم سمجھ کر مسترد کر دیتی ہے، انکار وجود باری تعالی اسی قصور فہم کا نتیجہ ہے، حال مین عقلیت کے نقطۂ نظر پر برطانیہ کے ایک فاضل پروفیسر جولین ہکسلے نے تقریر کی تھی، جو لندن کے مشہور "عقلی" رسالہ لٹریری گائڈ (جون ۳۳ء) مین نقل ہوئی ہے، سطور ذیل مین اسکی تلخیص پیش کیجاتی ہے۔

"عقلیت بجائے خود کوئی مذہب نہین ہے بلکہ یہ مذہب اور اس کے متعلقہ مسائل کی نسبت ایک مخصوص زاویۂ نگاہ کا نام ہے، اسکی تعریف یون کیجا سکتی ہے کہ یہ ان مسائل مین سند (AUTHORITY) یا وحی، جذبہ یا عقیدہ کے برخلاف عقل کا بیش از بیش استعمال چاہتی ہے، عقلیت یہ نہین کہتی کہ یہ چیزین فائدہ سے خالی ہین، عقیدہ اور جذبہ بلاشبہہ ضروری چیزین ہین، لیکن عقلی کا قول یہ ہے کہ عقیدہ کو اندھا نہ ہونا چاہئے اور جذبہ فی نفسہ ایک خطرناک رہنما، نیز ایک ناقص دلیل ہے، سند کی بھی ایک جگہ ہے، لیکن یہ کبھی قطعی نہین ہو سکتی اور اکثر غلط ثابت ہو چکی ہے، یہ تمام صورتین سلبی ہین، لیکن عقلیت کا ایک ایجابی پہلو بھی ہے، یہ ترقی کے حصول کے لئے عقل انسانی کو سب سے اہم آلہ خیال کرتی ہے، "عقلی" کے نزدیک محض استدلال منطقی کوئی مضبوط شے نہین، استدلال منطقی اسی وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب وہ تجربہ کے واقعات سے قریب ترین تعلق رکھتا ہو، جبتک ضروری

واقعات فراہم نہین ہوتے "عقلی" اپنا فیصلہ معلق رکھتا ہے،

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عقلیت نے ہمیشہ کسی نہ کسی شکل مین انسانی ترقی مین ایک اہم حصہ لیا ہے، سقراط اپنے طریقہ کا ایک بڑا "عقلی" تھا اور عقلیت ہی پر عقیدہ رکھنے کی پاداش مین اسے جان دینی پڑی قرون وسطیٰ مین عقلیت کے رجحانات کلیسا کے ہاتھون سختی سے دبا دیئے گئے تھے، لیکن "نشأۃ ثانیہ" اور "اصلاح کلیسا" کے بعد وہ پھر ظاہر ہونا شروع ہوئے، اس وقت سے اٹھارہوین صدی کے آخر تک اہل علم اور فلاسفہ مثلاً والٹیر اور ہیوم ممتاز عقلیین تھے، انیسوین صدی کی ابتدا سے سائنس کی ترقی نے عقلیت کے لئے ایک جدید اور مضبوط بنیاد قائم کردی، اور کلیسا کو پسپا ہو جانا پڑا، ہربرٹ اسپنسر، مل، لیزلی اسٹیفن، بریڈلا اور ہولیوک اس جدید تحریک کے نمایندے ہین، لیکن لفظ عقلیت (رشنلزم) کا استعمال کسی متعین تحریک کے سلسلہ مین ۱۸۹۹ء تک شروع نہین ہوا، اس سال رشنلسٹ پریس ایسوسی ایشن RATIONALIST PRESS ASSOCIATION قائم کیا گیا، اس وقت سے برابر یہ جماعت وہم پرستی، عقلی بددیانتی اور بے قاعدہ مذہبی پابندیون کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور اس قلیل مدت مین اس نے کافی اثر پیدا کر لیا ہے،

"عقلی" کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ مذہبی جذبات، مذہبی عقائد اور مذہبی تنظیمات تجربہ کی چیزین ہین، مذہب کی ان مختلف شکلون کا مطالعہ عقل کی مدد سے کیا جاسکتا ہے اور اس مطالعہ کے بعد بعض موٹے موٹے اصول مستنبط ہوسکتے ہین، ان مین سے پہلا اور سب سے زیادہ واضح اصول یہ ہے کہ مذہبی عقائد و اعمال کا اختلاف تقریباً غیر محدود ہے، عام طور پر لوگ صرف اپنے ہی مذہب کو حق اور تمام دوسرے مذاہب کو باطل خیال کرتے ہین، باطل ہی نہین بلکہ وہ غیر مذاہب کو وہم پرستی سے تعبیر کرتے ہین، بہرحال "عقلی" معروضی طور پر (OBJECTIVELY سوچتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ حقیقت مطلقہ یا حقیقت کاملہ پر عقیدہ رکھنا ناممکن ہے، اس کے اس خیال کو مذہب کے دوسرے مستنبط اصول سے تقویت پہنچتی ہے، یعنی مذاہب مین تغیر و ارتقاء ہوتا رہتا ہے، اور اس کلیہ سے وہ مذاہب بھی مستثنیٰ نہین جو وحی پر قائم ہونے کے دعویدار ہین، چنانچہ آج کا رومن کیتھولک مذہب نشأۃ ثانیہ کے

مذہب سے یا ابتدائے عہد کلیسا کے مذہب سے بالکل مختلف ہے، شیطان اور دوزخ کے متعلق عیسائی عقیدہ مین گذشتہ چند صدیون مین نمایان طور پر انحطاط ہو گیا ہے،

اکثر اشخاص کے نزدیک مذہب سے مراد خدا کا عقیدہ یا خدا کی پرستش ہے، دوسرون کا خیال یہ ہے کہ مذہب حیات بعد الممات کے لئے تیار ہونے کا نام ہے، لیکن "عقلی" اس کی تعریف یون کرے گا کہ مذہب نتیجہ ہے ایک خاص قسم کے ردعمل کا جو فطرت انسانی اور ماحول انسانی کے بعض حالات کے درمیان پیش آتا ہے، فطرت انسانی کے عناصر باہمگر بہت مختلف ہو سکتے ہین، اسمین محبت سے لیکر خوف تک اور رفعت و سربلندی سے لے کر تذلیل نفس تک کے جذبات شامل ہین، لیکن یہی عناصر پاکی اور تقدس کی آمیزش کے بعد مذہبی ہو جاتے ہین، ماحول انسانی کے حالات بھی حد درجہ گوناگون ہین، وہ فطرت کے سخت واقعات ہو سکتے ہین، مثلاً زلزلہ اور وبا، پیدائش اور موت، یا وہ ایسے تعلقات ہو سکتے ہین، جو ایک انسان دوسرے انسانون یا سوسائٹی کے ساتھ رکھتا ہے، ماحول کے ان حالات کے سامنے انسان اپنے کو لاچار محسوس کرتا ہے کیونکہ وہ ان پر قابو نہین پا سکتا، یا ان کو سمجھ نہین سکتا،

عقلیت مذہب کی تشریح مین مدد دیتی ہے، اس کا اصول یہ ہے کہ جہان کہین ایک فطری قابل فہم اور معقول توجیہ مل سکے اسے فوق العادت، بدیع الفہم اور نامعقول توجیہ پر ترجیح دینی چاہئے،

مذہب کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان پر مذہبی اثر چار خاص طریقون سے پڑا ہے، پہلا اثر اس پر سحر کاری کے ذریعہ پڑا، سحر کاری کا مفروضہ (HYPOTHESIS) بہت سے قدیم مذاہب مین پایا جاتا ہے، اس مفروضہ کے مطابق بعض اشیا، مقامات، افعال اور رسوم مین ایک طرح کی مقدس طاقت ہوتی ہے، یہان مذہب کا خاص کام یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ طلسمی رسوم کے ذریعہ اس طلسمی اثر کو قابو مین لائے،

مذہبی اثر کی دوسری راہ "مفروضہ الوہیت" (GOD HYPOTHESIS) سے ظاہر ہوتی ہے جو موجودہ مذاہب مین سے اکثرون مین پایا جاتا ہے، اس کے رو سے واقعات و حوادث پر قابو صرف خداؤن یا روحون

کو حاصل ہوتا ہے اور اس صورت مین قربانی، عبادت، نماز، اور عشائے ربانی کے رسوم مذہب کے خاص اعمال ہوتے ہین، تیسرا مفروضہ وہ ہے جس کا تعلق تمامتر انسان کی باطنی کیفیات ہے، اسکی بہترین مثال بدھ مذہب کی خاص شکل ہے، یہ نجات پر زور دیتا ہے اور نجات بھی وہ جو خود اپنی ذات کے اندر سے حاصل ہو، اس کا معتقد سمجھتا ہے کہ "آسمان کی بادشاہت ہمارے اندر ہے"۔ چوتھے مفروضہ کا دعویٰ ہے کہ مذہب مین تقدس کا عنصر انسان ہی کا پیدا کردہ ہے اگرچہ بعض اشیاء اور حالات مین دوسری اشیاء اور حالات کی بہ نسبت مذہبی جذبات کو ابھارنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے،

"عقلی" کا خیال ہے کہ پہلے دونون عقیدے باطل ہین، سحر کاری باوجود اس کے کہ اب بھی لوگ کثرت سے اس کے قائل ہین محض ایک وہمی اور خیالی شے ہے جو صرف غیر تربیت یافتہ دماغون مین پائی جاتی ہے، اسی طرح اس کا یہ بھی خیال ہے کہ دیوتا انسانی دماغ کی پیداوار ہین، سائنس کے نقطۂ نظر سے خدا محض ایک مفروضہ ہے اور سائنس مین ایسے مفروضہ کو بھی اکثر ترک کر دینا پڑتا ہے جو کسی وقت مفید ثابت ہو چکا ہو، خدا کا مفروضہ اس وقت تک کار آمد تھا جب تک خارجی فطرت (EXPERNAL NATURE) انسان کی دسترس سے باہر تھی اور طغیانی، وبا، قحط اور اسی نوع کے دوسرے مصائب کا خطرہ ہمیشہ رہا کرتا تھا، آج وبا یا قحط کو دور کرنے کے لیے کسی غیر انسانی اور مستتر طاقت کو منانے کی ضرورت نہین ہے، انسان خود ہی ان چیزون پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے اور حدود کے اندر کامیاب بھی ہوتا ہے، اسکی کوشش نماز اور قربانی کی بہ نسبت تو ضرور ہی زیادہ کامیاب ثابت ہوتی ہے، وہ جانتا ہے کہ بیماریان مادی اسباب مثلاً جراثیم اور ناقص طریق زندگی سے پیدا ہوتی ہین، اس لئے وہ ان کو خدا کی قدرت کی طرف منسوب نہین کر سکتا، سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ خدا ناگزیر طور پر انسانی معاملات سے دور ہوتا جاتا ہے،

انسانی ماحول کی دو قسمین ہین، خارجی اور داخلی، انسان اس وقت تک جس ماحول سے بہت کچھ واقف ہو چکا ہے اور اس پر بہت کچھ قابو بھی رکھتا ہے وہ اسکا خارجی ماحول ہے، داخلی ماحول پر جو سوسائٹی اور اُن

خیالات وجذبات کے نظام پر مشتمل ہے جنمین وہ پرورش پاتا ہے، اس کو بہت کم قابو حاصل ہوسکا ہے، چنانچہ اقتصادی، قانونی، سیاسی اور معاشرتی نظامات ہی جو انسان ہی کے بنائے ہوئے ہین دنیا کی موجودہ مشکلات کی بنیاد ہین، اسی بنا پر "عقلی" یہ پیشین گوئی کرتا ہے کہ مستقبل قریب مین مذہب کا تعلق معاشرتی احول سے زیادہ قریب ہوتا جائیگا، واقعہ یہ ہے کہ یہ چیز ایک بڑے پیمانہ پر ایک عرصہ سے ہو بھی رہی ہے، ملک کے مروجہ مذاہب سے روسی اشتمالیت اور جرمن نازی تحریک کی آویزش صاف طور پر ظاہر کرتی ہے کہ یہ تحریکین حقیقی معنون مین بجائے خود حریف مذاہب ہین، ہمارے سامنے ایک ایسی جنگ کی ابتدا ہورہی ہے جو سائنس اور مذہب کے درمیان نہ ہوگی بلکہ خدائی مذہب اور سوشل مذہب کے درمیان ہوگی،

"عقلی" ایک ایسے مذہب کو قائم کرنا چاہتا ہے جو مذہب انسانیت ہو، رواداری اسکا شیوہ ہو، اور اس کا دائرہ تمام دنیا کو محیط ہو، لیکن اس نصب العین کا حصول ابھی ممکن نہین، "عقلی" کو اس امر کے لئے تیار رہنا چاہئے کہ مذہب ابھی ایک طویل مدت تک قومی اور نسلی جذبات سے وابستہ رہیگا، اس سے نارواداری ہوتی رہیگی اور یہ حکومت کو فرد کے اوپر ایک طرح کا خدا بنا کر کھڑا کردیگا، اسے اس قسم کے رجحانات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے"

"ع ز"

معارف:- اس مختصر مقالہ مین عقلیین کے جو نظریئے پیش کئے گئے ہین، انھین سامنے رکھکر دیکھئے کہ ہمارے ہندوستان کے "عقلیین" جو فخر سے علم عقلیت بلند کئے ہین، ان کا مبلغ علم کچھ اس سے زیادہ ہے؟ وہ انھی خیالات کو مختلف طرزون اور رنگون مین پیش کرتے ہین، حالانکہ یہ وہ فرسودہ عقائد ونظریات ہین جنکے دلائل کی کمزوریان آشکارا ہوچکی ہین، اور وہ ہتھیار ہین جنھین یورپ کے عقلیین کی جماعت بھی کند سمجھ کر علحدہ کرچکی ہے، اب وہی علماے سائنس جو کبھی "خدا کو اپنی سرحد سے نکال چکے تھے" پھر اسے بلا کر اس کے سامنے دوزانو ہوکر سربسجود ہونے کا تہیہ کررہے ہین، اب پیغامات ربانی، رسالت ووحی کا بھی دبی زبان سے اقرار کرنے لگے ہین، کرۂ ارض کے کبھی تباہ وبرباد ہوجانے، پہاڑون کا روئی کے گالون کی طرح اڑجانے اور مختلف

کرون کے باہم ٹکرا جانے کی پیشین گوئیان کر رہے ہین، اور کھلے الفاظ مین قیامت کا اعتراف سائنس کی زبان سے ہوتا جاتا ہے، ہم ان اعترافات کو وقتاً فوقتاً ان صفحات مین شایع کرتے رہے ہین، لیکن ابھی ہمارے ہندوستان کے "مجددین وعقلیین" اسی منزل مین ہین جب سائنس کے لئے ان امور کا انکار کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا، تاہم توقع ہے کہ اگر انھون نے محض عقلی نظریات سازی مین وقت نہین گذارا، اور کچھ لکھنے پڑھنے کے ساتھ غور و فکر کی بھی عادت ڈالی، تو ان کی نظر بھی جدید یورپ کے اس نئے لٹریچر پر پڑیگی، اور رفتہ رفتہ ان کی زبان و قلم سے بھی اعترافات نکلینگے،

"ر"

کائنات کی مقدار

کائنات طبیعی کا قطر (۶۰۰۰۰۰۰۰۰) سال نور (Light years) کے برابر ہے، یہ ایک محدود کرہ ہے جو نہایت سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے اور ہر لمحہ زیادہ وسیع اور زیادہ خالی ہوتا جاتا ہے، اس کے خارجی حدود روشنی کی رفتار یعنی تقریباً (۱۸۶۰۰۰) میل فی سکنڈ کی رفتار سے مرکز سے دور ہوتے جاتے ہین، مندرجۂ بالا تخمینہ حال مین ڈاکٹر ہبل (Dr. Hubble) نے جو رصد خانہ ماؤنٹ ولسن (امریکہ) کے مشہور ہیئت دان ہین نیشنل اکاڈمی آف سائنسز کے ایک جلسہ مین پیش کیا ہے، یہ تخمینہ ماؤنٹ ولسن کی معکس دوربین کے ذریعہ حاصل ہوا ہے، جو تمام دنیا مین اپنی قسم کی سب سے بڑی دوربین ہے، اور یہ جدید تخمینہ ان تمام تخمینون سے کئی گنا زیادہ ہے جو اس سے قبل کئے جا چکے ہین، نیز اپنی مقدار کے لحاظ سے اس درجہ وسیع ہے کہ محدود دماغون کے لیے اسے پورے طور پر سمجھ لینا قطعاً ناممکن ہے،

مثلاً روشنی کی رفتار تقریباً (۱۸۶۰۰۰) میل فی سکنڈ یا (۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰) میل فی سال ہے، یہ ماہتاب کی سطح سے ہم تک تقریباً دو سکنڈ مین پہنچتی ہے، آفتاب سے زمین تک پہنچنے مین اسے صرف آٹھ منٹ لگتے ہین، نظام شمسی کو طے کرکے پلوٹو (Pluto) کے مدار تک چند گھنٹون مین پہنچ جاتی ہے، ہم قریب ترین ستارہ سے ہم تک تقریباً چار سال مین پہنچتی ہے، یہ ہمارے عالم کہکشان کے قطر کو قریب (۱۰۰۰۰

سال مین طے کرتی ہے، اور تقریباً اسی مدت مین سحاب ماجلان (Lesser Magellanic Cloud) سے ہم تک پہونچتی ہے یہ مراۃ مسلسلہ (Andromeda) کے سحابیۂ عظمیٰ سے کرۂ زمین تک (۹۰۰۰۰۰) سال مین آتی ہے

سحاب ماجلان اصغر اور سحابیۂ عظمیٰ ہمارے عالم کہکشان کے نسبتہً قریبی ہمسایہ ہین، رصدخانہ ماونٹ ولسن کی دوربین سے وہ چیزین بھی دیکھی جاسکتی ہین جو (۳۰۰۰۰۰۰۰۰) سال نور کی دوری پر واقع ہین، ڈاکٹر ہبل کا بیان ہے کہ اس فاصلہ پر کم سے کم (۱۰۰۰۰۰۰۰) دھندلے ستارے دیکھے جاسکتے ہین اور ان مین کا ہر ستارہ اتنا بڑا ہے جتنا ہمارا عالم کہکشان، وہ فضا مین بظاہر ہر طرف ہموار طور پر پھیلے ہوئے ہین، ان مین سے ہر سحابیہ مین آفتاب سے تقریباً (۸۰۰۰۰۰۰۰) گنا زیادہ مادہ ہے،

ڈاکٹر ہبل نے تحقیق کی ہے کہ جو کہکشان کرۂ ارض سے قریب ہین وہ نسبتہً سست رفتاری کیساتھ حرکت کرتی ہین اور جو کرۂ ارض سے دور واقع ہین ان کی رفتار مین اسی نسبت سے ترقی ہوتی جاتی ہے، (۳۰۰۰۰۰۰۰۰) سال نور کے فاصلہ پر ان کی حرکت تیس ہزار سے چالیس ہزار میل فی سکنڈ یا روشنی کی رفتار کا تقریباً ایک خمس ہوجاتی ہے،

اسی بنا پر ڈاکٹر ہبل نے کائنات کے قطر کا تخمینہ کیا ہے، نظریۂ آئنسٹاین کے روسے مادہ کی رفتار روشنی سے زیادہ تیز نہین ہوسکتی، لہذا ہماری کائنات کی حد اسی نقطہ پر ہوگی، جہان خارجی کہکشانون کی سرعت رفتار اس سرعت کو پہنچ جائے

ڈاکٹر ہبل کی رائے ہے کہ کائنات اب سے (۳۰۰۰۰۰۰۰۰) برس پہلے کی بہ نسبت جبکہ روشنی بعید ترین مرئی سحابیات سے کرۂ ارض کی طرف روانہ ہوئی تھی، اس وقت بہت زیادہ بڑی اور بہت زیادہ خالی بھی ہے، کیونکہ اگر کائنات کے پھیلنے کا نظریہ صحیح ہے تو یہ پھیلاؤ برابر جاری ہے، اور روشنی کی رفتار سے برابر جاری رہیگا، دس سکنڈ کے اندر جو اس پیراگراف کے مطالعہ مین صرف ہوئے، کائنات (۱۸۶۰۰۰) میل پھیل گئی،

سحابیات کا مجموعہ تخمیناً (۵۰۰۰۰۰۰۰۰۰) ہے اور ستارون کا شمار ان سے (۸۰۰۰۰۰۰) گنا زیادہ ہے، لیکن ستارون کی اس تعداد کے باوجود یہ کائنات اس بہترین خلا، (VACUUM) سے بھی زیادہ خالی ہے جو کسی معمل مین تیار کیا گیا ہو، ستارون اور سحابیات کی درمیانی فضا مین ایک گرام مادہ کا تناسب وہی ہے جو روئے زمین کے حجم اور ایک ذرۂ ریگ کا تناسب ہے،

(لٹریری ڈائجسٹ) "ع ز"

اخبار علمیہ

زلزلہ کی علامتین

زلزلہ کے متعلق حال تک یہ خیال قائم تھا کہ اس سے کوئی مفر ہی نہین کیونکہ فطرت کا یہ قہر بغیر کسی اطلاع کے نازل ہو جاتا ہے، لیکن جدید انکشافات نے اس راے کی غلطی ظاہر کر دی ہے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ زلزلہ کی علامتین اسکی آمد سے پیشتر نظر آجاتی ہین، چنانچہ ۱۵ جنوری ۳۴ء کو صوبہ بہار مین جو زبردست زلزلہ آیا اس کے سلسلہ مین تحقیقات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس خطہ کی سطح ستر سال سے برابر بلند ہو رہی تھی اور اگرچہ یہ ارتفاع فی صد سال صرف چھ فٹ کی رفتار سے تھا تاہم کوہ ہمالیہ کی ہمسایگی نے اسے بہت کچھ خطرناک بنا دیا تھا، ہمالیہ اب بھی محسوس طور پر بڑھتا جا رہا ہے، اس کے دامن مین جو میدانی علاقہ ہے وہ بھی اوپر کی طرف کسی قدر کھنچتا جاتا ہے، اسلئے اس زلزلہ کے اسباب مین غالبًا ایک سبب اس خطۂ زمین کا بلند ہو جانا بھی تھا، اسی طرح جاپانیون نے جو اکثر زلزلہ کا شکار ہوتے رہتے ہین اس کی بعض علامتین سائنس کے ذریعہ سے معلوم کرلی ہین اور وہ اس واقفیت سے فائدہ اٹھا رہے ہین، انھون نے دریافت کر لیا ہے کہ زلزلہ کی آمد سے قبل زمین مین ایک تناؤ پیدا ہو جاتا ہے، نیز جھٹکہ سے کچھ دیر پہلے زمین ایک طرف کو جھک جاتی ہے، یہ علامتین سائنٹفک آلات سے معلوم ہو جاتی ہین، بڑے بڑے زلزلون کے ساتھ ایک طرح کی برقی روشنی بھی دیکھی گئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ برق اور زلزلہ مین کوئی قریبی تعلق ہے، لیکن اب تک کوئی ایسا برقی آلہ ایجاد نہین ہوا ہے جو اس تعلق کو محسوس کر کے آنے والے زلزلہ سے متنبہ کر سکے، اس مقصد کے لئے جو چیز سب سے زیادہ مفید ثابت ہوئی ہے وہ ایک بدشکل مچھلی ہے جسے "گربہ ماہی" (Cat fish) کہتے ہین، یہ مچھلی زلزلہ کی آمد کی اطلاع دیدیتی ہے، ممکن ہے کہ بعض دوسرے جانورون کو بھی پیشتر اطلاع ہو جاتی ہو

چنانچہ حال مین کیلیفورنیا (امریکہ) مین ایک زلزلہ سے پہلے دیکھا گیا کہ جھٹکہ شروع ہونے سے نصف گھنٹہ قبل ایک خاص قسم کی چڑیان اپنے گھونسلے چھوڑ چھوڑ کر درختون سے اڑگئین، لیکن چڑیون کے ذریعہ زلزلہ کے متعلق کوئی اطلاع فراہم کرنا آسان نہین ہے، "گربہ ماہی" اہل جاپان کی دریافت کردہ ہے، اس مچھلی سے زلزلہ کی خبر معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ایک ٹنکی مین رکھتے ہین اور ہر چھ گھنٹہ مین ایک بار اس میز کو تھتھپاتے ہین جس پر وہ ٹنکی رکھی ہوتی ہے، اگر زلزلہ آنے والا نہین ہوتا تو مچھلی کے طرزِ عمل مین کوئی فرق نہین دیکھا جاتا لیکن اگر میز کو تھتھپاتے ہی مچھلی فوراً پانی مین غوطہ لگائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ چھ گھنٹے کے اندر ہی زلزلہ آنے والا ہے، تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ اس مچھلی کی یہ اطلاع اسّی فی صدی صحیح ثابت ہوئی ہے، یہ مچھلی غیر معمولی طور پر بعض برقی حالات کا احساس رکھتی ہے، اگر زمین کی برقی رو اور اس مچھلی کے درمیان کوئی حاجز Insulator پیدا کردیا جائے تو اسے آنے والے زلزلہ کی خواہ وہ کتنا ہی قریب کیون نہ ہو اطلاع نہین ہوسکتی، مچھلی اور زمین کے درمیان برقی تعلق کا قائم رہنا ضروری ہے، امید کیجاتی ہے کہ ایک نہ ایک روز کوئی ایسا برقی آلہ ایجاد ہوجائیگا جو اس مچھلی کی طرح آنے والے زلزلہ کا پتہ دے دیا کرے گا،

دنیا کی سب سے کم عمر یونیورسٹی

فلسطین مین یہود نے جو یونیورسٹی قائم کی ہے اس کی عمر صرف نو سال ہے، اس کے اکثر اساتذہ وہ یہودی پروفیسر ہین جنکو نازی استبداد نے حال مین جرمنی سے جلاوطن کردیا ہے، اس کے چانسلر نیویارک کے سب سے زیادہ دولتمند یہودی کلیسا کے سابق ربی ڈاکٹر جوڈا میگنیس (Dr. Judah Magn) ہین جو ۱۹۲۵ء مین ایک عہدہ پر مقرر ہوئے تھے، اس یونیورسٹی کا افتتاح اب سے نو سال قبل لارڈ بالفور نے اس وعدہ کے مطابق کیا تھا، جو انھون نے جنگ عظیم کے دوران مین یہود سے کیا تھا، اسکی تقریب افتتاح مین دنیا کی تقریباً ہر مہذب حکومت اور ساٹھ سے زائد علمی ادارون کے نمایندے شریک تھے، اس جامعہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مشرق ادنی مین پہلا ریڈیم انسٹی ٹیوٹ یہین قائم ہوا ہے، اس مین ایک مدرسہ طبیہ بھی ہے، گذشتہ سال اس کے

ایک فاضل طبیب ڈاکٹر سال ایڈلر (Saul adler) نے کالاآزار اور ایک دوسرے بخار کی تحقیق کے سلسلہ مین انگلستان کی رائل سوسائٹی کا سب سے بڑا انعام چامرس مڈل (Chalmers Medal) حاصل کیا ہے،

طب کا حیرت انگیز تجربہ

کیلیفورنیا یونیورسٹی (امریکہ) کے ایک نوجوان ڈاکٹر رابرٹ کارنش (Robert Cornish) جن کی عمر صرف اٹھائیس سال ہے، مردہ کو زندہ کرنے کا تجربہ کر رہے ہین، انھون نے یہ تجربہ پہلے کتون پر شروع کیا ہے، کتون کو نائٹروجن کے ذریعہ دم گھوٹ کر مار ڈالتے ہین، اور پھر قلب کی حرکت کے بند ہوجانے کے بعد ان مین دوبارہ زندگی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہین، اول اول اس تجربہ مین کامیابی نہ ہوئی، لیکن چوتھا کتا چار منٹ تک مردہ رہنے کے بعد ڈاکٹر موصوف کی تدبیرون سے از سر نو زندگی کے آثار ظاہر کرنے لگا، یہ تدبیرین مصنوعی تنفس اور ایک خاص قسم کے انجکشن کے ذریعہ جو ڈاکٹر کارنش کا ایجاد کردہ ہے، عمل مین لائی جاتی ہین، چھٹے روز کتے نے آنکھین کھول دین اور ہفتہ ختم ہونے پر اس قابل ہوگیا کہ نرم غذا کھا سکے، اطبار کا خیال ہے کہ یہ تجربہ کامیاب ثابت ہوگیا تو ہزارہا انسانی جانین جو ہر سال پانی مین غرق ہوکر یا دم گھٹنے کی وجہ سے یا بجلی کے صدمہ سے ہلاک ہوجاتی ہین بچائی جاسکتی ہین،

دنیا کی سب سے بڑی دوربین،

کیلیفورنیا کے ایک رصد خانہ کے لئے ایک دوربین بنائی جارہی ہے جس کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی دوربین ہوگی، اس کے مصارف کا تخمینہ جس مین رصد خانہ اور معمل کی عمارت کے مصارف بھی شامل ہین، ساٹھ لاکھ ڈالر ہے، رسالہ پوپولر سائنس (Popular Science) کی روایت کے مطابق یہ دوربین موجودہ دوربینون مین سے سب سے بڑی دوربین سے بھی دس گنا زیادہ طاقتور ہوگی اور مصارف کے اعتبار سے ابتک جتنے سائنٹفک آلات بنائے گئے ہین ان سب سے زیادہ قیمتی ہوگی، توقع کیجاتی ہے، کہ اب تک جس قدر فضا کا مشاہدہ کیا جاچکا ہے اس دوربین سے اس سے تیس گنا زیادہ مقدار مین مشاہدہ کیا جاسکے گا، کروڑون نئے ستارے ظاہر ہون گے، اور بعض ایسے مسائل حل ہوجائین گے جو صدیون سے

ہیئت دانون کی حیرانی کا باعث ہین، اس کے قرص کا قطر دو سو انچ ہے، اس کا شیشہ تقریبًا تیس انچ دبیز اور تقریبًا بیس ٹن وزنی ہے،

مشتری مین داغ

امریکہ کے ایک ہیئت دان پروفیسر نساؤ (J. J. Nassau) نے مشتری مین ایک بہت بڑا داغ دریافت کیا ہے جو حال مین نمودار ہوا ہے، پروفیسر موصوف کی دریافت کے بعد دنیا کے مختلف حصون مین دوسرے ہیئت دانون نے بھی اس کا مشاہدہ کیا ہے، یہ داغ تقریبًا دو ہزار میل چوڑا اور اس کا بیس ہزار گز لنبا ہے، ہیئت دانون کا خیال ہے کہ یہ مشتری کے ہوائی کرہ مین ایک بہت بڑے طوفان کا نتیجہ ہے، مشتری اور زحل کے داغون کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ ان سے آفتاب کے داغون کے برخلاف، موسم ارضی پر کوئی اثر نہین پڑتا،

امراض چشم کا حیرت انگیز علاج

ڈاکٹر ولیم بینیڈکٹ (William Benedict) نے رسالہ سائٹ سیونگ ریویو (Sight Saving Review) مین اپنا تجربہ بیان کیا ہے کہ امراض چشم کے لئے بہترین علاج آنسو ہین، آنکھون کو محفوظ رکھنے کے لئے جو دوائین استعمال کیجاتی ہین آنسوان سے کئی سو گنا زیادہ مفید ثابت ہوتے ہین،

ہزارون جدید عالم

امریکہ کے ایک فاضل ہیئت دان، ڈاکٹر ہارلو شاپلے (HARLOUSHAPLEY) نے جو مشہور عالم رصد خانہ ہارورڈ کے ڈائرکٹر ہین، حال مین رائل اسٹرانومیکل سوسائٹی، لندن مین ایک خطبہ دیا تھا جس مین انھون نے بیان کیا کہ انکے رصد خانہ مین جو بلوئم فانٹائن (BLDEMFONTEIN) جنوبی افریقہ مین واقع ہے ہزارون نئے عالم دو سو فی گھنٹہ کے حساب سے دریافت کئے جاسکتے ہین، انمین سے ہر عالم مین کروڑون ستارے ہین، جو عالم ابتک دریافت شدہ تھے وہ بھی اس رصد خانہ کے کشف سے بہ نسبت پہلے کے بہت زیادہ بڑے ثابت ہوئے جنمین سے بعض تو پچاس گنا زیادہ بڑے ہین،

"ع ز"

ادبیات

دریا اور ساحل

از جناب پروفیسر محمد اکبر منیر ایم اے گورنمنٹ کالج ملتان

ایک دن دریا نے اترا کر یہ ساحل سے کہا زندگانی کی حقیقت سے ہے تو نا آشنا
زندگی کیا ہے ؟ خدائے پاک کا انعام ہے گلستانِ دہر مین گلگشت کا پیغام ہے
حسرت و اندوہ سامان ہین تن آسانی تری تیرے چہرے سے عیان ہے مرگ پنہانی تیری
تو سکونِ جاودان سے پائے در زنجیر ہے تو سکوتِ جاودان سے موت کی تصویر ہے
تیری مدہوشی سے چرخِ نیلگون غمناک ہے تیری خاموشی سے چشمِ زندگی نمناک ہے
سینہ میرا دیکھ جذبون سے تلاطم خیز ہے میرے پہلو مین نہان طوفانِ حشر انگیز ہے
میری ہر اک موج مین اک نغمۂ دلسوز ہے میرے ہر اک قطرہ مین اک نورِ جان افروز ہے
کھیلتی ہے میری موجون سے شعاعِ آفتاب رقص کرتا ہے مرے پانی مین نورِ ماہتاب
سوتا ہے آکر مرے دامن مین چرخِ نیلگون وجد مین لاتا ہے انجم کو مرا جوشِ جنون
بزمِ ہستی مین ہے جوشِ عشق سے مجھکو بقا شوق ہر وادی مین بنجاتا ہے میرا رہنما
پلتے ہین دل مین مرے ہنگامہ ہائے آرزو مجھکو دائم خوب سے ہے خوبتر کی جستجو
اس تگ و دو مین مری مستور ہے رازِ حیات کشمکش امواج کی ہے زخمۂ سازِ حیات
زندگی کا نور ہے ہنگامہ آرائی مری بینشِ بزمِ دو عالم ہے تماشائی مری

میری موجون سے بیابان غیرتِ گلزار ہون
خفتگانِ خاک نغمون سے مرے بیدار ہون

سنکے ساحل نے ذرا پہلے تو کھایا پیچ و تاب
(۲) پھر متانت سے کیا دریا سے اُسنے یون خطاب

مین نے مانا شور و شر کا تو علم بردار ہے
آبِ دریا! تو ابھی نا محرمِ اسرار ہے

ہو نہین سکتی کبھی دلکش فسون سازی تری
آشکارا ہے جہان مین شانِ غمازی تری

چھوڑ کر تو کوہسارون کو جہان مین خوار ہے
ترکِ الفت کے سبب ناچار ہے نادار ہے

آہ تو پابندِ آئینِ وفاداری نہین!
تیری موجین آشنائے لطفِ غمخواری نہین

دانہ آسا ہے مری افتاد سامانِ حیات
میرا ہر اک ذرہ ہے خورشیدِ تابانِ حیات

پھوٹتے ہین میرے سینے سے درختانِ بلند
ڈالتی ہین جن کی شاخین آسمانون پر کمند

جو حوادث سے نہ گھبرائے وہ ہے میری حیات
لاکھ شورش جس پہ ہو قربان وہ ہے میرا ثبات

کس قدر حیرت فزا ہے کوہسارون کا سکوت!
آسمانِ نیلگون کا اور ستارون کا سکوت!

خامشی کی گود مین پلتی ہے نیرنگِ حیات
خامشی سے رہتی ہے پیہم روان جوئے حیات

میری خاموشی مین پنہان زندگی کا جوش ہے
جوش سے لبریز ہو تو زندگی خاموش ہے

میرے دل مین حسن کے لاکھون جہان مستور ہین
محفلین میری سراسر جلوہ ہاے طور ہین

میری فطرت کو نہین منظور خود آرائیان
چشمِ ظاہر بین سے ہین اوجھل مری رعنائیان

مثلِ آئینہ سراپا دیدۂ بینا ہون مین
عشق کی مے سے جو ہو لبریز وہ مینا ہون مین

حسن کا مظہر بھی ہون مین عشق کا پیکر بھی ہون
سجدہ ریزِ بارگاہِ خالقِ اکبر بھی ہون

خلق سے خالق نے مجھکو کر دیا ہے بے نیاز
رہتا ہون ہر وقت اس کی یاد مین محوِ نماز

میری خودداری، حصارِ گنبدِ دوار ہے
میرا استقلال، نورِ سینۂ احرار ہے

نغمہ ہاے زندگی سے پر ہے خاموشی مری
ہے حیاتِ جاودان کا راز مدہوشی مری

کوہسارون کیطرح گو خامش و مدہوش ہون   زندگی کے حسن سے لیکن مین ہم آغوش ہون

محفلِ گیتی کا ذرہ ذرہ جان افروز ہے (۳) داستانِ ساحل و دریا سبق آموز ہے

تو مصافِ دہر مین ساحل بھی ہو دریا بھی ہو   یعنی نورِ حسن بھی ہو حسن کا شیدا بھی ہو

بیخودی دریا کی ہو ساحل کی خودداری بھی ہو   بے نیازی حسن کی ہو عشق کی زاری بھی ہو

مثلِ ساحل دورِ ہستی مین رہے سینہ سپر   اور مثالِ آبِ دریا ہو ترا خونِ جگر

موجِ دریا کی طرح ہو موجۂ خونِ حیات   اور ساحل کی طرح ہو چشمِ میگونِ حیات

جذبہاے عشق سے سینہ ترا لبریز ہو   نعرۂ تکبیر ترا شورِ محشر خیز ہو

حشرِ جذبات

از مولوی سید ابو محمد صاحب ثاقب کانپوری

ہر حبابِ بحرِ رقصان موت کی منزل مین ہو   تشنہ کامِ آرزو کی آرزو ساحل مین ہے

لین سبق عبرت کا، گر احساس اہلِ دلمین ہو   ہے مرقع زندگی کا شمع جو محفل مین ہے

دیکھنے سے جس کے مٹ جاتا ہو احساسِ حیات   ایک ایسی بھی کشش موجِ لبِ ساحل مین ہے

کر رہی ہے مرگِ حسرت اُسطرف آنکھون کو بند   اس طرف ذوقِ تماشا دیدۂ بسمل مین ہے

سخت جانی! اس بھرے مقتل مین کہدے میری بات   حشر تک پوری نہ ہو جو کچھ دلِ قاتل مین ہے

تیرا ہی ذوقِ نظر نا آشناے حسن ہے   ورنہ لیلاے تمنا دل کے ہر محمل مین ہے

خاطرِ دشمن ہو میری دلدہی کے ساتھ ساتھ   ہاے جانِ ناتوان بھی کس قدر مشکل مین ہے

کر رہا ہے شرحِ دردِ دل زبانِ راز مین   آہ وہ آنسو جو اب تک دیدۂ بسمل مین ہے

کم نہ ہو جوشِ طلب اے پاے ہمت المدد!   ایک لطفِ خاص حاصل سعیِ لاحاصل مین ہے

انتہاے یاس مین بھی جوشِ مقصد ہے وہی   عزم کتنا ہمتِ گم کردۂ منزل مین ہے

داستانِ شوق تھی میری نگاہِ یاس مین
اک پشیمانی کا عالم جذبۂ قاتل مین ہے،

اُٹھ کے ثاقب گو چلا آیا ہون اس کی بزم سے
دل کی تسکین کا مگر سامان اُسی محفل مین ہے

بیانِ اظہر،

از جناب منشی اظہر الحق صاحب نعمانی ردولوی،

حدودِ عقل و فہم مین کبھی نہ تو سما سکا
تلاش و جستجو پہ بھی نہ اصل کوئی پا سکا
یہ رازِ اہلِ بزم مین کوئی نہین بتا سکا
کہ دیکھ کر جمالِ رخ بھی ہوش کیون نہ آ سکا
قدم لرز لرز گئے نظر جھپک جھپک گئی
تجلیوں کی روشنی مین اور بھی نہ پا سکا
فراق ہے حیاتِ عشق وصل اسکی موت ہو
مگر ہر ایک بوالہوس کہاں یہ راز پا سکا
کثافتین نگاہ کی حجابِ دید بن گئین
مین سر ٹپک کے رہ گیا مگر انھین نہ پا سکا
شعاعِ رخ نقاب سے تڑپ کے خود نکل پڑی
حجاب مین بھی رہ کے وہ نہ اپنے کو چھپا سکا
کثافتِ نگاہ، یا لطافتِ جمال تھی،
مری نظر ہی خیرہ تھی کہ خود نظر نہ آ سکا
نہ عشق کی تسلیاں نہ حسن کی تجلیان
جنونِ دل کی شورشین کوئی نہین دبا سکا
اسی تلاش و جستجو مین عمر ختم ہو گئی
حریمِ ناز کا پتہ مین آج تک نہ پا سکا
چمن کی دلفریبیان تسلیِ نظر ہوئین
تعینات میں الجھ کے انتہا نہ پا سکا

تجلیاتِ حسن بھی نہ جانے کس بلا کی تھین
کہ اظہرِ حزین کو ہوش آجتک نہ آسکا

باب التقریظ والانتقاد

مرآة المثنوی

مرتبہ

جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم، اے

دنیاے اسلام نے مثنوی مولنا روم کی جو قدر دانی کی، وہ فارسی زبان کی کسی کتاب کو کم نصیب ہوئی ہوگی، فارسی نظم و نثر کی کتابون مین شاہ نامہ، دیوان حافظ اور گلستان کو بھی بہت زیادہ قبولیت حاصل ہوئی، لیکن مثنوی کا پلہ ان سب سے بھاری رہا، مسلمانون مین جب تک سلطنت کا جاہ و جلال قائم رہا اور بقاے سلطنت کے لئے فوجی جذبات بھی ساتھ ساتھ قائم رہے، شاہ نامہ کی داستانین لوگون کو ازبر ہین، لیکن اب اسکا ایک شعر بھی کسی کو یاد نہین، دیوان حافظ کو صرف غزل گو شعرا، اور رندانہ مزاج کے لوگون مین قبول عام حاصل ہوا اور کبھی کبھی صوفیہ کرام نے بھی اسکا مطالعہ کرلیا، باقی علما، اور قوم کے عام طبقہ کو اس سے کوئی دلچسپی نہین رہی، گلستان کی فصاحت و بلاغت نے بے شبہہ اس کی شہرت کو بہت عام کیا، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خواص کے حلقہ سے نکل کر مکتب مین آگئی اور بازیچۂ اطفال بنگئی، لیکن مثنوی کی شہرت ہمیشہ لازوال رہی، وہ اب تک اسی قدر مقبول عام ہے جس قدر پہلے تھی، اس کی شہرت کسی خاص طبقہ تک محدود نہین رہی، بلکہ عام و خاص علما، و فضلا، صوفیہ سب اسکو حقائق و معارف کا گنجینہ سمجھتے رہے، البتہ مسلمانون کا علمی ذوق جس قدر پست ہوتا گیا لوگ اس کے حقائق و معارف کو چھوڑ کر صرف اسکی تمثیلات و حکایات پر قانع ہوگئے، اور زیادہ تر وعظ و پند کی محفلون مین اس کی شہرت قائم رہی، مولنا شبلی مرحوم

پہلے شخص ہین جنھون نے اس طلسمِ حقیقت کا ایک قفل توڑ کر بتایا کہ مثنوی مین اور تمام حقائق کے ساتھ علم کلام کے مسائل کو بھی جس خوبی کے ساتھ حل کیا گیا ہے، علم کلام کی بڑی بڑی کتابون مین بھی اس کی جھلک نظر نہین آتی، لیکن انھون نے اپنے موضوع کے محدود ہونے کی وجہ سے صرف اسی پر قناعت کی اور بقیہ حقائق کو چھوڑ دیا، فرماتے تھے کہ اگر لکھنا چاہتا تو سوانح مولنا روم سے دگنی بڑی کتاب لکھ سکتا تھا، لیکن ہم کو مسرت ہے کہ قاضی تلمذ حسین صاحب ایم اے نے جو بحمد اللہ ایک جدید فاضل تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود پورے پورے مذہبی ہین اور مذہب و تصوف کا کافی علمی و عملی ذوق رکھتے ہین، یہ کمی پوری کر دی اور مثنوی کے متعلق تین کتابین لکھین جنھون نے مثنوی اور صاحبِ مثنوی کی تمام خصوصیات کو نمایان کر دیا یعنی

صاحب المثنوی - اس مین مولنا روم کے سوانح حیات، اور انکے ہمعصر اور اصحاب کے حالات ہین،

نقد المثنوی، اس مین مثنوی پر مبسوط تبصرہ ہے،

مرأة المثنوی، اس مین مثنوی کا انتخاب مختلف حیثیتون سے کیا گیا ہے،

پہلی دونون کتابین ابھی زیورِ طبع سے آراستہ نہین ہوئین، لیکن تیسری کتاب چھپ کر ہمارے سامنے آگئی اور ہماری دیدہ افروزی کا سامان بنی ہوئی ہے، اگرچہ دیباچہ، ضمیمہ اور فہرست وغیرہ کو بھی شامل کر لیا جائے تو کتاب کی پوری ضخامت کم و بیش بارہ سو صفحات تک پہنچ جاتی ہے جس کی اجمالی تقسیم یہ ہے،

(۱) دیباچہ،	۴۰ صفحہ،
(۲) فہرست.	۴۴ صفحہ،
(۳) یواقیت القصص یعنی انتخاب حکایات،	۵۳۹ صفحہ تمام حکایتون کا انتخاب ہے صرف غیر ضروری اشعار بیچ سے چھوڑ دیئے گئے ہین،
(۴) درر الحکم یعنی مختلف اسرار و معارف،	از ۵۴۴ تا ۷۸۱،
(۵) جواہر القرآن،	از ۷۸۵ تا ۸۹۵ اس مین اُن اشعار کا انتخاب ہے جسمین مولنا نے کسی آیت کی تفسیر کی ہے یا اس سے کام لیا ہے، پہلے آیت مع ترجمہ درج کیگئی ہے پھر اسکے متعلق اشعار نقل کئے ہین،

(۶) لآلی السنن، از ۸۹۹ تا ۹۳۵ اس مین وہ اشعار درج کئے گئے ہین جسمین مولنا نے کسی حدیث کی شرح کی ہو یا اسکو بطور تلمیح کے لائے ہین، اشعار سے پہلے حدیثین درج کی گئی ہین،

اس کے بعد ضمیمے وغیرہ ہین،

اس تقسیم نے مثنوی کے بکھرے ہوئے موتیون کو ایک لڑی مین پرو دیا ہے، کیونکہ مثنوی کا انداز بیان یہ ہے کہ ایک حکایت شروع ہوتی ہو اور بیچ بیچ مین بہت سے نکتے آتے جاتے ہین، لیکن ابھی بات پوری نہین ہوتی کہ دوسری حکایت چھڑ جاتی ہے، اسی طرح یہ سلسلہ برابر قائم رہتا ہے، اسلئے پڑھنے والے کو معلوم نہین ہوتا کہ مولنا ان حکایات کے ضمن مین کن کن نکات کو سمجھانا چاہتے ہین، اس لئے ضرورت تھی کہ اصول کیمیاوی کے طریقہ پر مختلف عنوانات کے تحت مین مثنوی کے تمام اسرار کو علحدہ علحدہ ابواب مین منقسم کر لیا جائے، اور قاضی صاحب نے بڑی عرقریزی سے یہی کام انجام دیا ہو۔

شروع مین متعدد فہرستین ہین، ایک ضروری فہرست یا اشاریہ (انڈکس) کتاب کے مطالب اور مضامین کی ہی جس سے بہت آسانی کے ساتھ ہر مضمون کا پتہ لگایا جاسکتا ہو، ایک دوسرا ضروری کام جامع نے یہ کیا ہے کہ ان آیات اور حدیثون کو جنکے ٹکڑے بصورت اقتباس مثنوی مین آتے ہین، ان کا پتہ لگا کر پوری آیت اور حدیث لکھدی ہے،

غرض کتاب ظاہری و باطنی دونون حیثیتون سے مکمل ہے، اور ہمکو یقین ہو کہ وہ زیادہ تر انگریزی خوان طبقہ کو جو کتاب کو صرف اس وقت پڑھتا ہو جب وہ عمدہ چھپی ہوئی ہو اور خوشنما جلد مین بندھکر اسکے سامنے آئے، مثنوی کی طرف اور ضمناً تصوف و مذہب کیطرف بھی مائل کریگی، البتہ یہ کمی ہو کہ در الحکم مین علم کلام، فلسفہ اور تصوف کے بہت سے نکات چھوڑ دیئے گئے ہین، شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ سوانح مولنا روم مین وہ آگئے ہین، تصوف کی کتابون مین جو حدیثین آتی ہین وہ بہت کچھ قابل تنقید ہوتی ہین، مثنوی مین بھی اس قسم کی حدیثین ہین، لیکن اس کتاب مین انپر کوئی تنقید نہین کیگئی ہو، غالباً نقد المثنوی مین ان سے تعرض کیا جائے۔

بہر حال کتاب اس قابل ہو کہ اہل علم بالخصوص انگریزی خوان طبقہ کی بزم علم مین بار پائے، اور بتائے کہ فلسفہ کی سرحد سے ماورا غیب تک پہنچنے کی صحیح راہ کیا ہو، قیمت: ع۸ مجلد لکھائی چھپائی اعلی جلد خوبصورت چمڑے کی پتہ: دائرۃ الادب حیدر گوڑہ حیدرآباد دکن،

اُردو کے نئے رسالے

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس ششماہی میں، اردو کے نئے رسالے جاری کرنے میں سالہائے ماسبق کے برخلاف صوبہ پنجاب پر ہمارا صوبہ متحدہ سبقت لے گیا ہے، اس کے بعد دہلی کا درجہ رہا، پھر پنجاب کا نمبر آتا ہے، بنگال و بہار کا درجہ باہم مساوی رہا، اسکے بعد حیدرآباد دکن اور پھر اسیطرح اردو کے اصطلاحی مرکز سے دور دراز مقامات کاٹھیاواڑ، پٹاور اور سندھ سے فقط ایک ایک نیا پرچہ نکلا ہے،

صوبہ متحدہ کے رسائل صوبہ متحدہ کے جو نئے رسالے ہمیں ریویو کے لئے موصول ہوئے، وہ سخنور، انتخاب، ایوان، کوثر، مومن، کائنات، الہیات، قائد، اور روح ادب ماہانہ رسائل ہیں، اور ایک زنانہ رسالہ مستورات، پندرہ روزہ ہی،

سخنور (لکھنؤ)، مدیر جناب عبدالباری آسی، حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ، مقام اشاعت احاطہ فقیر محمد خان لکھنؤ،

جناب عبدالباری صاحب آسی، لکھنوی، اردو کے روشناس نقاد و ادیب ہیں، اب تک وہ کبھی پس پردہ اور کبھی بے نقاب ہوکر ادب اردو پر نقد و نظر کرتے تھے، اب وہ بے محابا داد سخنوری دینے نکلے ہیں، اور رسالہ سخنور کو جاری کرکے یہ مستقل ذمہ داری قبول کرلی ہے، اسی کے ساتھ ان کی کوشش ہے کہ یہ رسالہ صرف ادبی صحیفہ بنکر نہ رہجائے بلکہ مختلف نوع کے مضامین سے اس کو دلچسپ بنایا جائے، چنانچہ اس وقت تیسرا نمبر ہمارے سامنے ہے، سر مقالہ "رسول پاک کا ایک نادیدہ عاشق" کے عنوان سے ہے، جس میں حضرت اویس قرنی کے حالات کو ہم نے اس رسالہ میں حیرت کے ساتھ پڑھا، جسکا بیشتر حصہ سیر الاولیاء کی روایتوں پر مشتمل ہے، دوسرا مضمون "پراسرار لاش" کے عنوان سے ہے جس میں شامی قبیلہ دروز کی پراسرار تحریک مختصر "ابطرز فسانہ دکھائی گئی ہے، ایک مضمون "پامپی آئی" کے کھنڈر اور آثار پر ہے، یاد آتا ہے کہ یہ ترجمہ کسی دوسرے رسالہ میں نکل چکا ہے، "شاعر کی موت" کے عنوان سے مدیر کا ایک مضمون ہے، جس میں شعراء کے ایسے تخیلات یکجا کئے ہیں جن میں انھوں نے انبیاء و ملائکہ کو شوخ چشمی اور شاعرانہ لن ترانیوں کے ساتھ خطاب کیا ہے، آخر میں "طرحیات" کے عنوان سے کسی مشاعرہ کے منتخبات درج ہیں،

رسالہ اپنے مختلف حیثیات سے خاصہ ہے، لیکن ہمین "آرگس" و "عکاس" جیسے روشناسون سے اس سے زیادہ بلند خدمات کی توقع قائم ہے، امید ہے کہ وہ پوری ہونگی،

انتخاب، لکھنؤ، دارالاشاعت صدیق بک ڈپو امین آباد، لکھنؤ، حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ ے ؏

یہ لکھنؤ کا دوسرا ادبی رسالہ ہے، جسے وہان کے مشہور صاحب ذوق تاجر کتب جناب محمد صدیق صاحب نے ماہ فروری سے نکالا ہے، پہلا پرچہ جناب سیفی ندوی "(؟) کی ادارت مین اور دوسرا جناب نقاش سلطانپوری کی ادارت مین نکلا ہے، رسالہ کے اجراء کا مقصد "اردو کے ادبی رسائل کے پست معیار کو بلند کرنا ہو اور" ایک ایسا رسالہ جاری کرنا جو اسقام و عیوب سے پاک ہو" رسالہ کو ملک کے اچھے اہل قلم اور شعرا تک رسائی حاصل ہے، لیکن مضامین مین ابھی تک کوئی ایسی نشانی نظر نہین آئی، جو اس رسالہ کو اردو کے دوسرے ادبی رسالون کی سطح سے بلند دکھائے، جن کے دعاوی "نگہ انتخاب" مین نظر آتے ہین، تاہم امید ہے کہ اگر جناب محمد صدیق صاحب نے اپنی ادبی دھن سے اس رسالہ کی بھی خدمت کی، جو ان کی زندگی کا نمایان وصف ہے، تو وہ ایک اچھا رسالہ کامیابی کیساتھ چلا سکتے ہین،

ایوان، گورکھپور، مرتبہ جناب مجنون گورکھپوری، حجم ۵۰ صفحے، قیمت سالانہ للعہ، پتہ :- ایوان اشاعت گورکھپور

مجلس ایوان اشاعت، گورکھپور کا ماہانہ آرگن دو سال ملتوی رہ کر ماہ رواں جولائی سے پھر نکلا ہے، رسالہ اور اس کے مدیر ملک مین دونون روشناس ہو چکے ہین، یہ جدید پرچہ بھی اپنی پچھلی خصوصیات کا حامل ہے، "داستان یوسف" کے عنوان سے جناب عبد القیوم صاحب رسا نے حضرت یوسفؑ کے قصہ سے متعلق مغربی نقاد و مورخین کی تحقیقات کو پیش کیا ہے، اور جہان قرآن مجید کی روایت و بیان سے اختلاف نظر آیا، دلائل و درایت کی روشنی مین مغربی تحقیقات کی تصحیح کی ہے، "قائم چاندپوری" پر جناب مدیر نے اپنے تاثرات لکھے ہین، جناب مدیر کا ایک افسانہ "محبت کی فریب کاریان" ایوان کے پچھلے نمبرون مین نکلا تھا، اس کا بقیہ حصہ اس نئے نمبر مین درج ہے، ضرورت تھی کہ گذشتہ حصہ کا خلاصہ بیان چند سطرون مین درج کر دیا جاتا، کہ ربط قائم رہتا، اس ادبی و علمی پرچہ مین "یوپی وقف بل پر تبصرہ" تعجب انگیز ہے، شعراء کے کلام مین سید الشعراء حسرت موہانی کی ایک تازہ غزل

شریک اشاعت ہے،

کونین، گورکھپور، زیر ادارت مولوی عزیز الرحمن صاحب اصلاحی و جناب محمد یحییٰ صاحب اعظمی حجم ۴۰ صفحے، تقطیع ۲۲×۱۸/۸ ، قیمت سالانہ عہ، پتہ:۔ دفتر کونین، محلہ کھوکھر پور، گورکھپور،

رسالہ کونین کا مقصد مسلمانون کے غیر مستطیع و نادار طبقون مین کم از کم قیمت مین اوسط درجہ کا مفید اسلامی لٹریچر پہنچانا ہے، رسالہ محنت سے مرتب کیا جاتا ہے، اور مضامین سنجیدہ اور مطالعہ کے لائق ہوتے ہین، اس رسالہ مین آخر کے چند نمبرون سے مولٰنا حمید الدین مرحوم کی عربی تفسیر سورۂ ابی لہب کا مسلسل ترجمہ مولانائے مرحوم کے لائق و قابل اعتماد تلمیذ مولوی امین احسن صاحب اصلاحی استاذ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے قلم سے ہوتا ہے، جو کمال احتیاط سے مولانائے مرحوم کے اصول تفسیر اور ان کے اصل نقطۂ نظر کو مد نظر رکھ کر اردو مین منتقل کیا جارہا ہے، اگر یہ سلسلہ مستقلاً جاری رہا، تو کونین کی معرفت ایک بڑی دینی خدمت انجام پائیگی، رسالہ سال رواں کے آغاز سے جاری ہوا ہے، رسالہ کے مضامین مختلف موضوع تاریخ، ادب، سیاست اور مذہب پر مشتمل ہوتے ہین،

کائنات سنبھل اڈیٹر جناب ظہور الدین احمد صاحب حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عا، پتہ:۔ دفتر رسالہ کائنات سنبھل ضلع مراد آباد، یوپی،

یہ ایک سیاسی و ادبی رسالہ ہے، جس کا مقصد مسلمانون کی سیاسی و معاشرتی و اقتصادی اصلاح ہے، رسالہ مین روزانہ اخبارات کی خبرین بھی شائع کیجاتی ہین، رسالہ کی ترتیب و تہذیب پر مزید توجہ کی ضرورت ہے،

الہٰیات کانپور، اڈیٹر مولوی عبد الحفیظ ملیح آبادی، حجم ۳۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ قیمت عہ، مدرسہ الٰہیات کانپور کے علماء و طلبہ کی جانب سے یہ رسالہ نکلا ہے، جس کا مقصد دینی و تبلیغی خدمت کرنا ہے، خوشی کی بات ہے کہ مدرسہ الٰہیات کے قدیم روح روان مولٰنا آزاد سبحانی نے رسالہ کی مشروط سرپرستی قبول کی ہے، توقع ہے کہ رسالہ ان کے مطمح نظر کو پورا کریگا، اور مفید خدمت انجام دیگا،

قائد امروہہ، ادارہ جناب سید حبیب احمد افق کاظمی، و مولوی عبد الحلیم ناظم صدیقی حجم ۳۲ صفحے، قیمت:۔ سالانہ عہ پتہ:۔ دفتر رسالہ قائد، خانقاہ ضیفیہ، محلہ گنگوئی، امروہہ،

یہ ایک مذہبی، علمی، ادبی و اصلاحی رسالہ ہے، جو ماہ محرم ۵۳ھ سے نکلا ہے، صفر و ربیع الاول کا مشترک پرچہ ہمارے سامنے ہے، کارکنان رسالہ اخلاص کے ساتھ اسلام کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں، مضامین میں زیادہ حصہ مذہبی مضمونوں کا ہے، نیز علمی و اصلاحی مختصر مضامین بھی ہیں، ادب کی خدمت نظموں اور غزلوں کے ذریعہ کیجاتی ہے،

روح ادب علیگڑھ، ادارہ جناب محمد اشفاق الرب صاحب میرٹھی، و جناب محمد خلیل الرحمن صاحب سالک، دار الاشاعت رسل گنج، علی گڈہ، حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عار

روح ادب ایک ادبی رسالہ ہے، جس کا دوسرا نمبر بابت ماہ فروری ہمارے سامنے ہے، مضامین مختصر دو صفحے کے ہیں، جنمیں زیادہ حصہ ادبی جواہر پاروں کا ہے، جو مختلف عنوانوں سے درج ہیں، "مدینۃ العلم علی گڈہ" کا انتساب ظاہر کرنے سے کارکنان رسالہ کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں، صوری حیثیت سے بھی اچھے کاغذ اور اچھی لکھائی چھپائی کی ضرورت ہے،

مستورات کانپور، (پندرہ روزہ) مدیرہ جناب حبیب بلقیس بیگم، حجم ۴۴ صفحے، قیمت سالانہ عہ و غیر مستطیع طالبات سے ہر، مقام اشاعت، سول لائن، علی گڈہ،

یہ ایک اسلامی زنانہ رسالہ ہے، جو صوبہ متحدہ کی مسلمان خواتین میں علمی و ادبی مذاق پیدا کرنے، مسلم خواتین کو بری رسموں کی پابندیوں سے دور کرنے، اونھیں اخلاقی و معاشرتی تعلیم دینے، اور بچوں کی تربیت کے اصول بتانے کے لئے نکلا ہے، رسالہ کا پہلا نمبر وسط مئی ۳۴ء کو شائع ہوا، پہلے پرچہ میں اپنے موضوع کے مطابق "اصلاح رسوم" "بی بیوں کے دستکاری کی ضرورت" وغیرہ پر مضامین ہیں، رسالہ کو نواب فخر یار جنگ بہادر معتمد فائنس حیدرآباد دکن کی سرپرستی حاصل ہے،

دہلی کے نئے رسالے دہلی کے نئے رسائل، جاوید، جمالستان، رہبر نسواں، نئی دنیا، مدرس اور پیام تعلیم ہیں، جو سب ماہانہ ہیں

جاوید، اڈیٹر مولوی عبد الوحید صاحب صدیقی، مولوی محمد ادریس صاحب میرٹھی، حجم ۷۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت :- سالانہ صہ مقام اشاعت بازار مٹیا محل دہلی،

جاوید صحیح معنوں میں ایک علمی و ادبی رسالہ ہے، جو ماہ جنوری سے نکلا ہے، رسالہ کو دار العلوم دیوبند کے

ذی علم ارباب قلم اور ملک کے دوسرے اصحاب علم کی سرپرستی حاصل ہے، مضامین سنجیدہ، تحقیقی، اور معیاری ہوتے ہین، مذہبی مضامین کے ماسوا مغربی زبان کے ممتاز اہل علم کے علمی و تاریخی مقالات کے مفید ترجمے، اور اقتباسات کے ساتھ اُن پر نقد کیا جاتا ہے، نیز افسانون کی چاشنی بھی ہوتی ہے، جو دلچسپ اور سبق آموز ہوتے ہین، بعض پرچون مین تحریرون کے فوٹو بلاک شائع ہوتے ہین، اردو زبان کے موجودہ "ادبی" و "اسلامی" رسالون کے دور مین کسی سنجیدہ اسلامی علمی و ادبی رسالہ کا نکال کر چلا لینا، کارکنان رسالہ کی انتہائی کوششون ہی کا نتیجہ ہوسکتا ہے، خدا کرے یہ رسالہ قائم رہکر اپنی خدمات انجام دیتا رہے،

جمالستان زیر ادارت جناب مظہر انصاری، بی اے، و جناب محمد نقی، دہلوی، حجم ۵۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ، پتہ: منیجر جمالستان، دہلی،

یہ صاف ستھرا اور خوشنما چھپا ہوا ادبی رسالہ ماہ جنوری سے نکلا ہے، فروری کا پرچہ ہمارے سامنے ہے، مضامین کا معیار اچھا خاصہ بلند ہے، افسانون مین جناب خواجہ حسن نظامی کا افسانہ "شہر نظر کی آپ بیتی" سبق آموز ہے، اسی طرح جناب عشرت رحمانی کا افسانہ "مغالطہ" اور مزاحیہ مضامین مین جناب محمد نقی صاحب دہلوی کا فسانہ "مہمان" دلچسپ افسانے ہین، اسی نمبر مین جناب حمید اللہ صاحب مقیم شانتی نکیتن نے "ہندوستان مین زبان کا سوال" پیش کر کے رائے دی ہے کہ ہندوستان کی بین الاقوامی زبان انگریزی قرار دیجائے، اور قومی زبان ہندوستانی بنائی جائے، اور وحدت پیدا کرنے کے لئے اسے رومن رسم خط مین لکھا جائے، تعجب ہے کہ ابھی تک ہمارے ارباب فکر مین یہ مسئلہ طے ہی نہین پایا کہ زبان اردو اور اردو رسم خط مین چولی دامن کا ساتھ ہے، کہ اس زبان کی بنیاد و اساس اسی رسم خط پر قائم ہے، رسم خط چھوڑنے کے دوسرے معنی زبان اردو کے ترک کرنے کے ہین، اس لئے جو لوگ دانستہ و نادانستہ رسم خط کی بحث چھیڑتے ہین، وہ درپردہ اس نئی زبان کے پروپگنڈے مین معاون ہوتے ہین، جسے کچھ دنون سے ہندی کے نام سے ملک مین رائج کرنے کی کوشش کیجارہی ہے، مسرت ہے کہ کارکنان رسالہ نے اس مقالہ سے مناسب اختلاف کیا ہے،

رہبر نسوان (مصور) اڈیٹر جناب فاروقی بیگم، حجم ۵۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ، پتہ دفتر رہبر نسوان

کوچہ چیلان، دہلی،

دہلی سے عورتون کا مشہور رسالہ عصمت جاری ہے، اب اسی شہر سے یہ دوسرا پرچہ جناب فاروقی بیگم کی ادارت اور جناب بیگم آصف علی بیرسٹر کی سرپرستی مین نکلا ہے، اور یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ کارکنان رسالہ اپنی مغرب زدہ بہنون کو ایسے جادۂ اعتدال پر لانا چاہتی ہین کہ مشرقی روایات کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، اور ہندوستان کی مسلم ہندو خواتین "اسوۂ زہراؑ" اور "سیتا کی یاد" کو تازہ کرین، رسالہ کے مضامین کا اندازہ ان کے عنوانون سے کیا جا سکتا ہے، مثلاً "جمالِ اسلام" "اسلام اور جنس لطیف" "دخترانِ اسلام کی حق گوئی" "میدان جنگ مین مسلمان عورتین" "ترکی خواتین کی علمی ترقی" مسلم خواتین کے پہلو بہ پہلو ہندو دیویون کے مضامین بھی ہین، مثلاً "مین تمھین یاد کرتی ہون" کملا دیوی، بمبئی، "حیدر علی کی مذہبی رواداری" جناب ستیا دیوی، بی اے، "بیمہ یا زیور" جناب کرشنا کماری چکبست "بچون کی بیماریان" ڈاکٹر مہاراج کماری صاحبہ، رسالہ مین عورتون کی دلچسپی کے ابواب "خوانِ نعمت" "نسوانی دنیا کی خبرین" اور "دستکاری" اور اس کے نمونے وغیرہ بھی موجود ہین،

نئی دنیا، اڈیٹر جناب سید صدیق احمد، حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ ہر پرچہ ۱ر، پتہ:- دفتر نئی دنیا دہلی،

نئی دنیا ایک سستا رسالہ ہے، جو خاص نوجوانون کے لئے نکالا گیا ہے، اور "کونین شوگر کوٹڈ" شکر لپٹی ہوئی کونین کے مصداق، اس کے مضامین تیار کئے جاتے ہین، لیکن بظاہر نظر شکر اس قدر زیادہ ہوگئی ہے کہ کونین کا افادہ مشتبہ ہوگیا ہے، رسالہ ماہ اپریل سے جاری ہے،

مدرس، اڈیٹر جناب بشیر انصاری، حجم ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ عہ ہر پرچہ ۲ر، مقام اشاعت کوچۂ چیلان دہلی،

مدرس اپنے نام کے لحاظ سے تو تعلیمی رسالہ معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کے شذرات مین زیادہ تر ہندوستان و اسلامی سیاسیات پر بحث ہوتی ہے، اور مضامین مذہبی، اور اسلامی تاریخ پر ہین، اسی لئے سرورق پر "دین و دنیا کے درس و تدریس کا مدرس" مکتوب ہے، مضامین مین لوگون کی مستقل کتابون اور

رسالون کے اقتباسات بغیر حوالہ درج ہین، مثلاً "اسلام وغیر مسلم" "مسلمانون کی حیرت انگیز ایجادین" وغیرہ،

پیام تعلیم۔ (مصور) زیر ادارت جناب سعید انصاری بی اے (جامعی) و مولوی حسین حسان ندوی، حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ فی پرچہ ۳ر، پتہ:۔ دفتر پیام تعلیم، جامعہ ملیہ قرولباغ، دہلی،

پیام تعلیم پہلے بچون کا پندرہ روزہ رسالہ نما اخبار تھا، اب اُسے ماہانہ کر دیا گیا ہے، اور اس مین رسالہ کی شان پیدا ہو گئی ہے، مولوی حسین حسان، گہری دلچسپی سے اُسے مرتب کرتے ہین، اچھے اچھے پڑھے لکھون اور مشہور اصحاب علم سے مضامین حاصل کرتے ہین، جو بچون کے فہم کے مطابق انھی کی زبان اور دلچسپ طرز ادا مین مختصر مضامین لکھتے ہین، نیز طلبہ کے مضامین بھی ہوتے ہین، اکثر مضامین مصور کر کے شائع کئے جاتے ہین، اور شاید اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ رسالہ مختلف حیثیات سے طلبہ کے لئے سب سے کارآمد اور مفید رسالہ ہے،

پنجاب کے نئے رسائل پنجاب کے نئے رسائل حسب ذیل ہین، تاج لاہور، "البرق" جالندھر، "نرگس لاہور"، دلنواز اور پھول باغ" پٹیالہ، یہ سب ماہانہ ہین،

تاج، ناشر تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور، حجم ۵۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت سالانہ عامر

تاج کمپنی لمیٹڈ نے جواب تک منجملہ دیگر کاروبار کے، عمدہ طباعت کے ساتھ قرآن مجید کے حصص اور اوراد و وظائف کے رسالے شائع کرتی تھی، اب "تاج" کے نام سے رسالہ نکالا ہے، جس کا مقصد "اسلامی علوم و معارف کی نشر و اشاعت اور مسلمانون کو عہد حاضر کی علمی و ادبی تجارتی و صنعتی سرگرمیون سے روشناس کرانا" بتایا گیا ہے، اس کا پہلا پرچہ ماہ فروری مین نکلا ہے، اور اپنے موضوع سے متعلق اوسط درجہ کے مضامین درج ہین،

البرق جالندھر، مدیر جناب محمد علی و سید، سید محمد، حجم ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ ۳ے، پتہ:۔ منیجر البرق پنجاب انجینرنگ انسٹی ٹیوٹ، جالندھر شہر،

البرق، پنجاب انجینرنگ انسٹی ٹیوٹ کا آرگن ہے، اس انسٹی ٹیوٹ کے ماتحت ایک اسکول ہے،

جو طلبہ کو بجلی کے مختلف قسم کے کام سکھاتا ہے، اس رسالہ مین اس اسکول کے حالات و کوائف چھپتے ہین، نیز علوم جدیدہ سے متعلق مضامین ہوتے ہین، جن مین سے اکثر کسی نہ کسی اردو رسالہ یا اخبار مین چھپ چکے ہین، رسالہ مفید ثابت ہو، اگر واقعی اس سے مقصود ملک کے نوجوان کو الکٹریکل لائینون مین جانے کی ترغیب و تحریص دلائی جائے اور اس موضوع پر مستقل مضامین عام دلچسپی پیدا کرنے کے لیے شائع کئے جائین کہ ایسے رسالون کی اردو زبان مین بڑی ضرورت ہے،

نرگس، لاہور (مصور) مرتبہ جناب مطیع اللہ صاحب حجم ۹۴ صفحے، قیمت سالانہ ۳؎، پتہ بہ منیجر رسالہ نرگس پل رود، لاہور،

رسالہ نرگس "گلشن علم و ادب کا شگفتہ پھول" کے عنوان سے ماہ جنوری ۳۴ء سے نکلا ہے، فروری کا پرچہ ہمارے سامنے ہے، مضامین بلند و پست دونون معیار کے ہین، اولاً "آغاز" کی سرخی سے اپنے پہلے نمبر کے مضمونون اور مضمون نگارون کی ستائش کیگئی ہے، پھر "تقریبا" کے عنوان سے زیر نظر پرچہ کے مضامین کی تعریف و توصیف ہے، پھر اپنے ایک ہمعصر رسالہ . . . . . کے تعلی نگار" پر سب و شتم کی بارش کیگئی ہے، جو ہمارے ادبی رسالون کی باہمی آویزش کا افسوسناک مظاہرہ ہے، مضامین مین "دنیا کے افسانوی ادب پر ایک طائرانہ نظر" وقیع و جامع مضمون ہے، رسالہ اگر اسی معیار پر بھی قائم رہے، تو ادبی رسالون مین اوسط درجہ کا اچھا رسالہ سمجھا جائیگا،

دلنواز، گوجرانوالہ (مصور) اڈیٹر جناب حکیم محبوب الٰہی صاحب حجم ۵۶ صفحے قیمت عار پتہ بہ منیجر دلنواز گوجرانوالہ پنجاب،

یہ ایک مفید اصلاحی رسالہ ہے، جو چند مہینون سے جاری ہے، اس مین ادبی و طبی مضامین کے علاوہ مختصر مفید مضامین ایسے بھی ہوتے ہین، جنمین دیہی باشندون کے اخلاق و صحت کی اصلاح کے طریقے اور حفظان صحت کے اصول وغیرہ بیان کئے جاتے ہین،

پھول باغ پٹیالہ، اڈیٹر جناب صاحبزادہ کوشان سنگت پوری، حجم ۶۲ صفحے، قیمت سالانہ للعہ وطلبہ سے عہ پتہ:۔ دفتر رسالہ پھول باغ، پٹیالہ،

پھول باغ ایک ادبی وتعلیمی رسالہ ہے، مضمون نگارون مین بعض اچھے اچھے بلند پایہ ہندو ومسلم اہل قلم ہین، مضامین کا معیار بھی خاصہ بلند ہے، ہمین ایسے رسائل کو دیکھ کر دلی خوشی ہوتی ہے کہ وہ بغیر کسی قومی تفریق کے زبان اردو کو ملکی زبان تصور کرتے ہین، اور اس کی خدمت کو خود اپنی خدمت سمجھتے ہین، ایسے رسائل سے اردو کی مفید خدمت انجام پانے کی توقع ہے، رسالہ کے آخر مین بطور ضمیمہ "چنی ہوئی کلیان یعنی بچون کا باغ" کے عنوان سے چند صفحے ہوتے ہین، جو بچون کے لئے مخصوص ہین،

کلکتہ کے نئے رسائل اس ششماہی مین کلکتہ سے صرف دو ماہانہ رسالے نکلے، وہ ماہ تمام اور المومن ہین،

ماہِ تمام، اڈیٹر جناب محمد اسحق امرتسری، حجم ۵۶ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، قیمت سالانہ للعہ، پتہ نمبر ۶، بی، کنائی اسٹریٹ کلکتہ،

ماہِ تمام "اردو زبان کے درجۂ پست وزبون کو بلند کرنے" کے لئے نکلا ہے، اس کا پہلا نمبر بابت ماہ جون ہمین موصول ہوا ہے، اس کے مضامین کا بیشتر حصہ انگریزی زبان کے رسالون اور افسانون کے مترجمات وملخصات پر مشتمل ہے، جو اوسط درجہ کے اچھے اور پڑھنے کے لائق ہین، اسی کے ساتھ خامیون سے بھی خالی نہین، مثلاً پہلا مضمون "گنہگار لڑکی" جناب مدیر کے قلم سے ہے، جو تھامس ہارڈی کے ایک فسانہ کا ترجمہ ہے جسے ہندوستانی معاشرت کے رنگ مین پیش کیا گیا ہے، جا بجا زبان کی لغزشین موجود ہین، مثلاً "ہم آٹھ دس لڑکیان کھیل رہی تھین" (ص ۱۷) "اتنے مین گھوڑے کے "ٹاپون" کی آواز سنائی دی" (ص ۱۷) "سردی کی آنکھون سے "آنسون" جاری تھے"۔ "بیگم صاحب "کنے" بھیجا دیگا" (۱۸) اور اگر دہقانی زبان دکھانی تھی، تو کوئی دہقانی لڑکی جس کی ماں "گائے کو چارہ دیتی" ہو وہ اپنی ماں کو شاید "اماں جان" نہ کہتی ہوگی، اسی طرح دوسرا مضمون "انقلاب روس کا ایک ورق" ہے، جس مین مسٹر این بنرجی کے سفر روس کی سرگذشت اور "انقلاب روس کا فنون لطیفہ پر اثر" دکھایا گیا ہے، پھر "غالب ومومن"

کے عنوان سے غالب کے ایک شعر پر مدیر ماہ تمام اور مدیر نگار کے درمیان ایک ادبی مباحثہ ہے جس مین جیت مدیر ماہ تمام ہی کی نظر آتی ہے، "موت کی لذت" کے عنوان سے جناب ایم ضیاء الدین کا ایک دلچسپ مضمون اور اس پر مدیر ماہ تمام کی ایک مختصر آپ بیتی درج ہے، یہ پرچہ مجموعی حیثیت سے اردو کے ادبی رسالون مین ایک اچھی جگہ پانے کا مستحق ہے،

المومن مدیر جناب محمد یحیٰی صاحب حجم ۳۲ صفحے، قیمت سالانہ عہ، مقام اشاعت نمبر ۳ بنیا پوکھر روڈ انٹالی کلکتہ

"المومن" اسلامی جماعت "مومن" کا سب سے پہلا ترجمان تھا، جو کلکتہ سے جمعیۃ المومنین کی سرپرستی مین نکلتا تھا، اور بڑی حد تک اعتدال کے ساتھ پیشہ ور مسلم جماعتون کی بیداری و اصلاح کی خدمت انجام دیتا تھا، ادھر چند سال سے یہ رسالہ بند ہو گیا تھا، اب ماہ جنوری ۳۴ء سے پھر جاری ہو گیا ہے، رسالہ کے مضامین اپنے موضوع سے متعلق ہین، امید ہے کہ رسالہ اسی اعتدال کے ساتھ دوسری مسلمان جماعتون سے آویزش و اختلاف کئے بغیر مسلمانون کے ایک بڑے طبقے کی اصلاح و ترقی کی مفید خدمت انجام دیتا رہیگا،

بہار کے رسالے صوبہ بہار سے بھی اردو کے دو رسالے نکلے، جنمین ایک علمی و ادبی پرچہ گنجینہ بانکی پور پٹنہ، اور دوسرا مذہبی مجلہ سلفیہ دربھنگہ ہے،

گنجینہ، ادارہ جناب ناسخ کرینوی و جناب نیر گیاوی، حجم ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ عہ، ہر پرچہ ۲ر، مقام اشاعت چوہٹہ، بانکی پور پٹنہ،

گنجینہ کا دوسرا نمبر بابت ماہ جون ہمین موصول ہوا، رسالہ کے پیش نظر صوبہ بہار مین اردو کی خدمت اور علمی و ادبی مذاق پیدا کرنا ہے، مضامین علمی و ادبی دونون ہین، مولنا حکیم سید احمد اللہ صاحب ندوی نے "اہل بہار اور زبان اردو کی خدمت" کے عنوان سے باشندگان بہار کی علمی و ادبی خدمات کا مختصراً جائزہ لیا ہے، مولوی سید شاہ محمد جعفر میان ندوی نے "قلمرو اردو مین نفاذ اصلاحات" کے عنوان سے ایسے الفاظ اور ترکیبون کا مسئلہ پیش کیا ہے جو عربی قاعدے سے درست نہین، لیکن اردو مین بعض سنجیدہ طور پر اور بعض عوام کی زبان پر رائج ہین، لیکن ان مباحث پر وضع اصطلاحات و توسیع زبان اردو کے ضمن مین حیدر آباد کی تصنیفات مین کافی بحثین ہو چکی ہین، مولوی عبد المالک صاحب آروی نے تیرھوین صدی کے صاحب علم و شاعر مولنا سعید حسرت بہاری کے حالات لکھے ہین اور ان کا

علمی و ادبی مرتبہ ظاہر کیا ہے، رسالہ کی ترتیب و تہذیب پر مزید توجہ کی ضرورت ہے، "ادب اور لٹریچر" کا مفہوم بھی کارکنان رسالہ کو اس سے بلند سمجھنا چاہئے، جسکو انھون نے اپنی تحریر مین سامنے رکھا ہے، مثلاً وہی مضمون "انتظار کی نیرنگیان" جو مدیر رسالہ کا لکھا ہوا ہے تخیل و انشا دونون حیثیتون سے ابھی ان کی مزید توجہ کا مستحق تھا، بلکہ اس مین زبان کی معمولی فروگذاشتین تک باقی رہ گئی ہین، مثلاً "فوارے سے صاف پانی اوچھل رہا تھا "چمن پر"..... "قریب" "کے" "سب جھاڑیون کا..." "آج تو آتے" "دیر مین..." "حسین لڑکی" "نے" اپنے کو سنبھال کر..... ایک جگہ بیٹھ جاتی ہو" وغیرہ اسیطرح اس مضمون مین یہ جو کہا گیا ہے کہ پٹنہ کا نام انگریزون نے پٹنہ رکھا، یہ صحیح نہین، نیز ہمین یہ عرض کرنا ہے کہ صوبہ بہار سے ابھی محض گنتی کے چند رسالے نکلتے ہین، کم از کم ابھی تو انھین باہمی چشمکون سے بچنا بچانا چاہئے تھا، اس لئے اس پرچہ مین بہ عنوان "مزاحیات" اپنے صوبہ کے ایک پیش رو معاصر رسالہ پر جو چوٹین کیگئی ہین وہ پسندیدہ و خوشگوار نہین کہی جاسکتین، بہرحال یہ چند فروعی باتین تھین، ورنہ ہمین مولوی محمد اسمٰعیل ناصح کرنیوی اور جناب سید حبیب احمد نیر گیاوی، بی اے کے جوش عمل، ذوق صحیح اور صلاحیت و استعداد سے اس کی بڑی توقع ہے کہ وہ اس رسالہ کو کامیابی سے چلائین گے، اور اگر خدا نے اس کی عمر مین برکت دی تو انشاء اللہ یہ ایک مفید علمی و ادبی صحیفہ ثابت ہوگا،

مجلۂ سلفیہ دربھنگہ، اڈیٹر مولوی سید عبد الحفیظ صاحب گیاوی، حجم ۳۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت سالانہ عار، پتہ:- دفتر مجلۂ سلفیہ لہریا سرائے، دربھنگہ،

دربھنگہ مین جماعت اہل حدیث کا ایک عربی مدرسہ "دار العلوم احمدیہ سلفیہ" ہے، اسی مدرسہ کے طلبہ کیجانب سے مدرسہ کے نام پر مجلۂ سلفیہ کے نام سے یہ رسالہ نکلا ہے، رسالہ کا مقصد دینی و مذہبی خدمت کی انجام دہی ہے، مضامین تقریباً سب طلبہ ہی کے لئے ہین جو مختلف دینی، مذہبی و علمی مباحث پر ہین، اور طلبہ کی استعداد کے لحاظ سے نہایت امید افزا ہین، توقع ہے کہ یہ رسالہ طلبہ مین علمی و ادبی ذوق پیدا کرنے مین کامیاب ہوگا،

چند دیگر رسائل حیدرآباد سے اس ششماہی مین صرف ایک نیا رسالہ موصول ہوا، وہ الموسیٰ ہے،

الموسیٰ (ماہی) مدیر جناب مرزا سرفراز علی صاحب، حجم ۴۴ صفحے قیمت سالانہ للعہ پتہ:- سٹی کالج، حیدرآباد دکن

یہ رسالہ سٹی کالج، حیدرآباد کی ادبی مجلس "بزم ادب" کی جانب سے کالج کے چند اساتذہ کی نگرانی مین نکلا ہے، سٹی کالج کی عمارت دریائے موسی کے کنارے ہے، اسی مناسبت سے رسالہ کا نام "الموسیٰ" رکھا گیا ہے، رسالہ کے افتتاحیہ مین اس کے نام کی مناسبات کا لحاظ زیادہ نمایان ہوگیا ہے، رسالہ کا افتتاح ایک نظم "موسی مائی" سے ہے، مضمون نگارون اور شعراء مین قریب قریب سب کالج ہی کے طلبہ ہین، مضامین مین افسانون اور دوسرے ادبی مضمونون کے علاوہ مزاحیہ مضامین بھی ہین، جن مین "سید میران بیگ خان صاحب قبلہ" کے عنوان سے کسی کالج کے پروفیسر کا مزاحیہ رنگ مین خاکہ اڑایا گیا ہے، جو اساتذہ کے اس جذبۂ ادب واحترام کے خلاف ہے، جو مشرقی تہذیب مین صفتِ طلبِ علم کی شرطِ اولین سمجھی جاتی تھی، دیگر مضامین مین بھی بعض طبعزاد اور بعض مشہور یورپی اہل قلم کے کامیاب ترجمے ہین، نظمون مین بھی بیشتر حصہ یورپی شعراء کے کلام کے سلیس، روان، اور کامیاب منظوم ترجمون پر مشتمل ہے، جنپر ہم کالج کے طلبہ کو مبارکباد دیتے ہین،

مرکز اردو سے دور دراز مقامات کے جن چند رسائل کا تذکرہ اوپر گذرا وہ حسب ذیل ہین،

شہاب، جوناگڈھ، مرتبہ مولنا سید ابوظفر ندوی و جناب قاضی احمد میان صاحب اختر جوناگڈھی، حجم ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ عہ، پتہ دفتر شہاب، کنگ روڈ، جوناگڈھ، کاٹھیاوار،

رسالہ شہاب کے مرتبین کے نام ناظرین معارف سے نامانوس نہین، یہ ہمارے معارف کے مستقل معاونین مین ہین، ان کی کوششون سے کاٹھیاوار جیسے دور دراز مقام سے اردو کا یہ بلند پایہ رسالہ جاری ہوا ہے، جو آگرہ مین چھپتا ہے اور جوناگڈھ سے شائع ہوتا ہے، اسکی اشاعت کا مقصد کاٹھیاوار مین اردو اور اسلامی علوم ومعارف کی ترویج واشاعت ہے، اس کا پہلا پرچہ ماہ جنوری مین نکلا ہے، اور اس وقت تک پابندی وقت کیساتھ جاری ہے، مضامین کا معیار بلند ہے، اب تک اسکے مختلف پرچون مین مختلف وقیع علمی وادبی مضامین شائع ہو چکے ہین، مثلاً "علم مواقیت الصلوٰۃ" "انگریزی اعلیٰ تعلیم کا دردناک انجام" "بوہرہ قوم کی اصلیت" جس مین دکھایا ہے کہ بوہرہ دراصل وہ عرب ہین جو ابتداءً تجارت اور "بیوپار" کے لئے ہندوستان آئے "حبشی لڑکی خدا کی تلاش مین" (ترجمہ فسانہ برناڈ شا) "کال کوٹھری کے خلاف ایک جدید شہادت" "اناجیل اربعہ کے نئے معنی" پھر ہر پرچہ مین منظومات کے عنوان سے مختلف ممتاز شعراء کے کلام اور علمی خبرین

کے ماتحت نئے سائنٹفک نظریات و تحقیقات وغیرہ درج ہوتی ہین، امید ہے کہ رسالہ جاری رہ کر اپنی مفید خدمات مین مصروف رہیگا،

سفیر سخن، پشاور، (ماہانہ مصور) اڈیٹر جناب ابوالکیف کیفی سرحدی، حجم ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ عکر

پتہ:- منیجر سفیر سخن، پشاور،

یہ صوبہ سرحد کا واحد ادبی رسالہ ہے، جو جناب نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان وزیر تعلیمات صوبۂ سرحد کی سرپرستی مین جاری ہوا ہے، رسالہ محنت سے مرتب کیا جاتا ہے، مضامین زیادہ تر ادبی ہین، جو اچھے ہوتے ہین، اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مضمون نگارون اور معاونین مین زیادہ تر صوبہ سرحد ہی کے اصحاب علم و شعرا ہین، نیز ملک کے دیگر ممتاز ارباب علم و اصحاب قلم کی معاونت بھی اسے حاصل ہے، اس وقت یہ رسالہ صوبہ سرحد مین زبان اردو کی بہترین خدمت مین مصروف ہے، اور دلچسپی اور انہماک کے ساتھ نکالا جاتا ہے

میزان الافکار کراچی، (ماہانہ) ادارہ جناب فائق کرتپوری و فروغ گوڑوی، حجم ۳۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت سالانہ ۱۲ ار، پتہ:- دفتر میزان الافکار، ہارون برادرس بلڈنگ، رام سوامی کوارٹر، کراچی، (سندھ)

یہ مختصر رسالہ کراچی سے ادب اردو کی خدمت کیلئے جناب افسر صدیقی امروہوی کی سرپرستی مین نکلا ہے، مضامین مین ادبی مضامین، افسانے اور غزلین وغیرہ ہین، جناب افسر صدیقی امروہوی کا ایک مقالہ ”اردو کا ایک یورپین شاعر“ ہے، جسمین انھون نے مسٹر جارج شور کے اردو دیوان پر تبصرہ کیا ہے، مقالہ نگار نے جارج پرنس شور کی قیامگاہ میرٹھ لکھا ہے، لیکن منشی عبدالکریم نے اپنے تذکرہ شعراے اردو مین اسے علی گڈھ کا متوطن بتایا ہے، البتہ اس کے دو دیوان میرٹھ کے مطبع ممتاز المطابع مین چھپے تھے، شاید مقالہ نگار کو اسی سے التباس ہوا ہو، امید ہے کہ یہ رسالہ زندہ رہ کر سندھ مین زبان اردو کی خدمت انجام دے،

”ز“

مطبوعات جدیدہ

جنگ و جدال، از جناب سید سجاد حیدر صاحب بی اے، ڈپٹی کلکٹر صوبہ متحدہ، حجم ۱۴۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۲ر پتہ:- منیجر صاحب مسلم یونیورسٹی بکڈپو، علی گڈھ،

جناب سید سجاد حیدر (یلدرم) اردو زبان کے اُن افسانہ نویسون مین ہین، جو اردو زبان مین مختصر افسانہ نویسی اور جدید طرز کے ستھرے ناولون اور ڈرامون کو اردو مین منتقل کرنے کی ابتدائی داغ بیل ڈالنے والے ہین، خصوصاً ترکی زبان کے افسانون اور ڈرامون کو اردو مین ابتداءً موصوف ہی نے روشناس کیا، زیر نظر ڈرامہ "جنگ و جدال" بھی ایک ترکی ڈرامہ کا اپنے مخصوص طرز مین ایک کامیاب ترجمہ ہے، جس مین ترکون کی معاشرتی و خانگی زندگی مین یورپ کے طرز معاشرت کے تتبع کی ابتدائی جھلک نظر آتی ہے، افسانہ کا حاصل عصمت و بے عصمتی کی ایک مؤثر جنگ اور عصمت کی بے عصمتی پر حیرت انگیز کامیابی ہے،

کلیات طغرائی، مرتبہ جناب صوفی غلام مصطفٰے تبسم ایم اے، پروفیسر گورنمنٹ کالج، لاہور، حجم ۲۰۰ صفحے، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ۱عہ پتہ:- کتب خانہ طغرائی، امرتسر

جناب حکیم فیروز الدین احمد صاحب فیروز طغرائی، مرحوم امرتسری، دور آخر مین پنجاب کے نوجوان شعراء کے رہنما و مطاع تھے، موصوف کی وفات پر ان کے عقیدت کیش تلامذہ نے ان کی یادگار مین ایک مجلس "بزم طغرائی" کے نام سے قائم کی اور اس بزم نے ان کے کلام کی ترتیب کی خدمت ان کے لائق شاگرد اور پنجاب کے خاموش صاحب علم جناب صوفی غلام مصطفٰے تبسم پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور کے سپرد کی جنھون نے ان کا مجموعۂ کلام "کلیات طغرائی" کے نام سے شائع کیا ہے، ابتدا مین مرتب نے اپنے استاذ کے سوانح حیات قلمبند کرکے پیش کئے ہین، پھر موصوف کے دوسرے تلامذہ جناب عرشی اور جناب ممتاز حسن صاحب، ایم اے نے اردو و فارسی کلام پر نقد کیا ہے، اس کے بعد کلیات شروع ہوتا ہے

جو مختلف اصناف سخن پر مشتمل ہے، اور کلام کو مختلف عنوانون "نظمین" "اسلامی نظمین" "غزلیات" اور "فارسی نظمین" "فارسی غزلیات" "قصائد" اور "متفرقات" مین تقسیم کر دیا ہے، کلام مین پختگی، متانت اور لطافت کی جھلک نظر آتی ہے، ثقیل و نامانوس الفاظ سے دامن محفوظ، اور ترکیبون سے سادگی نمایان ہے،

خزینۂ معلومات، از جناب ایم اے ایس، ناشر ایجوکیشنل بک ڈپو، شمشاد بلڈنگ، سول لائن، علی گڈھ، حجم ۲۰۵ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ

یہ ایک دلچسپ اور کارآمد کتاب اور وقتی ضروریات کے لئے واقعی "خزینۂ معلومات" ہے، اس کتاب مین انسانی ضروریات اور کاروبار کے ایسے معلومات فراہم کئے گئے ہین، جنکی مختلف طبقون اور پیشون مین ضرورت پڑتی رہتی ہے، اس کے محتویات کا اندازہ اس کے عنوانون سے ہو سکتا ہے، مثلاً "ڈاکخانہ" جس کے ماتحت ملکی اور غیر ملکی ڈاک، قواعد پارسل، خطوط، رجسٹری، منی آڈر، سیونگ بینک، کیش سارٹیفکٹ اور تار، ٹیلیفون وغیرہ کے جملہ قوانین، معلومات اور استعمال کے طریقے بتائے گئے ہین، اسی طرح "ریلوے" کے بیان مین ہر قسم کی گاڑیون کی تفصیل، پارسل وغیرہ کے طریقے، ان کے قواعد اور محصول وغیرہ، اسی طرح "انکم ٹکس" "قوانین کسٹم" "تجارت" کے معلومات مین ایوانہائے تجارت، بحری راستے، سامان منگانے بھیجنے کے وسائل، درآمد برآمد، وغیرہ کا بیان ہے، پھر طبی، سیاسی اور مذہبی معلومات درج ہین، رقوم، ہندسے، پیمانے، اوزان وغیرہ کا ذکر ہے، "بینک" "نرخ منڈی" "کرنسی" "سکے" غیر ممالک مین ایجنسیان لینے کے طریقے وغیرہ بتائے گئے ہین، عدالت دیوانی اور فوجداری کے ضروری قوانین، مقدمات دائر کرنے اور پیروی کے ضروری ہدایات ہین، پھر کواکب، سنین، ایام وغیرہ کی تشریح ہے، دائمی جنتری، اور اس کے استعمال کا طریقہ اور سب سے آخر مین سال رواں کی جنتری درج ہے، ان جملہ امور کے چھوٹے بڑے ضروری معلومات آگئے ہین، حساب کتاب کے مختلف کارآمد نقشے بھی ہین، لیکن اگر کتاب کو مختلف وسیع عنوانون کے ماتحت دوسرے طریق پر مرتب کیا جاتا تو مناسب تھا، اور یہ بھی افسوس ہے کہ کتابت کی غلطیان، بعض جگہ ہندسون، اور محصول وغیرہ مین رہ گئی ہین،

"ر"

مرآۃ المثنوی

یعنی

مولنا جلال الدین الرومی قدس سرہ العزیز کی مثنوی معنوی کے قصص و حکایات
کی تلخیص حِکم و معارف کی تخمیر اشعار مشتمل بر آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبویؐ کی ترتیب

مرتبہ

جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے

(رکن دار الترجمہ، جامعہ عثمانیہ)

مثنوی شریف کے غوامض و دقایق کو حاصل کرنے کیلئے جسقدر شرحین لکھی گئین اور اسکے مطالب پر بسہولت عبور حاصل کرنے کیلئے جسقدر خلاصے مرتب ہوئے وہ محتاج بیان نہین، مگر یہ خلاصہ (مرآۃ المثنوی) اپنی آپ نظیر ہے، یہ خلاصہ درحقیقت مثنوی شریف کی ایک ترتیب جدید ہے جس سے مثنوی شریف کے جملہ مباحث و مطالب پر بسہولت تمام عبور حاصل ہوجاتا ہی، چونکہ مثنوی شریف کو اس ترتیب جدید مین لانا ایک نئی بات تھی اسلئے جناب مؤلف نے کامل اطمینان اس امر کا حاصل کرلیا کہ یہ ترتیب بدعت سیئہ نہین بلکہ بدعت حسنہ ہے، جن علمائے کرام نے قبل طبع اس کتاب کو ملاحظہ فرماکر اظہار رائے فرمایا، ان مین سے چند رایون کا اقتباس درج ذیل ہے۔

"اس کے قبل اس طرز کی مرتب شدہ مثنوی میری نظر سے نہین گذری، خدا مرتب کو جزائے خیر دے۔"

(حضرت مولنا عبدالباری طاب ثراہ، فرنگی محل، لکھنؤ)

"آپکی یہ کتاب اپنی نوعیت کی لاجواب ہی، اللہ تعالی اسے قبول فرماکر آپکو جزائے خیر عطا فرمائے۔"

(جناب شمس العلماء مولنا عبدالحمید صاحب دام برکاتہ، فرنگی محل، لکھنؤ)

کتاب مثنوی کے اجزاے ترکیبی کا انحلال اس خوبی سے کیا ہے کہ پڑھنے والے ہمیشہ جناب قاضی صاحب کے ممنون احسان رہینگے، کہ آپنے ایسا حسن لاجواب منظر عام پر لاکر کھڑا کردیا جسکا نام "مرآۃ المثنوی" ہے۔"

(جناب شمس العلماء مولٰنا ابو الفضل محمد حفیظ اللہ صاحب دام فیوضہ سابق صدر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو)

بعد انطباع اور قبل از اشاعت یہ کتاب خود مولٰنا رومیؒ کے موجودہ سجادہ نشین حضرت برہان الدین ولد چلبی دامت افضالہ کی خدمت بابرکت مین پیش کیگئی حضرت ممدوح نے اس پر ایک دیباچہ تحریر فرمایا جس مین ارشاد ہوا ہے کہ:-

"حقا کہ از کتاب مثنوی این چنین تالیف لطیف استنباط کردن کار ہر مردان میدان کمال نیست۔"

علی ہذا، یورپ کے مستند و مسلم مستشرق ڈاکٹر نکلسن نے بھی اس کتاب پر دیباچہ تحریر فرمایا جسمین ارقام ہوا ہے کہ:-

"قاضی کی یہ تالیف اس نام کو بجا ثابت کرتی ہے جو اس کے لئے تجویز کیا گیا ہے انکی "مرآۃ المثنوی" اس نظم (یعنی مثنوی شریف) کی بیتون کو بطریق احسن روشن کرکے واقعی آئینہ کا کام دیتی ہے"،

ان سب کے بعد جناب مولٰنا شفیع الدین صاحب زیدت اجلالہ (مہاجر مکی) نے اس کتاب کی قبولیت کی دعا مکہ مکرمہ مین فرمائی کہ:-

"یہ کام فی نفسہ قابل قدر ہے اور اپنی طرز مین خاص ہے، مجھے امید ہے کہ مقبول ہوگی، مین اس کی قبولیت کی دعا کرتا ہون:-

اس کامل اطمینان کے بعد یہ کتاب شائع کی گئی ہے، کتاب کی ظاہری و باطنی خوبیون کا اندازہ صرف کتاب کے دیکھنے ہی سے ہوسکتا ہے:-

کتابت، طباعت، کاغذ، جلد سب اعلیٰ پیمانہ پر ہین، حجم (۱۲۰۰) صفحات، قیمت:- عہ

ملنے کا پتہ

دائرۃ الادب حیدرگوڑہ حیدرآباد دکن

جلد ۳۴ | ماہ ربیع الآخر سنہ ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ اگست سنہ ۱۹۳۴ء | عدد ۲

مضامین،

شذرات،	سید سلیمان ندوی	۸۲-۸۴
قندھار،	״	۸۵-۹۵
حیات مابعد	جناب ضامن حسین صاحب نقوی مصنف "فلسفۂ نفس"	۹۶-۱۱۶
مغرب کی خوفناک غلطی اور اس کا ازالہ،	جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز، نئی دہلی،	۱۱۷-۱۳۱
دیوان بیدل کے نسخۂ بے بدل پر ایک استدراک،	جناب محمد یسین خانصاحب نیازی ایم اے گورنمنٹ کالج جھنگ	۱۳۲-۱۳۳
فریبِ ذہن	"ع ز"	۱۳۴-۱۳۷
برص وجذام	״	۱۳۷-۱۳۹
سائنس کی پیشنگوئیان	״	۱۴۰-۱۴۱
اخبارِ علمیہ	״	۱۴۲-۱۴۵
سائنس اور مذہب	جناب اسد ملتانی بی اے،	۱۴۶
مرقعِ شوق	شیخ عبد اللطیف صاحب تپش پروفیسر ایمرسن کالج ملتان	۱۴۶-۱۴۷
قطعۂ تاریخ زلزلۂ صوبۂ بہار	جناب مولوی محمد ریاض حسن خان صاحب خیال رئیس رسول پور	۱۴۷-۱۴۸
قطعۂ امجد	حکیم الشعرا سید احمد حسین امجد حیدرآبادی	۱۴۸
جنونِ جاودان	جناب عرفانی ایم اے،	۱۴۸
اردو رسالون کے خاص نمبر،	"ر"	۱۴۹-۱۵۳
مطبوعات جدیدہ،	״	۱۵۴-

شذرات

انگریزی زبان مین قرآن پاک کے ترجمے حقیقت یہ ہے کہ بہت ہین، اور ایک بھی نہین، زیادہ تر ترجمے تو نامسلمون کے ہین، جو اعتبار کے لائق نہین، مسلمانون مین ایک ترجمہ انجمن احمدیہ اشاعت اسلام لاہور کا ہے، جو ظاہر ہے کہ خاص عقائد و خیالات کو سامنے رکھکر کیا گیا ہے، بلکہ عجیب بات یہ ہے کہ اس مین مرزا غلام احمد صاحب کے خیالات سے زیادہ سر سید احمد خان کے خیالات کی جھلک پائی جاتی ہے، یعنی "قادیانیت" سے زیادہ اس مین "نیچریت" ہے، اسی سے عام مسلمانون کو اُس پر اعتبار نہین،

* * *

ایک اور مجتہدانہ ترجمہ الٰہ آباد کے ایک ہمہ دان مسلمان مترجم کا ہے، جس نے اول تو قرآن پاک کی ترتیب الٹ دی ہے، پھر ترجمہ مین اس نے اجتہاد کی وہ شان دکھائی ہے، کہ نہ عربی لغت کا اعتبار رہا، نہ تفسیر نبوی کا لحاظ اور نہ اسلام کے مسلّم اصول کا خیال، ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ مسلمانون کے کس کام آسکتا ہے، ایک اور ترجمہ جزائر ہند مین کسی ہندوستانی مسلمان مبلغ نے کیا ہے، لیکن وہ ہماری نظر سے نہین گذرا، اس لئے اس کی نسبت کچھ کہا نہین جاسکتا،

* * *

اس وقت سب سے بہتر ترجمہ انگریز مسلمان مسٹر محمد پکتھال کا ہے، کہ وہ ایک صاحب زبان مسلمان کے قلم کا ہے اور مصر کے بعض مسلمان عرب فاضلون کی امداد سے ہوا ہے، اور اسی لئے اس مین نسبۃً غلطیان بہت کم ہین، لیکن وہ حواشی اور نوٹس سے خالی ہے، اس لئے وہ قرآن پاک کی تبلیغ و تفہیم کے کام مین نہین آسکتا،

* * *

پھر ان مین سے کوئی ترجمہ کسی مستند عالم کے مشورہ اور نگرانی سے انجام نہین پایا ہے، اور خالص مسلمانون کے نقطۂ نظر سے کبھی غیر زبان مین قرآن پاک کی ترجمانی نہین ہوئی، ان وجوہ سے ہمارے محترم فاضل دوست مولوی عبد الماجد

صاحب بی اے (اڈیٹر سچ)، نے مہینون کے تذبذب اور غور وفکر کے بعد ہمت کی ہے کہ وہ اس بار گران کو خود اٹھائین اور انگریزی مین قرآن پاک کا ایسا ترجمہ کرین جو صحیح ہونے کے ساتھ مستند اور قابل شرح آیات پر ایسے حواشی اور نوٹ لکھین جو ہمارے پچھلے مفسرین کی تحقیقات کے مطابق بھی ہون، اور ابناے عصر کے شکوک وشبہات کو بھی دور کرسکین،

* * *

موصوف نے اپنے انگریزی ترجمہ مین مشورہ اور نظر ثانی کے لئے انگریزی کے اچھے اچھے آدمیون کا انتخاب کرلیا ہے، اور قرآن مجید کی آیات کے صحیح سمجھنے کے لئے ذاتی علم وبصیرت کے علاوہ مولٰنا شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی، شیخ الہند مولٰنا محمود حسن صاحب دیوبندی اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے ترجمون کو سامنے رکھا ہے، انگریزی ترجمہ کا بعینہ اردو ترجمہ وہ بعض دوسرے علماء کی خدمت مین بھی پیش کرتے رہتے ہین،

* * *

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ گذشتہ انگریزی تراجم کی موجودگی مین قرآن مجید کے کسی نئے انگریزی ترجمہ مین کوئی بڑی دقت نہین ہے، کیونکہ ان ترجمون مین لفظی غلطیان دس بیس سے زیادہ نہین، اصل چیز یہ ہے کہ قرآن پاک کو معنوی تحریف سے بچایا جائے اور قابل شرح آیات پر ایسے حواشی لکھے جائین جو اسلام کے خیال کی صحیح تعبیر ہونے کیساتھ انکو موجودہ ذہنیت کے قریب کردین، اگر ہمارے دوست سے یہ کام انجام پاسکا، تو اس مین شک نہین کہ وہ اس دور مین اسلام کی بہترین خدمت ہوگی

* * *

ظاہر ہے کہ اس ترجمہ کے کام کے لئے حوالہ کی کتابون، تفسیرون، اور عربی انگریزی کتب لغت کی ضرورت ہوگی جس کی مجموعی قیمت کئی سو کے قریب ہوگی، اور مسودون کے صاف کرنے اور اسکی کئی نقلون کے لینے کیلئے اخراجات الگ ہین، اب تک موصوف نے ان مصارف کا بار خود اٹھایا ہے، لیکن ضرورت ہے کہ اہل کرم مسلمان اس ضروری کام مین ان کی اعانت کرین، اس کے لئے اسکی حاجت نہین ہے کہ عام چندہ کی فہرست کھولی جائے، بلکہ ایک دو صاحب دل وصاحب دولت مسلمانون کا ادھر توجہ کرنا کافی ہے،

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن نے اردو زبان کے صوبہ وار جائزہ کی جو تجویز ملک کے سامنے پیش کی ہے، اس کے مطابق اس نے (مالی دقتون کا لحاظ کئے بغیر) عملی کام شروع کر دیا ہے، انجمن کے سکریٹری جناب مولوی عبدالحق صاحب نے پنجاب اور صوبۂ متحدہ کا سفر کرکے اس کام کی تکمیل کے لئے کمیٹیان قائم کر دی ہین، ہمارے صوبہ مین یہ کام مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے اپنے ذمہ لیا ہے، لاہور مین بھی کمیٹی اپنا کام کر رہی ہے، برہما اور بعض دوسرے مقامات مین بھی کام شروع ہو گیا ہے، بہار مین بھی اس کے لئے نوجوان تیار ہو رہے ہین، اور اب سکریٹری صاحب نے ہم کو اطلاع دی ہے کہ وہ اس کے لئے مدراس جا رہے ہین، اس تجویز کے مطابق کام کیا کرنا ہے، اس کے لئے احباب انجمن مذکور سے مطبوعہ کاغذات منگوا سکتے ہین،

ہم نے تحریک کی تھی کہ آیندہ زبانِ اردو کے غیر معروف لیکن صحیح نام ہندوستانی کو فروغ دیا جائے، اور اس زبان کو اسی نام سے شہرت دیجائے تاکہ خود اس نام سے اس کے عام ملکی زبان ہونے کا دعویٰ ظاہر و ثابت ہو، دلی کے ایک گوشہ سے اس صحیح و مناسب تحریک کی مخالفت کی گئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ ۲؍ جولائی کو اسمبلی کے اجلاس شملہ مین مسٹر لال چند، بھائی پرمانند اور سر محمد یعقوب نے ایک اور مسئلہ کے ضمن مین جب اس پر بحثین کین تو مسٹر لال چند کے اس کہنے پر کہ "اردو اور ہندوستانی دونون ایک اور ہم معنی ہین" مسلمانون کے نمایندہ سر محمد یعقوب نے مخالفت کی، اور ثابت کرنا چاہا کہ دونون دو چیزین ہین، اسمبلی کے ایک سامع (دوزیر) نے اس پر ہم سے محاکمہ چاہا ہے، ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہین کہ "دشمن دانا بہ از دوست نادان"

ملک مین یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سنی جائیگی کہ ہماری زبان کے مشہور کہنہ مشق اور استاد شاعر حضرت ریاض خیرآبادی نے نوے برس کی عمر مین، ۱ ربیع الآخر کو وفات پائی، مرحوم اپنے صنفِ سخن مین باکمال و بے مثال شاعر تھے، اللہ تعالیٰ انکو اپنی مغفرت کی شرابِ طہور سے سیراب فرمائے،

مقالات

قندھار

خرقہ شریف ارک سے نکل کر سب سے پہلے خرقہ شریف کی عمارت ملتی ہے، مشہور ہے کہ یہان آنحضرت صلعم کا ملبوس اقدس ہے، اس کی قدیم تاریخ کا کوئی پتہ نہین چلتا، احمد شاہ ابدالی کو یہ تبرک شاید بخارا سے ہاتھ آیا تھا، وہ بڑے ادب و احترام سے اس کو اپنے دارالسلطنت مین لایا، اور قصر شاہی کے پاس ہی اس کے لئے ۱۱۸۲ھ مین ایک عمارت بنوائی، عربی مین یہ تاریخ بالف ومأتہ وثمانین واثنین مرقوم ہے، عمارت کی موجودہ شکل ایک بہت بڑے گنبد کی ہے، جس کے نیچے ایک گول کوٹھری ہے، جس کی چھت وہی گنبد ہے، سامنے دروازہ سے گنبد کے اندر داخل ہوتے ہین، جس وقت ہم لوگ پہنچے ہین اس دروازہ مین فرش بچھا تھا، لیکن واپسی کے بعد ہم نے دیکھا کہ اس کو سپاہیون نے لپیٹ دیا، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرش خاص خاص موقعون پر بچھتا ہے،

موجودہ گنبد کی عمارت امیر حبیب اللہ خان شہید مرحوم کی بنوائی ہوئی ہے، دروازہ کے داہنے بائین، بلندی پر جلی خوشخط حروف مین لکھا ہے کہ امیر حبیب اللہ خان کے زمانہ مین سردار محمد عثمان خان نائب سالار نائب الحکومت قندھار نے ۱۳۲۹ھ مین اسکو بنوایا، دروازہ سے داخل ہو کر گنبد کے اندر قدم رکھا، دیوار کی سطح خوشنما اور زرین نقش و نگار سے آراستہ تھی، گنبد کے اوپر پورے دور مین کوئی خوشخط کتبہ تھا، یہ گنبد خالی تھا، اس کے مغربی رخ پر ایک اونچا چبوترہ تھا، اور اس کے پہلو سے اوپر چبوترہ پر چڑھنے کا زینہ تھا، زینہ کے اوپر خوبصورت کٹہرہ تھا، اس زینہ کی راہ سے ہم اوپر چڑھے، وہان ایک غلاف کے اندر وہ خرقہ شریف لپٹا تھا، اوپر ایک شامیانہ تنا تھا، سامنے خوشبو کے لئے بخوردان

وغیرہ تھے، درود وسلام کے ساتھ وہان داخلہ ہوا، اور پھر اسی احترام کے ساتھ واپسی ہوئی،

اس قسم کے تبرکات کی نسبت میرا خیال یہ ہو کہ گو ان کی تاریخی حیثیت ہم پر واضح نہین، اور نہ اس نسبت کی صحت پر دلیلین ظاہر ہین، لیکن پھر بھی جمہور کثیر اس نسبت کی صحت کا قائل ہے، اس بنا پر اس کے انکار کی بھی کوئی حمایت قوی دلیل ہمارے پاس نہین، اس لئے اگر ہم نسبتِ نبوی کا پاس ادب کرین تو شاید یہ آئینِ محبت کے مطابق ہو، تاہم ظاہر ہے کہ اس محبت کے آثار و کیفیات مشرکانہ رسوم اور مشرکانہ طریق ادب کی صورت مین ظاہر نہ ہونے چاہئین،

احمد شاہ ابدالی کا مقبرہ یہ وہی احمد شاہ ابدالی درانی ہے، جسکا نام ہندوستان کے آخری تاریخی اوراق مین بار بار آتا ہے، اور جس نے اپنے متواتر چھ حملون سے ہندوستان کی بدامنی کو دور کرنا چاہا، اور سب سے آخری دفعہ آکر شمالی ہندوستان سے مرہٹہ تاخت و تاراج کا خاتمہ کردیا،

احمد شاہ کا خاندان صدوزئی قبیلہ سے ہے، مشہور ہے کہ اس کے مورثون مین سے ایک بزرگ کا نام ترین تھا، اس نے خواجہ ابواحمد ابدال چشتی سے مرید ہو کر ابدال لقب پایا، اور اسی نسبت سے احمد شاہ، ابدالی کہلایا، ترین ابدالی کی اولاد مین سے ایک کا نام صدو تھا جس سے صدوزئی قبیلہ کا وجود ہوا، صدو کے ایک لڑکے کا نام خضر تھا، خانوادۂ چشت کی ارادت و بیعت نے اس خاندان مین بزرگی کی شان پیدا کی، خضر نے اپنی دینداری اور تقدس کی بنا پر خواجہ خضر کا لقب پایا، اور افغانون کی ارادت و عقیدت نے اس کو مرکزی حیثیت عطا کی، احمد شاہ اسی مقدس دادا کا خوش قسمت پوتا تھا، نادر شاہ کے بعد افغانون نے احمد شاہ کو اپنا بادشاہ منتخب کیا، اور قندھار اس کا دار السلطنت قرار پایا، اس وقت اس بادشاہ کے دائرۂ حکومت مین افغانستان کے علاوہ کشمیر، صوبہ سرحد، پنجاب اور سندھ کے علاقے داخل تھے، جن کو اس کے بعد کے جانشینون نے رفتہ رفتہ اپنے ہاتھون سے کھو دیا،

سلطان احمد شاہ ابدالی دیندار، انصاف پسند اور پرجوش مجاہد تھا، اور یہ کہنا مبالغہ سے خالی ہے کہ اسلام کی پچھلی تاریخ مین اس سے بڑا کوئی دوسرا ہیرو نہین، تیئیس۲۳ برس کی سلطنت کے بعد ۱۱۸۶ھ مین وفات پائی، اور قندھار مین ارک شاہی کے پاس دفن ہوا، اس کے بعد اس کے بڑے بیٹے تیمور شاہ نے تخت شاہی پر قدم رکھا، اور اپنے

باپ کی قبر پر یہ عظیم الشان مقبرہ تعمیر کرایا، افغانون مین اس مقبرہ کا اسقدر ادب و احترام تھا، کہ خونی مجرم بھی اگر بھاگ کر اس مین پناہ لیتا تو امان پاتا،

مقبرہ اینٹ اور چونہ کا بنا ہے، اوپر بہت بڑا ہشت پہل گنبد ہے، جس کے نیچے بادشاہ کی قبر ہے، گنبد کی بیرونی دیوارون پر چینی کا کام ہے، جو اب خراب ہو چکا ہے، گنبد کے اندر کی سطح طلائی اور رنگ آمیزی کے نقش و نگار سے آراستہ ہے، گنبد کے اندر زمین پر کوئی فرش نہ تھا، گنبد کے اوپر جہان دیوارین ختم ہوتی ہین، چارون طرف خوشخط جلی حروف مین حسب ذیل اشعار لکھے ہوے ہین،

شاہِ والا جاہ احمد شاہ درّانی کہ بود   در قوانینِ امورِ سلطنت کسریٰ منش
از نہیبِ قہرمانِ سطوتش در عہدِ او   شیر آہو را بشیرِ خویش دادے پرورش
می رسید از ہر طرف در گوشِ بدخواہانِ او   از زبانِ خنجرش ہر دم ہزاران سرزنش
چون روان شد جانبِ دار البقا، تاریخ بود   سالِ ہجری یک ہزار و یکصد و ہشتاد و شش

مقبرہ کے اندر قدم رکھنے کے ساتھ اس بادشاہ کشورستان کی وہ تصویر سامنے آگئی جو ہندوستان کی انگریزی تاریخون مین بنی ہوئی نظر آتی ہے، اس کے کارنامون کی عظمت نے اپنے زائرین کو باادب بنا دیا، جو چیز مٹی کے ڈھیر کے نیچے تھی، وہ چند بیجان ہڈیون کے سوا کچھ نہیں، مگر اوس کی زندگی کا ایک ایک حرف آب حیات کی سیاہی سے جریدۂ عالم پر ثبت ہے،

قرآن پاک کا شاہی نسخہ مقبرہ مین سلطان کے سرھانے بلندی پر اسکا وہ قرآن رکھا تھا، جو خاص اس کی تلاوت کا تھا، مقبرہ کے خادم نے اس قرآن کو جز دان سے نکال کر ہمارے سامنے رکھا، یہ جوب خط مترجم و محشی قلمی قرآن تھا، جس کی تیاری خاص اہتمام کے ساتھ عمل مین آئی تھی، معلوم ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ کی اخیر عمر مین اس کی پیری اور ضعف بصارت کی بنا پر موٹے حرفون مین لکھوایا گیا، تاکہ بادشاہ سہولت کے ساتھ اس کو پڑھ سکے، یہ نسخہ دو ہاتھ کے قریب لمبا ہے، خط نہایت عمدہ اور بہت جلی ہے، نیچے فارسی ترجمہ اور حاشیہ پر بخط نستعلیق فارسی کی تفسیرین ہین، اور آخر

مین فارسی نظم مین ایک فالنامہ ہے، اور سب سے آخر مین جن لوگون نے اس نسخہ کو بادشاہ کے لئے تیار کیا تھا، ان کے نام ہین، عبارت کا اقتباس یہ ہے:-

> "...... سلطان احمد شاہ بادشاہ غازی درّانی خلد اللہ ملکہ، دہم شہر ربیع الثانی ۱۱۷۹ھ باہتمام بندۂ درگاہ، اضعف عباد اللہ علی اکبر خان اولوکری، حافظ عبدالوہاب متن نوشت و محمد ہاشم و محمد تقی و عبدالصبور تفاسیر نوشت و محمد یوسف ترجمہ نوشت، و بہ کار صحافی عبدالحکیم صحّاف صورت اتمام پذیرفت۔"

مین نے کہا یہ قرآن کا وہ نسخہ ہے جو اس تیغ آزما، کشورکشا، فاتح ہند حکمران بادشاہ کے دل پر حکمرانی کرتا تھا، عبارت بالا مین نسخۂ مذکور کی تیاری کی جو تاریخ (۱۱۷۹ھ) درج ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاہِ مغفور کی وفات سے آٹھ برس پہلے تیار ہوا تھا،

ارغنداب مقبرہ سے نکل کر سڑک پر آئے تو موٹرین کھڑی تھین، ہم لوگ دو موٹرون پر سوار ہوئے، مامور صاحب وزارت خارجہ جو اب تک ہمارے ساتھ تھے، آیندہ کی سیر مین بھی ہمارے ہمراہ ہوئے، قندھار کا سب سے خوبصورت اور دلکش طبعی منظر کا نام ارغنداب ہے، مقبرہ سے نکل کر ہم اس کے دیکھنے کو روانہ ہوئے، موجودہ شہر کی چہار دیواری سے باہر بھی ہر طرف عمدہ سڑکین تھین، سامنے پہاڑی کی بلندی نظر آتی تھی، نیچے ایک نہایت وسیع میدان تھا، مامور صاحب (افغانستان کی موجودہ سلطنتی اصطلاح مین "مامور" کے معنی ماتحت افسر کے ہین) نے بتایا کہ پہلے پرانا قندھار یہین آباد تھا، مگر اس وقت یہان اس میدان مین گذشتہ آبادی کا کوئی نشان موجود نہین،

اس میدان کو طے کر کے ہم مذکورۂ بالا پہاڑی کے قریب پہنچے، اس پر ایک نہایت عمدہ ڈھلوان سڑک بنی ہوئی تھی، موٹرون نے آہستہ آہستہ بلندی پر چڑھنا شروع کیا، یہان تک کہ ہم پہاڑی پر چڑھ گئے، اور تنگ راستہ سے ہوتے ہوئے ایک ایسے بلند لیکن تنگ تر مقام پر پہنچ گئے جہان سے موٹرون کا آگے بڑھنا ناممکن تھا، یہان سے اتر کر پیدل چلے، اور فوراً ایک کشادہ مقام پر آگئے جس کے پچاس ساٹھ فیٹ نیچے زمین کی سطح تھی، یہ عجیب و غریب منظر تھا

قندھار کی سب سے بڑی بلندی پر ہم اس وقت کھڑے تھے، نیچے میدان مین دریاے ارغنداب بہ رہا تھا اور اس کے بعد تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر دو اور ندیان بہ رہی تھین، الغرض نیچے تین تین ندیان یا فطری نہرین آہستہ آہستہ مصروف خرام تھین، اور ان ندیون یا نہرون کے کنارون کے برابر تیس میل تک متصل انار اور دوسرے میوون کے باغ در باغ کا سلسلہ نظر کے سامنے تھا، ایسا دلچسپ فطری منظر میری آنکھون نے اب تک نہین دیکھا تھا، جدھر نظر اُٹھتی تھی جنّت تجری من تحتہا الانہار کا سان دکھیتی تھی،

باباکا مزار اللہ والون کی کیا بات ہے ؟ یہ مخلوق کے ازدحام سے بھاگ کر جب کسی گمنام گوشہ کو ڈھونڈھتے تھے، تو عموماً ان کی نگاہِ انتخاب قدرت کے کسی نہ کسی سادہ مگر دلچسپ منظر پر جا کر پڑتی تھی، اکثر بزرگون کی چلہ کشی اور عبادت کی جگہین اسی قسم کے مقامات ہین، پورٹ سوڈان کو اب جا کر انگریزون نے آباد کیا اور بندرگاہ بنایا ہے، مگر حیرت ہوتی ہے کہ ایک بزرگ نے خدا جانے اس سے کتنا زمانہ پہلے اس کو اپنے عبادت خانہ اور مدفن کے لئے پسند کیا، چنانچہ بحر احمر کے افریقی ساحل پر پورٹ سوڈان کے قریب ان کا مزار ہے، ارغنداب کا یہ دلچسپ نظارہ کب کسی نظارۂ قدرت کے طالب سے بچ سکتا تھا، ایک بزرگ نے جو بابا ولی کہلاتے ہین، اس مقام کو پسند کیا، ان کا مزار اس بلندی پر واقع ہے، اور اس کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد کا کھلا دالان ہے، سال مین ایک دفعہ یہان میلہ لگتا ہے، اور دنبے قربانی ہوتے ہین، شہر کے خوش مذاق دوستون کے ساتھ سیر و تفریح کے لئے یہان اکثر آتے ہین، اور کھانا پکاتے اور کھاتے ہین،

یہان سے واپسی مین مامور صاحب نے سڑک سے ایک اونچی پہاڑی دکھائی جس کی قدرتی شکل ایسی تھی جیسے معلوم ہوتا ہو کہ ایک بہت بڑا ہاتھی سینکڑون گز لمبا سامنے بیٹھا ہے،

بجلی گھر دریاے ارغنداب کی روانی سے علاوہ باغون کی سیرابی کے موجودہ حکومت نے جدید سائنٹفک فائدہ اٹھانا چاہا ہے، چنانچہ ان دریاؤن کے بہاؤ سے جو بجلی پیدا ہوتی ہے اس کے لئے اسی کے قریب ایک بجلی گھر بنایا گیا بجلی کے چند ماہرین اس مین کام کرتے ہین، بجلی کے ستون سڑکون پر قائم کئے جا چکے ہین، اور تار بھی پھیلائے جا چکے

ہین، مگر ابھی تک بمبئی کے محاورہ مین کارخانہ "چالو" نہین ہوا ہے، امید ہے کہ اتنے عرصہ مین یہ کارخانہ شہر کے گھرون اور سڑکون کو پرنور بنا چکا ہوگا،

چہل زینہ اس پہاڑی سے اتر کر ہم قندھار کے باہر کی دوسری سمت مین چلے، اور ایک اور پہاڑی کے پاس پہنچے، شہنشاہ بابر نے اس پہاڑی کے اوپر اپنے ہندی فتوحات کا کتبہ لگایا ہے، اس پہاڑی کے دامن مین پہنچکر ہم موٹرون سے اترے، حکومت نے اس پہاڑی تک سڑک بنادی ہے، دامن سے پہاڑی تک پتھر کاٹ کر زینے بنائے گئے ہین، ہمراہیون مین سے میرے اور پروفیسر ہادی صاحب کے سوا کسی اور نے اوپر چڑھنے کا شوق نہین کیا، کہنے کو تو یہ چالیس زینے ہین، مگر دراصل تعداد مین یہ چھیالیس ہین، حکومت نے زینہ کے دونون طرف لوہے کے کٹہرے لگا دیئے ہین، تاکہ چڑھنا اترنا، آسان اور محفوظ ہو، یہ سیڑھیان پہاڑ کو کاٹ کر بنائی گئی ہین، جو زیادہ صفائی کے ساتھ نہین بنی ہین، ہم نے ہمت کر کے ان سیڑھیون پر چڑھنا شروع کیا، گو اب تھوڑی محنت سے بھی دم پھول کر سینہ مین درد محسوس ہونے لگتا ہے، تاہم مین نے ہمت نہین ہاری، اور اوپر تک چڑھ گیا، اوپر پہاڑ کی سطح کو کھود کر مسجد مین امام کے سامنے والی محراب کی طرح ایک محراب بنائی گئی ہے، جس کے بیچ مین ایک طاق ہے اور اس مین شہنشاہ بابر کے حکم سے جلی خط مین ہندوستان کے ان شہرون کے نام بہ ترتیب وقوع جغرافی کندہ کئے گئے ہین، جنکو اس نے بزور بازو فتح کیا تھا، اور اوپر بادشاہ کا نام لکھا ہے، پورب کے شہرون مین سے پٹنہ، حاجی پور، ترہت، سہسرام سے لیکر لکھنؤ، اور وہان سے لاہور تک کے شہرون کے نام ہین، دن آخر ہو چکا تھا، اس لئے ان نامون کو نقل نہ کرسکا، واپسی کی جلدی تھی،

مجوزہ جدید شہر قندھار موجودہ شہر سے باہر اور چہل زینہ سے قریب ہم نے بعض نئی سڑکین، روشین، اور ایک نئے شہر کی طرح ڈالنے کے نشان دیکھے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ امیر امان اللہ خان یہان جدید اصول پر نئے شہر قندھار کی بنیاد ڈالنی چاہتے تھے، مگر زمانہ نے وفا نہ کی،

فوجی میدان ارغنداب سے واپسی مین اور چہل زینہ کو آتے ہوئے ایک میدان ملا تھا، جسمین افغانی فوج، ورزشی کرتبون، فوجی کھیلون اور قومی رقص مین مصروف نظر آئی،

شہر کی کیفیت اس شہر کی سڑکین عموماً اچھی نظر آئین، بیرون شہر کی سڑکین بھی صاف اور ہموار بنی ہوئی تھین، اور سب سے بڑھکر اس کی سرسبزی و شادابی کا منظر ہے، ہر طرف میدان ہی میدان ہے، ساتھ ہی ساتھ نہرون کی کیفیت یہ ہے کہ جدھر نگاہ اٹھایئے پانی کی ہلکی سی لکیر دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے، عموماً سڑک کے ساتھ اس کے پہلو بہ پہلو پتلی سی نہرین ہر طرف روان ہین، باہر سے آنے والی سڑک اور شاہ بازار کی سڑک مین یہ کیفیت خاص طور سے نمایان ہے،

اسلامی شہر کا منظر چہل زینہ سے واپسی مین مغرب کا وقت ہوگیا تھا، اور اسلامیت کا یہ کس درجہ پر اثر منظر تھا کہ ہر راہرو، ہر مسافر، ہر دوکاندار جس کو جہان موقع تھا، اس نہر روان پر بیٹھکر وضو کر رہا تھا، اور چادر بچھا بچھا کر اگر جماعت کی صورت نہ تھی تو تنہا کھڑا رو بقبلہ نماز ادا کر رہا تھا، بیچ بیچ مین ایسے چبوترے بھی ملے جنپر نماز باجماعت ادا ہو رہی تھی، آباد مسجدین بھی ملین، بازار پر گذر ہوا تو دیکھا کہ دوکاندار سے لیکر خریدار تک نہر پر وضو کر رہا تھا، یا مصروفِ نماز تھا، کوئی اپنی دوکان ہی پر اور کوئی دوکان سے نیچے کپڑا بچھا کر کھڑا تھا، یہ روح پرور نظارہ قندھار کے سوا اس ملک مین مجھکو اور کہین نظر نہین آیا،

شہر کی روشنی شاہ بازار کی سڑک اب کھل گئی تھی، اسی راہ سے واپس ہو کر ارک پہنچا، اور نماز مغرب ادا کی، اب رات کی آمد آمد تھی، تمام بازارون مین پوری روشنی تھی، یہان دوکانین جلد بند ہوتی ہین، شاہ بازار کی دوکانین البتہ شام کے بعد بھی کھلی رہتی ہین، اور ان مین روشنی معلوم ہوتی ہے، ارکِ شاہی کے اس رخ سے جو شاہ بازار کی طرف ہے دیر تک کھڑا رہا، سڑکون پر روشنی کے بلند ہنڈے آویزان تھے، جنسے سارا بازار روشن تھا،

باغ عمومی مین بینڈ اوپر لکھا جاچکا ہے کہ ارک کا جو رخ شاہ بازار کی طرف ہے اس مین ارک اور بازار کے بیچ مین ایک باغ عمومی یعنی پبلک گارڈن ہے، اس وقت اس باغ عمومی مین "جنتِ نگاہ" کے ساتھ ساتھ "فردوسِ گوش" کا بھی سامان تھا، یعنی بینڈ ماسٹر کی نگرانی مین افغانی فوجی باجہ سڑک پر باقاعدہ دور کر کے نغمہ سرائی مین مشغول تھا، بیچ کی سڑک سے نمودار ہو کر ارک کے نیچے تک پہنچکر بازو کی سڑک پر گھوم جاتا تھا، اور وہان سے آہستہ آہستہ چلکر پھر بیچ کی سڑک پر پہنچ جاتا تھا، کہین کہین مقررہ مقامات مین تھوڑی تھوڑی دیر کھڑا بھی ہو جاتا تھا، یہ نغمہ سرائی ایک گھنٹہ تک جاری

رہی ہوگی، اس کے بعد وہ اپنا مقررہ وقت ختم کرکے ارک کے سامنے آداب بجالاکر رخصت ہوگیا،

یہ متمدن ملکون کے شہرون کی پوری نقل تھی، دریافت سے معلوم ہوا کہ یہ انتظام یہان کی مینوسپلٹی کی طرف سے ہے، ہر روز شام کو یہان آکر فوجی بینڈ باجہ بجاتا ہے،

راس مسعود صاحب کا شبینہ سفر

ہمارے رفقا مین سے سید راس مسعود صاحب کو واپسی کی سخت جلدی تھی، وہ چاہتے تھے کہ آج ہی شب کو یہان سے رخصت ہوکر صبح کو چمن پہنچین، اور چمن سے موٹر ہی پر چل کر دوپہر کی گاڑی کوئٹہ مین پکڑین اور وہان سے ریل پر سوار ہوکر علی گڈھ روانہ ہوجائین، لیکن مشکل یہ تھی کہ سید صاحب کی سواری کی موٹر خراب ہوچکی تھی، اور کسی دوسری موٹر کے انتظام مین دقت تھی، دوسری دقت یہ تھی کہ جب تک انگریزی قونصل خانہ قندھار کے فارم پر موٹر کے تمام ضروری حالات وکیفیات لکھکر اس سے اجازت نہ لیلی جائے، موٹر چل نہین سکتی تھی،

قندھار کا برطانی قونصل خانہ

قندھار مین انگریزون کا ایک قونصل خانہ بھی ہے، جو ارک شاہی سے قریب ملا ہوا ہے، آجکل یہان کے قونصل ہمارے دوست سید غلام بھیک صاحب نیرنگ کے حقیقی بھائی خان بہادر سید صدیق حسن صاحب ہین، موصوف عصر کے وقت ملنے بھی آئے تھے، ڈاکٹر اقبال سے ان کی پرانی ملاقات اور گویا ہموطنی تھی، دبلا پتلا بدن، ادھیڑ عمر کی کچی پکی داڑھی، سر پہ پنجابی صافہ اور کوٹ، ملنے مین خلیق، ملنسار اور متواضع، وہ پہلے سواحل عرب کی ریاستون مین سے شاید بحرین مین انگریزی قونصل تھے، اب قندھار مین ہین، ڈاکٹر مظفر الحسن صاحب جو مسلم یونیورسٹی مین فلسفہ کے پروفیسر ہین، اُن سے سید موصوف کی خاص عزیزداری ہے، اس بنا پر سید راس مسعود صاحب نے اپنے سفر کے مشکلات کے حل کرنے مین مدد چاہی، انھون نے اسکا حل یہ پیدا کیا کہ خاص اپنی کار جس کے مذکورہ بالا قانونی مراحل پہلے سے طے تھے، اور جسکا شوفر بھی راستہ کے جزئیات سے پورا واقف تھا، راس مسعود صاحب کے حوالہ کردی، ان کے اسباب کے لیجانے کے لئے افغانی لاری تیار کردیگئی تھی، بیچارہ سرور خان گویا، اور مامور صاحب اپنی ذمہ داریون کو دیکھتے ہوئے سید صاحب کے اس شبینہ سفر کی سخت مخالفت کر رہے تھے، مگر انھون نے کسی طرح نہ مانا، مجبوراً بادلِ ناخواستہ ان کو رخصت کیا، چند مسلح سپاہی ساتھ کردیئے، راستہ مین قلعۂ نو کے محافظین کو ٹیلیفون

کردیا کہ جو موٹر اور لاری اس وقت جارہی ہے ان کی مزاحمت نہ کرین اور آگے بڑھنے دین، اور فوجی چوکیون کے افسر کو ٹیلیفون سے حکم دیا گیا کہ جب جس کی سرحد سے یہ موٹر گذرے وہ قندھار کے اعلیٰ دفتر کو اطلاع دے، اس انتظام کے ساتھ سید صاحب مع پروفیسر ہادی حسن کے قندھار سے رخصت ہوے، ۱۲ بجے شب کو وہ یہان سے چلے تھے، اور صبح کو معلوم ہوا کہ طلوع آفتاب سے کچھ پہلے وہ افغانی سرحد سے بخیر و خوبی گذر کر ہندوستان کی سرحد مین داخل ہوگئے،

شب کا قیام باقی رفقائنے رات قندھار ہی مین بسر کی، رات کو پوری ٹھنڈک تھی، سب نے کھلے کمرون کے اندر مسہری کے پردون مین چادرین اوڑھکر آرام کیا، مین صبح کو حسب معمول اٹھا، اور صبح کے دوگانہ کے بعد ارک سے اوتر کر پیادہ اور تنہا شہر کی طرف رخ کیا،

سڑکون کی سیر مین ارک کے زینہ سے اتر کر باغ عمومی مین آیا، دونون طرف پتلی سی نہرین بہ رہی تھین، ابھی باغ کا آغاز ہے، سڑکین بھی بن رہی تھین، ارک کے سامنے کی دوکانون کی تعمیر بھی جو جدید طرز پر ہو رہی تھی، ابھی پوری نہین ہوئی تھی، کنارہ کی سڑک سے ایک ایک دوکان پر غور کی نظر ڈالتا ہوا، شاہ بازار کی طرف چلا، ہر دوکان پر نہایت اہتمام سے فارسی زبان و خط مین سائن بورڈ لٹکے ہوئے تھے، سب کے تختے سیاہ اور حروف سپید تھے، ہر دوکان کے سائن بورڈ پر اس کے مالک کا نام مع پیشہ یا جنس دوکان کے اظہار کے لکھا ہوا تھا، مثلاً یعقوب علی خان کتاب والا، احمد خان گھی والا، سردار خان شکر والا،

اردو کی عالمگیری اردو تو جلال آباد، کابل اور غزنین ہر جگہ ملی، مگر قندھار کی ایک خاص امتیازی شان یہ دیکھی کہ دوکانون پر سائن بورڈ کے اوپر ہر جگہ پیشہ یا جنس دوکان کے اظہار مین اردو لفظون کا اظہار تھا، اور والا کا لفظ جو خالص اردو ہے، ہر دوکان کے سائن بورڈ پر درج تھا، مثلاً فلان خان کتاب والا، گھی والا، شکر والا، والا کی اس کثرت استعمال کو دیکھکر بمبئی یاد آگئی جہان بوتلی والا (بوتل والا) اور اسٹیشن والا تک سنائی دیتا ہے،

دوکانین سویرے کھلتی ہین یہان جس طرح دوکانین سویر بند ہوتی ہین، سویرے کھلتی بھی ہین، طلوع آفتاب کیساتھ دوکانین کھل رہی تھین، کھانے کی دوکانین جا بجا تھین، اور یہ بالکل اسی طرح کی تھین جس طرح لکھنؤ اور دلی مین

نانبائیون کی دوکانین ہین، یہ دیکھ کر نہایت تعجب ہوتا تھا کہ دوکانون پر خانصاحب بیٹھے ہوئے کہین ہلدی دھنیا بیچ رہے ہین، کہین غلہ تول رہے ہین، کہین کپڑے ناپ رہے ہین،

مین اس سڑک مین اس گنبد تک گیا جس کو حیدرآباد کے چار مینارے سے تمثیل دے چکا ہون، راستہ مین سڑک پر جابجا دودھ، دہی، بالائی بیچنے والے بیٹھے تھے، یہان کا جماؤ دہی خاص طور پر نہایت عمدہ ہوتا ہے، مٹی کے چھوٹے چھوٹے آبخورون مین وہ جما ہوا بازار مین فروخت ہوتا ہے، دودھ دہی والے یہ آبخورے لئے جگہ جگہ بیٹھے تھے، خصوصاً گنبد کے نیچے کی چھت مین ان دہی بیچنے والون کا بڑا ہجوم تھا،

دوکانون کی کیفیت یہ دوکانین مسقف تھین، یہان گنبد نما یا ماہی پشت کچی چھتون کا رواج ہے، دوکانون مین عموماً صرف ایک کمرہ یا کوٹھری نظر آئی، سامنے بازار کے رخ دروازے کھلے ہوئے، سامان کی حیثیت سے دکانین بہت معمولی تھین، کپڑون کی دوکانون مین بھی سوتی کپڑے تھے، اور بہت معمولی تھے، چھینٹ کے کپڑے اکثر پھیلے تھے، دوکانین گو صاف تھین، مگر چونکہ اعلیٰ معیار کے عمدہ سامان و اسباب سے خالی تھین، اسلئے نمایش مین وہ پُر رونق نہین معلوم ہوتی تھین،

شاہ بازار کی مسجد شاہ بازار کے بیچ مین ایک مسجد ملی، مین اس مین داخل ہوا، مسجد معمولی تھی مگر منبر ایک خاص پتھر کا عمدہ تھا، معلوم ہوا کہ یہ پرانے زمانہ کی شاہی تعمیر ہے،

پتھر کی صنعت قندھار کی خاص چیز پتھر کی صنعتکاریان ہین، یہان ایک پتھر ہوتا ہے جسکا نام سنگ شاہ مقصود ہے، یہ سپید، زرد اور سبز تین رنگون کا ہوتا ہے، سب سے سستا سپید، پھر زرد اور گران اور کمیاب سبز ہے، اس پتھر کی پہلے عموماً تسبیحین بنتی تھین اور اب اس زمانہ مین حال کی ضرورت کی دوسری چیزین بھی بنتی ہین، مثلاً کاغذ دبانے کا پتھر، سگریٹ کی ڈبیہ، سگریٹ کا پائپ، میوہ دان اور شمعدان وغیرہ،

دکاندار سید راس مسعود صاحب اپنی عزیز خواتین کے لئے تحفہ کے طور پر اس پتھر کی چند تسبیحین خریدنی چاہتے تھے، مامور صاحب نے رات کے وقت چند دوکاندارون کو سامان لیکر ارک مین بلوایا، ایک ایک بکس مین ہر شخص اپنا سامان لیکر آیا، اور بات چیت شروع کی، زبان فارسی تھی، اللہ اکبر! ہر طرح کی قسم و قرار اور اظہار ایمانداری کے بعد جو

قیمت کے بتانے اور مول تول مین اتنی فضول گوئی ہوئی کہ بیگانہ آدمی کبھی صحیح قیمت پر چیز خرید ہی نہین سکتا، سو پچیس روپیہ قیمت کہکر مول شروع ہوا، اور دس بارہ روپیہ پر تمام ہوا، سبز تسبیح کے دانے پندرہ روپیے مین ملے، ان کے ساتھ تسبیحون کے گوتھنے کا سامان بھی ساتھ رہتا ہے، اسی وقت تسبیحین دھاگے مین پرو کر خریدار کے حوالہ کین،

مدرسے اور علمی ادارے اتنی جلدی مین یہان کا کوئی مدرسہ یا علمی ادارہ نہین دیکھ سکا، کابل کی طرح یہان بھی ایک انجمن ادبی ہے، اور اس کے چند علم دوست ارکان ہین، انجمن کے پاس مختصر سا کتبخانہ بھی ہے، اس انجمن مین فارسی کے بجائے پشتو زبان کو اہمیت حاصل ہے، انجمن کی طرف سے ایک ماہانہ پشتو رسالہ بھی نکلتا ہے، ایک مختصر عجائب خانہ ہے جس کو میوزیم جدید کہتے ہین، عربی کا ایک مدرسہ ہے جسکا نام مدرسۂ محمدیہ ہے، نئی طرز کے دو سرکاری اسکول مین ایک کا نام مکتب شعلۂ ماہ، اور دوسرے کا نام مکتب توپخانہ ہے، ان دونون اسکولون مین سے ہر ایک مین پانچسو طالب علم ہونگے، ایک دار المساکین بھی ہے، جس مین محتاجون کو حکومت کی طرف سے کھانا ملتا ہے، خود اہل شہر اور محلہ والون کی طرف سے بھی چند مدرسے ہین، جنمین محلہ کے لڑکے تعلیم پاتے ہین،

قندھار کے پھل اور میوے قندھار کی تجارت کا سب سے بڑا سامان پھل اور میوے ہین، یون تو اور بھی پھل اور میوے ہوتے ہین، مگر سب سے زیادہ شہرت یہان کے انارون کو حاصل ہے، قندھاری انار جو ہندوستان آتے ہین وہ تو مہینون مین سوکھکر خشک ہو جاتے ہین، وہان کا ایک تازہ انار آدھ سیر سے کم نہ ہوتا ہوگا، اور اس قدر ان مین عرق ہوتا ہے کہ آدھا گلاس عرق ان سے بخوبی نکلتا ہے، البتہ ان مین کسی قدر چاشنی ضرور ہوتی ہے، اس لئے انار کے دانون پر ذرا سا نمک چھڑک کر کھاتے ہین، اور اس ترکیب سے ان کا ایک خاص مزہ ہو جاتا ہے، ہر روز قندھار سے چمن اور کوئٹہ کو ان میوون اور پھلون کی پچیس تیس لاریان آتی جاتی ہین، ان کے لئے وہان خاص قسم کی ٹوکریان بنتی ہین، اور ایک قسم کی لمبی لمبی گھاس چارون طرف سے بھر کر بیچ مین پھل اور میوے رکھتے ہین کہ راستہ مین وہ پچکنے، دبنے اور چور ہونے سے محفوظ رہین،

حیاتِ مابعدٗ

از

جناب ضامن حسین صاحب نقوی مصنف "فلسفۂ نفس"

جناب ضامن حسین صاحب نقوی، کی فلسفیانہ تصنیف "فلسفۂ نفس" کا تعارف جو ہندوستانی اکاڈمی الہ آباد کی جانب سے شائع ہوئی ہے، چند ماہ گذرے ناظرین معارف سے کرایا جا چکا ہے، اسکی تالیف مین موصوف کا نقطۂ نظر یہ رہا ہے کہ علم النفس کے قدیم وجدید دونون قسم کے مباحث کے مطالعہ سے جو خیالات ونتائج مستحضر ہوئے، ان پر آزادانہ غور وفکر کر کے، انھین تسلسل کے ساتھ قلمبند کر لیا جائے، موصوف نے اسی طریق پر مسئلۂ "حیات مابعد" پر بھی غور کیا، اور انھین ایک تصنیف کا خیال پیدا ہوا، لیکن وہ چاہتے ہین کہ کتاب کی تکمیل و اشاعت سے پیشتر اس کے کچھ ابتدائی حصے معارف کے ذریعہ اہل علم کے سامنے اظہار رائے کے لئے پیش فرمائین، اسی مقصد سے یہ اوراقِ ذیل، شریکِ اشاعت ہین جنمین "حیات" "ماہیت حیات" اور "مقصد حیات" پر سلیس انداز بیان مین مختصراً بحث کیگئی ہے، اور پھر وہ انھی مقدمات سے مسئلہ "حیات مابعد" پر روشنی ڈالین گے۔

"سب اڈیٹر"

انسان کا جسم مجموعہ ہے اعضار وجوارح کا، اعضار، دل، دماغ، جگر، معدہ، طحال، شریان، ورید وغیرہ ہین اور جوارح، آنکھ، ناک، کان، زبان، ہاتھ پاؤن وغیرہ،

دیکھنا یہ ہے کہ انسان کے جسم مین کوئی شے بیکار بھی ہے؟ آنکھ، دیکھنے کے لئے ہے، ناک، سونگھنے کیلئے، کان سننے کے لئے ہے، زبان، ذائقہ پہچاننے اور بات چیت کرنے کے لئے، ہاتھ گرفت کے لئے اور پاؤن چلنے پھرنے کے لئے، اور یہی حال اور اجزائے بدن کا ہے کہ دل، شریان اور ورید سے دوران خون کا فعل وابستہ ہے، پھیپھڑون

سے تنفس کا، دماغ سے حس و حرکت کا، جگر، معدہ اور طحال سے ہضم کا، غرضکہ ہر جزو کا ایک جداگانہ عمل اور ہر عمل کی ایک جداگانہ غایت[1] ہی،

یہ بات تو اور ہے کہ ہماری سمجھ مین نہ آئے اور ہم غلط فہمی سے کسی جزوِ بدن کو بیکار سمجھنے لگین، جیسا کہ بعض کا گمان ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ جسم انسانی مین ایک ذرہ بھی ایسا نہین جو بیکار و عبث ہو، جو کسی کام کے لئے نہ ہو، یا جسکی کوئی غرض و غایت نہ ہو،

یہ مان لینے کے بعد کہ جسم انسانی مین جو کچھ ہے، اُسکی کوئی نہ کوئی غرض و غایت ضرور ہے، غور طلب یہ ہے کہ جب جسم انسانی مین کوئی شے بیکار نہین، ہر شے کوئی نہ کوئی مقصد ضرور رکھتی ہے تو کیا خود انسان کی زندگی کی جس کے بغیر جسم و جسمانیات کا ہر نظام محض بیکار و عبث ہے، کوئی غرض و غایت نہو گی؟ یقیناً ہو گی اور ضرور ہو گی،

لیکن ہماری زندگی کا فطری مقصد کیا ہے؟ یہی وہ سوال ہے جس کی تشریح و توضیح بالآخر ہمین ایک ایسی حقیقت سے روشناس کراتی ہے، جسے نظریۂ حیات مابعد، آیندہ زندگی کا نظریہ کہتے ہین، اور یہی وہ کاوش ہے، جو حیاتِ انسانی کو اُس پیش پا افتادہ منزل سے، جس کو انتہائے زندگی یا موت کہا جاتا ہے، بہت آگے لیجاتی ہے،

اب سمجھنا یہ ہے کہ ہمین اپنی زندگی کا فطری مقصد معلوم کیونکر ہو؟ تلاشِ مقصد مین اصول یہ ہے کہ کسی شے کے اجزائے ترکیبی کا علم مقدم ہے اس کے مقصد کے علم پر، اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہین کہ ایک شے کس کام کیلئے بنائی گئی ہی، یا اسکی علت غائی کیا ہی، تو پہلے آپ اسکے اجزائے ترکیبی معلوم کیجئے، اسکی ماہیت پر غور فرمائیے، پھر آپ یہ معلوم کر سکینگے کہ وہ شی کس غرض کیلئے بنائی گئی ہی، یا اسکی علت غائی کیا ہی، مثلاً اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہین کہ گھڑی کس لئے بنائی گئی ہی، تو پہلے آپ اُسکے اجزائے ترکیبی معلوم کیجئے، گھڑی کے اجزائے ترکیبی تمام وہ پرزے اور حصے ہین جنسے ملکر گھڑی بنی ہے، انھی چیزون پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ گھڑی کے تمام اجزائے ترکیبی اپنے متحدہ عمل سے کیا کام کر سکتے ہین، وہی کام جس کو متحدہ طور پر تمام پرزے مل کر

---

[1] افعالِ اعضا کی تفصیلات کا تعلق علمِ افعالِ اعضا سے ہے اور اعضاء و جوارح کی تشریحات کا فن تشریحاتِ بدن ہے، مگر یہان بحث کلیاتِ اغراض و مقاصد سے ہے، جزئیاتِ علم افعال اعضا اور تشریحاتِ بدن سے نہین،

انجام دیتے ہون، گھڑی کی علت غائی ہوگا، بہرحال کسی شے کی علت غائی یا اس کی فطری غایتِ وجود سے ہم اس وقت تک باخبر نہین ہو سکتے جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو کہ وہ شے کیا ہے یا اس کی ماہیت کیا ہے، اس لئے مقصدِ حیات کا علم منحصر ہے حقیقتِ حیات کے علم پر، منزل تک پہنچنے سے پہلے اس کے ابتدائی مراحل سے گذرنا لازمی ہوتا ہے،

حقیقت مین مقدم اور نہایت اہم بحث، ماہیتِ حیات ہی کی ہے، جب ہم یہ سمجھ گئے کہ زندگی کیا شے ہے، تو اس کے مقصد و منتہا سے بھی بے خبر نہین رہ سکتے،

اگر اس وقت آپ کے سامنے زندگی کی یہ تعریف بیان کیجائے کہ زندگی وہ ترقی کرنے والی شے ہے، جس کے گذشتہ مدارج و مراحلِ ارتقائی کا نام حیاتِ ماقبل ہے، مراحل حاضرہ کا نام حیاتِ موجودہ اور مراحلِ مابعد کا نام، حیات مابعد تو شاید آپ اسے ایک اضافہ سمجھین گے، مگر ماہیتِ حیات سمجھ لینے کے بعد، مدارج حیات کی یہی تفصیل آپ کو ایک حقیقت معلوم ہونے لگے گی،

مقصدِ تصنیف، تحقیقِ حیات مابعد ہے، مگر یہ اسی طرح حاصل کیا جا سکتا ہے کہ پہلے یہ غور کیا جائے کہ حیات فی نفسہٖ ہے کیا شے، جب ہم یہ سمجھ لین گے کہ حیات کیا ہے تو اس کے مدارجِ ماقبل و مابعد سبھی سمجھ مین آجائین گے، علم ماہیتِ حیات ہی وہ نقطۂ آغاز ہے، جس پر تمام مسائلِ حیات متفرع ہین، یہی وہ ابتدا ہے جس کے بغیر ہم انتہا تک نہین پہنچ سکتے،

مذکورۂ بالا اصولِ فکر و نظر کی عملی تشکیل، کتابِ پیشِ نظر کے ابواب و فصول کی ترتیب ہے، یعنی پہلا باب ماہیتِ حیات کا ہے، دوسرا، حیاتِ موجودہ کا اور تیسرا، حیاتِ مابعد کا اور ہر باب اپنے مسائلِ متعلقہ کا حامل ہے، یہ ہے ایک اجمالی خاکہ اس کتاب کا،

کس قدر محلِ حیرت و استعجاب ہے، اگر ہم اپنی اس زندگی کے انجام و مآل سے بے خبر رہین، جس کے لئے سب کچھ کرین یا سب کچھ گوارا کرین!

ہر وہ شخص جسے اپنی زندگی کی اہمیت کا صحیح احساس ہوگا، جو اپنی زندگی کو فرصتِ لہو و لعب و دور

ناعاقبت اندیشی نہ سمجھتا ہوگا، جس پر جہل وجہل علم نما کی تاریکیاں نہ چھائی ہونگی، جس کا مطمح نظر لذت اور جس کی عملی زندگی، لذت کوشی نہ ہوگی، جس کی فکر بیداری اور جس کی بیداری، مآل اندیشی ہوگی، ضرور اپنی زندگی کے صحیح مقصد ومصرف پر غور کریگا، یقیناً معلوم کرنا چاہیگا کہ اس شب و روز کی جد و جہد کا کیا حاصل ہے، بلاشبہ اُسے فکرِ انجام ہوگی، کوئی شک ہی نہیں کہ وہ اپنی زندگی کے فطری مقصد سے غافل رہنا کبھی گوارا نہ کریگا،

اگر مآلِ کارِ حیات، خاک ہونا ہی مان لیا جائے تو قطع نظر اس احساس کے کہ اس مادی نقطۂ نظر سے نیک و بد، انجامِ عفت وسیہ کاری، نتیجۂ سعادت و شقاوت ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور معیارِ اخلاق صرف خود غرضی و درندگی ہی رہجاتا ہے[1]، اور اسے احساسِ انسانیت وضمیرِ فطرت کسی طرح قبول نہیں کرتا، ہم یہ کہتے ہین کہ اس غلط فہمی کے بعد کہ انجامِ حیات بجز خاک ہوجانے کے اور کچھ نہیں، نہ ہمین اپنی حیات کا کوئی فطری مقصد نظر آتا ہے، نہ اس کائنات کا، نظامِ حیات تو ہمارے نزدیک حاصلِ نظامِ کائنات ہے، جب نظامِ حیات ہی لا نتیجہ ہو تو نظامِ کائنات کا حاصل معلوم، جب ماخوذ ہی بے مصرف ہے تو ماخذ کی بھی کیا قیمت ہوسکتی ہے، یہ بھی لغو، وہ بھی لغو، یہ بھی بیکار، وہ بھی بیکار، نہ اس کا کوئی مقصدِ انتہائی نہ اسکی کوئی علت غائی،

لیکن کوئی سلیم الفطرت انسان جس کی زندگی محرومِ عبرت و بصیرت نہین، ایک لمحہ کے لئے بھی اس ذلتِ علم وادراک، اس ننگِ عبرت و بصیرت کو گوارا کرسکتا ہے؟

وہ صحیفۂ فطرت، وہ کتابِ حقائق ومعارف، وہ رہنمائے فکر ونظر یعنی وہ نظامِ کائنات، جس کے نوامیس فطری پر غور کرنا، جس کے غیر متزلزل اصولون سے سبق لینا، جس کی بصیرت افزا غایت ونہایت کو سمجھنا، حاصل علم

---

[1] اگر پوچھا جائے کہ کس بنا پر کسی خلق وعمل کو اچھا یا برا کہہ سکتے ہین، معیارِ رذائل وفضائلِ اخلاق کیا ہے؟ تو ایک وہ شخص جو اپنی زندگی کو اسی دنیا اور یہین تک محدود سمجھتا ہے اپنے طرزِ عمل سے بتائے گا کہ اس کے نزدیک معیارِ نیک و بد صرف "خود غرضی" ہی ہے، جو خلق وعمل اس کی ذات کے لئے اس زندگی مین مفید ہے، نفع بخش ہے، وہی اچھا ہے، اور جو ایسا نہین وہی مذموم ہے، برا ہے،

وادراک، مقصدِ فکر و نظر، غایتِ دانش و بینش ہو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ بجائے خود ایک بے غرض و غایت، بے نتیجہ شے ہو؟ ممکن ہے کہ اس کا کوئی مقصد انتہائی نہ ہو؟ ناممکن

پھر ہم یہ کہتے ہین کہ جب نظامِ کائناتِ فطرت لغو و بیکار نہین تو حاصل نظامِ کائنات، یعنی حیات کیونکر ایک بے نتیجہ شے ہو سکتی ہے؟ ضرور اس کا بھی کوئی مقصد ہوگا،

اگر ہم یہ سمجھتے ہین کہ نہ حیات کا کوئی مقصد ہے نہ کائنات کا، جو کچھ ہے لغو و بے کار ہے تو یہ نہ صرف نظریہ اغراض و مقاصد کا انکار، حقائق کائناتِ فطرت کا انکار، بلکہ اپنی لغویت کا اعتراف ہوگا، حقائق فطرت کا انکار کون کر سکتا ہے مگر وہی جو محرومِ بصیرت و بیگانۂ رموز فطرت ہو،

بلاشبہ اسی قسم کے احساسات ہین جو اس نظریۂ مادیت کی کہ انجام زندگی، صرف خاک ہو جانا ہی ہے، تائید نہین کرنے دیتے، اسی قسم کے تاثرات ہین جو سلامتیِ ذوق و نظر کو دعوتِ فکر و تدبر دیتے ہین، تقاضائے فطرت ہو کہ انسان جب تک انسان ہے، امتیازِ انسانیت مین ترقی کرے اور ترقی کرتا ہی رہے، امتیازِ انسانیت ہے کہ انسان شائقِ علم وادراک مین قدم آگے بڑھائے اور بڑھاتا ہی چلا جائے۔ خلاف مقصد حیات ہو کہ انسان اپنے جہل پر قانع ہو جائے، مقصد حیات ہے کہ اوہام و ظنون کا پردہ اٹھا دیا جائے،

ہم سے پہلے اور بہت سے سوچنے سمجھنے والون نے ان مسائل پر غور کیا ہے، نتیجہ سے بحث نہین، حوصلہ افزا ہو کہ ہمت شکن، کاوشِ علم کبھی شرمندۂ تقلید نہین، آؤ آج ہم بھی اپنے ہادی و رہنمائے حقیقی سے کہ جس کے سوا کوئی رہنمائے فکر و نظر نہین، بقلب صحیح التجائے رہنمائی کرین، اللھم ارنا حقائق الاشیاء کما ھی،

"حیات"

ہماری زندگی اور اس کا آغاز و انجام کیا ہے؟ اگر پیدائش کو زندگی کا آغاز، حس و حرکت کو زندگی اور موت کو زوالِ حس و حرکت یا زندگی کا خاتمہ مان لیا جائے تو اس عالم مین ایک بڑے سے بڑا جاہل اور ایک بڑے سے بڑا فلسفی

دونون ہم مرتبہ اور ایک ہی صف مین نظر آئین گے، ہزارون بچون کا پیدا ہونا، ہزارون انسانون کا مرکر خاک مین ملجانا کس کے علم مین نہین، کون نہین جانتا کہ مردہ بے حس وحرکت ہوتا ہے، اس لئے حس وحرکت ہی کو اصل زندگی کون نہین سمجھ سکتا، پھر کیا زندگی اور اس کا آغاز و انجام یہی ہے؟

آغاز و انجام سے ابھی بحث نہین، آؤ پہلے ہم یہ تو غور کرین کہ خود یہ زندگی کیا شے ہے؟ عام طور پر جب کسی حیوان وانسان مین کوئی حس وحرکت نہین پاتے تو اسے مردہ بے جان کہتے ہین گویا کہ یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ جان یا زندگی قوت حس حرکت ہی کا نام ہے، یہ عقیدہ کچھ عوام الناس ہی کا نہین، خواص بھی اس مین برابر کے شریک ہین، اجسام زندہ (حیوانات) کی منطقیانہ تعریف، جسم نامی حساس و متحرک بالارادہ، بہت معروف ہے، اس کے بھی یہی معنی ہوئے کہ وہ بڑھنے والے جسم، جن مین احساس کے ساتھ ساتھ، کوئی حرکت ارادی بھی پائی جاتی ہو، حیوان، ذی حیات، جان دار، یا زندہ ہین، معلوم ہوا کہ حیات زندگی قوت احساس وحرکت ارادی ہی ہے، اور وہ اجسام متحرک بالارادہ ہی مین پائی جاتی ہے، اس لئے اجسام متحرک بالارادہ ہی کو حیوان یا زندہ اجسام کہتے ہین،

زندگی کے اس تخیل نے کہ زندگی صرف قوت حس وحرکت ہی کا نام ہے، زندہ کائنات کے ایک ناقابل احاط وسیع دائرہ کو بہت ہی محدود کر دیا، ارض وسما کی نامتناہی وسعتون مین حیوانات کے سوا کوئی شے بھی تو زندہ نہین سمجھی جا سکتی مگر کیا یہ محل تعجب نہین کہ یہ تمام کائنات کون و فساد باوجود اپنی مسلسل حرکت کون و فساد کے ایک بے جان و مردہ شے سمجھی جائے اور اسکی حرکت تکوین و آفرینش کی ایک متعین شکل یعنی اجسام ذی حس وحرکت کو زندہ سمجھا جائے، نظام عمل تو بے جان ہو اور نتیجہ عمل جاندار، حس وحرکت ایسی شے کے اعمال سے پیدا ہو جو خود بے حس وحرکت ہو، اس کی مثال تو یہ ہوئی کہ ایک مشین (نظام عمل) جو کچھ کام کر رہی ہے وہ تو بے جان، بے حس وحرکت ہو، مگر اُس کے کامون کے سب نتائج نہین، ایک متعین نتیجہ، ذی حس وحرکت یا جاندار ہے؟

بالفرض اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ زندگی قوت حس وحرکت ہی کا نام ہے تو بھی کیا ثبوت اس بات کا ہے کہ یہ قوت صرف انواع حیوانات ہی مین پائی جاتی ہے، اگرچہ آج یہ امر مشتبہ نہین کہ نباتات مین بھی آثار حس وحرکت پائے جاتے ہین

پھر بھی قطع نظر اس امر کے کہ نباتات مین بھی آثارِ حس و حرکت ہین یہ غور فرمائیے کہ

یہ آفرینش کے ہنگامے، سیارون کی گردش، کائنات کے انقلاب، تغیرات، حوادث کیا کہ رہے ہین؟ تکوین و تخریب، فنا و بقا، جذب و انتشار کی متضاد قوتین نبرد آزما ہین، کبھی سطحِ ارض، ایک دشتِ بے آب و گیاہ ہے، کبھی فردوس منظر، کبھی محلِ خامشی و سکوت ہے، کبھی ہنگامہ زارِ ہستی، کبھی نقش و نگارِ عالم اپنی سطح پر غیر نمایان تھے، آج جزوِ مناظرِ فطرت ہین اور ان انقلابات کے مظاہرون کے لئے کچھ یہ سطحِ ارض ہی منتخب نہین، ہر سطحِ ہستی پر یہی عالم ہے، بہر لحظہ ایک محشرِ حوادث برپا ہے، بہر ساعت ایک قیامتِ انقلاب ہے کہ اٹھ رہی ہے، یہ تغیرات و حوادث کون و فساد کی عملی صورتین یعنی کائنات کے یہ اعمال، یہ جنبشین، یہ ہیجان، یہ حرکتین، علاماتِ حیات ہین کہ آثارِ موت، قوتِ عمل، استعداد حرکت، قابلیتِ جنبش، زندگی ہے کہ مردگی؟

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ نہین ہوسکتا کہ ایک نظام کے بعض اجزا تو ذی حیات، جاندار یا زندہ ہون اور بعض بے جان و مردہ، آپ جن اجسام کو جس حالت مین زندہ سمجھتے ہین، ان کو دیکھئے اور غور فرمائیے کہ ہر جسمِ حیوان ایک نظامِ اعضا و جوارح ہوتا ہے، اب اگر آپ کسی نظامِ اعضاء و جوارح کو زندہ سمجھتے ہین، جاندار مانتے ہین تو یہ نہین ہوسکتا کہ اس نظامِ زندہ کے بعض اجزا مثلاً دل، دماغ کو تو زندہ سمجھین اور بعض مثلاً ہڈیون کو بیجان، اگرچہ ہر جزوِ نظام، ذی حس و حرکت نہ ہو مگر کسی جزو کو بے جان نہین سمجھا جاسکتا[1]، اور اس کا سبب یہی ہے کہ تمام جسمِ حیوانی، ایک نظامِ واحد ہوتا ہے، جس حالتِ تنظیم مین ہم اس کو زندہ سمجھتے ہین، اس حالت مین یہ نہین ہوسکتا کہ اس کے بعض اجزا کو زندہ سمجھا جائے اور بعض کو مردہ کہ یہ اجتماعِ ضدین و نقیضین ہے، سکون و حرکت، موت و حیات کا اجتماع، بیک وقتِ واحد کسی شے مین محال ہے،

تمام کائنات کا بحیثیت مجموعی ایک منظم شے ہونا، محتاجِ ثبوت نہین، کون ہے جو نظامِ کائنات کا قائل نہین، ذرّے سے لیکر آفتاب تک، ہر جزوِ کائنات، جمادات ہون کہ نباتات، معدنیات ہون کہ حیوانات سب

---

[1] نظامِ جسمِ حیوانی مین صرف اعصابِ حس و حرکت ہی ذی حس و حرکت ہوتے ہین، بقیہ اجزا، ذی حس و حرکت نہین ہوتے ہین،

ایک ہی سلسلۂ علت و معلول و فعل و انفعال سے وابستہ و مربوط ہین، تمام کائنات ایک ہی شے ہے، ایک ہی نظام رکھتی ہے[1]، پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس کے بعض اجزا حیوانات کو تو زندہ سمجھا جائے اور بعض جمادات وغیرہ کو مردہ، حرکت و سکون، حیات و موت کا اجتماع بیک وقتِ واحد کسی شے مین محال ہے جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہین،

یہ تمام بحث اس تخیل کے خلاف تھی کہ حیات صرف قوتِ حس و حرکت ہے، اصل یہ ہے کہ حیات کا یہ تخیل کہ حیات قوت حس و حرکت ہی ہے، نہایت محدود تخیل حیات کا ہے، اسی محدود تخیل کا نتیجہ ہے کہ ہم نے فقدانِ قوت حس و حرکت کا نام زندگی کا خاتمہ یا موت رکھا ہے، اور چونکہ حس و حرکت از قبیل اعراض ہے اور اعراض بعد فنا دوبارہ پیدا نہین ہو سکتے، اعادۂ معدوم محال ہے، اس لئے ہم یقین نہین کرتے کہ ہماری زندگی یا ہماری قوت حس و حرکت فنا ہو جانے کے بعد پھر پیدا ہوگی، اور حیات مابعد یا آیندہ زندگی کا کوئی امکان ہے، حیات مابعد کے انکار کی بڑی وجہ یہی ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ نہ یہ حیات، حیاتِ انسانی ہے، جسے قوت حس و حرکت کہتے ہین، اور نہ وہ حیات مابعد، جو اعادۂ معدوم کو مستلزم ہو،

پھر حیات کیا ہے؟ ابھی تو آپ سے صرف یہ کہا گیا ہے کہ عام طور پر لفظ حیات، اپنے صحیح مفہوم مین استعمال نہین کیا جاتا ہے، قوتِ حس و حرکت سے زندگی کی تعبیر ایک وسیع دائرۂ عمل کو محدود کر دینا ہے، حیوانات ہی کو زندہ سمجھنا، اکثر حصۂ کائنات کو مردہ قرار دیدینا ہے، جو نہ صرف خلافِ قیاس ہے بلکہ خلافِ تجربہ و مشاہدہ بھی ہے، اب یہ دیکھئے کہ حیات فی نفسہٖ ہے کیا،

"ماہیتِ حیات"

اگر ہزار آدمیون سے پوچھا جائے کہ وہ کائنات کسے کہتے ہین تو ہر شخص بقدر اپنے معلومات کے کچھ چیزون کے نام گنا دیگا کہ وہ ان چیزون کے مجموعہ کو کائنات کہتا ہے گویا کہ ہر شخص کی کائنات بقدر وسعتِ معلومات ہے، لیکن معلوماتِ انسانی کا یہ حال ہے کہ ہزارون چیزین جنھین پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا آج ہزارون اشخاص

---

[1] اس اجمال کی تفصیل آیندہ فصل مین ہوگی،

ان سے واقف ہین اور نہ معلوم کس قدر ایسی چیزین ہونگی جنسے اب تک کوئی بھی واقف نہین' ان چیزون کو تو جانے دیجیے کہ جن سے کوئی واقف نہین، انھین کو لے لیجیے جو محسوس و معلوم ہو چکی ہین، کیا کوئی شخص ان چیزون کا جو محسوس و معلوم ہو چکی ہین یا محسوس و معلوم ہو سکتی ہین اندازہ کر سکتا ہے؛ آسمان کے ناقابل شمار ستارے، زمین کی بیرون اعداد طرح طرح کی مخلوق، ہزارون قسم کی معدنی چیزین' ہزارون قسم کی جڑی بوٹی، پھول پھل' بیل بوٹے، ہزارون قسم کے درخت' انواع انواع کے حیوان، حشرات الارض، چرند، پرند، درند' سچ تو یہ ہے کہ نہ شمار ہو سکتا ہے نہ اندازہ، وہ بھی ان چیزون کا جو محسوس و معلوم ہو سکتی ہین' ان کا کوئی ذکر نہین جو ابھی ہمارے علم مین نہین' خدا جانے اس فضائے آسمانی مین کس قدر ایسے ستارے ہین جو دوربین کی مدد سے بھی نہین دکھائی دے سکتے، نہین معلوم زمین پر کس قدر ایسے جراثیم ہین جو خوردبین کی رسائی سے بھی باہر ہین، کیا معلوم ان سیارون مین کس کس قسم کی مخلوق ہے، کس طرح کی دنیا ہے، کون جانے کہ ان دنیاؤن کا سلسلہ کہان تک چلا گیا ہے،

وسعت کائنات یہ ہے کائنات اور اس کا ایک نہایت اجمالی خاکہ جس مین وہ سب کچھ پایا جاتا ہے جو پایا جا سکتا ہے' جو ممکن ہے' جس کا پایا جانا ممکن ہے، محسوس ہو کہ معقول، معلوم ہو کہ نامعلوم،

دیکھنا یہ ہے کہ اس وسیع کائنات مین جو کچھ ہے، جو کچھ پایا جاتا ہے وہ ایک مرتب نظام کی صورت مین پایا جاتا ہے' یا ایک شیرازۂ پراگندہ کی صورت مین' تمام موجودات مین کوئی تعلق باہمی ہے یا نہین، کسی ایک نظام سے ہر شے وابستہ ہے یا نہین؟

بادی النظر مین تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات کی ایک چیز کو کوئی تعلق دوسری چیز سے نہین' کہین زمین ہے' کہین آسمان' کہین ثوابت ہین، کہین سیارے، جمادات نباتات سے غیر متعلق، نباتات، جمادات سے، حیوانات کو نہ نباتات سے کوئی ارتباط ہے نہ معدنیات و جمادات سے، ہر شے کی صورت جداگانہ، حالت مختلف، امتیاز غیر مشترک، عمل متفرق' ایک سیارے اور دوسرے سیارون مین کڑوڑون میل کا بعد پھر کس طرح یہ گمان ہو سکتا ہے کہ سب سیارے اور ان مین جو کچھ پایا جاتا ہے یا ان مین جو کچھ ہے وہ سب کسی ایک نظام واحد کی تشریح ہے، محسوس تو یہ ہوتا ہے کہ ہر فرد کائنات ایک منفرد شے ہے، کسی شے کو کوئی تعلق کسی دوسری شے سے نہین، نہ کوئی نظام نظر آتا ہے نہ ترتیب، نہ کوئی ربط معلوم ہوتا ہے نہ تعلق؟

تمام کائنات ایک منظم شے جسم واحد کیطرح ہے

لیکن یہ سب نارسائی احساس ہے، سورج کی حرارت و روشنی نو کروڑ میل سے ہماری اس زمین اور اسکی ہر چیز ہر پیداوار اس سے تعلق رکھنے والی ہر مخلوق پر اپنا اثر ڈال رہی ہے، سورج اس قدر دور ہوکر بھی اس قدر قریبی تعلق زمین سے رکھتا ہے کہ اگر سورج نہ رہے تو نہ یہ زمین رہ سکتی ہے، نہ اس زمین سے تعلق رکھنے والی کوئی مخلوق ارضی، یہ تعلق سورج کا کچھ اس زمین ہی سے نہین بلکہ اپنے ہر متعلق سیارے سے ہے یعنی تمام نظامِ شمسی فعل و انفعال مین جسمِ واحد کی طرح ہے، ہر سیارہ اور اس مین جو کچھ ہے، سب ایک نظامِ واحد کی شرح ہے،

یہ تو اس نظامِ شمسی کا حال ہے جس سے یہ زمین تعلق رکھتی ہے، جس پر ہم آباد ہین، مگر کائنات کچھ اس نظامِ شمسی ہی پر محدود نہین، اس فضائے محیط مین بے شمار ایسے نظامِ شمسی ہین، جس قدر ستارے ہم کو غیر متحرک (ثابت) نظر آتے ہین وہ سب متحرک سیارے ہین، اور کسی نہ کسی نظام سے وابستہ ہین، اور یہ تمام نظام بھی نہین کہ انفرادی طور پر ایک منظم حیثیت رکھتے ہون بلکہ مجموعی طور پر بھی ایک نظامِ اعلیٰ سے تعلق رکھتے ہین اور ایک نظامِ اعلیٰ سے وابستہ ہین،

وہی نظامِ اعلیٰ جس سے ہر نظامِ شمسی وابستہ و متعلق ہے، وہی نظامِ کائنات ہے، اس تفصیل سے آپ نے معلوم کیا ہوگا کہ تمام کائنات ایک منظم شے ہے، جس کا ہر جزو، ذرہ ہو کہ آفتاب، گھانس کی ایک پتی ہو کہ بڑے سے بڑا درخت، ایک جرم صغیر ہو کہ ایک بڑے سے بڑا میدان، کوئی شے ہو، ہر شے، دوسری شے سے، ہر فرد، دوسرے فرد سے، ہر نوع دوسری نوع سے، ہر جنس دوسری جنس سے، تعلق، ارتباط، وابستگی رکھتی ہے، اور تمام موجودات نہ صرف بہمدگر وابستہ و متعلق ہین بلکہ ایک ہی نظامِ اعظم کے اجزا، ایک ہی سلسلۂ علت و معلول کی ناقابلِ انفکاک کڑیان ہین، یہ ہے کائنات اور اس کا نظام جسے نظامِ کائنات کہتے ہین،

کائنات اور اس کے نظام کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد اعمالِ کائنات پر نظر ڈالئے!

کائنات نہ صرف عضوی اعتبار سے ایک منظم شے ہے بلکہ اس کے اعمال (اعمالِ کون و فساد) مین ایک ربط و تسلسل بھی ہے اور کیون نہ ہو کہ یہ قانونِ فطرت ہے کہ ایک مرتب شے کے اعمال بھی مرتب ہوتے ہین، ایک نظام کے اعمال مین بھی نظام ہوتا ہے، کائنات مین جو کچھ ہوتا ہے، چونکہ ایک مرتب نظامِ علت و معلول کے

ماتحت ہوتا ہے اس لئے ترتیب کے ساتھ ہوتا ہے، ترتیب وار ہوتا ہے،

اعمال کائنات مین ایک ربط وتسلسل پایا جاتا ہے،

اعمالِ کائنات مین ترتیب ہے، تنظیم ایک ربط وتسلسل ہے، یہ مان کر کہ اعمال کائنات مین ربط وتسلسل ہے، ماہیتِ عمل پر غور کیجئے کہ عمل کس کو کہتے ہین ؛ ہر عمل اپنی ماہیت کے اعتبار سے

ماہیت عمل

ایک حرکت ہوتا ہے اور ہر حرکت محتاج محرک، ہم کسی حرکت کا تصور بغیر کسی محرک کے کر ہی نہین سکتے، ہم سمجھتے ہین کہ کوئی حرکت بغیر کسی محرک کے پیدا ہی نہین ہو سکتی، یہ بھی قانونِ فطرت ہے،

یہ سمجھ کر کہ ہر حرکت محتاجِ محرک ہوتی ہے، سوال یہ ہوتا ہے کہ محرک اعمالِ کائنات کون ہے؟

مادیین کے نزدیک مادہ ہے، کوئی حرکت ہو اور کسی شے مین پائی جاتی ہو، مادّی حرکت ہو اور مادے ہی سے پیدا ہے، تمام نظامِ اعمالِ کائنات مادّی ہے، اور مادہ ہی سے وابستہ ہے،

ہم بھی اسے تسلیم کر لیتے مگر اس نظریہ کو تسلیم کرنے مین بعض امور مانع ہوتے ہین، جن کو ہم بدفعاتِ ذیل بیان کرتے ہین،

۱- نظریۂ مادّیت کی تاریخ اور خود ہمارے شواہد نے ہمین اب تک جو کچھ مادّے کے متعلق بتایا ہے وہ یہ ہے کہ مادہ ایک جسم وجسمانیت (شکل، جسامت اور مقدار) کے امتیازات کا نام ہے، مادہ ایک ایسی شے کو کہتے ہین جو بہر حال کسی نہ کسی صورت مین پایا جائے[1]، کوئی نہ کوئی مقدار رکھتا ہو اور اس کے ساتھ جسامت بھی، یہی مادے کے وہ ذاتی امتیازات ہین جو اس سے کبھی جدا نہین ہو سکتے، اور انھین امتیازات کی وجہ سے ہم مادے کے وجود کے قائل ہین اور اُسے کوئی شے کہتے ہین،

۲- ظاہر ہے کہ ایسی شے کو محرک نظام کائنات نہین سمجھا جا سکتا، اب اگر مادے مین کوئی حرکت بھی مان لیجائے تو سوال یہ ہوتا ہے کہ مادے مین کس طرح کی حرکت پائی جاتی ہے، بلحاظ اغراض ومقاصد حرکت دو طرح

---

[1] کسی نہ کسی صورت مین پائے جانے کے معنی کسی نہ کسی صورت مین نظر آنے کے نہین ہین بلکہ عقلاً اس امر کے اثبات کے ہین کہ مادہ بغیر صورت کے متحقق نہین ہوتا،

کی ہو سکتی ہے، ایک تو وہ جس کی کوئی غرض و غایت نہ ہو، دوسری وہ جو غرض و غایت پر مبنی ہو، اگر مادے مین ایسی حرکت مانی جاتی ہے جس کو اغراض و مقاصد سے کوئی تعلق نہ ہو، تو بھی کام نہین چلتا، کیون؟ اس اجمال کی تفصیل حسب ذیل ہے،

اعمالِ کائنات تمامتر اغراض و مقاصد پر مبنی ہین

۳- ہر حرکت کو دیکھکر جہان ہمارے ذہن مین اس کے محرک کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے، وہان یہ بھی سوال ہوتا ہے کہ اس حرکت کی غرض و غایت کیا ہے، یہ کس لئے ہے یا اس کا مقصد کیا ہے، یہ سوال کچھ ہمارا اختیاری نہین نظامِ فطرت نے یہ سبق ہم کو دیا ہے، کائنات نے ہم کو بتا دیا ہے کہ کوئی منظم حرکت بے غرض و غایت نہین ہوتی، کائنات کے اعمال مین ایک ربط ہے، ایک تسلسل ہے، نظام ہے، ترتیب جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہین، اسلئے ایسے مرتب و منظم سلسلۂ اعمال کو ہم کسی طرح بے غرض و غایت، بے کار و عبث نہین سمجھ سکتے، ہم کو ہر عمل کائنات اغراض و مقاصد کے ساتھ معلوم ہوتا ہے، یہ مان لینے کے بعد کہ اعمال کائنات تمامتر اغراض و مقاصد پر مبنی ہین، سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر مادے مین ایسی ہی حرکت پائی جاتی ہے جس کو اغراض و مقاصد سے کوئی تعلق نہ ہو، تو اعمالِ کائنات جو تمام تر اغراض و مقاصد پر مبنی ہین، کس طرح مادی سمجھے جا سکتے ہین، مادہ کیون کر محرک اعمال مانا جا سکتا ہے

۴- اگر کہا جائے کہ مادے کی حرکت غرض و غایت پر مبنی ہوتی ہے تو یہ بھی ماننا ہوگا کہ مادے مین حرکت اضطراری نہین ہوتی، ارادی ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ حرکت ارادی ہی ہوتی ہے جو اغراض و مقاصد پر مبنی ہوتی ہے، اضطراری نہین ہوتی،

۵- اس طرح مادے کو متحرک بالارادہ ماننا ہوگا مگر کسی شے کو متحرک بالارادہ ماننے سے پہلے یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ وہ شے ذی شعور بھی ہے، اس لئے کہ حرکت ارادی، لحاظِ غرض و غایت پر مبنی ہوتی ہے اور لحاظِ غرض و غایت بغیر شعور ہو نہین سکتا، شعور ہی وہ شے ہے جس سے تمام حرکات ارادی کی تحریک ہوتی ہے، نتیجہ یہ ہے اگر مادے کو محرک اعمال کائنات مانتے ہین، تو ہم کو یہ بھی ماننا ہوگا کہ مادہ نہ صرف محرک، بلکہ ذی شعور محرک ہے، بلاشبہ ایسا محرک جو ذی شعور ہو، محرک اعمالِ کائنات ہو سکتا ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ مادے کو ذی شعور مانا بھی جا سکتا ہے

ذات مادہ اس کی متحمل بھی ہے؟

مادے کا وہ امتیاز جس سے اس کے وجود کا تعین ہوتا ہے، جسمانیت ہی ہے، اس لئے اگر ہم مادے کو ذی شعور محرک سمجھتے ہین تو اس کے یہی معنی ہین کہ ہم جسمانیت ہی کو ذی شعور محرک سمجھتے ہین اور جب ہم جسمانیت کو بالفعل محرک سمجھتے ہین تو اس کے یہی معنی ہین کہ ہم یہ سمجھتے ہین کہ جسمانیت بالفعل کسی شے کو حرکت دے رہی ہے، یعنی کوئی محلِ وقوع حرکت یا متحرک شے ہے جس کو جسمانیت حرکت دے رہی ہے، مگر معلوم کرنا یہ ہے کہ اگر جسمانیت کو محرک بالفعل مانا جائے تو متحرک کس شے کو مانا جائے؟

ہر حرکت جہان محتاج محرک ہوتی ہے، وہان اپنے محلِ وقوع کی بھی مقتضی ہوتی ہے، کائنات اپنی مادی وجسمانی حیثیت سے ایک محلِ حرکت ومتحرک شے ہے اور جسمانیت کائنات کوئی جداگانہ جسمانیت نہین، وہی جسمانیت ہے جس سے مادّہ ومادیت کا تعین وامتیاز ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ متحرک شے جس کو جسمانیت حرکت دے رہی ہے، خود جسمانیت ہی ہے، نظامِ اعمال کائنات مین علت ومعلول ایک ہین یا محرک ومتحرک کا کوئی امتیاز نہین، غور فرمایا آپ نے!

کائنات اپنی مادی وجسمانی حیثیت سے ایک متحرک شے ہے

مگر یہ نظامِ علت ومعلول کے قطعی خلاف ہے، کوئی علت تامہ[1]، نہ معلول ہوسکتی ہے، نہ کوئی معلول علتِ تامہ، اس اصول کے ماتحت، جسمانیت کو جس کے متحرک ہونے پر ہر تغیر کائنات شاہد ہے، محرک اعمال کائنات نہین سمجھا جاسکتا، اور جب جسمانیت کو محرک اعمالِ کائنات نہین سمجھا جاسکتا تو ایک قوت تحریک وتدبیر یعنی شعور کو کس طرح مادی مانا جاسکتا ہو، قوتِ تحریک کا تعلق تو کسی محرک ہی سے ہوسکتا ہے، نہ کسی متحرک سے اور یہ معلوم ہوچکا ہو کہ مادہ ایک متحرک شے ہے، نتیجہ یہ ہے کہ مادے کو ذی شعور نہین مانا جاسکتا،

مادہ ذی شعور نہین مانا جاسکتا،

یہ معلوم کرلینے کے بعد کہ مادے کو ذی شعور ومحرکِ اعمال کائنات نہین مانا جاسکتا، ہم یہ کہتے ہین کہ کائنات تمامتر ایک منظم شے ہے جیسا کہ ہم کہہ چکے ہین، اعمالِ کائنات مین ربط ہے، ترتیب ہے، تسلسل ہے، اغراض

---

[1] علت تامہ وہ علتِ فعل ہے، جو اپنے فعل مین کسی علت مقدم کی محتاج نہ ہو،

ومقاصد کا کامل لحاظ ہے، یہی شواہد ہین جن کی رہنمائی مین ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہین کہ

نظامِ اعمالِ کائنات مادی ومادے سے وابستہ نہیں،

نفسِ کائنات

نظامِ اعمالِ کائنات نہ مادّی ہے، نہ مادی ہوسکتا ہے، محرکِ اعمالِ کائنات ایک ایسی شئے ایک ایسا محرک ہے جو ذی شعور ہے، جس کا امتیاز جسم وجسمانیت نہین جو مقید وزن ومقدار، صورت وجسامت نہین، جسمانی، مادی نہین، ہم ایسے محرک کو نفس کہتے ہین، نفس ہی، نفسِ اعمالِ کائنات ہے اور نفس ہی سے نظامِ اعمالِ کائنات وابستہ ہے، ترتیب وتنظیم، تحریک وتدبیر نفس ہی کے اعمال ہین، غرض وغایت، مدعا ومقصد کا سراغ نفس ہی کے اعمال مین ملتا ہے،

جس طرح آپ کے تمام اعمال ارادی ایک مرکزیت عمل رکھتے ہین، اپنے اعمال ارادی کو دیکھئے کہ وہ تمامتر آپ کی ذات سے، آپ سے یا آپ کی انانیت سے وابستہ ومتعلق ہین، آپ کی انانیت آپ کے ہر ارادی عمل کا نقطۂ آغاز ہے اور آپ کا ہر ارادی عمل اسی نقطہ پر منتہی ہوتا ہے، اسی طرح اور ٹھیک اسی طرح، تمام نظامِ اعمال کائنات، ایک انانیت کبریٰ سے وابستہ ہے اور وہی انانیت کبریٰ ہے جسے ہم نفس کائنات کہتے ہین،

کارگاہِ کائنات کی مثال ایک مرتب مشین کی سی ہے، پھر جس طرح ہر مشین اپنی منظم حرکات مین ایک ذی شعور محرک، ایک انجینیر یا ایک ڈرائیور کی محتاج ہوتی ہے اسی طرح نظامِ کائنات بھی اپنے منظم اعمال مین ایک ذی شعور محرک یا ایک انجینیر کا محتاج ہے، وہی ذی شعور محرک یا انجینیر ہے جسے ہم نفسِ اعمالِ کائنات یا نفسِ کائنات کہتے ہین، حاصل بحث یہ ہے کہ محرکِ اعمال کائنات، نفس ہے نہ کہ مادہ، اعمالِ کائنات نفسی ہین نہ کہ مادی[1]،

یہ معلوم کرنے کے بعد کہ تمام کائنات، متحرک اور نفس محرک ہے اور ہر حرکت جو کسی شے مین پائی جاتی ہو نفسی ہے، سوال یہ ہوتا ہے کہ پھر خصوصیت سے حیوانات ہی کو زندہ کیون سمجھا جاتا ہے، اگر محل وقوعِ حرکت ہونے کی وجہ سے کوئی جسم زندہ سمجھا جاسکتا ہے تو اس مین حیوانات ہی کی کیا تخصیص ہے، تمام کائنات محل وقوعِ حرکت ومتحرک ہے اور ایک جسم واحد کی طرح منظم شے ہے، اس لئے تمام کائنات کو ایک حیوان یا ایک زندہ شے سمجھنا چاہیئے، ؟

---

[1] فلسفۂ نفس مین ماہیتِ نفس پر ایک مستقل اور مبسوط باب ہے، طالبانِ تحقیق زحمتِ مطالعہ گوارا فرمائین،

حیات، عملِ نفس ہے زندگی یا حیات، حقیقۃً عملِ نفس کا نام ہے، جس کی ابتدا، ابتدائے کائنات یا آغازِ آفرینش سے ہوتی ہے، جس طرح جنبشِ حرارت وروشنی یا حرکتِ صوت وصدا (آواز) پیدا ہوکر آگے کو بڑھتی، ترقی کرتی اور پھیلتی ہی چلی جاتی ہے، اسی طرح تموجِ حیات نے اپنے آغاز سے ایک نامحدود دائرۂ عمل مین اپنے اثر وکیف کو پھیلانا شروع کیا،

کائنات کی مثال، ایک شجرِ معرفتِ اعمالِ نفس کی ہے، جس طرح ایک درخت کی ابتدا بالکل سادہ سادہ ہوتی ہے، اور پھر اس مین ایک ارتقائی تنوع شروع ہوتا ہے، یہان تک کہ اس کی ابتدائی سادگی پیچ در پیچ ہوکر پھل پھول، شاخ وبرگ مین تبدیل ہوجاتی ہے، اسی طرح کائنات کی ابتدا ہوتی ہے کہ ابتداءً حیات کی عملی صورتین کائنات کے امتیاز بالکل سادہ سادہ تھے یعنی کائنات مین جسم وجسامت کی صورتون، بسائط کے علاوہ کچھ نہ پایا جاتا تھا، پھر اس سادگی مین ایک ارتقائی تنوع شروع ہوا یہانتک کہ کائنات کی ابتدائی سادگی پیچ در پیچ ہوکر اس قدر متنوع ہوگئی کہ آج اس کا تصور بھی ناممکن ہے، کائنات کی بوقلمونیون اور انواعِ مخلوق کا احاطہ کون کرسکتا ہے،

جزئیاتِ ارتقائے عملِ نفس ہمارے پیشِ نظر نہ سہی، تمام مدارجِ حیات کا تفصیلی علم، جن سے یہ جنسِ عمل گذر کر ہم تک پہنچی ہے، ہمین نہ سہی مگر اس مین کوئی شک نہین کہ عملِ نفس مین ارتقاء ہوا ہے، حیات نے اپنے مدارج مین ترقی کی ہے، اس زمین پر جو مخلوق پائی جاتی ہے اس کی درجہ بندی نے یہ امر متیقن کردیا ہے کہ انواع مین نہ صرف جسمانی اعتبار سے ارتقاء ہوا ہے بلکہ عملی اعتبار سے بھی ارتقا ہوا ہے، سمجھنے کے لئے موالید ثلاثہ[1] کو پیشِ نظر رکھئے اور دیکھئے کہ جمادی زندگی کیا ہے اور نباتی وحیوانی کیا، جمادی زندگی، اگر صرف جذبِ عناصر ہے تو نباتی زندگی، جذبِ عناصر (تغذیہ) اور نشو ونما اور حیوانی زندگی، جذبِ عناصر، نشو ونما اور حس وحرکت، دیکھئے اعمالِ نفس مین کس طرح ایک ارتقائی تنوع پیدا ہوتا چلا گیا ہے، غرضکہ نظریۂ ارتقائے حیات کوئی خیالی شے نہین، ایک حقیقت ہے جس کی تائید کائناتِ فطرت کی تمام تدریجی ترقیون سے ہوتی ہے، بلاشبہہ مدارجِ حیات ہین،

مدارجِ حیات اگر حیاتِ انسانی کو، حیاتِ موجودہ یا حیات کا وہ ترقی یافتہ درجہ مان لیا جائے جہانتک حیات اب تک

---

[1] موالید ثلاثہ، جماد ونبات وحیوان کو کہتے ہین،

پہنچی ہے تو اس حیات موجودہ یا حیات انسانی کے مقابلے مین، حیات جمادی و نباتی و حیوانی کا شمار، حیات ماقبل مین ہوگا، اور حیات موجودہ یا حیات انسانی کی آیندہ ترقیون کا، حیات مابعد مین، حیات ماقبل، حیات موجودہ اور حیات مابعد کی یہ سہ گانہ تقسیم و تفریق، حیات انسانی کے اعتبار سے ہوگی ورنہ حیات فی نفسہ ایک ایسی ترقی کرنے والی شے ہے، جس کے مدارج و مراحل کی کوئی انتہا نہین، جس کے آغاز و انجام کی کوئی تفصیل نہین، ہر مرحلۂ حیات، اپنے مرحلۂ مابعد کے مقابلے مین، ماقبل ہے اور ماقبل کے مقابلہ مین مابعد،

یہ معلوم کرنے کے بعد کہ حیات فی نفسہ عمل و حرکت نفس کا نام ہے جس کا اظہار اپنے محل وقوع یعنی جسم متحرک سے ہوتا ہے، اگر یہ دیکھا جائے تو یہ تمام کائنات اور اس کا ہر جزو بالعرض ذی حیات ہے، اس لئے کہ محل حرکت نفس ہے، یہ صحیح ہے، مگر اس حیات کے مدارج و مراحل بھی ہین جیسا کہ ہم ابھی کہہ چکے ہین، ہر شے اس کائنات کی زندہ تو ہے مگر ہر شے کی زندگی یکسان نہین،

جماد و نبات و حیوان کی عملی زندگی کا فرق ظاہر ہے، جمادات مین، کوئی حرکت نشو و نما نہین ہوتی، صرف حرکت جذب عناصر ہوتی ہے، نباتات مین، حرکت جذب عناصر بھی ہوتی ہے اور حرکت نشو و نما بھی، حیوانات مین، حرکت جذب عناصر اور نشو و نما کے علاوہ، حس و حرکت ارادی بھی ہوتی ہے، حس و حرکت ارادی ہی سے اعمال حیات نمایان ہونا شروع ہوتے ہین، جماد و نبات اور کائنات ارض و سما کی دوسری چیزون مین اعمال حیات غیر نمایان اور غیر محسوس ہوتے ہین، برخلاف اُن کے ہم حیوانات کو چلتا پھرتا، تلاش غذا کرتا، بچون کو پرورش کرتا یعنی متحرک بالارادہ پاتے ہین، اس لئے ہم حیوانات ہی کو زندہ سمجھتے ہین ورنہ حقیقتاً کوئی شے کائنات مین مردہ نہین اور کوئی شے کیونکر مردہ ہو کر جب تمام کائنات بحیثیت مجموعی ایک زندہ شے ہے،

حیات و ماہیت حیات کے تحت مین اب تک جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ حیات کی یہ تعریف صحیح نہین ہو کہ حیات صرف قوت حس و حرکت ہی ہے، اور وہ صرف اجسام ذی حس و حرکت (حیوانات) ہی مین پائی جاتی ہے،

۲۔ حیات ایک غیر مادی شے، عمل و حرکت نفس کا نام ہے اس لئے تمام کائنات جو ایک متحرک شے ہے، بالعرض ذی حیات و حیوان ہے،

۳۔ مگر حیات کی یہ ہمہ گیری کچھ امتیازات بھی رکھتی ہے، اگرچہ ہر شے اس کائنات کی زندہ تو ہے مگر ہر شے کی زندگی یکسان نہین،

۴۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ حیات ایک ایسی غیر محدود شے ہے جس کے بے شمار مدارج و مراحل ہین او ہر درجہ مین اس کا حکم جداگانہ ہے،

مگر اس نظریۂ حیات پر کہ حیات ایک غیر مادی شے ہے، مادیین کے چند اعتراض ہین جنکو زبانِ مادیت ہی سے سنئے، پہلے ہم اُن کو جمع کرین گے پھر اُن کی تحقیق کی طرف متوجہ ہونگے، مدعا اس نقد و نظر سے یہ ہے کہ تصویر کے دونون رخ، روشن و تاریک آپ کے سامنے آجائین تاکہ آپ مقابلۃً فیصلہ کر سکین کہ حیات کے نظریۂ مادیت و غیر مادیت مین سے کونسا نظریہ زیادہ قابل قبول ہے،

وہ اعتراض یہ ہین:۔

ا۔ کسی نظام جسمانیت مین جو حرکت پائی جاتی ہے کیون تنظیم جسمانیت کو اس کا محرک سمجھا جائے؟ اس لئے کہ جب وہ نظام نہین رہتا تو وہ حرکت بھی نہین رہتی جو حالتِ تنظیم مین پائی جاتی تھی، مثلاً ایک حیوان کا شیرازۂ جسمانیت جب بکھر جاتا ہے تو اس مین وہ حرکت بھی باقی نہین جس کو حس و حرکتِ حیوانی کہتے ہین؟

ب۔ ہر شے کا جسم عناصر سے مرکب ہے اور ترکیب عنصری سے نہ صرف جسم مرکب ہی پیدا ہوتا ہے بلکہ جسم مرکب مین باقتضائے ترکیب ایک قوت بھی پیدا ہوتی ہے، جو محرک ہوتی ہے ان اعمال کی جن کا صدور کسی جسم سے ہوتا ہے، نفس کوئی غیر مادی شے نہین وہی قوتِ محرکہ ہے جو امتزاج عناصر سے پیدا ہوتی ہے،

ج۔ جسم مین جو کچھ پایا جائیگا جسمانی ہوگا اس لئے محرک جسم کو جسکا تعلق جسم سے ہے غیر جسمانی نہین مانا جا سکتا،

اب ہم ان اعتراضات کی تحقیق کیطرف متوجہ ہوتے ہین اور ایک ترتیب وار نظر ڈالتے ہین،

پہلا اعتراض ہے کہ نظام جسمانی ہی کو کیون نہ محرک ان اعمال کا سمجھا جائے جو کسی جسم مین بحالت نظام پائے جاتے ہین، اوراق گذشتہ مین آپ یہ معلوم کر چکے ہین کہ تمام نظامِ کائنات کی حیثیت ایک محل و قوع حرکت یا متحرک شے کی ہے، اور یہ بھی معلوم کر چکے ہین کہ کوئی متحرک شے ان حرکات کی جو اس مین پائی جاتی ہون، خود محرک نہین ہو سکتی، کوئی معلول کسی فعل کی علتِ تامہ نہین ہو سکتا، اس لئے یہ شبہہ بداہتہً باطل ہوگا، کہ ایک متحرک شے ممکن ہو کہ خود ہی اپنے افعال کی محرک ہو، اب رہا یہ شبہہ کہ جب کوئی نظامِ جسمانی نہین رہتا تو وہ حرکت بھی باقی نہین رہتی جو حالتِ تنظیم مین پائی جاتی تھی، اس کی ایک مثال فرض کیجئے کہ ایک برقی پنکھا ہے جو ایک نظامِ جسمانی رکھتا ہے، اور قوت برقی سے چلتا ہے، اب اگر اس پنکھے کے نظام مین کوئی خرابی واقع ہو جاتی ہے یا وہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس کے بعد وہ گھوم نہین سکتا تو کیا یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ پنکھے کا گھومنا خود اس کے نظام ہی کا نتیجہ ہو اور قوتِ محرکۂ برقی کا کوئی جداگانہ وجود نہ ہو،

یہی حال جسم و جسمانیت کے نظام کا ہے کہ جب تک ان کا نظام قائم رہتا ہے ان مین اس حرکت کے قبول کرنے کی استعداد رہتی ہے جس کے لئے ان کا نظام موزون ہوتا ہے، اور جب ان کا نظام باقی نہین رہتا تو ان مین وہ حرکت بھی نہین رہتی جو حالتِ تنظیم مین پائی جاتی تھی، مگر کسی حرکت کا نہ پایا جانا اس امر کا مقتضی نہین کہ خود نظامِ متحرک کو محرک سمجھ لیا جائے،

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ترکیب عناصر سے ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے وہی محرک ان اعمال کی ہوتی ہو جو کسی جسم مین پائے جاتے ہین، مثلاً انسان مین جو اعمال ارادی تفکر و تعقل وغیرہ پائے جاتے ہین، ان کی محرک وہی قوت ہو جو ترکیب عناصر سے پیدا ہوتی ہے نفس کا جداگانہ وجود نہین،

انسان کے تمام ارادی اعمال کا اغراض و مقاصد پر مبنی ہونا محتاج ثبوت، آپ جو کچھ کرتے ہین اسکی کوئی نہ کوئی غایت ضرور ہوتی ہے اور یہ بھی مسلّم ہے کہ لحاظ اغراض و مقاصد بغیر شعور ہو نہین سکتا، یہ مان لینے کے بعد کہ اغراض و مقاصد کا لحاظ بغیر شعور ہو نہین سکتا غور طلب یہ ہو کہ آیا وہ قوت محرکہ جو ترکیب عناصر سے پیدا ہوتی ہے ذی شعور ہو؟

یہ آپ معلوم کر چکے کہ خود مادہ جو اصل عناصر ہے نہ ذی شعور ہے نہ ذی شعور ہو سکتا ہے، پھر عناصر مادی کی کسی ترکیب سے بھی کوئی ایسی قوت کیونکر پیدا ہو سکتی ہے جو ذی شعور ہو؟

ہم اس امر کا انکار نہین کرتے کہ عناصر کے امتزاج سے کوئی قوت نہین پیدا ہو سکتی، ہم صرف یہ کہتے ہین کہ کوئی قوت جو جسم و جسمانیت کی کسی ترکیب سے پیدا ہوگی وہ بھی نظام متحرک کا ایک جزو ہوگی، ایسی قوت نہ ہوگی جو اس نظام کو اس کے انجنر سے مستغنی کر دے، غور فرمائیے! نتیجہ یہ نکلا کہ نفس مادی نہین بلکہ مادہ اور تمام مادی قوتون سے، جسم اور تمام جسمانی امتیازات سے کام لینے والا ہے،

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ جو شے جسم سے متعلق ہوگی جسمانی ہوگی اس لئے نفس کو جو محرک جسم و جسمانیات ہے، کیون نہ جسمانی سمجھا جائے،

دراصل یہ کوئی اعتراض نہین بلکہ ناواقفیت ہے جسم یا مادے کی حقیقت سے، ازروئے تحقیق[1] جسم یا مادہ کوئی مستقل وجود رکھنے والی شے نہین بلکہ ایک مجموعہ ہے اعراض کا اور اعراض کے متعلق یہ طے شدہ ہے کہ وہ اپنے پائے جانے مین کسی جوہر کے محتاج ہوتے ہین، اور وہ جوہر جس کے ساتھ یہ مجموعۂ اعراض پایا جاتا ہے خود نفس ہی ہے، اسلئے نفس کے متعلق یہ سوال ہی نہین ہو سکتا کہ کیون نفس کو جسمانی، مادی نہ سمجھا اس لئے کہ وہ جسم سے تعلق رکھتا ہے، جب یہ معلوم ہو چکا کہ جسم کا کوئی مستقل و جداگانہ وجود ہی نہین تو نفس کو کیونکر جسمانی سمجھا جا سکتا ہے، البتہ مادہ کے متعلق یہ سوال ہو سکتا ہے کہ مادے کو کیون نہ غیر مادی سمجھا جائے اس لئے کہ اس کی حقیقت اعراض نفس ہے؟

غور فرمایا آپ نے! یہ ہے مادیت اور اس کا نقطۂ نظر حیات کے متعلق،

"مقصد حیات"[2]

بالیقین، زندگی نفس ہی کا عمل ہے، حیات نفس ہی سے وابستہ ہے، یہ تو تسلیم ہے، لیکن اس زندگی کا جو

---

[1] فلسفۂ نفس مین یہ بحث ہو چکی ہے اس کا یہان دوبارہ اعادہ تحصیل حاصل معلوم ہوتا ہے، [2] اس بحث مین حیات سے مراد مطلق حیات ہے، کسی خاص نوع کی حیات مراد نہین،

ہر شے مین پائی جاتی ہے مقصدِ فطری کیا ہے، ان اعمالِ نفس کی علتِ غائی کیا ہے، سیارے کیون گردش مین ہین، ہوا کیون چلتی ہے، پانی کیون برستا ہے، فضائین کیون بدلتی ہین، درختون مین نشو و نما اور حیوانون مین حس و حرکت کیون ہے، غرضکہ کائنات مین جو کچھ ہو رہا ہے وہ کس لئے ہو رہا ہے، اور جو کچھ ہوا اس کا مقصد کیا تھا؟

اس کارگاہِ عالم کی مثال ایک مشین کی سی ہو، جس کے بے شمار اجزاء ہین اور ہر جزو کوئی نہ کوئی کام کرتا ہے، مگر جس طرح کسی مشین کا کوئی پرزہ صرف اسی کام کے لئے نہین جس کے لئے اس کا نظام موزون ہوتا ہے بلکہ وہ اپنے عمل سے اس مقصدِ انتہائی کے حصول مین معاون ہوتا ہے، جس کے لئے کوئی مشین بنائی گئی ہو اسی طرح اگرچہ کائنات کا ہر جزو (ہر شے) کوئی نہ کوئی کام ضرور کرتا ہے مگر کوئی کام مقصود بالذات نہین بلکہ اعانت ہے اس مقصودِ انتہائی کے حصول مین جو تمام اعمال کا نتیجہ اور کارگاہِ عالم کے تمام کامون کا حاصل ہے،

لیکن وہ حاصل کیا ہے؟ کسی نظام کے متحدہ اعمال کا نتیجہ وہی ہے جو اس کے متحدہ اعمال سے برآمد ہو، معلوم کرین کہ اس نظام کے متحدہ اعمال کا نتیجہ کیا ہے؟

اُن تمام مدارجِ حیات پر جو ہمارے پیش نظر ہین غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفس کے تمام اعمال کا حاصل، جسم و جسمانیات کی سطح کو اس حد تک بلند کرنا ہے کہ جسمانیات سے غیر جسمانیات کے آثار نمایان ہونے لگین، مادیت، غیر مادیت مین تبدیل ہو جائے، ظلمت، روشنی سے بدل جائے اور حجابِ جہل سے خورشیدِ علم و ادراک نمایان ہو جائے،

جسم و جسمانیت، مادہ و مادیت مین انسانیت کا ظہور تاریکیون مین فہم و ادراک کی روشنی، اس مقصد کے حصول کی روشن مثال ہے، وہی فضائے جسم و جسمانیت، جس پر ازمنۂ قدیمہ مین بیرون اعداد و شمار زمانہ تک ظلمت و تاریکی کی گھٹائین چھاتی رہین، آج صورتِ انسانی مین جلوہ طراز علم و حکمت ہے، وہی جسم و مادہ و مادیت جو عرصۂ نامحدود تک بے حسی کا مجسمہ رہا آج اپنے آغوش مین احساس و شعور کی دنیا لئے ہوئے ہے، وہی دنیائے آب و گل جسے کبھی اپنا احساس بھی نہ تھا، آج ناموسِ فطرت پر عود کر رہی ہے، وہی عناصر جن کے ذرات

فضائے جہل کی نامتناہی وسعتون مین پریشان تھے، آج شیرازہ سازِ کائناتِ دانائی ہین، وہی جمادیت جو ناآشنائے نشو ونما تھی وہی نباتیت جو محرومِ حس وحرکت تھی، وہی حیوانیت جو ناواقفِ علم وادراک تھی، آج پیکرِ انسانی مین نشو ونما وحس وحرکت، علم وادراک کے مقاصدِ اعلیٰ حیات کی تمام تدریجی ترقیون اور موجودات کے تمام ارتقائی امتیازات کو پائے ہوئے ہے،

اعمالِ کائنات کی علتِ غائی، مطلق حیات کا مقصدِ فطری، خود مدارجِ حیات پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیاتِ انسانیت ہی ہے،

سیرۃ النبیؐ

جلد چہارم

منصبِ نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغِ نبویؐ کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام، اور اس کے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث، ضخامت .. ، صفحے، قیمت بہ اختلاف کاغذ ۶ سے ۷ر تقطیع کلان،

خطباتِ مدراس

مولانا نے سنہ ۱۹۲۶ء مین مدراس مین سیرت نبویؐ کے مختلف پہلوؤن پر آٹھ خطبے (لکچرز) دیئے تھے، جو نہایت مقبول ہوئے، اور مسلمانون نے ان کو بے حد پسند کیا، ان آٹھ لکچرون مین نہایت مؤثر الفاظ مین اور تاریخی دلائل کے ساتھ آنحضرت صلعم کی سیرۃ مبارکہ اور آپ کی تعلیمات کا عطر اور خلاصہ پیش کیا گیا ہے، یہ اس لائق ہین کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کئے جاوین، اور عربی مدرسون اور مکتبون اور انجمنون مین ان کو پڑھایا جائے، ضخامت ۱۵۰ صفحے، طبع دوم، قیمت عہر

"منیجر"

مغرب کی خوفناک غلطی اور اسکا ازالہ

(۲)

از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز، نئی دہلی،

سیاست مدن کا نقشہ آپ دیکھ چکے، اب ذرا اندرونِ خانہ بھی جھانکتے جائیے، کیونکہ اجتماعی زندگی مین تدبیر منزل بھی ترقی کا ایک خاصا معیار ہے،

لارڈ اسنل نے ہاؤس آف لارڈز مین ایک تقریر کے دوران مین فرمایا کہ

"نفقۂ اہل وعیال کی عدم ادائی کی علت مین، انگلستان مین ہر سال اوسطاً دولاکھ افراد ماخوذ ہوکر عدالت مین آتے ہین اور ۷ ہزار جیل بھیجے جاتے ہین!"

یہ ہے حسنِ معاشرت اور نظامِ معیشت،

قدامت پسند مشرق کو یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ ان کے ہان شادی ان دیکھے، بے پرکھے آنکھ میچ کر کردی جاتی ہے، اس لئے اس کے نتائج خوشگوار نہین نکلتے، اگرچہ یہ طریق انتخاب بھی اسلامی نہین ہے لیکن جس طریق افراط کو مغرب نے اختیار کیا ہے، اور وہان جو شادیان ٹھونک بجا کر کیجاتی ہین، کیا واقعی خوشگوار نتائج پیدا کر رہی ہین، اس کا جواب وہان کے مقدمات طلاق سے مانگئے، اور جہان طلاق کی بھی اجازت نہین، یا اس کے حصول مین دقتین پیش آتی ہین، وہان maintenance order (احکام نفقہ) کے قانون شکنجہ مین جکڑے ہوے انسانون کی مشکلات سے اندازہ لگائیے، وہان یہ حالت ہے کہ حسن وعشق کی داستانِ رنگین ابھی اپنا پہلا ڈراپ سین بھی ختم نہین ہونے دیتی کہ اندھے کیوپڈ کے تیرون کی تلخ کامیان شروع ہوجاتی ہین، اور دوسرے ہی دن "زرِ مفارقت" (Separation order) کی ڈگری کی درخواست پڑجاتی ہے، چونکہ یہ طوقِ تہذیب قانونی طور پر آسانی سے گلے سے نہین اتارا جاسکتا اس لئے اس کے لئے طرح طرح کی ترکیبین لڑائی جاتی ہین، چنانچہ اے جی گارڈنر جو اس وقت برطانیہ کے بہترین ارباب

صحافت مین سے ہین، جان بل لندن کی ۱۱ر فروری ۱۹۳۳ء کی اشاعت مین لکھتے ہین، کہ

"برطانیہ مین ایک بیاہے ہوے میان بیوی ہین، کچھ روز کے بعد ایک کا دل دوسرے سے ہٹ جاتا ہے، اور دونون آزاد ہو جانا چاہتے ہین، لیکن قانون کی نظر مین یہ عدم موافقت بنائے طلاق نہین ہو سکتی، طلاق جب ہی واقع ہو سکتی ہے جب بیوی کی بے عصمتی یا شوہر کا ظلم یا بدچلنی ثابت ہو جائے، قانون سے مجبور ہو کر اب "ثبوت بدچلنی" کی تلاش ہوتی ہے، شوہر ہوٹل مین جا کر کسی بیگانی عورت سے شب باش ہوتا ہے، اور اس کے گواہ پیدا کئے جاتے ہین، جب جا کر عدالت کہین اس کی گلو خلاصی کا حکم دیتی ہے، لیکن اگر اس اثنا مین سرکاری وکیل کو پتہ چل گیا کہ ساری کارروائی جعلی اور مصنوعی تھی اور "واقعی بدچلنی" نہین ہوئی بلکہ محض حصول طلاق کے لئے "بدچلنی دکھائی گئی" ہے، تو حکم طلاق منسوخ ہو جاتا ہے، اور پھر وہ میان بیوی قید نکاح مین بیزار و برگشتہ جکڑے کے جکڑے رہ جاتے ہین، یہ کوئی گڑھا ہوا قصہ نہین بلکہ صدہا واقعات اسی طرح کے برابر ہوتے رہتے ہین:

اسی طرح محض بیوی کے ہاتھون تنگ آکر خودکشی کر لینے کے واقعات کی خبرین بھی اخبارات مین گشت کرتی رہتی ہین، جو فطرت، کے خلاف جنگ کرنے کا لازمی نتیجہ ہے، تہذیب مغرب کا سب سے بڑا معرکۃ الآرا کارنامہ عورتون کو پردہ سے آزاد کرانا ہے، لیکن اس مسلک مین بھی ان کی وہی افراطی حالت جلوہ فرما ہوئی، پردہ اتار کر پھینکا تو اس زور سے کہ ساتھ ہی ستر و حیا کے لباس بھی الجھے ہوے ایک طرف گر پڑے، جزائر انڈمان کے وحشیون کے متعلق مغربی محققین بڑی حقارت سے لکھتے ہین کہ

"وہ جسم کے پوشیدہ مقامات کو کسی درخت کے پتے یا کپڑے کی دھجی سے ڈھانک لیتے ہین"

لیکن دیار تہذیب مین برہنہ ناچ، برہنہ سوسائیٹیان، برہنہ غسل، برہنہ آفتابی غسل، غرضیکہ بجلی کے قمقمون مین، سمندرون کے کنارے آفتابی شعاعون مین مادرزاد برہنہ جنس حسن کی نمایش، تہذیب و تمدن کے انتہائی دور عروج کی تاریخ جریدۂ عالم پر ثبت کر رہی ہیں، اور پھر بڑے بڑے معزز صحائف مین بڑے بڑے شاندار عنوانون سے اس نظارۂ سوز

منظر کی تصاویر شائع ہوتی ہین،

تہذیب جدید کی ایک نئی پیداوار "مقابلۂ حسن" بھی ہے، اب ذرا اس کے خوشگوار انجام کا بھی حال سن لیجئے،

"مس بارکلے ۲۶ء مین آسٹریلیا مین ملکۂ حسن قرار پائین، ۲۹ء مین زہر کھا کر خودکشی کر لی، مس ڈیو کا ستارۂ حسن امریکہ مین چمکا، چند روز کے بعد دریا مین کود پڑین، اور یہ لکھکر چھوڑ گئین، کہ اب جینے کی ہوس نہین، لنگسٹن کے ایک مشہور درزی خانہ مین ایک میم صاحبہ ملازم تھین، تین سو پونڈ کی قیمتی پوشاک کی چوری کی علت مین گرفتار ہوئین، معلوم ہوا چھ سال قبل یہ ملکۂ حسن رہ چکی ہین، جس زمانہ مین مس پیرس پیرس مین وارد ہوئین، ہین اسی ہفتہ ایک سابق ملکۂ حسن نے زہر کھا کر مالدیویا مین خودکشی کر لی، وارسا کے مقابلۂ حسن مین وائرزکس جب منتخب نہ ہو سکین تو بندوق سے اپنے آپکو ہلاک کر لیا"

یہ واقعات افسانے نہین ہین بلکہ ایک انگریز خاتون مارگیرٹ گرے نے ڈیلی اکسپرس مورخہ ۲۰ ستمبر ۳۲ء مین شائع کئے ہین، جو خاتمے پر لکھتی ہین کہ

"امید ہے اس سے میری ہی لڑکیان نہین بلکہ ہر ماں کی لڑکیان سبق لینگی"

یورپ کو بڑا فخر یہ تھا کہ اس نے صنف نازک کو مساوی نہین بلکہ مردون سے بھی زیادہ حقوق دے رکھے ہین جسکی وجہ سے عورتین بلا محابا اپنی فطرتی نزاکت اور جنسی نظافت کو چھوڑ چھاڑ کر مردانہ وار ان شعبہ ہاے حیات مین داخل ہوئین، جو مردون کے لئے مخصوص تھے، اور ہمارے ہان کے مقتدی حضرات بھی ہماری اقتصادی بربادی کا سب سے بڑا سبب یہی بتاتے تھے کہ ہماری معاشی زندگی کا آدھا نصف حصہ (The Other half) عضو معطل ہوا ہے، لیکن یورپ نے تجربہ کے بعد جو نتائج حاصل کئے ہین وہ ہمارے سامنے ہین،

ڈیلی اکسپریس اپنی ۲ر جون کی اشاعت مین لکھتا ہے:-

"ہٹلر (وزیر جرمنی) نے ایک گردش قلم سے عورتون کو ان کے اصل مقام یعنی گھر گرہستی کی طرف واپس کر دیا ہے، اس نے فرمان جاری کر دیا ہے کہ یکم اگست تک کم از کم ۱½ لاکھ عورتین کارخانون کی ملازمتین چھوڑ کر

گھرون کو واپس چلی جائے، خواہ بیوی کی حیثیت سے، خواہ خادمہ کی حیثیت سے"

یہی اخبار اپنی ۲۰ جون کی اشاعت مین رقمطراز ہے کہ

"امریکہ کی عورتین اس وقت ایک بڑے نازک دور سے گذر رہی ہین، جنگ کے زمانہ مین جن عورتون نے کارخانون مین کام کرنا شروع کر دیا تھا وہ اب مجبور کیجا رہی ہین کہ بے روزگار مردون کے لئے جگہ خالی کرین، کفایت عامہ کی لہر نے ملک کے بہت سے گھرانون کو ویران کیا، اور اس کے بعد اب ہر طرف سے یہ نعرہ لگنا شروع ہو گیا ہے، کہ عورت کی جگہ اسکا گھر ہے"

اسی طرح برنارڈ شا سے اگلے دنون امریکہ کی سیاحت کے دوران مین اخبارون کے نمایندون نے جب دریافت کیا کہ عورتون کو حق راے دہندگی ملنا چاہئے تو اس نے جواب دیا کہ "ہرگز نہین، انگلستان مین عورتون نے الیکشن کو ایک مذاق بنا دیا ہے"

یورپ اب اپنی اس حماقت کو محسوس کر چکا ہے جو اس نے عورتون کو حدود فطرت سے آگے بڑھا دینے مین کی اور اب اسے واپس بلانا چاہتا ہے، لیکن اسے جناب کنفیوشس کا یہ قول یاد نہین کہ "عورت کا جو قدم ایک دفعہ آگے بڑھ جائے، اسے واپس لانا تو شاید قدرت کے بھی بس مین نہین رہتا"

اکثر یہ کہا جاتا ہے، یورپ صنف نازک کا جو احترام کرتا ہے، اور ان کے لئے ہمدردون کے جو جذبات مردون کے دل مین موجود ہین، مشرق اس کا خواب بھی نہین دیکھ سکتا، اور ان کا یہ احترام اور ہمدردی محض عورت کے عورت ہونے کی حیثیت سے ہے، فی الواقعہ بظاہر ایسا ہی نظر آتا تھا، لیکن مہذب انسانون کی اس ملمع کاری کا راز بھی انہی کی ایک محترمہ نے کھول کے رکھ دیا، واقعہ دلچسپ ہے، ذرا ملاحظہ فرمائے،

انگلستان کی ایک ۱۶ سالہ شوخ نوجوان حسینہ کو ایک مذاق سوجھا، اور اخبارات مین فرضی نام سے اطلاع شائع کرائی،

"میری عمر ۲۵ سال کی ہے، مین ہمیشہ بیمار رہتی ہون، کیا کوئی خدا کا بندہ رحمدل ڈاکٹر سے روشناس

کرا سکتا ہے جو میری بیماری کا علاج کر سکے"

اس اعلان کے جواب مین صرف ۱۸ خطوط موصول ہوئے، جن مین زیادہ تر خطوط گرجون کے پادریون اور شفاخانہ کی بوڑھی نرسون کے تھے، اس کے چند روز بعد اسی عہدہ جو نے اخبارات مین یہ اعلان شائع کرایا،

"مین ایک نوجوان خوشجمال لڑکی ہون، اور تمام دنیا کا سفر کرنا چاہتی ہون، مجھے ایک ایسے رفیق سفر کی ضرورت ہے جو میرا ہم عمر ہو، لڑکا ہو یا لڑکی اس کی کوئی قید نہین، لیکن خوش جمال اور خوش مذاق ہو"

بس اب کیا تھا، صنف نازک کی مصیبت کے وقت کام آنے کے لئے مہذب انسانون کے سینہ مین ہمدردی کے جذبات موجزن ہوگئے، ڈاک کا ایسا تانتا بندھا کہ ایک ہفتہ کے اندر گیارہ ہزار، دوسو اکتیس خطوط کا ڈھیر لگ گیا

سرِ من فدائے راہے کہ سوار خواہی آمد

ان خطوط کے ڈھیر مین صرف ۱۳۱ خطوط عورتون کے تھے، باقی قریب گیارہ ہزار خطوط نوجوانون کے جنمین سے اکثر نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ

"آپ تنہا سفر فرمائین گی یا والدین بھی ہمراہ ہونگے؟ میری رفاقت کی شرط یہ ہے کہ والدین ہمراہ نہون"

یہ ہے اس ہمدردی نسوان کا نمونہ جسے یورپ مین اخلاق کا طغرائے امتیاز کہا جاتا ہے،

جب گھر مین یہ حالت ہے تو باہر کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا، چنانچہ تہذیب جدید کا یہ اثر صرف خاک پاک یورپ تک ہی محدود نہین، بلکہ جہان جہان بھی ان مہذب انسانون کے قدم میمنت لزوم گئے ہین، خیر سے بداخلاقی کے شجر خبیثہ کا تخم ساتھ ساتھ بوتے چلے گئے ہین،

ڈاکٹر ایڈورڈ ویسٹر مارک اپنی مشہور کتاب "بنی نوع انسان کے نکاح کی تاریخ" مین ضمناً لکھتے ہین کہ

"ایک قاعدہ عام جسکا کوئی استثنا نہین ہے یہ ہے کہ اگر کالے آدمیون (آسٹریلیا کے اصلی باشندون) کا ایک گروہ سفید آدمیون (یورپین) کی آبادی سے دور پایا جاتا ہے تو مؤخر الذکر مین، جو زیادہ تر فاجر ہوتے ہین، وہ ان دیسیون سے دوستی پیدا کر لیتے ہین جو محض بد اخلاقی کی غرض سے ہوتی ہے"…

قبل اس کے کہ ہیبت ناک بداخلاقیان ان مین عام ہون مین اُن دیسیون سے ملا ہون اور ان مین رہ چکا ہون اور مین بلاخوف تردید کہتا ہون کہ ان مین جو برائیان ہین وہ تمامتر سفید آدمیون کی بداخلاقیون اور ان کی شرابخواریون کا نتیجہ ہے، مسٹر کر کا قول ہے کہ سفید آدمیون کے داخل ہونے سے پہلے علاقہ وکٹوریہ کے اصل باشندے عام طور پر اپنی بیویون اور بیٹیون کی عفت وعصمت کو قائم رکھتے تھے، مگر پھر نہین رکھ سکے ؛

گویا جسے جہالت و وحشت، بہیمیت و بربریت کہا جاتا ہے، اس مین تو پھر اخلاقی حالت اچھی تھی، لیکن اس ظلمت کدہ مین جب تہذیب جدید کی بجلی پہنچی تو اور بھی اندھیر ہوگیا، معلوم نہین وہ اخلاقی نقطۂ نظر سے اپنی "وحشت و بربریت" مین اچھے تھے، یا اس تہذیب جدید کی روشنی سے منور ہو کر !

جنون کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنون
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جس تہذیب و سوسائٹی کا دھندلا سا خاکہ یہ ہو اس مین جو سکون و طمانیت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے، آج میدانون پر، پہاڑون پر، خشکی پر، پانی پر، تحت الثریٰ سے اوج ثریا تک، انسانون کو اقتدار حاصل ہے، لیکن باین ہمہ تسخیر و تجبیر اور باین ہمہ غلبہ و استیلاء انسانی دلون کو ٹٹول کر دیکھ لیجئے، کسی ایک دل مین بھی اطمینان و امن کی رحمت نظر نہین آئے گی، کشاکش حیات اس قدر صبر آزما ہو چکی ہے کہ انسانون کی اکثریت اس عذاب الیم سے موت کو بہتر سمجھتی ہے، انفرادی حالت دیکھنی ہو تو اپنے اپنے قلب کا جائزہ لیجئے اور گنئے کہ چوبیس گھنٹون مین کتنے ثانیے طمانیت کے گذرتے ہین، اجتماعی حالت کا اندازہ لگانا ہو تو یورپ اور امریکہ کے ارباب بست و کشاد کی سراسیمگی کو توجہ مین لائیے، کہین Peace Conferences ہو رہی ہین، کہین امن سبھائین بن رہی ہین لیکن

تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہین ملتی ؛

بجلی کے پنکھے، پرون کے تکیے، حریر و اطلس کے گدیلے، فرش مخملین، کمخواب کے پردے، مزین چاردیواری

مرصع چھت، پائین باغ، اور باغ مین سرسبز وشاداب پودے، خوشنما پھول، آب جو اور اس مین فوارے، چاندی سونے کے برتن، غلمان مخلدون، نازک اندام حسینان برق وش، لذیذ ونفیس کھانے، موٹر، ریل، ہوائی جہاز، سینما، تھیٹر، رقص گاہین، ٹیلی فون، لاسلکی، غرضیکہ تفریح وتفنن، سہولیت وعیش پسندی کے حسین وجمیل اسباب میسر ہین، ضروریات زندگی کے اعلیٰ ترین معیار کے وسائل موجود ہین لیکن اس گرد وپیش اس ماحول اس جنت ارضی مین پھرنے والا انسان، آہ بدنصیب انسان، اپنے دل کی انتہائی گہرائیون پر جب نگاہ ڈالتا ہے تو اسے اس مین اطمینان کا اتنا شائبہ بھی نظر نہین آتا جو ایک مزدور کو مزدوری مل جانے کے وقت نصیب ہوتا ہے، اس عالمگیر فقدان اطمینان وامنیت کو ڈھونڈھنے کے لئے دنیا کے بہترین دماغ جمع ہوتے ہین، جمعیۃ اقوام عالم کے نمایندے سر جوڑ کر بیٹھتے ہین، دنیا کی نگاہین ایک مداوا کی تلاش مین ان کی طرف اٹھی ہوتی ہین مگر آخر

نشستند وگفتند وبرخاستند

کھوئے ہوئے اطمینان، لٹی ہوئی دولت اور غارت شدہ امن وسکون کی واپسی کی کوئی صورت نظر نہین آتی اس مین شبہ نہین کہ فنون لطیفہ کی ترقیان تاریخ کو شرما رہی ہین، ایک ہالی وڈ (فلم ساز خطۂ مقدس) مین ایک ہفتہ مین جس قدر خرچ ہوتا ہے، شاید مغلیہ سلطنت کے رنگیلے پیا عمر بھر مین بھی اتنی دولت نہ دیکھ سکے ہون، اکیلی جون بینٹ کو چھ ہزار پونڈ فی ہفتہ تنخواہ مل رہی ہے، لیکن یہ سب کچھ سعدی مرحوم کی بوستان کی اس حکایت کی یاد دلاتا ہے جس مین انھون نے کہا ہے کہ

خانہ از پاے سست وویران است　　خواجہ در بند نقش ایوان است

مقصد اس تمام تشریح وتفصیل سے یہ نہین کہ ان تمام خرابیون کی ذمہ دار مادی ترقی ہے اور ہم مادی ترقی کے مخالف ہین، بلکہ صرف اس قدر کہ جو مادی ترقی اخلاق کو نظر انداز کر کے حاصل کیجائیگی اسکا لازمی اور فطری نتیجہ یہی ہوگا، اور جب دنیا مین خدا کی حکومت سے سرکشی ہوگی اس کی جنت مین بھی وہ آگ ہوگی کہ،

نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْئِدَۃِ　　جسکے شعلے دلون کو پیٹ رہے ہونگے

دوسرے سوال کا جواب اس قدر غیر مبہم اور واضح ہے کہ اس کے ثبوت مین شواہد و دلائل کی زیادہ ضرورت نہین، جس نے قرآنِ کریم کا سرسری نظر سے بھی مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے انکار نہین کر سکتا کہ قرآنی تعلیم نے دین و دنیا مین کچھ اس طرح امتزاج پیدا کیا ہے کہ ایک سے دوسرا جدا ہی نہین کیا جا سکتا، اور حقیقت تو یہ ہے کہ خدا، انسان، اور دیگر مخلوقات مین باہمی رشتہ کا یقین جس صحت و خوبصورتی سے قرآن نے فرمایا ہے اس سے پیشتر کہین اس کا وجود نہین ملتا، اس سے قبل اس رشتہ کے انسانی تصور نے طرح طرح کی غلطیان کھائی ہین، کسی نے سمجھا کہ انسان اس دنیا مین اس لئے لایا گیا ہے کہ وہ اپنے کسی پچھلے مجہول الکیف جنم کے گناہون کی سزا بھگتے گویا دنیا ان کے نزدیک ایک قیدخانہ ہے جس مین نامعلوم جرمون کی پاداش مین انسان چکی پیسنے کو بند کر دیا گیا ہے، کسی نے انسان کو پیدائشی گنہ گار قرار دے کر اسے خود اپنے آپ سے متنفر کر دیا، کسی نے اپنے آپ کو خدا ہی سمجھ لیا اور کسی نے اتنا عاجز و ناتوان کہ ہر مخلوقِ ارضی و سماوی کے سامنے سرِ نیاز خم کر دیا، کوئی لذائذِ دنیوی پر اتنا ریجھا کہ کھاؤ اور عیش مناؤ ہی کو مطمحِ نگاہ قرار دے دیا اور کسی نے انھین شجرِ ممنوعہ سمجھ کر اُن سے کنارہ کشی مین ہی عافیت دیکھی (اسی تعلیم سے بدکا ہوا یورپ آج یون عنان گسیختہ نظر آ رہا ہے)

غرضیکہ دنیا افراط و تفریط کے اس جھولے مین جھول رہی تھی، کہ اسلام نے اس رشتہ مقدسہ کا صحیح ترین تصور ایک لفظ کے اندر پیش کر دیا، قرآن کریم نے جہان خلقت آدم کا ذکر کیا ہے اس کی علت یہ بیان فرمائی ہے کہ،

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً،	مین دنیا مین نائب بھیجنے والا ہون،

اس ایک "خلیفہ" یا نائب کے لفظ مین اس تمام معمہ کا حل موجود ہے، جس کے سلجھانے سے دنیا قاصر تھی، اس نے صاف صاف بتا دیا کہ ارض و سما مین جو کچھ ہے وہ محض اس لئے ہے کہ نائبِ خدا اس سے کام لے، اسکی مزید تشریح ان صاف الفاظ مین موجود ہے،

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَمِیْعًا،	پستیون اور بلندیون مین جو کچھ ہو اُسے سب حضرت انسان کے تابع فرمان بنایا،

اس اجمال کی تفصیل مین متعدد شواہد قرآنی نہایت آسانی سے مل سکین گے، مثلاً،

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا	ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور تری مین سواریان دین اور ان کو پاک چیزون سے رزق عطا کیا اور بہت سی ان چیزون پر جو ہم نے پیدا کی ہین ان کو ایک طرح کی فضیلت عطا کی ہے،

کہین فرمایا کہ

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ، (۱۶ : ۵)	تمہارے لئے جانورون کو پیدا کیا جنہین تمہارے لئے سردی سے حفاظت کا سامان اور منفعتین ہین اور انہین سے بعض کو تم کھاتے ہو،

اور کہین یہ کہ

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ (۱۶:۱۲)	اس نے تمہارے لئے رات، دن، چاند، سورج، ستارے سب مسخر کر دیئے،

اور

هُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ، (۱۶:۱۴)	اس نے (تمہارے لئے) سمندر کو مسخر کیا کہ اس سے تم تازہ گوشت نکال کر کھاؤ اور زینت کا سامان (موتی وغیرہ) نکالو جنکو تم پہنتے ہو، اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیان سمندر کو چیرتی ہوئی بہتی چلی جاتی ہین، اور سمندر کو اس لئے بھی مسخر کیا کہ اس مین تجارت کرو،

یہ اور ان جیسی اور سینکڑون آیات مین صاف صاف بتایا گیا ہے کہ عالم موجودات مین جو کچھ ہے وہ سب

انسان کیلئے مسخر کیا گیا ہے، سائنس نے انتہائی ترقی کی تو صرف ابھی تک اسی قدر کہ چند نوامیس فطرت اور قوانین قدرت کے علل و اسباب کا تجزیہ کر سکی، ماہرین فلکیات کی قوت پرواز نے ساتھ دیا تو اتنا ہی کہ مریخ کی آبادی کے متعلق قیاس آرائیان شروع ہو گئین، لیکن قرآن حکیم نے انسانی ترقی کی فضا کو اس قدر لامحدود اور وسیع قرار دیا ہے کہ سموات والارض جمیعاً یعنی زمین اور آسمانون[1] کی تمام چیزین، جو کچھ ان کے اندر ہے، سب کچھ انسان کے تابع کر دیا، مادی ترقی کا اگر بہ غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ سب کچھ ایک علم الاشیاء کا مظاہرہ نظر آئیگا، قرآن حکیم نے جہان آدم کو ملائکہ پر خلافت کے لئے ترجیح دی ہے، وہان اس ترجیح کا سبب یہی بتایا ہے کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ کہ ہم نے آدم کو اشیاء کا علم دیدیا، ایسے کھلے کھلے احکام کی موجودگی مین کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام مادی ترقی کا مانع ہے، ایسے خیال کی تو قرآن نے بزور تردید کی ہے، ارشاد ہے،

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ	کہو کہ کس نے زینت کی ان چیزون کو حرام قرار دیا ہے جو
لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ،	اللہ نے اپنے بندون کیلئے پیدا کی ہین، اور پاک رزق
(۷: ۴)	(کو بھی خواہ مخواہ حرام کر دیا ہے)

دوسری جگہ ہے،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ	اے ایمان والو، جو چیزین اللہ نے تمہارے لئے
مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ، (۵: ۱۲)	حلال کی ہین، انھین حرام نہ کرو،

رہبانیت یعنی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے کی سخت مخالفت کی ہے،

رَهْبَانِيَّةَ اِبْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ	اور رہبانیت کا طریقہ مسیح کے پیروون نے خود نکال لیا تھا
اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ، (۵۷: ۴)	کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرین، ہمنے انکو ایسا نہین کہا تھا

گویا خدا کی خوشنودی رہبانیت مین نہین ہے، بلکہ سعی و جد و جہد مین ہے، اس نے مومنین کے اعمال صالحہ

---

[1] قرآن حکیم ستارون مین آبادی کا شاہد ہے، وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ..... (شوریٰ رکوع ۳)

کے نتائج کو اخروی زندگی کی جنت پر ہی نہیں انحصار کیا، بلکہ اس دنیا کی عزت و سطوت بھی ان کے لئے مخصوص کردی ہو؛

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ ہم نے زبور مین بعد موعظت و نصیحت یہ لکھدیا تھا کہ
اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء) فی الحقیقت زمین ہمارے صالح بندون کی وراثت ہو،

سورۂ مومنون مین شروع ہی مین فرمایا کہ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ، کہ یقیناً مومن ایک نہایت کامیاب زندگی بسر کرینگے، اور اس کے بعد انکے دو تین اوصاف بیان فرمائے، اس سے صاف عیان ہے کہ فلاح و بہبود، کامرانی و شادکامی، اور دنیاوی حکومت و توریث خلافت خاصۂ لازمی ہے اعمال صالحات کا، اور اسلام کی بادشاہت مین اس دنیا کی کامیابی اور آخرت کی سرخروئی دونون شامل ہین، کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ جب بنی اسرائیل کا خدا ان کی بدعنوانیون اور سرکشیون کی وجہ سے ان سے روٹھ گیا تو اس نے اس قوم پر سب سے بڑا غضب جو نازل کیا وہ یہی تھا کہ

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ہم نے ان پر ذلت و مسکنت کی لعنت کا
وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ، غضب[1] نازل کردیا،

اس کے بعد بھی یہ کہنا کہ اسلام مادی ترقی کا مانع ہے حقیقتون سے چشم پوشی کرنا ہے،

لیکن مغربی مادی ترقی اور اسلامی مادی ترقی مین ایک بین فرق ہے اور یہی فرق ہے جو ایک کو اخلاقی پستی کے قعر مذلت مین ڈھکیل رہا ہے، اور دوسرے کو ارتقائے روحانیت یا بہ اصطلاح جدید "اخلاقیات" کی ہی معراج اعلیٰ پر پہنچا دیتا ہے، مغرب انسان کو اس جہان عناصر کا مطلق العنان مالک قرار دیکر بلا کسی حدود و پابندی کے موجودات عالم کو اپنے تصرف مین لانے کا مجاز سمجھتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اخلاقی حدود کو مستانہ وار توڑتا چلا جاتا ہے، لیکن اسلامی ترقی کا تصور انسان کو مالک نہین بلکہ ایک مالک کا نائب قرار دیتا ہے، جو اپنی زیر تسخیر

---

[1] اس لعنت خداوندی کا آج بھی ثبوت دیکھنا ہو تو جرمنی کے یہودیون کے حالات اخبارات مین دیکھئے، ایسی دولتمند قوم ہونے کے باوجود دنیا کے کسی گوشہ مین انکے لئے عزت کی امان موجود نہین ہو، اور ہر جگہ سے دھتکار کر نکالے جا رہے ہین، فاعتبروا یا اولی الابصار،

مملکت سے کام تو ضرور لیتا ہے، لیکن اپنے آقا کے نظام و احکام کے ماتحت، وہ ان چیزون سے متمتع ضرور ہوتا ہے لیکن انہی قیود و شرائط سے مقید ہو کر جو نوامیس فطرت اور قوانین الٰہیہ نے متعین کر دی ہین، اور پھر اپنے آپ کو ان تمام اعمال و افعال کی جوابدہی کا مستوجب سمجھتا ہے جو ان اشیاء پر حکومت، اور ان سے تمتع و تنفع کے دوران مین، اس سے سرزد ہوتے ہین، اور چونکہ وہ قوانین رب العلمین کے نافذ فرمودہ ہین اس لئے ان مین کسی قبیلہ، کسی گروہ، کسی قوم، کسی ملک کے ساتھ ظلم و استبداد اور جور و جفا کی اجازت نہین دیتے، اور موجودات عالم کے استعمال و استفادہ کی حدود بھی اسی صانعِ قدرت کی مقرر کردہ ہین جو خوب جانتا ہے کہ فطرتِ انسانی مین کہان کہان "بھک سے اڑ جانے والا مادہ" موجود ہے، اس لئے ان حدود کے اندر رہتے ہوئے کسی چیز کا استعمال مخرب اخلاق نہین ہو سکتا، چنانچہ موہبت خلافت الٰہی کے وقت حضرت آدم کو یہ حکم بھی ساتھ ہی سنا دیا گیا کہ

فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ
وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ، (۲:۴)

(خلافت و نیابت الٰہی کے بڑے کارنامے مین) جو
ہماری ہدایات کے تحت چلیگا اس کے لئے کوئی خوف و
حزن کی بات نہین، (یعنی انھین اطمینان قلبی حاصل ہوگا جو
سب بڑی نعمت ہے)

توریث خلافت الٰہی کو اس نے مشروط بہ اعمال صالحہ کر دیا (جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے) اس نے صاف صاف کہدیا کہ حکومت و ثروت کے یہ معنی نہین کہ تم اپنے جذبات کی کامرانی اور خواہشات کی کامجوئی کے لئے سیاہ سفید جو جی مین آئے کرتے چلے جاؤ اور تمھین کوئی پوچھنے والا ہی نہ ہو، بلکہ اس سے تو مقصود یہ ہے کہ

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ
وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ
لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ ، (۲:۶)

اس نے تمھین زمین مین نائب بنایا، اور ایک کو دوسرے
پر درجات و فوقیت عطا کی تو وہ اس لئے ہے کہ جو کچھ تمھین
دیا گیا ہو، اس مین تمھاری آزمایش کرے،

یعنی یہ حکومت و سطوت، یہ مادی ترقیان محض اس لئے ہین کہ خود امن و سکون کی زندگی بسر کرو، اور دوسرون کے لئے بھی امن و سکون کی زندگی مہیا کرو، کیونکہ قرآن کے نزدیک فتنہ و فساد قتل و غارت گری سے بھی زیادہ برا ہے،

یہی نہین کہ تم صرف اپنے اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو بلکہ

جن کے رتبے ہین سوا ان کو سوا مشکل ہے

ارباب اقتدار پر کچھ اور بھی فرض عائد کر دیئے کہ وہ نہ صرف اصلاحِ نفس خویش کے ذمہ دار ہین، بلکہ وہی خدا کی زمین پر بسنے والے انسانون کے امن و سکون اور بقاے فلاح و بہبود کے بھی ذمہ دار ہین، ارشاد ہے،

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُ	اگر ہم ان (مسلمانون) کو زمین مین قائم کر دین تو
الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا	وہ نہایت اچھے کام سرانجام دینگے، یعنی نماز پڑھینگے،
بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ،	زکوۃ دینگے، لوگون کو اچھے کامون کا حکم دینگے اور
وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ، (۲۲:۴۳)	برائی سے روکین گے اور سب کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ ہے،

مغرب کے پیش نظر اسی دنیا کا تصور ہے، اور ان کے نزدیک

زندگی کیا ہے، عناصر کا ظہور ترکیب ،
موت کیا ہے، انھی اجزا کا پریشان ہونا،

وہ اپنے اعمال و افعال کے لئے کسی اعلی ہستی کے حضور جوابدہی کو تسلیم نہین کرتے، اس لئے خود ہی قوانین مرتب کر لیتے ہین، اور جب چاہتے ہین ان مین ترمیم و تنسیخ کر دیتے ہین، حدود و قیود رہے تو وہ نگاہ رکھے جو کسی اور ہستی کے نافذ فرمودہ قوانین کو دستور اساسی سمجھتا ہو، ان کے نزدیک جو اصول و قواعد انھین اپنے ارادون مین کامیاب کر دین وہی جائز بلکہ انسب اور جن کے اتباع سے انھین جذبات کی فیروزمندی مین دقت نظر آئے وہ ناجائز اور غیر موزون، چونکہ مطمح نگاہ یہی زندگی ہے، اور اسی زندگی کی کامیابی شکست و فتح کا معیار، اس لئے ہر قسم کا تصرف جائز و درست،

لیکن اسلامی تہذیب کے پیش نظر صرف یہی دنیا نہین بلکہ اس کے بعد اس دنیا کے تمام اعمال و افعال کے لئے، جن تک دنیوی سوسائٹی کی نگاہ کی رسائی بھی ممکن نہ تھی، ایک حی و قیوم، احکم الحاکمین کے حضور جوابدہی ضروری ہے، لہذا وہ اپنے تمام تصرفات مین ان حدود کا خیال رکھتے ہین جو اس مالک الملک نے معین فرما دی ہین،

جس کے یہ نائب بنکر دنیا مین حکومت کرتے ہین، یعنی دنیاوی ترقیان ان کے نزدیک مقصود نہین بلکہ ذرائع ہین، وہ اپنی زندگی کی ریل گاڑی مین فرسٹ کلاس کے ڈبے ضرور لگاتے ہین لیکن اس ڈبے کو اپنا گھر سمجھ کر نہین بیٹھ جاتے بلکہ منزل مقصود پر پہنچ کر اسے بھول جاتے ہین، مادی اسباب کی راحتین ان کے راستے مین سایہ دار درخت کی طرح آتی ہین جن کے نیچے تھکا ماندہ مسافر بیٹھ کر ذرا سستا لیتا ہے، لیکن وہین ڈھیر ہو کر نہین رہ جاتا، یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس زندگی اور زندگی کے علائق کو مقصود قرار نہین دیا بلکہ فرما دیا،

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ	سمجھ لو کہ دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشے سے زیادہ
لَھْوٌ وَّزِیْنَۃٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَ	نہین، اور ایک ظاہری شان اور آپس مین ایک
تَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ	دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد مین ایک دوسرے
کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ	سے بڑھنے کی کوشش کرنا ہے، اسکی مثال ایسی ہے کہ
نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَہِیْجُ فَتَرٰىہُ مُصْفَرًّا	بارش ہوئی، اسکی روئیدگی نے نافرمانون کو خوش کر دیا،
ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا، (۵۷: ۳)	پھر وہ پک گئی اور تو نے دیکھا کہ زرد ہو گئی اور پھر بھوسہ ہو گئی

اگر اس نے ایک جگہ متاع الدنیا کو زینت قرار دیا تھا تو دوسری جگہ یہ بھی صاف فرمایا کہ کہین اس زینت مین ہی الجھ کر نہ رہ جانا،

اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ	(تمھاری کامیابی کے لئے) اللہ کے وعدے حق ہین
الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ	لیکن دیکھنا کہین دنیا کی زندگی (اور زندگی کی کامرانی)
بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ،	کہین تمھین دھوکے مین نہ ڈال دے، اور یہ فریب
	تمھین خدا سے ہی بھلا دے،

اسی لئے وہ اگر ایک طرف رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً (اے اللہ ہمین دنیا مین حسنات عطا فرما) کی دعا مانگتا ہے تو ساتھ ہی وَفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً کی بھی استدعا کرتا ہے، وہ اس دنیا اور اسکی متاع حیات کو

ذنی قرار دیتا ہے: اور اعمال کے بدلہ مین اس کے بعد جو ملنے والا ہے، اسے خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (یعنی اچھا بھی اور دیرپا بھی) فرماتا ہے، وہ اگر ایک طرف كُلُوْا وَاشْرَبُوْا (کھاؤ پیو) کی اجازت دیتا ہے تو فوراً وَلَا تُسْرِفُوْا (زیادتی نہ کرو) کی حدبندی بھی کر دیتا ہے، انفاق اس کے نزدیک اگر انفرادی و اجتماعی زندگی کے لئے اصل الاصول حیات ہے، تو اس کے ساتھ ہی اسراف (ضرورت سے زیادہ صرف کرنا) اور تبذیر (بلا ضرورت صرف کرنا) من عمل الشیطان بناتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو کام افراط و تفریط سے بچکر معینہ حدود کے اندر رہ کر اپنے ذاتی مفاد اور قومی و ملی اغراض کی خاطر ظہور پذیر ہون، وہ انھین فی سبیل اللہ، (یعنی اللہ کے راستے مین) قرار دیتا ہے، اور یہی وہ "تلک حدود اللہ" (اللہ کی حدود ہین) جن کے لئے فرمایا کہ لَا تَقْرَبُوْهَا، کہ ان کو توڑنا تو ایک طرف ان کے پاس تک بھی نہ آؤ، زندگی کے ہر شعبہ مین خدا کا یہی تصور ہے، جس کی یاد انھین طمانیت قلب عطا کرتی ہے، الا بذکر اللہ تطمئن القلوب،

یہ ہے وہ بین فرق جسنے یورپ کو باین ہمہ ترقی و تہذیب آج اس قدر مصائب و آلام کا شکار بنا رکھا ہے، اور انھین کوئی راہ نکلنے کی دکھائی نہین دیتی، کیونکہ وہ

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ، (۳۰:۴)	صرف دنیا کی ظاہری (نظر فریب) زندگی کو ہی (مقصد حیات) سمجھتے ہین، اور آخرت (کی اصل زندگی) سے غافل ہین، (اسلئے ہر ایک کے من مین چور ہے جو باعث ہے اس تمام فقدان سکون و امنیت کا)

(باقی)

الانتقاد علی التمدن الاسلامی،

مصر کے عیسائی مورخ جرجی زیدان کی تصنیف تمدن اسلامی پر عربی مین ریویو جسمین مولانا نے جرجی زیدان کی غلطیان دکھائی ہین، اور اس کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہین، ضخامت ۸۲ صفحے، قیمت ۸ر "منیجر"

”دیوان بیدل کے نسخۂ بے بدل پر ایک استدراک“

از

جناب محمد یٰسین خانصاحب نیازی، ایم اے، گورنمنٹ کالج، جھنگ،

میرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی کے ایک بے بدل نسخہ دیوان مملوکہ کتبخانہ حبیب گنج پر جو مصنف کے اپنے قلم کا لکھا ہوا بتایا گیا ہے ایک مختصر تحریر معارف بابتہ ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۴ء مین شائع ہوئی ہے، اس تحریر مین بعض بیانات میری رائے مین محل نظر معلوم ہوتے ہین، اور غالباً وہ غلط فہمیان محترم مقالہ نگار کی نظر سے مرزا کی تاریخ ولادت نہ گذرنے کے باعث پیش آئین، چنانچہ فرماتے ہین:-

"میرزا بیدل کا سن ولادت حاضر الوقت تذکرون مین نظر سے نہین گذرا سنہ وفات سنہ ۱۱۳۳ھ"،

میرزا کی تاریخ ولادت کا بیان متعدد تذکرون مین موجود ہے، مثلاً "سفینۂ خوشگو" (تصنیف سنہ ۱۱۴۷ھ) خوشگو اپنے تذکرہ مین لکھتے ہین، کہ میرزا کے والد کے ایک دوست مسمیٰ قاسم درویش نے میرزا کی تاریخ ولادت لفظ "انتخاب" سے نکالی جس سے بروے حساب جمل ۱۰۵۴ برآمد ہوتے ہین، خوشگو کے اس بیان سے واضح ہے کہ میرزا سنہ ۱۰۵۴ھ مین پیدا ہوے۔

سال ولادت معلوم ہوجانے کے بعد یہ قیاس صحیح نہین رہتا کہ

"اس قیاس سے تحریر دیوان کا زمانہ میرزا صاحب کی عمر کے پچاس ساٹھ برس کے درمیان ٹھہرتا ہے"۔

کیونکہ جب میرزا کے دیوان زیر بحث کی کتابت جیسا کہ اس تحریر مین ہے سنہ ۱۰۹۰ھ مین تکمیل کو پہنچی تو دوسرے معنی یہ ہوے کہ میرزا کا یہ گرانمایہ نسخۂ دیوان مصنف کی عمر کے چالیسوین دور مین لکھا گیا، اس لئے پھر یہ قیاس بھی صحیح نہین رہتا کہ

"تحریر دیوان کے بعد میرزا صاحب ۳۵ سال زندہ رہے، اس طرح قیاساً عمر نوے برس کی ہوگئی"

کہ سالِ ولادت سنہ۱۰۵۴ھ اور سالِ وفات سنہ۱۱۳۳ھ متعین ہوجانے کے بعد ان کی عمر اُنھتر، اناسی سال کی قرار پاتی ہے،

نیز اگر دیوان کے اوراق کی تعداد اور تقطیع پر غور کیا جائے تو گمان ہوتا ہے کہ یہ دیوان میرزا کا مکمل دیوان نہین ہوگا بلکہ ان کے دیوان کا انتخاب ہوگا، جو ان کے حین حیات مین ان کے رفقا کے اصرار پر تیار کیا گیا تھا، اسی قسم کا انتخاب جو میرزا کی زندگی کا لکھا ہوا ہے، پنجاب یونیورسٹی لائبریری مین موجود ہے، جس کا تذکرہ اورنٹل کالج میگزین بابتہ ماہ فروری سنہ۱۹۳۳ء مین آیا ہے،

خیّام

خیام کے سوانح، تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث، اور آخر مین خیام کے چھ عربی و فارسی رسالون کا ضمیمہ اور اس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، مکمل، اور حتی المقدور محققانہ، یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے، ضخامت ۵۲۰ صفحات، کتابت وطباعت وکاغذ اعلیٰ، قیمت غیر مجلد، للعہ

تاریخ صقلیہ

جلد اول

اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی وجزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دورون کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ وجزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب اور جلا وطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۵۳۴ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت:- للعہ

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

فریبِ ذہن

اس موضوع پر ایک نفسیاتی لیکن نہایت سلیس اور سلجھا ہوا مضمون ایک جرمن رسالہ "کورال" (Koralle) مین شائع ہوا تھا جسکا انگریزی ترجمہ سنڈے اسٹیٹسمین مورخہ ۲۹ جولائی ۳۴ء مین نکلا ہے، ناظرین معارف کی ضیافتِ طبع کے لئے ہم اسکا ملخص ترجمہ سطور ذیل مین پیش کرتے ہین، جس موضوع پر جرمن مقالہ نگار نے روشنی ڈالی ہے وہ عام تجربہ کی چیز ہے، اور شاید ہی کوئی شخص ایسا ہو جو اس فریب مین کبھی نہ کبھی مبتلا نہ ہو چکا ہو،

آپ اطمینان کے ساتھ بیٹھے ہوے دوستون سے باتین کر رہے ہین اور آپ کے دماغ کو پورا سکون حاصل ہے، دفعۃً آپ کے ذہن مین یہ عجیب و غریب خیال یقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے، کہ اس سے پہلے کسی اور موقعہ پر بھی آپ پر ٹھیک یہی لمحات گذر چکے ہین، عقل کہتی ہے کہ ایسا نہین ہو سکتا، آپ ان لوگون سے اس سے پیشتر کبھی اس مقام پر نہین ملے، خود موضوعِ گفتگو بھی ایک ایسا واقعہ ہے جو صرف گذشتہ چند گھنٹون کے اندر پیش آیا ہے، غرض ہر شے مختلف ہے، تاہم آپ کے ذہن پر یہ خیال مستولی ہے کہ یہ حالت اس سے قبل بھی گذر چکی ہے۔

آپ ہمت اور سرگرمی کے ساتھ سفر کر کے ابھی ابھی ایک ایسے شہر مین پہنچے ہین جسے اب سے پہلے آپ نے کبھی نہین دیکھا تھا، آپ ایک ہوٹل مین داخل ہوتے ہین اور دریچہ سے بے پروائی کے ساتھ سڑک پر نظر ڈالتے ہین اور لوگون کی آمد و رفت کو دیکھتے ہین کہ دفعۃً وہی خیال آپ کے ذہن مین پھر پیدا ہوتا ہے اور آپ اپنے دل مین کہتے ہین کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مین اس سے ہمیشہ سے واقف ہون" حالانکہ آپ جانتے ہین کہ یہ ناممکن ہے،

اہلِ فرانس اس فوری خیال کو "déjà vu" یعنی "دیکھی ہوئی چیز" کا احساس کہتے ہین، بعض اوقات یہ خیال آپ پر نہایت شدت کے ساتھ مستولی ہوجاتا ہے، لیکن یہ چیز کوئی حال کی دریافت نہین ہے، قدیم زمانہ کے لوگون کو بھی اس سے دلچسپی تھی اور جو لوگ تناسخ کے قائل ہین انھون نے اسے اپنے مسئلہ کی "حقیقت" ثابت کرنے کے لئے پیش کیا ہے، وہ کہتے ہین کہ یہ زندگی ہماری پہلی زندگی نہین ہے، بلکہ پیدائش اور موت محض اسٹیشن ہین جہان ہم ایک لامتناہی سفر کے سلسلہ مین گاڑیان بدلتے رہتے ہین، ہم نہین جانتے کہ پیدائش سے قبل ہم پر کون کون سے واقعات گذرے، لیکن ان حیرت انگیز لمحات مین جب ایک قطعی طور پر نئی چیز ہمین جانی بوجھی محسوس ہونے لگتی ہے، ہمین ایک ایسی چیز کی جھلک نظر آجاتی ہے جو کسی سابق زندگی مین حقیقۃً ہمین پیش آچکی ہے،

جدید سائنس کو اس قسم کی بعید الفہم توجیہون کی ضرورت نہین، فلسفۂ نفسیات بتاتا ہے کہ "دیکھی ہوئی چیز" کا احساس ہمارے حافظہ کا ایک فریب ہے، یہ فریب متعین حالات مین پیش آتا ہے، اور بعض حالات مین اس کا پیش آنا لابدی ہوتا ہے،

اس کے اسباب مختلف ہوسکتے ہین، جب ایک بالکل نیا منظر ہمین دفعۃً پہلے کا دیکھا ہوا معلوم ہونے لگتا ہے تو اس کا سبب وہ ہوسکتا ہے جو ذیل کی مثال مین پایا جاتا ہے:-

فرض کیجئے کہ ایک سڑک پر جہان آمد و رفت زیادہ ہے اور جسے ہم نے پیشتر کبھی نہین دیکھا تھا، کوئی ایسی چیز ہے جسے ہم اس سے پہلے دیکھ چکے ہین مثلاً ایک اشتہار جس کی اشاعت دور دور ہوئی ہے، ضروری نہین کہ یہ کوئی بہت نمایان اشتہار ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہم نے اسے پہلے دانستہ طور پر دیکھا بھی ہو، باوجود اس کے یہی ایک چیز جسے ہم ماضی مین کسی موقعہ پر دیکھ چکے ہین اور جو ہمارے حافظہ کے ایک گوشہ مین اب تک محفوظ ہے اس فریب کا سبب ہے کہ یہ پورا ماحول ایک طویل مدت سے ہمارا دیکھا بھالا ہے، کیونکہ یہ ایک دماغی قانون ہے کہ جب کوئی خیال پیدا ہوتا ہے تو اس کا اثر پورے ماحول پر بھی پڑتا ہے، مثلاً اگر کسی مقام پر ہمین کوئی دہشتناک واقعہ پیش آچکا ہے تو وہ مقام ہمیشہ ہمین دہشتناک معلوم ہوتا رہیگا، اور اس کی تمام بے ضرر اور غیر اہم چیزون سے بھی ہمارے

دماغ مین بیچینی پیدا ہوتی رہیگی، جن اشیاء اور جن مناظر کے درمیان ہم نے اپنے بچپن کا زمانہ مسرت کیساتھ گذارا ہے وہ ہمارے اندر مسرت انگیز جذبات کو پیدا کرنے کی قوت رکھتے ہین، جو کھانا ہم اس وقت کھا رہے تھے، جب ہم نے کوئی بری خبر سنی وہ ہمارے لئے پھر ہمیشہ بدمزہ ہوجاتا ہے، ٹھیک اسی طرح اگر کسی نئے ماحول کے ایک جزو سے بھی ہم پہلے واقف رہ چکے ہین تو وہ پورے ماحول پر اپنا اثر ڈال دیتا ہے، اور ہم سمجھنے لگتے ہین کہ تمام چیزین ہماری دیکھی ہوئی ہین،

فریب ذہنی کی ایک دوسری قسم یہ ہے کہ جس حالت مین ہم ایک سکنڈ پہلے تھے وہ نہایت قدیم معلوم ہونے لگتی ہے، یہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم تھکے ہوے یا سُست ہوتے ہین، ہم جانتے ہین کہ چند سکنڈ کے اندر کس قدر خواب دیکھا جاسکتا ہے، بیدار ہونے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم گھنٹون سو چکے ہین، آپ گھڑی پر نظر ڈالتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک جھپکی آگئی تھی، تاہم آپ محسوس کرتے ہین کہ اتنی ہی دیر مین آپ نے سب کچھ دیکھ ڈالا، یہ نتیجہ ہے اس خلل کا جو آپ کی حالت شعوری مین چند سکنڈ کی جھپکی سے پیدا ہوگیا تھا،

بعض اوقات یہی کیفیت آپ پر اس وقت طاری ہوتی ہے جب آپ اونگھتے نہین بلکہ بہت تھکے ہوے ہوتے ہین اور اس حالت مین آپ کا دماغ قطعی نادانستہ طور پر موجودہ حالات سے علٰحدہ ہوکر ادھر اودھر کی سیر کرنے لگتا ہے، اور تھوڑی دیر کے لئے آپ اپنے ماحول سے بالکل منقطع ہوجاتے ہین، جب آپ دفعةً سنبھلتے ہین تو ایسا محسوس کرتے ہین کہ موجودہ چیزین ایک زمانہ دراز کی دیکھی ہوئی ہین جو اب دوبارہ آپ کی نظر کے سامنے آرہی ہین، آپ بھول جاتے ہین کہ آپ کا شعور صرف چند سکنڈ کے لئے معطل تھا، اور جو چیزین اس تعطل سے پیشتر کی دیکھی ہوئی تھین انھین آپ ایک طویل مدت کی دیکھی ہوئی خیال کرنے لگتے ہین، یہی سبب ہے اس فریب ذہنی کا،

اس فریب کی ایک دوسری مثال لیجئے، فرض کیجئے کہ ایک سڑک کو پار کرتے وقت ہمارے دماغ مین اسکی دوسری سمت کا ایک اچٹتا ہوا خاکہ تھا، اور ایک لمحہ کے لئے ہمارا شعوری تعلق اپنے ماحول سے منقطع ہوجاتا ہے، پھر جب ہم سڑک پار کرکے مقابل پٹری پر پہنچتے ہین تو ہم حیرت کے ساتھ محسوس کرتے ہین کہ وہان کی چیزین

ہماری دیکھی ہوئی ہین، ہم اس خفیف وقفہ سے بے خبر رہتے ہین جب ہمارا سلسلۂ خیالات منقطع ہوگیا تھا اور سڑک کی دوسری سمت کی جو جھلک ہم نے پہلے دیکھی تھی اُسے ایک دور دراز زمانہ کی یاد سمجھنے لگتے ہین،

ہم اکثر اپنے تصور کا شکار ہوتے رہتے ہین، مثلاً ہم کوئی ایسی تقریر سن رہے ہین جس کے مواد اور ترتیب کے متعلق ہمین پہلے سے پوری واقفیت ہے، ہم جانتے ہین کہ مقرر جو ہوائی جہازون پر تقریر کر رہا ہے آخر مین کونٹ زیپلین کے متعلق کوئی واقعہ بیان کرے گا، جونہی اس نے تقریر شروع کی ہمارے ذہن مین یہ بات آئی کہ وہ آیندہ فلان فلان چیزین بیان کرے گا، تھکنے اور اکتا جانے کی وجہ سے تقریر کا سلسلہ ہم سے چھوٹ جاتا ہے ہمارا دماغ ادھر اودھر چکر کرنے لگتا ہے اور ہم اس کی آواز کو بھی صفائی کے ساتھ نہین سنتے کہ دفعتہً ہم اس غفلت سے بیدار ہوتے ہین اور خیال کرتے ہین کہ ٹھیک اسی مقام پر اور انہی لوگون کے ساتھ ہم پہلے بھی رہ چکے ہین اور اسی شخص کو تقریر کرتے ہوئے اس سے پیشتر بھی سن چکے ہین،

اس کی توجیہ مشکل نہین، ہماری بیداری کے وقت مقرر کونٹ زیپلین کے واقعہ کو بیان کر رہا تھا اور چونکہ ہم اس واقعہ سے پہلے سے واقف تھے اس لئے پوری تقریر اور تمام ماحول سے واقفیت کا خیال پیدا ہوگیا،

"ع ز"

برص وجذام

اس مرض کے متعلق کم سے کم تین ہزار برس سے واقفیت ہے، پہلے یورپ مین یہ کثرت سے پایا جاتا تھا، لیکن قرونِ وسطیٰ کے بعد جب وہان کا معیارِ معیشت بلند ہوگیا اس کی کثرت مین بہت کچھ کمی ہوگئی آج یہ زیادہ تر گرم اور مرطوب آب و ہوا کے ملکون مین پایا جاتا ہے، اس کی کثرت سب سے زیادہ وسطا اور مغربی افریقہ مین، جنوبی امریکہ کے شمالی حصہ مین، اور بحرالکاہل کے متعدد جزیرون مین ہے، ہندوستان، چین، اور جاپان کے لوگ بھی ایک بڑی تعداد مین اسکا شکار ہین، افریقہ کا بہت کم حصہ ایسا ہے جہان یہ مرض بالکل نہ پایا جاتا ہو، اور آسٹریلیا، شمالی امریکہ اور یورپ مین بھی اس کی شکایت موجود ہے، ناروے اور آئیسلینڈ مین یہ

وبا کثرت سے پھیلی ہوئی ہے،

اب سے چند سال پیشتر تک ڈاکٹرون کے ہان اسکا کوئی قطعی علاج نہ تھا، اکثر ممالک مین مبروص و مجذوم اشخاص سوسائٹی سے خارج کر دیئے جاتے تھے، اس مرض سے دوسرون کو محفوظ رکھنے کا صرف یہی طریقہ تھا کہ ایسے اشخاص جبری طور پر علٰحدہ رکھے جاتے تھے، پھر بھی تعدیہ کچھ نہ کچھ ہوتا ہی رہتا تھا، اس مرض کے مریضون کے لئے ایک مقام خاص کر دیا جاتا تھا، جو لوگ اس مقام پر بھیجے جاتے تھے ان کو تقریباً تمام عمر قید کی زندگی بسر کرنی پڑتی تھی، وہان انھین طرح طرح کی تکلیفین ہوتی تھین، یہی وجہ ہے کہ جن ممالک مین ایسے لوگون کو جبری طور پر ان مخصوص مقامات مین بھیج دیا جاتا ہے، وہان ان کے اعزہ اور احباب حتی الامکان مرض کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتے ہین اور اس وقت تک اس کو چھپائے رکھتے ہین جب تک کہ وہ اتنی ترقی نہ کر جائے کہ اسکا چھپانا ناممکن ہو جائے، پہلے ان مقامات مین قیام کی مدت چار سے آٹھ سال تک ہوتی تھی،

برص و جذام ایک قسم کے جراثیم سے پیدا ہوتے ہین جو دق کے جراثیم سے بہت ملتے جلتے ہین، خوردبین سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونون مین بظاہر کوئی فرق نہین ہے، تاہم دونون مین فرق یہ ہے کہ جذام کے جراثیم کا حملہ بجائے پھیپھڑون کے جلد اور اعصاب پر ہوتا ہے، لیکن دونون کی رفتار یکسان طور پر سست ہوتی ہے، جذام کا اثر اکثر بیس سے کم عمر والون پر ہوتا ہے، تیس سال کی عمر کے بعد اسکا تعدیہ بہت شاذ ہوتا ہے،

جہانتک تعدیہ کا تعلق ہے برص و جذام دق سے کم متعدی ہین، ان کے جراثیم انسانی جسم سے باہر نہین رہ سکتے، اسی فی صدی واقعات مین تعدیہ کا سبب یہی پایا جائے گا کہ لوگ مریض کے ساتھ عرصہ تک ایک ہی مکان مین رہتے تھے، تعدیہ کے بعد بھی مرض کی علامتین بہت دنون مین ظاہر ہوتی ہین، کبھی کبھی سالون گذر جاتے ہین تب اس کی علامتین واضح طور پر دکھائی دینے لگتی ہین،

۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۶ء کے درمیان اس مرض کے علاج کا ایک نیا تجربہ کلکتہ مین کیا گیا، اس تجربہ کی کامیابی کا سہرا زیادہ تر ڈاکٹر سر راجرس (Dr. Sir Rogers) کے سر ہے، انھون نے جذام کے مریضون کو

مونگرے کے چاول کے تیل کا انجکشن دینا شروع کیا، بہت سے انجکشن کے بعد اس کا اثر مرض کی علامتون پر ظاہر ہونا شروع ہوا جن لوگون کا مرض ابتدائی حالت مین تھا ان کو اس سے نمایان طور پر فائدہ ہونے لگا، پندرہ سال کے تجربہ نے اس علاج کے مفید ہونے مین کوئی شبہہ باقی نہین رکھا ہے، البتہ مرض کے ازالہ مین مہینون بلکہ سالون لگ جاتے ہین، جو اعضا، مرض کی شدت سے کٹ کر گر گئے ہین وہ تو از سر نو درست نہین ہو سکتے، لیکن اگر ایک مدت تک اس علاج پر مداومت کیجائے تو اکثر و بیشتر ابتدائی درجہ مین مرض کا ازالہ ضرور ہوجاتا ہے، اور دوسرے درجہ مین بھی بعض لوگون کو اس سے فائدہ پہنچ ہی جاتا ہے،

اس علاج کی کامیابی نے برص و جذام کے مسئلہ کی ایک نئی شکل پیدا کر دی ہے، اب جونہی مرض کی ابتدائی علامتین ظاہر ہون اس کا علاج بہت کچھ کامیابی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے، جن لوگون کے ساتھ مجذوم ملتا جلتا ہے ان کا طبی معائنہ وقتاً فوقتاً کیا جا سکتا ہے اور اگر تعدیہ کا کوئی اثر پایا جائے تو اس کا انسداد شروع ہی مین ہوسکتا ہے، اس طریقۂ علاج مین یہ بھی ہمیشہ ضروری نہین کہ مریض کو دوران علاج مین سب سے علٰحدہ رکھا جائے، مرض کی اس نوعیت مین جب اثر صرف رگون پر ہوتا ہے، اکثر جلد پر کوئی زخم نہین ہوتا اس لئے اس وقت تعدیہ کا خطرہ بھی نہین ہوتا، ایسے مریضون کا علاج معمولی اسپتالون مین بھی کیا جا سکتا ہے، اس طریقہ سے کسی ایک خطہ مین برص و جذام کی شکایت دس سال کی قلیل مدت مین بہت بڑی حد تک دور کیجا سکتی ہے،

جزیرہ نا ورو (Nauru) مین یہ طریقۂ علاج سب سے زیادہ کامیاب ہوا ہے، تین ہی سال کی مدت مین مجذومون کی تعداد چالیس فیصدی کم ہو گئی، ایک سال بعد جن لوگون نے تعدیہ کا اثر قبول کر لیا تھا ان کی تعداد نصف رہ گئی، یہی تجربہ ایک بڑے پیمانہ پر جنوبی سوڈان مین کیا گیا، یہان (۶۵۰۰) آدمی، یعنی پانچ فیصدی آبادی، جذام مین مبتلا پائے گئے، جنین سے (۴۸۰۰) مریضون کے لئے تیس مربع میل کا ایک خطہ علٰحدہ کر دیا گیا تھا، ۱۹۳۲ء کے اختتام تک (۲۲۳۰) آدمی بالکل تندرست ہو کر وہان سے نکل آئے

(مانچسٹر گارجین) "ع ز"

سائنس کی پیشینگوئیان

چندماہ قبل جنرل موٹرس کارپوریشن (امریکہ) کے صدر مسٹر سلون (Sloan) نے پانچ سو سے زائد اکابر سائنس کی رائین سائنس کے آیندہ کارنامون کے متعلق دریافت کی تھین، سب کے جوابون کا خلاصہ یہ تھا کہ سائنس نے اس وقت تک جو کارنامے دکھلائے ہین وہ اُن حیرت انگیز کارنامون کے مقابلہ مین کچھ بھی نہین ہین جو آیندہ سو سال کی مدت مین ظاہر ہونے والے ہین، چنانچہ تین سو سے زائد باوثوق پیشین گویون مین جو ان اکابر نے سائنس کے مستقبل کی نسبت کی ہین بعض یہ ہین:- ایک ایسا موٹر تیار کیا جائے گا جو صرف آفتاب کی روشنی سے چلے گا، متعدی امراض کا استیصال ہوجائیگا، انسان ستر سال کی عمر تک زندہ رہ سکیگا، جوہر فرد (Atom) اور شعاع کوسمک (Cosimmic Rays) پر قابو حاصل ہوجائیگا، کائنات کی اصل، اسکی فطرت اور وسعت کا راز منکشف ہوجائیگا،

ڈاکٹر رابرٹ ولسن نے جو شکاگو کے اس جلسہ مین شریک تھے جس مین یہ پیشین گوئیان سنائی گئی تھین، فرمایا کہ اگرچہ ماہرینِ سائنس نے علوم جدیدہ کی دریافت و تحقیق ایک بڑی حد تک کرلی ہے، تاہم جہان تک انسانی فلاح و بہبود کا تعلق ہے اہم ترین اکتشافات کا عمل مین آنا ہنوز باقی ہے،

ڈاکٹر آرتھر کومپٹن نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا اور سائنس کے آیندہ امکانات کے سلسلہ مین بیان کیا کہ فضا کے مزید مطالعہ و تحقیق کے لئے ایک ایسی دوربین تیار کیجارہی ہے جس کی طاقت اس وقت کی بڑی سے بڑی دوربین سے چوگنی ہوگی، علاوہ برین جوہر فرد کے اندرونی حصہ کی تحقیق کے لیے جہان اس کی قوت کا اصلی خزانہ پوشیدہ ہے ایک جدید آلہ تیار کیا جارہا ہے، اسی طرح دنیا کے مختلف حصون مین شعاع کوسمک کی تحقیق کے لئے نہایت قوی آلات بنائے جارہے ہین، پھر طبیعیاتی، اور کیمیاوی طریقے اعصاب و عضلات کے مطالعہ و تحقیق مین استعمال کئے جارہے ہین، اور ان کی کامیابی حیرت انگیز ثابت ہوئی ہے

طب کے نصف درجن ماہرین نے جو شریک جلسہ تھے اس رائے کا متفقہ طور پر اظہار کیا کہ بہتیری بیماریان ناپید ہو جائینگی اور انسانی عمر مین اضافہ ہو جائے گا، انھون نے اپنے اس خیال کا بھی اظہار کیا، کہ گذشتہ پچاس برس مین فن طب نے جو ترقی کی ہے وہ اس سے قبل کی پچاس صدیون کی ترقی سے زیادہ ہے،

فن تعمیر کے نمایندہ مسٹر کوربٹ کی پیشین گوئی بہت دلچسپ تھی، انھون نے فرمایا کہ آیندہ مکانات ایسے ہونگے کہ ہر شخص انھین بنوا سکیگا، جہان تک آرام و آسایش کا تعلق ہے، مستقبل قریب کے مکانون کو موجودہ مکانون سے کوئی نسبت نہ ہوگی، ان کے بنانے مین ذرا بھی شور و غل نہ ہوگا، ایک ہفتہ کے اندر موجودہ مکانون سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ پائدار مکان بنکر تیار ہو جائے گا،

ان تمام خوبیون کے باوجود مصارف اس وقت کے مقابلہ مین آدھے ہون گے،

(لٹریری ڈائجسٹ) "ع ز"

سیر الصحابہؓ

(جلد ششم)

اس مین عہد صحابہ کی چار اہم ہستیون حضرت حسنینؓ، امیر معاویہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے مفصل حالات وسوانح، اخلاق و فضائل اور ان کے مذہبی، اخلاقی، علمی اور سیاسی مجاہدات اور کارنامون اور ان کے باہمی سیاسی اختلافات کی تفصیل ہے، ضخامت ۳۰۶ صفحے، قیمت :- سے

سیر الصحابہؓ

(جلد ہفتم)

اس مین ایکسو پچاس صحابہ کے مختصر حالات ہین جو فتح مکہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے، اس سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے مگر شرف ہجرت سے محروم رہے، یا سنہ ہجرت کے کچھ قبل یا بعد پیدا ہوئے اور عہد رسالت مین کمسن تھے، ضخامت ۳۲۲ صفحات، قیمت سے

منیجر

اخبار علمیہ

حجاج کی تعداد مین تخفیف

رسالہ "مسلم ورلڈ" (جولائی ۳۴؁ء) کے ایک نامہ نگار نے لندن مین سعودی عرب کے شاہی سفارت خانہ سے ان حاجیون کے اعداد و شمار حاصل کئے ہین جو جدہ کے راستہ سے مکہ معظمہ کی زیارت کو ۱۹۲۸؁ء سے ۱۹۳۳؁ء تک گئے ہین، ان اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ حکومت حجاز نے زائرین بیت اللہ کے لئے بہت کچھ آسانیان بہم پہنچادی ہین ان کی تعداد مین برابر تخفیف ہوتی جاتی ہے جسکا سبب دنیا کی عام کساد بازاری ہے،

مندرجۂ ذیل گوشوارہ مین صرف ۱۹۲۸؁ء اور ۱۹۳۳؁ء کے اعداد و شمار دیئے گئے ہین،

	۱۳۴۶؁ھ مطابق ۱۹۲۸؁ء			۱۳۵۱؁ھ مطابق ۱۹۳۳؁ء		
	نابالغ	بالغ	مجموعی تعداد	نابالغ	بالغ	مجموعی تعداد
حبشہ	-	-	-	-	۱۱	۱۱
عدن	-	-	-	-	۱۷	۱۷
افغانستان	۵	۲۰۱۷	۲۰۲۲	۱۳	۲۳۹۰	۲۴۰۳
بحرین	-	-	.	۳	۱۷۶	۱۷۹
بخارا	۲۸	۱۹۵۹	۱۹۸۷	۲۴	۱۱۸۰	۱۲۰۴
کیپ ٹاؤن	۷	۱۰۵	۱۱۲	۵	۳۲	۳۷
چین	۲	۱۰۶	۱۰۸	-	۲۵	۲۵

	نابالغ	بالغ	مجموعی تعداد	نابالغ	بالغ	مجموعی تعداد
داغستان	-	-	۰	-	۱	۱
مصر	۳۱۵	۱۳۷۸۴	۱۴۰۹۹	۴۰	۱۵۸۵	۱۶۲۵
حضرموت	۱۰	۵۱۲	۵۲۲	۶	۲۶۷	۲۷۳
ہندوستان	۲۸۹	۱۳۴۹۲	۱۳۷۸۱	۲۸۲	۶۷۵۸	۷۰۴۰
عراق	۱	۵۲۷	۵۲۸	-	۱۴۹	۱۴۹
جاوا	۳۸۶۶	۴۵۵۲۸	۴۹۳۹۴	۱۶۱	۲۲۵۶	۲۴۱۷
مراکش	۱۸	۲۸۰۷	۲۸۲۵	۱۶	۱۲۶۸	۱۲۸۴
مسقط	۷	۳۳۴	۳۴۱	-	۱۱	۱۱
نجد	۲	۷۲	۷۴	-	۰۰	-
نائجیریا	۲۶۰	۱۷۹۱	۲۰۵۱	۷۷	۴۳۲	۵۰۹
فلسطین	۲	۵۴۶	۵۴۸	۲	۱۹۵	۱۹۷
ایران	۱۱	۳۳۹۲	۳۴۰۳	۱	۵۸۵	۵۸۶
سینیگال	۱	۶۷	۶۸	-	۲۳	۲۳
سمالی لینڈ	-	۲۳۹	۲۳۹	۱	۷۴	۷۵
سوڈان	۲۸	۱۰۷۶	۱۱۰۴	۰	۴۲۰	۴۲۰
شام	۲۰	۱۰۸۹	۱۱۰۹	۱۳	۴۹۱	۵۰۴
ٹرکی	۶	۸۶۹	۸۷۵	۲	۵۰	۵۲
یمن	۷	۱۲۳۵	۱۲۴۲	۳	۳۴۲	۳۴۵

	نابالغ	بالغ	مجموعی تعداد	نابالغ	بالغ	مجموعی تعداد
زنجبار	-	۳۴	۳۴	-	۱	۱
حجاز	۵۷	۱۱۱۲	۱۱۶۹	۱۴	۵۱۰	۵۲۴
	۴۹۴۲	۹۲۶۹۳	۹۷۶۳۵	۶۶۳	۱۹۲۵۹	۱۹۹۲۲

سانپون کے متعلق چند دلچسپ معلومات،

مسٹر بارکلے نے جنھین مختلف ممالک کے سانپون کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل ہین، اس موضوع پر پر ایک مضمون رسالہ ڈزکوری (Discovery) مین شائع کیا ہے، جسے اسٹیٹسمین نے اپنے سنڈے اڈیشن (۲۲ رجولائی ۳۲ء) مین نقل کیا ہے، ناظرین معارف کی دلچسپی کے لئے اس کے خاص حصے ذیل مین درج کئے جاتے ہین۔

سانپون کے متعلق عام طور سے لوگون کو بہت کم واقفیت ہے اور اسی ناواقفیت کی وجہ سے ایک بڑی تعداد ہر سال ان کا شکار ہوتی رہتی ہے، چنانچہ ہندوستان مین ہر سال بیس ہزار آدمی سانپ کے کاٹنے سے مرتے ہین، برازیل (Brazil) مین اسطرح مرنے والون کا سالانہ اوسط پانچہزار ہے لیکن جو لوگ جانبر ہو جاتے ہین ان کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے، افریقہ مین بھی لوگ نہایت کثرت سے سانپ کا شکار ہوتے رہتے ہین۔

سانپ بہت کم پہلے خود حملہ آور ہوتے ہین، وہ اسی وقت حملہ کرتے ہین جب انھین چھیڑا جاتا ہے، یا ان پر حملہ کیا جاتا ہے، ان کے حملہ آور ہونے کا خاص سبب غذا کا فراہم کرنا ہوتا ہے، تمام سانپ گوشت خوار ہوتے ہین، لیکن چونکہ ان کے ہاتھ پیر نہین ہوتے جن سے وہ اپنے شکار کو گرفتار رکھ سکین اس لئے اسے مسلم نگل جانے پر مجبور ہوتے ہین، یہی وجہ ہے کہ وہ بڑے جانورون پر جنھین وہ نگل نہین سکتے خود حملہ نہین کرتے،

غیر زہریلے سانپون مین تیزی اور چستی زیادہ ہوتی ہے، ان کے کاٹنے سے چھوٹے تیز، اور ہموار دانتون کی چار قطارون کے نشانات جلد پر پڑ جاتے ہین، یہ نشانات ہلکے ہوتے ہین اور ان سے خون نکلنے لگتا ہے،

اس زخم کے علاج کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اُسے خوب صاف کرکے اور جراثیم کو دور کرکے پٹی باندھ دی جائے، یہ معلوم کرنے کے بعد کہ زخم زہریلا نہین ہے صحت جلد ہو جائے گی،

زہریلے سانپ بھدّے اور سست ہوتے ہین اور دن کے وقت کہین چھپے ہوئے پڑے رہتے ہین وہ اکثر تقریبًا اندھے ہوتے ہین، ان کے کاٹنے سے دو گہرے نشانات پڑجاتے ہین جو ایک دوسرے سے کسی قدر فاصلہ پہ ہوتے ہین اور ان سے دو ایک قطرہ خون نکل آتا ہے، یہ نشانات سانپ کے زہریلے دانتون کے ہوتے ہین، زخم کے زہریلے ہونے کی علامتین یہ ہین کہ وہ مقام سوج جاتا ہے، وہان کے خون مین انجماد پیدا ہو جاتا ہے اور آخر مین رعشہ محسوس ہونے لگتا ہے، لیکن زہریلے سانپون کے کاٹنے سے موت کا آنا لازمی نہین ہے، یہ بہت کچھ اس امر پہ منحصر ہے کہ زہر کس مقدار مین خون مین پہنچا ہے اور مریض مین قدرتی طور پر قوت مدافعت کتنی ہے، زہریلے سانپ کا بہترین علاج یہ ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سانپ ہی کے زہر کا تیار کردہ سیرم انجکشن کے ذریعہ سے جسم مین داخل کیا جائے اور اگر ممکن ہو تو یہ سیرم اس قسم کے سانپ کا ہو جس نے کاٹا ہے، اگر سیرم دستیاب نہ ہو سکے تو مسٹر بارکلے کے تجربہ کے مطابق کامیاب طریقۂ علاج یہ ہو کہ مریض کو آرام کرنا چاہئے، اس کے کپڑے ڈھیلے کر دیئے جائین اور جہان تک ممکن ہو اسے خاموش رکھا جائے، اسکی قوت مدافعت کو برقرار رکھنے کے لئے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کچھ گرم دودھ، گوشت، یا چائے وغیرہ دیدیجائے، زخم کو صاف اور ٹھنڈا رکھنے کے علاوہ اور کوئی علاج ایسی حالت مین نہ کرنا چاہئے،

آفتاب کے داغون کا سب سے بڑا مجموعہ

آفتاب کے داغون کا سب سے آخری مجموعہ ۱۰ اپریل ۱۹۳۷ء کو ظاہر ہوا ہے، اس مجموعہ کی تصویر ڈاکٹر نکلسن (Dr. S. B. Nicolson) نے رصدخانہ ماونٹ ولسن مین لی ہے، ان کا بیان ہے کہ ظاہر ہونے کے وقت اس کا طول ۱۰۶۰۰۰ میل اور اس کے سب سے بڑے داغ کا قطر ۳۵۰۰۰ میل تھا، یہ داغ جو آفتاب کے چہرہ پر ایک خال سا معلوم ہوتا ہے، اتنا وسیع ہو کہ اگر کوئی سیارہ کرۂ ارض کے قطر کی چوگنا وسعت بھی رکھتا ہو تو اس کے اندر غائب ہو جائیگا،

"ع ز"

ادبیات

سائنس اور مذہب

از

جناب اسد ملتانی، بی، اے،

سائنس کا شیدائی حیران نظر آتا ہے   الحاد کی سرحد پر ایمان نظر آتا ہے
کچھ دن رہی آگاہی خضرِ رہِ گمراہی   پھر علم کے پہلو مین عرفان نظر آتا ہے
دل آنکھ کے بندے کا ناچار پکار اٹھا   کچھ ہے جو نگاہون سے پنہان نظر آتا ہے
اب مادہ ٹھہرا ہے قوت ہی کی اک صورت   اور پردۂ قوت مین یزدان نظر آتا ہے
”کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو“   دانش کی تگ و دو کا پایان نظر آتا ہے

سائنس کے موجودہ اسلوبِ تخیل مین
مذہب کی ترقی کا سامان نظر آتا ہے

مرقعِ شوق

از جناب شیخ عبد اللطیف صاحب تپش ام اے، ام، او، ال پروفیسر امرسن گورنمنٹ کالج ملتان

عالمِ دل ہے نورِ دیدۂ شوق   میری ہستی ہے آفریدۂ شوق
مدعائے نظر ہے حسنِ نظر   ہمہ تن بن گیا ہون دیدۂ شوق

ہو گئی کل اُمید جذبِ فنا   مٹ گیا دل کا سب عقیدۂ شوق
آہوئے دشتِ قیس کی ہے تلاش   دیدۂ شوق ہین رمیدۂ شوق
غنچۂ دل سے باز پرس نہ کر   اے نسیمِ وفا وزیدۂ شوق
تارِ دامن ہوئے گریبان گیر   مدد اے دستِ نارسیدۂ شوق
چشم پوشی کی ہے طلب یعنی   پیرہن ہون مگر دریدۂ شوق
ہے تمنائی نیازِ جبین   سرِ راہِ وفا خمیدۂ شوق
ننگ صحراے بے خودی ہون مین   میرا ہر ذرہ ہے کبیدۂ شوق
چشمِ اشک آفرین کو کیا کہئے   جامِ لبریز ہے دمیدۂ شوق
دیدہ بر راہ خارِ حسرت ہے   پاے وحشت زدہ خلیدۂ شوق
ہو گیا آخرش نصیبِ خزان   اے گلِ مدعا نچیدۂ شوق
نہ کھُلی چشمِ منتظر نہ کھلی   مرحبا جان بلب رسیدۂ شوق
خوف کیا اب شکستہ رنگی کا   صورتِ حال ہے کشیدۂ شوق
ہاے کیونکر ہو اعتبارِ خیال   مدعا اور برگزیدۂ شوق

ہے غزل مین تپش شباب کا جوش
لکھ رہا ہون ابھی قصیدۂ شوق

قطعۂ تاریخ زلزلۂ صوبۂ بہار

از جناب مولوی محمد ریاض حسن خانصاحب خیالؔ رئیس سول پور ضلع مظفرپور

دوشنبہ بست و ہشتم ماہِ صیام کو   گویا نمونہ حشر کا گذرا نگاہ سے

ایسی ہلی زمین کہ دل سب کے ہل گئے   ہر شخص کانپنے لگا قہرِ الٰہ سے
اکثر مکان گر گئے کچھ پھٹ کے جھک پڑے   در اور فیلپائے ٹلے جایگاہ سے
پانی اُبل کے سطحِ زمین سے رواں ہوا   بالو اُبھر کے آئی نکل قعرِ چاہ سے
کھیتون مین تھی جو فصل وہ اُکھڑ ہوئی تباہ   ریگِ سفید سے کہین خاکِ سیاہ سے
اسبابِ زلزلے کے کہین کچھ جیالوجسٹ   مین تو یہی کہون گا لبِ عذرخواہ سے
یہ وجہ زلزلے کی ہے تاریخ بھی یہی   "تھرّا گئی زمین مرے بارِ گناہ سے"

۱۳۵۲ھ

قطعۂ امجد

ازحکیم الشعراء سیّد احمد حسین امجد حیدر آبادی،

اندھیر کبھی ایسا تم نے نہ سنا ہوگا   دولت مرے گھر مین ہے پہ ہاتھ نہین آتی
وہ مجھ مین ہے، اس پر بھی مین اسکو نہین پاتا   گو، ہاتھ مین طاقت ہے، پہ ہاتھ نہین آتی

جنونِ جاودان

از جناب عرفانی، ایم اے،

شبِ آخر فسونِ ساقیِ میخانہ آخر شد   مگر جوشِ جنونِ جاودان آخر نمی باشد
اگر موجے بہ ساحل میرسد، منزل نمی جوید   تلاطم ہائے بحرِ بیکران آخر نمی باشد
بہ یادِ دوش، رنگیں می کنم امروز و فردا را   درین محفل زمانِ رفتگان آخر نمی باشد
نویدِ انتہا جستم، غلط کردم، غلط گفتم   بگیتی رستخیزِ امتحان آخر نمی باشد
ہمان بہتر کہ با این کشمکشہائے جہان سازم   کہ دورِ انقلاباتِ جہان آخر نمی باشد

GEOLOGIST

باب التقریظ والانتقاد

اردو کے رسالون کے خاص نمبر

اس ششماہی مین ذیل کے چند رسالون کے خاص نمبر ہمین ریویو کے لئے موصول ہوئے،

رسالہ عالمگیر کا خاص نمبر، اور سالانہ نمبر اڈیٹر جناب حافظ محمد عالم صاحب، حجم ہر ایک ۱۹۰ صفحے، بڑی تقطیع قیمت ہر ایک عہ، دفتر عالمگیر، لاہور،

رسالہ عالمگیر کے دو خاص نمبر "خاص نمبر" اور "سالانہ نمبر" کے نام سے ماہ جنوری اور جون مین نکلے ہین، ہمارے یہ ادبی رسائل اب تقریبًا اپنی تمام توجہ اپنے خاص اور سالانہ نمبرون ہی پر مبذول رکھتے ہین، اس لئے بہ حیثیت مجموعی یہ اچھے خاصے رسالے ہوتے ہین، چنانچہ ان دونون نمبرون مین مشاہیر شعراء کی نظمین اور غزلین اور اچھے مضمون نگارون کے ہر نوع کے مضامین موجود ہین، مثلًا "سلاطین دہلی کے مفاد عامہ کے کارنامے" جناب سید حسن برنی، "الف لیلہ کی راتین" مس حجاب اسمٰعیل "جریدہ نگاری" مراقش (مراکش؟)، "خانم" (چغتائی کا مزاحیہ مضمون) "ایران کی چند صنعتین"، اور "شریف ڈاکو" اعظم کریوی وغیرہ اچھے مضامین ہین، ہر نمبر مین متعدد رنگین تصویرین ہین،

نیرنگ خیال کا نگارش لطیف نمبر، (مصور) اڈیٹر جناب حکیم محمد یوسف حسن صاحب، ۹۲ صفحے، دفتر نیرنگ خیال، شاہی محلہ، لاہور،

نیرنگ خیال کے نگارش لطیف نمبر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین صرف عورتون کے مضامین ہین، اس رسالے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس وقت ہماری تعلیم یافتہ خواتین کا علمی و ادبی رجحان کیسا ہے، ہمین یہ دیکھ کر

خوشی ہوئی کہ اب رد عمل شروع ہو گیا ہے اور مضامین مین مشرق کے نسوانی جذبات و خیالات کی ترجمانی نظر آنے لگی ہے، تاہم ابھی ایسے مضامین کے نمونے بھی موجود ہین، جنہین "ادب لطیف" اور "جواہر پارون" کے پردہ مین عریان جذبات ادا کئے گئے ہین،

سالنامہ ادبی دنیا

(مصور) اڈیٹر جناب منصور احمد صاحب، بی اے، ۱۴۴ صفحے، قیمت ۸ر دفتر ادبی دنیا، لاہور،

رسالہ ادبی دنیا، لاہور کے ممتاز ادبی رسالون مین ہے، اس کا سالنامہ ماہ جنوری ۳۴ء مین نکلا تھا، سر مقالہ "تذکیر و تانیث" کے عنوان سے اردو کے مشہور ادیب جناب پنڈت برج موہن وتاتریہ، کیفی دہلوی کا ہے، جس مین اس خشک موضوع کو شگفتہ انداز بیان مین دلچسپ بنا کر اردو کے ایسے الفاظ کا مسئلہ پیش کیا ہے، جن کی تذکیر و تانیث مختلف فیہ ہے، اور چند اصول بتائے ہین کہ ان کی روشنی مین ان کی تذکیر و تانیث کا مسئلہ مستقلاً طے کر لیا جائے، رسالہ مین دوسرے مضامین بھی اوسط درجہ کے اچھے علمی و ادبی ہین،

رسالہ الایمان کا میلاد نمبر

مدیر مولانا مظہر الدین، ۱۳۶ صفحے، سرورق خوشنما، دفتر الایمان، زینت محل دہلی

رسالہ الایمان کے میلاد نمبر مین سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤن پر اور ایسے عنوانون پر مضامین ہین جنہین سیرت نبوی کا کوئی نہ کوئی تعلق قائم ہے، مثلاً "غزوہ تبوک مین آنحضرت صلعم کے خطبہ کا سلیس ترجمہ اور اسکی تشریح" مولنٰا مظہر الدین، "جامع ایا صوفیہ کے تاریخی حالات اور سقوط قسطنطنیہ کے متعلق آنحضرت صلعم کی پیشین گوئی" مولوی سید عبد الحمید شملوی، "گوتم بودھ کے رحمۃ للعلمین کون ہین؟" "رسول مدنی کی مذہبی و معاشرتی حیات" صاحبزادہ نواب سر عبد القیوم وزیر صوبہ سرحد، "عاشقان رسول کی انتہا یا وحدۃ الوجود کا حل" مولنٰا شاہ سلیمان پھلواروی، اکثر مضامین پہلے کے مطبوعہ ہین، چند مضامین عنوان رسالہ سے غیر متعلق بھی ہین، اس نمبر مین ۱۲، ۱۵ تصویرین ہین جنہین سے اکثر سہ روزہ الامان مین چھپ چکی ہین، یہ نمبر ۸ر مین مل سکتا ہے، اور مستقل خریدارون کو عہ سالانہ قیمت ہی مین ملیگا،

رسالہ پیشوا کا میلاد نمبر، اڈیٹر مولوی سید عزیز حسن صاحب بقائی، ۱۵۸ صفحے، قیمت عہ، دفتر رسالہ پیشوا دہلی

مولوی سید عزیز حسن صاحب بقائی، ہر سال اپنے رسالہ پیشوا کا رسول نمبر **تذکرۂ جمیل** کے نام سے نکالتے ہین، اس سال بھی مختلف قسم کے مضامین مطبوعہ وغیر مطبوعہ سے یہ رسالہ مرتب کیا گیا ہے، اس سال رسالہ کی دو خصوصیتین نمایان ہین، ایک "صداقت کا اعتراف غیرون مین مقبول رسولؐ" کے عنوان سے غیر مسلم مورخین و ارباب قلم کے جن مین ہندو و یورپی دونون ہین، ایسے مضامین و افکار کا ترجمہ کیا گیا ہے، جو آنحضرت صلعم کی سیرت پاک پر ہین، دوسری خصوصیت تصاویر کی ہے، اس مین مدینہ منورہ، مکہ معظمہ اور بیت المقدس وغیرہ کے مختلف مقدس تاریخی عمارات و آثار کے عمدہ فوٹو چھاپے گئے ہین، جناب مدیر کا ایک مضمون "حق و باطل کی معرکہ آرائی" کے عنوان سے ہے جس مین انھون نے متنبیون کی پیشین گوئیون کے غلط ثابت ہونے اور آنحضرت صلعم کی پیشین گوئیون کے صحیح ہونے کو دکھایا ہے، نواب سر عبد القیوم وزیر صوبہ سرحد کا جو مقالہ رسالہ الایمان کے رسول نمبر مین درج ہے، اور جس کی تمہید مین دکھایا گیا ہے کہ وہ مدیر الایمان کے "تاریخی سفر سرحد" کے موقع پر وزیر موصوف سے ارتباط پیدا ہو جانے کے نتیجہ کے طور پر رسالہ الایمان کو حاصل ہوا ہے، وہی مضمون اس تذکرۂ جمیل مین بھی "جملہ حقوق محفوظ" کے اعلان کے ساتھ چھپا ہے، اور لطف یہ کہ دونون پرچے دہلی ہی سے قریب ہی کی تاریخون مین چھپ کر نکلے ہین، اب معلوم نہین اختصاص کا یہ شرف رسالہ ایمان کو حاصل ہوا تھا یا رسالہ پیشوا کو، یا وزیر موصوف نے اپنے کسی پہلے کے مطبوعہ مضمون کی دوبارہ اشاعت کی اجازت ان دونون رسالون کو عطا فرما دی ہے،

نظام المشائخ کا رسول نمبر، اڈیٹر جناب ملا واحدی نظامی، کوچہ چیلان، دہلی، ۱۴۴ صفحے، [illegible]

نظام المشائخ کا رسول نمبر بھی ماہ ربیع الاول مین نکلا ہے، جس مین آنحضرت صلعم کی سیرت پاک کے مختلف پہلو مختلف مضامین مین نمایان کئے گئے ہین، مضامین بعض پہلے کے مطبوعہ ہین، اور بعض اس خاص نمبر کے لئے لکھے گئے ہین، جنین ڈاکٹر سعید احمد صاحب کا مضمون "عالم بالا مین ایک الوداعی جلسہ اور رسول اللہ صلعم کا دربار" اپنی جگہ دلچسپ اور ایک خاص نوعیت رکھتا ہے، لیکن شبہہ یہ ہوتا ہے کہ آئندہ چل کر ایسے مضامین سے لوگون کو سیرت پاک

کو تمثیل (ڈرامہ) کا خدانخواستہ تختۂ مشق بنانے کی جرأت نہ ہو جائے کہ اس کے افادہ کے امکان عقلی کے تمام پہلوون کے باوجود عملاً کسی طرح نہ اسکی اجازت دیجاسکتی ہے، اور نہ کسی شکل و صورت مین شریعت اسلام کے رو سے یہ جائز ہو سکتا ہے، اس نمبر کی علحدہ کوئی قیمت نہین، رسالہ کی سالانہ قیمت ع۸ مین یہ رسالہ بھی ملیگا،

رسالہ ہمدرد صحت کی اشاعت خاص، مرتبہ جناب حکیم عبدالحمید صاحب دہلوی، ہمدرد منزل لال کنوان، دہلی، ۲۰۸ صفحے، قیمت ۱۰ر معمولی اڈیشن ۶ر

دہلی کے طبی رسالہ ہمدرد صحت کا خاص نمبر "تجدید و اعادۂ شباب اور درازیٔ عمر" کے نام سے نکلا ہے، اردو زبان مین اس بحث کی اشاعت، خصوصیت کے ساتھ ڈاکٹر اشرف الحق صاحب حیدرآباد دکن، نے کی ہے، ان کے بہ کثرت رسائل جو تالیف و ترجمہ دونون پر مشتمل ہین، مختلف عنوانون سے چھپ چکے ہین، ہمدرد صحت کے اس نمبر مین موصوف کے رسالون کے اقتباسات کثرت سے چھاپے گئے ہین، اس پرچہ کی سب سے اہم خصوصیت فن اعادۂ شباب کے مشہور ماہر خصوصی ڈاکٹر ہیلین جاوورسکی، پیرس کی اس رسالہ کی جانب نگاہِ توجہ ہے، موصوف نے کارکنانِ رسالہ کی استدعا پر اپنے مختصر حالاتِ زندگی اور اپنا اس فن کے متعلق تجربہ "اعادۂ شباب کا آسان طریقہ" اردو کے اس رسالہ کو لکھ کر بھیجا ہے، مضامین چار مختلف ابواب "نظریات" "تشریح و تبصرہ" "تجدید شباب درازی عمر کے قدرتی ذرائع" "فن اعادۂ شباب اور ویدک" "فن اعادۂ شباب کے دوائی ذرائع" کے ماتحت تقسیم ہین جنین نظری و عملی ہر حیثیت سے اس فن کو پیش کیا گیا ہے، رسالہ مین فن کے ماہرین خصوصی، مضمون نگارون اور ایسے مریضون کی تصویرین علاج سے پہلے اور بعد دونون کی ہین، جنھون نے عمل "تعلیم" یا اپریشن وغیرہ کے ذریعہ علاج کرایا، مجموعی حیثیت سے اپنے موضوع پر یہ ایک حاوی رسالہ ہے، جو محنت اور توجہ سے مرتب کیا گیا ہے،

عصمت کا سالگرہ نمبر (مصور) اڈیٹر جناب رازق الخیری، ۲۱۶ صفحے، قیمت قسم اول عمر دوم عہر، دفتر عصمت دہلی،

رسالۂ عصمت عورتون کا قدیم زنانہ رسالہ ہے، جو ماہانہ کامیابی کے ساتھ جاری ہے، اس کا سالگرہ نمبر

ماہ جولائی مین نکلا ہے، اس مین مذہب، اخلاق، معاشرت، تاریخ، سیر و سیاحت، افسانے، ڈرامے، ادب و انشا، خانہ داری اور صنعت و حرفت وغیرہ کی سرخیان بطور ابواب کے ہین، اور ان کے ماتحت ہندوستان کی بلند پایہ خواتین و اہل قلم کے مفید و سنجیدہ مضامین ہین، رسالہ عصمت عورتون کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، خدا اس کی عمر مین برکت دے،

دو نئے رسالے گذشتہ مہینہ مین رسالون پر تبصرہ کرنے کے بعد دو نئے رسالے ملے، جو اسی ششماہی مین نکلے ہین، وہ دونون قانون صحت لاہور، اور الفرقان بریلی ہین،

قانون صحت، مرتبہ جناب حکیم محمد مسعود صاحب، دفتر رسالہ قانون صحت و اپل شفاخانہ، محلہ جلوٹیان، بھاٹی دروازہ، لاہور، ۴۸ صفحے، قیمت سالانہ عہ، ہر پرچہ ۲ر

یہ ایک مفید طبی رسالہ ہے، جو ماہ مئی ۳۳ء سے نکلا ہے، اس کا پہلا نمبر ہمارے سامنے ہے، رسالہ کے تقریباً سب مضامین اس کے سرپرست جناب حکیم محمد افضل صاحب کے ہین، مضامین کا اندازہ ان کے عنوانون سے کیا جا سکتا ہے، "حسن و سنگار" "طلبہ کی غذا"، "نگہداشت و پرورش اطفال" "چلنا پھرنا" "آنکھ" "ہیضہ" اور "طاعون کا ٹیکہ" وغیرہ مضامین بظاہر نظر پر از معلومات ہوتے ہین،

الفرقان، مرتبہ مولوی منظور نعمانی، ۲۷ صفحے، دفتر الفرقان، بریلی، یو پی، قیمت سالانہ عے، ہر پرچہ ۵ر

الفرقان، ایک مذہبی و تبلیغی رسالہ ہے، جو دار المناظرات بریلی سے نکلا ہے، رسالہ کا مقصد توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کا رد کرنا ہے، مضامین اپنے موضوع کے لحاظ سے اچھے ہین، لہجہ مین مناظرانہ شان پائی جاتی ہے، "دیوبندی و رضاخانی مناظرات" کی روداد بھی موجود ہے، رسالہ کی لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، ماہ ربیع الاول سال رواں سے نکلا ہے،

"ر"

مطبوعات جدیدہ

سنن کبریٰ، بیہقی جلد خامس، تقطیع کلان، صفحات ۳۷۰، دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن،

دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن چند سال سے امام بیہقی کی مشہور سنن کبریٰ مع جوہر نقی للترکمانی کی اشاعت مین مصروف ہے، اسکی چار جلدین پہلے شائع ہوچکی ہین، اب پانچوین جلد شائع ہوئی ہے، اس جلد مین بقیہ کتاب الحج سے لیکر کتاب البیوع مین رباؤ دین تک کی حدیثین شامل ہین، کتاب کے آخر مین دو فہرستین دی گئی ہین، پہلی مضامین وابواب کی اور دوسری راویون کی ہے، اس دوسری فہرست کی ترتیب مین مصححین نے بڑی محنت کی ہے، ہر صحابی و تابعی کی جو جو روایتین جلد مذکور مین آئی ہین، ہر صحابی اور تابعی کے نام کے نیچے ان کا حوالہ بقید صفحات بتایا گیا ہے، اور ان روایات کا درجہ بھی رموز مین ظاہر کیا گیا ہے، سب سے آخر مین تین صفحون کا غلط نامہ ہے، جو کتاب کی ضخامت دیکھتے ہوے بہرحال مختصر ہے، کتاب کا ٹائپ بھی اچھا ہے، اور چھپی بھی صاف ہے،

یہ جلد چار قلمی نسخون سے مقابلہ کرکے صحیح کیگئی ہے، پہلا نسخہ مدراس کا تھا، دوسرا سندھ کا، تیسرا کتبخانۂ مصر کا اور چوتھا ریاست رامپور کا، مصححین نے ان چارون نسخون سے مقابلہ کرکے اپنا نسخہ تیار کیا، اور حاشیون مین اختلافات نسخ لکھدیئے گئے ہین، ہم کو خوشی ہے کہ ہمارے ملک مین کتابون کے بقدر استطاعت صحیح چھاپنے کا ذوق ترقی کررہا ہے،

اخبار مکہ للازرقی، جلد اول، تقطیع متوسط، صفحات ۳۰۴، مطبعۂ ماجدیہ، مکہ مکرمہ،

حجاز، مکہ معظمہ اور خانۂ کعبہ کے حالات و تاریخ مین سب سے قدیم کتاب یہی امام ازرقی کی تاریخ مکہ ہے، جو تیسری صدی ہجری کے اوائل مین لکھی گئی ہے، یورپ مین اس کتاب کو جرمن فاضل وستنفیلڈ نے بہت دن ہوے کہ چھاپکر شائع کیا تھا، لیکن مدت سے اس کا کوئی نسخہ بازار مین موجود نہ تھا، اور شائقین کو اسکی بیحد ضرورت تھی، مکہ معظمہ مین مطبعۂ

ماجدیہ کے نام سے ایک نیا علمی مطبع قائم ہوا ہے، نجدی فاضل رشدی صالح ملحس نے بڑے اہتمام اور پوری تصحیح اور بعض قلمی نسخون کے مقابلہ سے اب نئے سرے سے اسکی چھپائی کا کام شروع کیا ہے، اور ہم بڑی مسرت کے ساتھ اسکا اظہار کرتے ہین کہ ہمارے عرب فاضل کی تصحیحات و تحقیقات و حواشی جرمن فاضل سے بلند تر ہین، اور اس بنا پر یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ گذشتہ جرمن اڈیشن سے یہ نسخہ زیادہ خوب، زیادہ صحیح اور زیادہ مفید ہوگا، شروع مین مصحح نے تصنیف اور مصنف کے تحقیقی حالات اور کتاب مین جابجا کثرت سے حواشی لکھے ہین، جس سے نسخۂ مذکور کی افادیت مین بہت اضافہ ہو گیا ہے، آخر مین خانۂ کعبہ، اور اصنام پر تعلیقات درج ہین، اور سب کے بعد اسماؤ اعلام اور مضامین کی متعدد فہرستین ہین، امید ہے کہ بقیہ جلدین بھی اسی اہتمام سے طبع ہونگی،

مونس العشاق، للشیخ شہاب الدین سہروردی مقتول، مصححہ و مرتبہ پروفیسر اوٹو اسپیس استاذ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ، تقطیع کتابی صفحات ۶۷،

حکیم ابو الفتح یحییٰ بن حبش شہاب الدین سہروردی مقتول جنکی حکمۃ الاشراق مشہور کتاب ہے، انہی کا یہ ایک فارسی رسالہ ہے، جرمن فاضل پروفیسر اسپیس نے قسطنطنیہ کے کتبخانون سے اس رسالہ کے متعدد نسخے فراہم کیے اور تصحیح کی، اور اب ہندوستان آکر اس کی اشاعت کی ہے، کتاب جامعہ پریس دہلی مین ٹائپ مین چھپی ہے، کتاب کی زبان فارسی ہے، اصل رسالہ ۴۹ صفحون مین، بارہ مختصر فصلون کے اندر تمام ہوا ہے، اور اس کے بعد کسی نامعلوم مصنف نے ۱۷ صفحون مین اس کی مختصر سی شرح لکھی ہے، بلکہ یون کہئے کہ حاشیے لکھے ہین، اصل موضوع حسن و عشق اور یوسف و زلیخا کے رمز و اشارہ مین حکیمانہ تصوف کے چند ابتدائی نکتون کی تشریح ہے، اصل رسالہ مین بہت سے فارسی اشعار ہین، جو عموماً دوسرے شعراء کے معلوم ہوتے ہین، غالباً یہ مونس العشاق وہی رسالہ ہے جس کا ذکر شہرزوری نے سہروردی مقتول کی تصنیفات کی فہرست مین رسالۃ العشق کے نام سے کیا ہے،

کتاب کے آخر مین پروفیسر صاحب نے انگریزی مین تصنیف اور مصنف کے مختصر حالات لکھے ہین، حالات کے ماخذ مین تعجب ہو کہ پروفیسر صاحب نے شہرزوری کی کتاب کا نام نہین لیا، حالانکہ مصنف کے قدر دانون مین اسکا پہلا نمبر

ہے اور اس سے قریب تر بھی ہے،

مثنوی مولنا رومی کا طبع عکسی، شش دفتر، تقطیع کلان، مطبوعہ جرمنی، ضخامت ۴۵۶ صفحے،

دفتر آثار قدیمہ حیدرآباد دکن،

ارباب نظر کی نگاہون مین مثنوی مولانائے روم کی جو قدر و قیمت ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہر دور اور ہر عصر مین اس کے بہترین نسخے تیار کیے گئے اسوقت بھی دنیا مین اسکے ہزارون نادر نسخے ملتے ہین، حیدرآباد دکن کے چند خوش مذاق علم دوست امرا کو جن مین اول نمبر نواب سرامین جنگ بہادر کا ہے، یہ خیال ہوا کہ مثنوی کے کسی پاکیزہ خوشخط نسخہ کو فوٹو ٹائپ مین چھاپکر شائع کرین، چنانچہ عجائب خانہ حیدرآباد دکن مین مشہور کاتب میر عماد الحسینی شہید سنہ ۱۰۲۴ھ کے پڑپوتے عبدالکریم بن میر ملکی ولد میرزا ابراہیم بن عماد الحسینی کے ہاتھ کا لکھا ہوا جو نسخہ حال مین خریدا گیا تھا، اسکو اس کام کے لئے منتخب کیا گیا، اور جرمنی کے شہر میونخ کے مطبع برکمان مین یہ نسخہ فوٹو ٹائپ سے انتہائی خوبی اور خوش مذاقی کے ساتھ چھاپا گیا، اصل خط کا پورا حسن موجود ہے، یہ اہتمام کیا گیا کہ اصل نسخہ کے کاغذ کا بادامی رنگ بھی اس اڈیشن کے کاغذ مین محفوظ رہے، غرض خط اور تقطیع سے لے کر جدول و کاغذ ہر ایک چیز مین اصل کی مشابہت قائم رکھی گئی ہے، اصل نسخہ کی کتابت متن کے علاوہ حاشیہ پر بھی ہے، اس طرح ۴۵۶ صفحون مین مثنوی کے چھ دفتر آسانی سے سما گئے ہین، اور پورا نسخہ ایک جلد مین آگیا ہے، کتاب کی خوبی و خوش مذاقی و طباعت کا اہتمام اور مقدمہ نویسی کا فرض جناب مولوی غلام یزدانی صاحب ڈائرکٹر محکمۂ آثار قدیمۂ دولت آصفیہ نے ادا کیا ہے، کتاب کی خوبصورت چرمی جلد ہے اور اس پر بادامی کاغذ لپٹا ہے، اور وہ کاغذ کے ایک عمدہ بادامی بکس کے اندر بڑے اہتمام سے رکھی ہے، اس اہتمام اور خوش سلیقگی سے شاید ہی ہندوستان مین کوئی کتاب چھپی ہو،

فتوح الشام ازدی، ترجمہ مولنا عبدالرزاق ملیح آبادی، ناشر ہند بک ایجنسی نمبر ۲ اے، چتر رنجن ایونیو، کلکتہ، ۴۱۲ صفحات، تقطیع چھوٹی، عہ

ازدی کی فتوح الشام، عہد صدیقی و فاروقی کی اسلامی فتوحات پر قدیم و مستند تصنیف ہے، آئرش فاضل، ولیم

ناسولیس، کی تصحیح و تحشیہ کے ساتھ ۱۸۵۴ء مین ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کی جانب سے شائع ہوئی تھی، اس کا عربی نسخہ ان دنون کمیاب ہے، مولنا عبدالرزاق ملیح آبادی شکریہ کے مستحق ہین، کہ انھون نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے، ترجمہ صاف سلیس اور روان ہے، کتاب مین فتح قیساریہ تک کے حالات ہین جو مسلسل روایتون کے ذریعہ بیان کئے گئے ہین ان روایتون مین اس عہد کے ذہنی، اخلاقی و اجتماعی حالات کے اشارات بھی ملتے ہین، امید ہے کہ یہ کتاب اردو دان طبقہ مین دلچسپی سے پڑھی جائیگی،

شہید کربلا، از مولنا عبدالرزاق ملیح آبادی، ۱۰۵ صفحات تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر، ہند بک ایجنسی نمبر ۲۰ اے چترنجن ایونیو کلکتہ،

سانحۂ کربلا کی ایسی مکمل و مستند تاریخ، جو حشو و زوائد اور جذبات سے پاک ہو، در محض اسی موضوع پر لکھی گئی ہو، واقعہ ہے کہ اردو مین موجود نہ تھی، یہ کمی مولانائے ملیح آبادی نے اپنی اس کتاب سے پوری کی ہے، اس مین پہلے تمہید کے طور پر نزاعِ خلافت کے حالات چند سطرون مین لکھے گئے ہین، پھر یزید کے ولیعہد بنائے جانے سے لیکر خاندان رسالت کے لٹے ہوئے قافلہ کی مدینہ کی واپسی تک کے واقعات لکھے ہین، کتاب کے ماخذ طبری اور دوسری تاریخین ہین، واقعات کو حتی الامکان چشمدید اور شریک معرکہ راویون کے الفاظ مین بیان کیا ہے، یعنی انہی روایتون کا سلیس لفظی ترجمہ اچھے اسلوب اور طرز بیان مین کر دیا ہے، اور ان مین تسلسل و ربط پیدا کرنے کے لئے دو دو تین تین فقرون مین اشارات کر دیئے ہین، یہ طریق تالیف اگرچہ سب سے زیادہ سادہ لیکن نہایت محفوظ ہے، جس مین مؤلف کی ذاتی رایون اور رجحانات کا دخل نہین ہونے پاتا، روایتین حتی الامکان مستند ماخذ کی ہین، امید ہے کہ اردو دان طبقہ مین یہ رسالہ پوری مقبولیت حاصل کریگا،

گمراہ صوفی، از مولنا ملیح آبادی، ۹۱ صفحے، تقطیع چھوٹی، ۷ر، ہند بک ایجنسی، نمبر ۲۰ اے چترنجن ایونیو کلکتہ،

یہ رسالہ علامہ ابن جوزی کی مشہور تصنیف "تلبیس ابلیس" کی چند فصلون کا اردو ترجمہ ہے جسمین تصوف حقیقی و تصوف باطل کے درمیان امتیاز دکھایا ہے، ابن جوزیؒ نے صحیح تصوف اس کو قرار دیا ہے، جو حضرت جنید بغدادی، شبلی، ابو یزید

بسطامی، اور رویم رحمہم اللہ کا مسلک و مشرب تھا، اور انہی اکابر صوفیہ کے ملفوظات و اقوال سے تصوف کی تعریف سمجھائی ہے، پھر دکھایا ہے کہ رفتہ رفتہ زہد و تصوف کے دائرہ مین فاسد عقائد و خیالات و اعمال داخل ہوئے، اور حق و باطل کی تمیز جاتی رہی، خانقاہون نے دیر کی شکل اختیار کر لی، عقائد باطلہ کی بنیادون پر کتابین تصنیف ہوئین، متقدمین اکابر صوفیہ امراؤ سلاطین کی مجلسون اور دربارون سے نفور رہتے تھے، لیکن متاخرین صوفیہ لباسِ زہد پہن کر حب جاہ و مال کے لئے دربارون مین جانے لگے، اسی ضمن مین اپنے زمانہ کے صوفیون کے مختلف عادات و خصائل لکھے ہین اور اس مسلک و مشرب سے متقدمین صوفیائے صالحین کا جو اختلاف رہا ہے، اور ان عادات و خصائل کی اسلامی نقطۂ نظر سے جو حیثیت ہے، اس کی توضیح کی ہے، مولانائے ملیح آبادی رد بدعات کے لئے جو کوششین کر رہے ہین، وہ نہایت مستحسن ہین، لیکن رسالون کے ترجمون اور مطالب کے بیان مین نہایت حزم و احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے، یہ افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ مولانا کے اردو ترجمون کے متعلق ایک خیال یہ ہوتا جاتا تھا کہ بیانِ مطالب مین وہ حزم و احتیاط نہین برتتے، اس لئے ہم نے اس رسالہ کو اصل کتاب سے جابجا ملا کر دیکھا، یہ دراصل محض ترجمہ ہے، انھون نے حسن مذاق کے ساتھ کم از کم الفاظ و عبارت مین مصنف کی لمبی عبارتون کو ملخصاً منتقل کر لیا ہے، اور جہان غیر ضروری چیزین نظر آئین انھین ترک کر دیا ہے، اور مسرت ہوئی کہ بیشتر صفحات کو اصل کتاب سے بالمقابل ملا کر پڑھنے کے باوجود ہم نے اس ترجمہ کو محتاط پایا، البتہ صرف ایک مقام پر ایک لغزشِ قلم دکھائی دی، جو یہ ہے،

"پھر ابو حامد غزالی نے آکر احیاء العلوم لکھی، اور	"وجاء ابو حامد الغزالی، فصنف لهم
اسے باطل حدیثوں سے بھر دیا،" یہ حضرت	کتاب الاحیاء علی طریقۃ القوم وملاہ
علم حدیث سے کورے تھے؛ جو حدیثین لکھ	بالاحادیث الباطلۃ وھو لا یعلم بطلانہ
گئے ہین، ان کی حقیقت سے بیخبر تھے۔" (گمراہ صوفی ص۱)	(تلبیس ابلیس ص ۱۶۷)

ظاہر ہے کہ اس ترجمہ مین امام غزالی کے متعلق یہ فقرہ کہ "یہ حضرت علم حدیث سے کورے تھے" نہ ابن جوزی کا ہے اور نہ ان کی عبارت سے مستفاد ہو سکتا ہے، بلکہ محض مترجم کا اضافہ ہے، احتیاط کا اقتضا ہے کہ قلم کو ایسی

چیزون سے بھی بچا یا جائے،

افسانہائے عشق، از جناب حامد علی خانصاحب، بی اے، اسسٹنٹ اڈیٹر ہمایون، ۱۸۲ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ، جلد خوبصورت سنہری، قیمت مجلد عہ، دفتر ہمایون ۲۳، لارنس روڈ، لاہور،

"افسانہائے عشق" چند افسانون کا مجموعہ ہے، جو عمدہ سائز، نفیس لکھائی چھپائی، اور اچھے کاغذ پر چھپا ہے، افسانون کی تعداد ۱۶ ہے جو غیر زبان سے منتقل کئے گئے ہین، ان مین چند افسانے ٹیگور کے اور بعض، بابو رامانند چٹرجی اڈیٹر ماڈرن ریویو کلکتہ کی لڑکیون سنتا اور سیتا چٹرجی کے لکھے ہوئے ہین، ان تمام افسانون مین مشرق کے پاکیزہ جذبات عشق و محبت کی ترجمانی کیگئی ہے، اور ان کا خاتمہ ناکامی و حرمان نصیبی کے کیف انگیز، پر اثر اور دلدوز مرقعون پر ہوتا ہے، اور مشرق کے صحیح شریفانہ جذبات کی پوری مصوری نظر آتی ہے، ٹیگور وغیرہ کے افسانے آئے دن اردو رسالون مین چھپتے رہتے ہین، لیکن ان افسانون کے ترجمون کی زبان و طرز ادا مین جو لطافت، شیرینی، اور شعریت کیساتھ جو سلاست، سادگی، روانی، اور دلکشی نظر آئی، وہ اردو کے مترجمہ افسانون مین کم دیکھنے مین آتی ہے، اس لئے اگر غیر زبان کے بلند پایہ افسانے ہماری اردو زبان مین ایسے ہی خوش مذاق اور سنجیدہ اصحاب قلم کے ذریعہ منتقل ہون تو اردو زبان کی بڑی خدمت انجام پائے،

رسالہ حسب و نسب، مرتبہ جناب مولانا حکیم سید محمد عثمان صاحب ندوی، ۵۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، ۵/ مؤلف سے محلہ بیگہ، شیخپورہ، ضلع مونگیر، کے پتہ سے طلب کرین،

مصنف نے اس رسالہ مین دکھایا ہے کہ حسب و نسب بھی شرف مجد کا ایک معیار ہے، اگرچہ یہ بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ شرافت نسب پر فخر و غرور جائز نہین، اسی مفہوم کو انھون نے آیات قرآنی، احادیث اور احکام فقہی کی روشنی مین پیش کیا ہے، پھر چند شبہات کا جواب دیا ہے، جن مین یہ بھی ہے کہ حسب و نسب کا تخیل مساوات اسلامی کے منافی نہین، اور سب سے آخر مین جدید علماے سائنس و ارباب علوم جدیدہ کے آرا و افکار سے دکھایا ہے کہ حسب و نسب کا اثر فطرت انسانی پر اچھا اور برا پڑتا ہے، خصوصًا اخلاق انسانی اس سے متاثر ہوتے ہین، اس مین شبہہ نہین کہ اس موضوع

پر مصنف کے بیشتر دلائل صحیح ہین، اگرچہ بعض مقامات پر دلائل مین کمزوریان بھی ہین، تاہم "کلکم من بنی آدم وآدم من تراب" کو اس سلسلۂ بحث مین پیش نگاہ رکھنا چاہئے، یہ دوسری بات ہے کہ کسی جماعت کا کوئی فرد اپنے حسب ونسب کے اعتبار سے کسی دوسری جماعت کے کسی فرد سے اپنے ازدواجی تعلقات قائم کرنے مین احتیاط برتے، لیکن یہ صحیح نہین کہ دوسری جماعت کے افراد اپنے زہد وورع وتقویٰ، علم وفضل، اور اخلاق حسنہ سے متصف ہونے کے باوجود اجتماعی زندگی مین بھی اس پہلی جماعت کے افراد سے فروتر سمجھے جائین، ہم مصنف کے نقطۂ نظر کو جہانتک معلوم کر سکے وہ بھی اسکے مؤید ہین،

بہار مین ابوالعلائی فیضان
خانقاہ داناپور

مرتبہ جناب سید شاہ حسین الدین احمد صاحب منعمی ابوالعلائی، سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ ابوالعلائیہ، گیا، حجم بہ ترتیب ۲۸، ۱۸، صفحے،

جناب سید شاہ حسین الدین احمد صاحب منعمی ابوالعلائی، صوبہ بہار کے اُن ذی علم مشائخ مین ہین، جو کچھ نہ کچھ علمی حیثیت سے بھی تصوف کی خدمت کیا کرتے ہین، ابھی کچھ دنون پیشتر انھون نے حضرت سید شاہ عطا حسینؒ کی ضخیم فارسی تصنیف کیفیۃ العارفین ونسبۃ العاشقین ترتیب وتحشیہ کے ساتھ شائع کی، اب انھون نے یہ زیر نظر دو رسالے لکھے ہین، ان مین سے پہلے رسالہ **بہار مین ابوالعلائی فیضان** مین حضرت سیدنا ابوالعلاء اکبرآبادیؒ کے جامع سوانح حیات کے ساتھ ان کے ان خلفاء اور ان کے اخلاف کا تذکرہ کیا ہے، جن کے ذریعہ سے صوبہ بہار مین اس سلسلہ کی اشاعت ہوئی، اور اسی ضمن مین صوبہ کی ابوالعلائی خانقاہون اور ان کے مشائخ کا تذکرہ آیا ہے، اس رسالہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوبہ بہار مین اس سلسلہ کی اشاعت کے کیا اسباب پیش آئے، کہ دراصل اس صوبہ سے اس سلسلہ کا تعلق اسی وقت سے پیدا ہوتا ہے، جب اس کے بانی حضرت سیدنا ابوالعلاءؒ نے داؤد شاہ کو بحیثیت شاہی سپہ سالار کے شکست دی، اور پھر حضرت مخدوم دولت منیریؒ کے یہان قصبۂ منیر متصل داناپور مین تشریف لائے، اور یہان سے اکتساب فیض کے بعد دہلی تشریف لے گئے، اور وہین ترک علائق دنیاوی کا اعلان فرمایا،

دوسرے رسالہ **خانقاہِ داناپور** مین اس خانقاہ کے عہد آغاز سے دور حاضر تک کی سرگذشت بیان کیگئی ہے، اس رسالہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ خانقاہ منعمیہ گیا، دراصل یہی خانقاہ داناپور ہی

ہے،

جلد ۳۴ | ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۳۴ء | عدد ۳

مضامین

شذرات،	سید سلیمان ندوی	۱۶۲-۱۶۴
قلعۂ جدید و چمن،	"	۱۶۵-۱۷۳
مغرب کی خوفناک غلطی اور اس کا ازالہ،	جناب چودھری غلام احمد پرویز بی اے، نئی دہلی،	۱۷۴-۱۸۷
کمال الدین وحشی،	جناب سید ابو سعید بزمی بھوپالی، بی اے، سہارن پور،	۱۸۸-۲۰۲
علم الحیوانات پر ایک نئی توجہ،	جناب محمد سعید صاحب عثمانی، ہوشیار پوری، بمبئی،	۲۰۳-۲۰۷
نامۂ کیمبرج،	جناب پروفیسر تاثیر، ایم اے، کیمبرج،	۲۰۸-۲۱۴
"دہ فصل تبریزی"،	"س"،	۲۱۵-۲۱۷
دانش گاہ ایران،	"ر"	۲۱۸-۲۲۰
ترکی کی وزارتِ تعلیم و حفظانِ صحت کی دہ سالہ خدمات	"	۲۲۰-۲۲۵
کرۂ ارض کے علاوہ کسی اور سیارہ پر حیات کا امکان	"ع ز"	۲۲۵-۲۲۶
اخبارِ علمیہ،	"	۲۲۷-۲۳۰
کلامِ طاہر،	جناب صفی الدولہ حسام الملک شمس العلماء نواب سید علی حسن خانصاحب طاہر، بھوپال ہاؤس لکھنؤ،	۲۳۱
خونِ جگر،	جناب جگر مرادآبادی،	۲۳۱-۲۳۲
مطبوعاتِ جدیدہ،	"ر"	۲۳۳-۲۴۰

شذرات

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ مین بڑی خوبی کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ اشخاص و افراد کی طرح قومون کی بھی عمرین ہوتی ہین، وہ بھی پیدا ہوتی ہین، جوان ہوتی ہین، بوڑھی ہوتی ہین، اور مرجاتی ہین، دنیا کی تمام تاریخین اس نظریہ کے ثبوت مین ہین، اور کہا جاسکتا ہے، کہ اب فلسفۂ تاریخ کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے،

* * *

لیکن اگر زیادہ دقت نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا، کہ اقوام کے ان مختلف دورون مین ان کی زندگی کے خصوصیات و لوازم بھی الگ الگ ہوتے ہین، بچپن مین ان کی خواہشین بچّون کی سی ہوتی ہین، جوانی مین جوانون جیسی اور بڑھاپے مین بوڑھون کی طرح، ان اقوام کی تعلیم و تربیت کے اصول بھی نوعمرون ہی کی تعلیم و تربیت کے مماثل ہوتے ہین،

* * *

قوم کے مصلح، قوم کے معلّم ہوتے ہین، کامیاب معلّم وہی ہے جو تعلیم و تربیت کے ان فطری اصول کی پیروی کرتا ہے، جسطرح استادون کو اس کی ضرورت ہے کہ طلبہ کو صبح خیزی، ورزش اور جد و جہد کی عادت دلائین، اور اُن کو آرام طلبی، راحت جوئی، وضعداری، اور فیشن پرستی سے باز رکھین، اسی طرح قوم کے مصلح کے لئے ضروری ہو کہ وہ اس کو عیش پرستی، آرام طلبی اور تعطّل سے باز رکھکر محنت، جد و جہد اور دوڑ دھوپ مین مصروف رکھے، اور اسی سے اسلام کے جہاد کی حقیقت اہلِ بصیرت پر روشن ہوگی،

* * *

استادون کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچون سے ایک کام کو شروع کرا کر، دلجمعی اور استقلال کے ساتھ اسکو اُن سے پورا

کرائے، تاکہ ان مین عزم و استقلال پیدا ہو، اور ایک کامیابی سے دوسری کامیابی کی ہمت بڑھے، اور حوصلہ بڑھے، ایسے ہی قوم کے مصلح کا فرض ہے کہ قوم کے سامنے جب کوئی تجویز پیش کرے، تو اس پر عمل فوراً شروع کرادے، اور جیسے بنے اس سے اس کام کو پوری مستعدی اور جوش و خروش کے ساتھ سرانجام کرادے، تاکہ ایک کامیابی کے نشہ مین وہ دوسرے کام کو پورے زور کیساتھ کرسکے، اور اس طرح اس کا عزم پختہ، استقلال مضبوط، ہمت بلند اور حوصلہ بڑھتا رہے، اگر اس اصول کی پیری نہ کیجائیگی تو قوم کا عزم روز بروز کمزور، استقلال مفقود، ہمت پست اور حوصلہ فنا ہوتا رہیگا،

* * *

ہندوستانی مسلمانون کی موجودہ قومی تعلیم و تربیت کے دور مین اس اصول کی سب سے کم پروا کیگئی، بلکہ انجمنون اور کانفرنسون نے جو ان کی تعلیم و تربیت کیلئے بنائی گئی تھین سب سے زیادہ ان کو نکما اور سست بنانے مین مدد دی، انھون نے اپنی قوم کی یہ عادت ڈلوائی کہ وہ بڑی بڑی تجویزون کے ذریعہ جنکا اصطلاحی نام "ع برعکس نہند نام زنگی کافور" "رزولیوشن" یعنی "اظہار عزم" رکھا، مگر عملاً اس کے معنی بات بنانے کے قرار دیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ قوم باتونی تو ہوگئی، مگر کامی نہ ہوئی،

* * *

ہر انجمن اور کانفرنس کی روداد ان "قومی عزائم" کی فہرست سے معمور ہے، مگر جہانتک عمل کا سوال ہے، ان مین سے ہر ایک ہمارے قومی ضعف، روحی انحطاط اور اخلاقی کمزوری کا ایک ایک قدم ہے، مسلمانون کی اگلی تاریخ کو چھوڑیئے، خود ہندوستان مین ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء مین اسکا مشاہدہ ہوا، اور روسی اشتراکیون اور کمالی ترکون نے اپنے پنج سالہ پروگرامون کے ذریعہ دکھادیا کہ قومون کی تعلیم و تربیت کس طرح ہوتی ہے، اسی ایک نکتہ سے احکام قرآنی کے بتدریج نزول کی حکمت سمجھ مین آسکتی ہے، قرآن کا مقصد دنیا مین ایک عملی قوم پیدا کرنا تھا، محض نظری و خیالی نہین،

* * *

قومون کی تعلیم و تربیت کا بڑا راز یہ ہے کہ جو بات جماعتی و اجتماعی حیثیت سے انکی زبان سے نکلوائی جائے، اسکو کرکے چھوڑا جائے، تاکہ ان کے حوصلہ کا ہر قدم آگے بڑھتا رہے، اور انکی زندگی کا سرچشمہ جوش مارتا رہے، اس عہد کا سب سے بڑا ہندو مصلح

ٹھیک اسی اصول پر گامزن ہی، مگر مسلمان مصلحون کے طریقۂ تعلیم پر ذرا غور کرو کہ جنگ بلقان، جنگ طرابلس، واقعۂ کانپور، ہنگامۂ مسلم یونیورسٹی، جنگ عظیم، مسئلۂ خلافت، مسئلۂ مقاماتِ مقدسہ، مسئلۂ آزادی کس اہم مقصد پر ان کے مورچے مضبوطی کے ساتھ گاڑے گئے، اور انکو کامیاب بنا کر چھوڑا گیا، اب تک یہی عمل جاری ہی، آج ایک بات اٹھائی گئی، اور کل وہ بھلوا دیگئی، نتیجہ یہ ہے کہ روز بروز مسلمانون کے حوصلے پست، ہمتین ضعیف اور ارادے کمزور ہوتے جا رہے ہین، اور ان مین کسی ایک مورچہ پر جمکر لڑنے کا مادّہ اب تک پیدا نہین ہوا،

* * *

تعلیم و تربیت کا دوسرا اصول یہ ہی کہ انفرادیت فنا کر کے جماعتیت پیدا کیجائے، اور بار بار کے تجربون سے طالبعلمون کو مشاہدہ کرا دیا جائے کہ جماعتی طاقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہی، اور انفرادیت اس طاقت کی زندگی کیلئے زہر قاتل ہے، اسکولون اور کالجون کے تمام کھیل، اسی اصول کی تعلیم اور مشق کیلئے ہین، بوڑھی قومین جب فنا ہونے لگتی ہین تو انکی موت کے جراثیم اسی انفرادیت کی آب و ہوا مین پرورش پاتے ہین جس کے نتیجہ کے طور پر ان مین خود غرضی، عدم ایثار، ذاتی اعزاز کی طلب، اور قومی خیانت پیدا ہو جاتی ہی، اسلام کی ہر عبادت مین جماعت کی تعلیم اسی اصول کی حفاظت کے لئے ہے،

* * *

آج قومون کے مصلح اسی جماعتی قوت کی تعلیم کے لئے ایک روز اور وقت مقرر کر کے کبھی ہرتال، کبھی جلوس، کبھی جلسۂ عام، کبھی قومی روز و ہفتہ اور کبھی قومی عید اور تہوار منانے کی مشق کراتے ہین، مدتِ متعینہ مین مقررہ چندہ کی مقدار فراہم کرنے کی تجویز بھی اسی اصولِ تعلیم کا ایک سبق ہے، کیا مسلمان قوم کے موجودہ مصلحون سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ ان کی قوم اس سبق کو کہان تک یاد کر سکی، ایسی حالت مین ایسے اجتماعاتِ عامہ کا اعلان کرا کر اُن کا پورا نہ کرانا مسلمانون کے مرض کو کس تیزی سے بڑھا رہا ہے، یا تو بغیر کافی استعداد اور تیاری کے قوم کے منہ سے کوئی بات نکلوائی نہ جائے، اور نکلوائی جائے تو جس طرح ہو پوری کرائی جائے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو قومی ضعفِ عزم، انحطاطِ قویٰ، اضمحلالِ روح کو پیدا کر کے اس کو موت کے منہ مین ڈھکیل دینا ہے،

مقالات

قلعۂ جدید و چمن

۲ ر نومبر سنہ ۱۹۳۳ء

بلدیۂ قندھار کی دعوت سے معذوری

قندھار کے بعض معززین کا خیال تھا کہ یہان کی بلدیہ (میونسپلٹی) کی طرف سے ہم کو دعوت چائے دیجائے، اس کے لئے ضرورت تھی کہ کم ازکم ایک روز اور ٹھہرین، لیکن قربِ وطن کے شوق نے صرف ایک دعوت چائے کی خاطر ایک روز کی قربانی گوارا نہ کی، سرور خان گویا نے بہت اصرار کیا، مگر معذرت ہی کرنی پڑی، اور یہی طے پایا کہ آج ۲ ر نومبر کی صبح کو قندھار سے روانگی ہوگی،

قندھار کے باہر

قندھار کے باہر بھی بعض عمارتین اور شاہی وعمومی باغ ہین، جنمین سے بعض خاص طور سے مشہور ہین، مگر وقت کی تنگی کے سبب سے ان کو دیکھنے کا موقع نہ ملا،

دفاتر

سرکاری دفاتر کی عمارتون مین بھی جانے کا اتفاق نہ ہوا، سنا ہے کہ دفاتر کی عمارتین اچھی ہین، مگر ابھی ان کی تنظیم موجودہ متمدن نظام پر نہین ہوئی ہے، ایک قاضی ہر قسم کے مقدمات کا فیصلہ کرتا ہے،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ فصلِ مقدمات کا طریقہ جس قدر ابتدائی ہوتا ہے، اسی قدر مقدمات، کم اور اپنی طبعی صورت مین ہوتے ہین، اور جس قدر ان کی ترتیب وتنظیم اور قواعد وقوانین کی پرپیچ راہین اختیار کیجاتی ہین، اسی قدر نزاعات اور پیچیدہ مقدمات کی کثرت ہوتی جاتی ہے، ہندوستان مین اس کا مشاہدہ ہر انسان کرسکتا ہے،

پروانۂ راہداری کی تصدیق

جن لوگون کے پاس ہندوستان سے افغانستان جانے کے پاسپورٹ ہون ضرورت ہے کہ واپسی کے وقت واپسی کی اجازت اور تصدیق افغانی و برطانی دفاتر مین کرالین، ہم نے آسانی کے خیال سے کابل

ہی مین اس مرحلہ کو طے کر لیا تھا، چنانچہ پہلے افغانی دفتر نے اور پھر برطانی سفارت نے اس کی تصدیق کر دی،

"برائے رفتن ہندوستان، از راہ قلعۂ جدید قندھار"

اس کے بعد "برٹش لیگیشن کابل" نے اس پر اپنی مہرِ تصدیق ثبت کی،

جو لوگ کابل سے یہ تصدیق نامہ اپنے ساتھ نہ لائین، ان کے لئے ضرورت ہے کہ وہ قندھار مین برٹش کونسل اور حاکم قندھار کے دفتر سے اپنے پاسپورٹون پر یہ تصدیق کرالین، ورنہ اُن کو افغانستان سے نکلنے اور ہندوستان مین داخل ہونے کی اجازت نہ ملے گی،

قندھار سے روانگی آٹھ بجے صبح کو چائے اور ناشتہ سے فرصت کر کے قندھار سے روانگی کا سامان ہونے لگا، سواری مین وہی موٹر تھی، جس پر کابل سے اب تک مین اور ڈاکٹر صاحب بیٹھکر آئے تھے، یہ اچھی خاصی، وسیع اور نہایت آرام دہ موٹر تھی، کہہ چکا ہون کہ افغانستان سے ہندوستان آنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ برطانوی کونسل کے ایک فارم پر حسب ذیل امور کی خانہ پُری کر کے وہان پیش کرنا ہوتا ہے، موٹر کا نمبر، موٹر کے کارخانہ کا نام، مدتِ استعمال، موجودہ کیفیت، موٹر کے مالک کا نام، شوفر کا نام اور اسکی سند اجازت وغیرہ، جس موٹر پر ہم سوار ہو کر آئے تھے وہ ہندوستان پہلے بھی آ چکا تھا، اس لئے اسکا مذکورۂ بالا فارم برطانوی کونسل کا پہلے ہی پاس کیا ہوا موجود تھا، اس لئے کوئی دقت پیش نہین آئی، اسی طرح جس لاری پر سامان آیا تھا، وہ بھی مذکورۂ بالا مرحلہ کو پہلے ہی ختم کر چکی تھی، کہتے مین کہ یہ احتیاط اس لئے کیجاتی ہے تاکہ راستہ کی خرابی سے کوئی افتاد پیش نہ آئے،

روانگی کے وقت گورنر صاحب قندھار کی طرف سے ایک خریطہ مین کچھ خشک میوے اور قندھاری انار کے دو ٹوکرے تحفہ مین آئے، یہ ٹوکرے لاری مین لٹکا کر باندھ دیئے گئے تاکہ وہ دبنے سے خراب نہ ہون،

۹ بجے کے قریب ارکِ شاہی سے ہماری موٹر نے حرکت کی، لاری پر اسباب کے علاوہ وہ دستہ جو کابل سے ساتھ آیا تھا سوار تھا، سرور خان گویا جواب تک رفیقِ سفر مین، انکی تکلیف کے خیال سے ہم لوگ چاہتے تھے، کہ وہ قندھار ہی مین ٹھہر جائین، اور ہمارے ساتھ آگے نہ جائین، لیکن ان کی مہمان نوازی نے یہ گوارا نہ کیا، اور شاید کہ شاہی حکم بھی یہی ہو

بہرحال وہ بھی ساتھ روانہ ہوئے،

راستہ قندھار سے تھوڑی دور تک تو سڑک اچھی ملی، پل بھی تھے، مگر جون جون آگے بڑھتے گئے راستہ کی خرابی تکلیف دہ ہوتی گئی، اکثر پل ٹوٹے تھے، موٹرون کو ایسے مقامات پر پل سے نیچے اتر کر پھر بلندی پر چڑھنا پڑتا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہادر افغانون کے ساتھ ان کی موٹرین بھی بہادر ہوتی ہین جو ان خوفناک راستون کو اس طرح نڈر ہو کر طے کرتی ہین، افغان شوفرون کی بہادری کی بھی داد دینی چاہیے جو اس دشوار گذار راستہ کو بہ خوبی سے طے کرلیجاتے ہین

تختۂ پل قندھار سے چند میل نکل جانے کے بعد ایک منزل آئی جسکا نام تختۂ پل تھا، شاید اس نام کی اصلیت یہ ہو کہ یہان تختون کا کوئی پل بنا ہو، بہرحال ایک چنگی کی سرکاری عمارت ہے جو بدستور خام ہے، یہان قندھار سے آنے جانے والون کے اسباب کی دیکھ بھال ہوتی ہے، اور قابل محصول اشیاء پر چنگی وصول کیجاتی ہے، ہم لوگون کے ساتھ تحفہ کے چند قالین تھے، ان پر کابل ہی سے سرکاری طور پر ایک دھیلے کے برابر بھرا ہوا چپٹا سیسہ پتلے تار سے باندھ دیا گیا تھا، یہ شاید کابل کے چنگی خانہ کا نشان ہو، یا ان سامانون پر یہ لگایا جاتا ہو جن کو حکومت چنگی کے محصول سے مستثنی کردیتی ہو،

قاعدہ کے مطابق ہماری موٹرین بھی یہان آکر رکین، اور چنگی کے عمال نے سرسری طور سے دیکھ بھال کر ان کو آگے بڑھنے کی اجازت دی،

صحرائے سندھ وبلوچستان اب ہم جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے، راستہ خراب سے خراب تر آتا جاتا تھا، بلکہ یون کہئے کہ سرے سے راستہ ہی نہ تھا، ایک لق و دق ریگستان تھا، جسمین ہر موٹر اور لاری اپنا راستہ آپ تلاش کرلیتی ہے، موٹرون اور لاریون کی آمد و رفت سے ہر جگہ ریگ مین گڈھے پڑ پڑ جاتے تھے، اور پھر ہوا کے جھونکے ان کو تھوڑی دیر مین بھر دیتے تھے، آدھے آدھے پہئے ریگ مین دھنس دھنس جاتے تھے، ایک موٹر یا لاری کے گذرنے سے ایک لیک جب خراب ہو جاتی ہے، دوسرا موٹر اور لاری والا اپنی موٹر اور لاری کو اس سے بچا کر دوسری راہ اختیار کرلیتا تھا، اس طرح ہر روز ان سواریون کی آمد و رفت سے بیسیون نشان پڑ پڑ کر مٹ مٹ جاتے ہین، جہان کہین ذرا مٹی سخت بھی تھی تو وہ ان بھاری سواریون سے چور ہو کر سرمہ ہو گئی تھی، مگر بااین ہمہ اسی ریت کے دلدل سے ہو کر بیسیون لاریان آجا رہی تھین، دیکھنے والون کو

سب سے زیادہ ہولناک سمان یہ نظر آتا تھا کہ کسی لاری کے ایک طرف کے پہیے تو ریت مین دھنسے ہین اور دوسری طرف کے پہیے زمین کی اصلی سطح پر ہین، اس سے لاری ایک طرف اتنی جھکی معلوم ہوتی تھی کہ ہم کو ڈر لگتا تھا کہ یہ کہین الٹ نہ جائے ان سکنڈ ہینڈ پرانی لاریون والون کی بیکسی پر کس قدر افسوس ہوتا تھا جو ہم کو جگہ جگہ بیکار پڑی نظر آتی تھین اور اُن کے شوفر اُن کی درستی کے لئے اس بے نام و نشان صحرا مین کئی کئی گھنٹے مصروف رہتے ہین،

اس راستہ کے بیچ بیچ مین پہاڑ بہت کم آتے ہین، بلکہ گویا نہین ہین، اس لئے راستہ اور ریت کی دشواری جو کچھ ہو مگر درۂ خیبر والے راستہ کی طرح یہ خوفناک اور خطرناک نہین،

یہ صحراے ریگ افغانستان و ہندوستان، بلکہ ایشیاے وسطیٰ اور ہندوستان کا سب سے پرانا اور تاریخی راستہ ہے، تاریخ کو جب سے علم ہے یہ راستہ تجارتی کاروانون اور قافلون کی آمد و رفت سے معمور نظر آتا ہے، ہندوستان کے بہت سے فاتح اور کشورکشا اسی راہ سے ہندوستان مین داخل ہوئے، تیمور اسی راستہ سے ہندوستان آیا، ہمایون اسی راستہ سے ہندوستان سے نکل کر ایران مین داخل ہوا تھا، بلکہ عجب نہین کہ محمد بن قاسم ثقفی اسی طرف سے سندھ مین داخل ہوا ہو،

یہ صحراے ریگ قندھار کے حدود کے بعد سے شروع ہو کر بلوچستان و سندھ کے علاقون سے گذر کر بحر ہند کے سواحل تک یونہی چلا جاتا ہے، اس صحرا اور ہندوستان کے درمیان ایک پہاڑی سلسلہ دور سے برابر برابر ساتھ چلتا ہوا نظر آتا ہے، اور اسی مین وہ مشہور درۂ بولان ملتا ہے جس سے ادھر کے شمشیر آزما فاتح وادی سندھ مین اتر کر ہندوستان مین داخل ہوتے رہے ہین، احمد شاہ ابدالی بھی کئی دفعہ اس درہ سے گذر کر ہندوستان آیا تھا،

قلعۂ جدید قندھار سے آٹھ بجے کے قریب چل کر ۱۲ بجے کے بعد ہم قلعۂ جدید پہنچے، یہ اس سمت مین افغانستان کی آخری سرحد ہے، یہان ایک پرانا قلعہ نظر آیا، جو اب بالکل شکستہ ہے، دوسرا یہ نیا قلعہ ہے جس مین افغانی سرحدی چوکی اور جنگی خانہ اور پروانۂ راہداری کی دیکھ بھال کے دفاتر ہین، افغانستان کے عام دستور کے مطابق یہ قلعے بھی خام مٹی کے تھے، اُن کی چھتین بھی مٹی کی کچی تھین، اکثر چھوٹی چھتین گنبد نما تھین، قلعہ کے اطراف مین سپاہیون کے بارک تھے، ہندوستان کی آمد و رفت کے سبب سے یہان لاریون اور مسافرون کی اچھی خاصی چہل پہل تھی، کھانے اور

اور میوون کی دوکانین بھی نظر آتی تھین، باورچی کی دوکان جس کو دیسی ہوٹل کہئے وہ بھی موجود تھی،

ہماری موٹر جیسے ہی آکر رُکی، قلعہ کے سپاہیون نے صف بستہ ہوکر مہمانون کے اعزاز کا فرض ادا کیا، مامور صاحب جو یہان کے افسر تھے، زینہ سے اتر کر نیچے تشریف لائے اور مہمانون کا استقبال کیا، یہ نوجوان، خوش سلیقہ، انگریزی لباس مین ملبوس، سر پہ ہیٹ لگائے اور اسی کے ساتھ داہنے ہاتھ مین سنگِ شاہ مقصود کے بڑے بڑے زرد دانون کی تسبیح ہاتھ مین لئے ہوئے تھے،

تسبیح کا فیشن افغانستان مین اس قسم کی تسبیحون کا ہاتھ مین رکھنا ایک فیشن ہے، یہ عموماً بڑے بڑے تینتیس دانون کی تسبیح ہوتی ہے، جس کو ارباب منصب اور امراء ہاتھون مین لئے رہتے ہین، کبھی اُن کے دانون کو پھراتے ہین، اور کبھی اُنسے کھیلتے ہین،

قلعہ جدید مین قیام مامور صاحب ہم لوگون کو ساتھ لیکر، قلعہ کے بالائی حصہ مین گئے، چھت پر ایک سائبان اور چند کمرے تھے، جن مین سے ایک ملاقات یا کھانے کا کمرہ تھا، اور دوسرے مین مامور صاحب کا دفتر تھا،

کھانے کا سامان اور باورچی اور خدام کابل سے برابر ساتھ آرہے تھے، جہان جہان قیام ہوتا باورچی کھانا پکاتے اور خدام قرینہ سے میز سج کر کھانا کھلاتے تھے، یہان بھی انھون نے جلدی جلدی کھانے کا سامان کیا، اور انھین کمرون مین سے ایک مین میز پر کھانا لگانے کا انتظام کیا، ظہر کا وقت آچکا تھا، ہم نے ظہر کی نماز ادا کی، اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ قلعہ کی دیوار کے نیچے ایک چبوترے پر جو خاص نماز کے لئے تھا، سپاہی اپنی پوری وردیون مین آتے اور فریضۂ ظہر ادا کرتے، ہم نے اپنے ساتھ کے سپاہیون کو بھی اسی طرح نماز پڑھتے دیکھا، اور خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ انگریزی وردی کے تنگ کپڑے ہمارے ہندوستانی جنٹلمینون کی طرح ان افغان سپاہیون کے لئے ترکِ نماز کا عذر نہین بنے ہین،

یہ دیکھکر تعجب ہوا کہ پنجاب اور سرحد کے دیہاتون کی طرح یہان بھی کوٹھے کی بالائی چھت بیت الخلا اور استنجاخانے کے کام مین آتی ہے،

یہان ہمارے راہداری کے پروانون کی دوبارہ تصدیق کی گئی، اور اُن پر

" درتحت نمرہ ۱۲ر ۱۰ر ۴ر ۱۲ر موقع خروج سرحد ملاحظہ شد"

لکھکر مہر لگائی گئی ،

جبتک یہ دفتری کاروائی ہوتی رہی ، ہم نے کھانا کھایا ، کھانے سے فارغ ہوکر ہم ہندوستان کی سرحد کی طرف آگے بڑھنے کو تیار ہوئے ،

وداعی منظر اب ہم افغانستان کی آخری سرحد مین تھے ، اور اپنے میزبانون سے شاید ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے تھے ، ایک اسلامی حکومت کے روح افزا مناظر کی سیر ابھی دل بھر کر بھی نہ پائے تھے کہ موسم بہار آخر ہوگیا ، قلعہ کے تمام افسر اور عملہ نے رخصتانہ ہاتھ ملائے ، رفیقِ سفر سرور خان گویا جو اتنے دنون تک جلوت و خلوت مین ساتھ رہے تھے ہم کو حسرت بھری نگاہون سے دیکھ رہے تھے ، اور ہم اُن کو تک رہے تھے ،

روے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شُد

بیچارہ گویا بلبل قفس کی طرح ابھی تک افغانستان سے باہر نہین گیا ہے ، اور باہر کی دنیا کو صرف کتابون کی آنکھون سے دیکھا ہے ، وہ اس سرحد کے پاس پہنچکر پھڑک پھڑک کر رہ گیا ، زبانِ حال یہ کہہ رہی تھی ،

اگر یک سرِ موئے بر تر پرم
فروغِ تجلی بسوزد پرم

سب سے زیادہ مؤثر منظر اپنے ساتھ کے افغانی دستہ کے سپاہیون سے رخصت ہونے کا تھا ، یہ موٹر کے سامنے ایستادہ تھے ، چلتے وقت انھون نے فوجی قاعدہ سے رخصتانہ سلام کیا ، مگر مین بیچارہ کہ نہ "کشوری" (سویلین) تھا نہ لشکری (ملٹری) فوجی قواعد سے بے پروا ہوکر ایک ایک سپاہی سے بغلگیر ہوکر اور مصافحہ کرکے رخصت ہوا ، اور زبان سے صرف اسیقدر کہا کہ افغانستان کا قلعہ تم ہو ،

افغانستان کا چہکتا بلبل گویا ، اس وقت خاموش تھا ، اور مصافحہ و معانقہ کے بعد باہم مکاتبت و مراسلت کے وعدہ پر ہماری یہ چند روزہ ملاقات ختم ہوگئی ، موٹرون نے آگے کو حرکت کی ، اور چند منٹ کے اندر افغانستان کی سرحد کو پھاندکر انگریزی علاقہ مین داخل ہوگئین ،

چمن ہندوستان کی پہلی سرحدی آبادی کا نام چمن ہے، دیکھنے مین تو یہان ریگ اور خشک پہاڑون کے سوا کچھ اور نہین، مگر یہان کی معنوی خشکی کو، لفظی تری سے دور کرنے کی کوشش کیگئی ہے، کسی زمانہ مین چمن بھی مملکتِ افغانستان کی ایک کیاری تھی، مگر باغبان و صیاد کی باہمی کشمکش مین، یہ ہاتھ سے جاتا رہا،

افغانی علاقہ جونہی ختم ہوا، وہ سیاہ تختہ کھڑا نظر آیا، جس پر ہندوستان کی سرحد کا اعلان، اور پروانۂ راہداری کے بغیر اس سے آگے بڑھنے کی ممانعت لکھی تھی، سرحد کو عبور کیا تو چمن کا سواد سامنے آگیا، انگریزی کارخانون کے ستون اور چمنیان اور بلند مکانون کی چھتین دکھائی دینے لگین، یہ اصل مین تمامتر فوجی چھاؤنی ہے، ہر طرف فوجی آبادی کے نشان نظر آتے تھے، کہین بارکین تھین، کہین گھوڑ دوڑ کا میدان، کہین کھیل اور ورزش کی فیلڈ،

آبادی آئی تو شاید افغانی مامور تجارت کے ذریعہ جس کو ہمارے آنے کی اطلاع تھی، یا صبح کو سید راس مسعود صاحب کی زبانی لوگون کو ہمارے اس وقت آنے کی خبر ہوگئی تھی، چنانچہ شہر کے دروازہ ہی پر مسلمانون نے استقبال کیا، اور ایک ریسٹوران مین لاکر بٹھایا، اور اس بات کی تمہید کی کہ ہم آج اپنا سفر ملتوی کرکے رات کو یہان کے مسلمانون کے سامنے کچھ تقریرین کرین، مگر ایک تو اس دور دراز سفر کے تکان سے چور تھے، دوسرے ہندوستان کی سرحد پہنچکر حبِ وطن کی "آتشِ شوق تیز تر" ہوچکی تھی، اس لئے معذرت کی، مگر ان کا اصرار برابر قائم رہا، اور اس کے لئے مختلف تدبیرین کرتے رہے،

یہان پہنچکر پہلا کام یہ کرنا پڑتا ہے کہ یہان کے پولیس افسر کے دستخط پاسپورٹ پر کرائے جاتے ہین، اس کے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہین، پاسپورٹ دستخط کے لئے بھیجے گئے، لیکن اس کی واپسی مین دیر پر دیر ہوتی گئی، اور ہماری الجھن بڑھتی گئی، اور یہ شبہہ ہوا کہ شاید ہمارے روکنے والے دوستون کی یہ تدبیر نہ ہو تاکہ آج کا جانا کسی طرح ملتوی ہوجائے، اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ہم خود افسر صاحب کے دوتخانہ پر پہنچ جائین، الغرض ہم جیسے ان کے دروازہ تک پہنچے وہ باہر نکل آئے، اور دستخط کرکے پاسپورٹ واپس کئے،

ریسٹوران (چائے خانہ) مین مختلف خیال کے مسلمان جمع ہوگئے تھے، جو سیاسیات کی مختلف راہون سے

آشنا تھے، مجھ سے اور ڈاکٹر اقبال صاحب سے طرح طرح کے سوالات کرتے رہے، مگر سب کے سب افغانستان کی ترقی وخیرخواہی کے جذبات سے معمور تھے، ڈاکٹر صاحب کے اسکول کے زمانہ کے ایک ہندو کلاس فیلو جو یہان ڈاکٹر تھے، ملنے آئے، اور ڈاکٹر صاحب سے اپنا تعارف کرایا، اثنائے گفتگو مین افغانستان کے متعلق ایک ایسا لغو فقرہ انکی زبان سے نکلا جس سے مسلمانون کو سخت تکلیف ہوئی، یہان یہ سنکر افسوس ہوا کہ ہندو بھائیون کو موجودہ حکومت افغانستان سے اس لئے نفرت ہے کہ وہ اس کو "متعصب" "مسلمان" جانتے ہین، اور امیر امان اللہ خان سے اس لئے ہمدردی ہے کہ وہ ان کو اسلام کا "باغی" تصور کرتے تھے، حالانکہ ان کے یہ دونون خیال غلط ہین،

یہان حکومت افغانستان کا ایک مامورِ تجارت رہتا ہے، افغانی قونصل خانہ، دہلی کے کاتب (کلرک) کو جو ہمارے ساتھ تھا، مامور صاحب سے مصارفِ سفر کے لئے رقم لینی تھی، مامور صاحب کو اطلاع دی گئی تو انھون نے بھی کافی دیر لگائی، پے در پے قاصدون کے بھیجنے کے بعد وہ آخر آئے تو اس شان سے آئے کہ آگے آگے وہ خود اور پیچھے پیچھے ان کے نوجوان فیشن ایبل جنٹلمین صاحبزادے، رسمِ تعارف کے بعد کاتب صاحب سے اور اُن سے دیر تک ردّ و بدل ہوتا رہا،

ان تمام جھمیلون کے بعد ہم چمن سے آگے بڑھے، سڑک اتنی عمدہ تھی کہ لامحالہ انگریزی حکومت کی تعریف کرنی پڑتی ہے، ہماری اسلامی و مشرقی سلطنتین اصلاحات کے لئے بیشک بے قرار ہین، مگر اس زمانہ مین اصلاح کے معنی روپیے کے ہین، جب تک ان کی اقتصادی حالت بہتر نہ ہوگی، وہ اصلاحات کے جاری کرنے پر قدرت نہین رکھتین، ہر مسافر کو جو افغانستان کی سڑکون سے نکل کر ہندوستان کی سڑکون پر آتا ہوگا، بداہۃً بغیر کسی دلیل وحجت کے مشرقی سلطنتون کی پستی اور انگریزی حکومت کی برتری کا خیال آجاتا ہوگا، اس لئے ہماری مشرقی سلطنتون کا فرض ہے کہ وہ ان ظاہری نقائص کی طرف پوری توجہ دین،

ایک تو ہندوستان کی سڑکین مقابلۃً یون بھی اچھی ہین، پھر انگریزی فوجی اغراض نے چمن کے شہر کو نہین تو چمن کی سڑکون کو تو بیشک چمن بنا دیا ہے، سڑکین اتنی صاف ستھری، ہموار اور چکنی کہ معلوم ہوتا تھا،

کر پیئے خود بخود پھسلے جا رہے ہین،

چمن سے ریل شروع ہو جاتی ہے، مگر ہم لوگون نے ایک دن بچانے کی خاطر چمن سے کوئٹہ تک ریل پر سفر کرنے کے بجائے موٹرون پر سفر کیا، چمن سے ریل صرف ایک وقت صبح کو چلتی ہے، اگر اس پر سفر کرتے تو ضرور ہوتا کہ آج رات بھر یہان ٹھہرین، اور صبح کو روانہ ہون، اور کوئٹہ سے ڈاک گاڑی ۱۱ بجے دن کو چلتی تھی تو اگر آج شام تک کوئٹہ پہنچ جائین تو رات بھر وہان آرام کر کے ۱۱ بجے ڈاک سے کل ہی روانہ ہوسکین گے، یہ تجویز قندہار ہی سے طے شدہ تھی، کہ چمن سے کوئٹہ تک سفر انھین موٹرون پر ہوگا، اور کوئٹہ سے ریل پر سوار ہونگے

میرا اندازہ ہے کہ ۴ بجے شام کے قریب ہم چمن سے روانہ ہوئے، چمن اور کوئٹہ کے درمیان غالبًا ساٹھ ستر میل کی مسافت ہے، ریل اس مسافت کو پانچ گھنٹون مین طے کرتی ہے، صبح ۸ بجے چل کر ایک بجے دن کو وہان پہنچتی ہے، موٹر مین بھی چار گھنٹون سے زیادہ لگے، جس کی وجہ بلندیون کی چڑھائی اور ایک طویل پر پیچ پہاڑی راستہ کا عبور کرنا تھا، چمن سے تھوڑی دور نکلنے کے بعد ایک پل آیا، اس پر ایک بھاری زنجیر کی روک پڑی ہوئی تھی، جس کے اٹھائے بغیر اس پار سے اس پار جانا ناممکن تھا، متعین پہرہ دار نے چمن کے پولیس افسر کی تصدیق دیکھ کر زنجیر ہٹائی اور موٹرین آگے بڑھین،

خیام،

خیام کے سوانح، تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ، اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث اور آخر مین خیام کے چھ عربی و فارسی رسالون کا ضمیمہ، اور اس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، مکمل اور حتی المقدور محققانہ، یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے، ضخامت ۵۲۰ صفحات، کتابت و طباعت اعلیٰ، قیمت غیر مجلد ہے، مجلد للعہ

"مینیجر"

مغرب کی خوفناک غلطی اور اسکا ازالہ

از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز، نئی دہلی

(۳)

جو کچھ سطور بالا مین عرض کیا گیا ہے، وہ صرف نظریئے ہی نہین، کیونکہ وہ نظریئے جو عمل مین نہ آسکین ان کے لئے اسلام مین کوئی جگہ نہین، مسلمانون نے ان الفاظ کو عملی جامہ پہنا کر دکھا دیا، اور ثابت کر دیا کہ جو ترقی اللہ کے حدود کو قائم رکھتے ہوئے کیجائے، وہ تسخیر مادہ کے علاوہ تسخیر امن و اطمینان مین بھی اپنی نظیر نہین رکھتی،

لیکن آہ! یہان پہنچکر ہمین ایک ایسے اعتراض سے سابقہ پڑتا ہے، جس کے جواب مین سوائے آنکھین جھکا دینے کے اور کچھ بن نہین پڑتا، یعنی معترض اگر مثال کے طور پر ہندوستان کے موجودہ مسلمانون کو پیش کردے تو اعتراف حقیقت کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہی. فی الحقیقت ہمین نہایت ندامت و تاسف سے یہ کہنا پڑیگا کہ ہندوستان کے موجودہ مسلمانون کی سمجھ مین نہ تو دین ہی آیا، اور نہ انھون نے دنیا کمانے ہی کا ڈھنگ سیکھا، اُولٰئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ (الا ما شاء اللہ) آزاد خیال طبقہ کی مذہب سے بیگانگی و تنفر کا ایک بڑا سبب منجملہ دیگر اسباب یہ بھی ہے کہ انھون نے اسلام کا اندازہ ہم مسلمانون سے لگالیا ہے، حالانکہ آج ہمارے زوال و انحطاط کے لئے اسلام اتنا ہی ذمہ دار ہے جتنی مغرب کی مادی ترقی کے لئے عیسائیت باعث افسوس ہو سکتی ہی کہ جب مسلمانون کے اعمال اسلام کی صحیح تصویر ظاہر کرتے تھے تو دنیا کی جہالت و عصبیت لوگون کو اسلام کے سمجھنے سے باز رکھتی تھی، اور آج جبکہ دنیا اسلام کے قریب ترین آنے کی کوشش کر رہی ہے، مسلمان ایسی تصویر سامنے کرتے ہین، جو نہایت مہیب اور بھیانک دکھائی دیتی ہی، ڈاکٹر رشید الدین خان صاحب نے اسلام قبول کرنے کے بعد کس قدر حقیقت کی ترجمانی کی جب فرمایا کہ قرآن مجھے کھینچکر مسلمانون

کے پاس لایا، لیکن جب مین مسلمانون کے اندر پہنچا ہون تو جی چاہتا ہے کہ پھر واپس چلا جاؤن، لیکن قرآن پھر میرا دامن پکڑ رہا ہے،

لہذا ان نظریات کی عملی مثالین دیکھنے کے لئے ہمین تاریخ کو تیرہ سو سال پیچھے کو لوٹا دینا پڑیگا، کیونکہ وہان پہنچکر ہمین انسانون کا ایک ایسا گروہ نظر آتا ہے جو تکمیل انسانیت اور اخلاق و اعمال الٰہیہ کا اکمل و اجمل نمونہ تھا اور تاریخ کے جمیع ازمنہ ماضیہ مین انبیاے کرام کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد انسانون کا کوئی گروہ اور انسانیت کبریٰ کا اعلیٰ سے اعلیٰ تصور بھی ان کے مقابلہ مین پیش نہین کیا جا سکتا، اس لئے کہ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ ان کا دستور العمل اور جمیع اعمال و افعال کا محور تھا، ان کے بعد خلفاے اسلام بالخصوص عہد عباسیہ کا وہ درخشندہ منظر تاریخ کے ابواب پیش کرین گے جبکہ مادی ترقی بھی اپنے اوج کمال پر تھی، اور ایسے اللہ کے بندے بھی موجود تھے جو حدود اللہ کے قیام و بقا مین احکام خداوندی کو خضرِ راہ بناتے تھے، بلکہ اوس کی کچھ مثالین ہمین بعد کے شاہانِ اسلام کے ادوار حکومت مین بھی ملین گی، جبکہ اگرچہ تہذیب اسلامی کے قصور رفیع المنزلت پیوست بزمین ہو چکے تھے، لیکن پھر بھی آثار قدیمہ کے نشانات کی طرح اپنے پیش روندگان کے نقوشِ قدم کا پتہ دیتے جا رہے تھے، اور چونکہ اسلام مایوسی کو کفر کے مرادف قرار دیتا ہے اسلئے آج بھی اگر تجسس و استفسار سے کام لیا جائے تو نگہِ حقیقت بین ہماری "رسم اذان" کے اندر "روح بلالی" ضرور محسوس کریگی، وتلک الایام نداولہا بین الناس،

ہجرت نبوی سے عہد فاروقی تک کا عرصہ قومون کی تاریخ مین ایک چشمک سے زیادہ حیثیت نہین رکھتا، لیکن اسی لمحۂ بصر مین چشم فلک نے ایک ایسا محیر العقول انقلاب دیکھا کہ اس سے پیشتر دنیا کے کسی حصہ مین ایسا تغیر واقع نہ ہوا تھا، چند سال کے عرصہ مین ایک اونٹ چرانے والی بادیہ نشین قوم قیصر و کسریٰ کے تمدن کی مالک بنا دی گئی، اسوقت کی مہذب دنیا کا نقشہ سامنے لٹکا لیجئے اور پھر دیکھیئے کہ اسلامی افواج کے قدوم کہان سے چلے اور کہان کہان تک پہنچے تھے، لیکن کیا یہ فتوحات ملک گیری کی ہوس رانی کے لئے تھین؟ تاریخ اس کا جواب نفی مین دیتی ہے، ان فتوحات کا اصل مقصد بقول مسز سروجنی نائڈو "حریت و آزادی کی اشاعت عمومی اور غلامی کا استیصال تھا......" اسکا مقصد

ساری دنیا کی نجات تھا، اور مسلم داعی یہی مقصد لیکر ملکون ملکون مارے مارے پھرتے تھے، عربون نے صرف ملک کی زمینیں ہی فتح نہین کین بلکہ دل و دماغ فتح کئے ہین، انھون نے قومون کے خیالات اور لٹریچر کو متاثر کیا ہے، اور یہ ہمیشہ بنی نوع انسان کی تعلیم و تربیت کی فکر مین رہے ہین" تو کیا اس سلطنت عظمیٰ کا حاکم و فرمان روا ایک مطلق العنان شاہنشاہ کی طرح اپنی خواہشون اور ارادون کے مطابق حکومت کر رہا تھا، یا اس کے ارادے کسی اور کی مشیت کے تابع تھے، اس کا جواب بھی جناب فاروق اعظمؓ کے اسوۂ مبارکہ سے لیجئے، یہ دنیا کا بہترین مقنن، شجاع ترین کمانڈر اور مدبر ترین کارفرما جس کے اشارون پر دنیا کی قومون کی قسمتون کے فیصلے منحصر تھے، جب ایک عفیفہ نے بھرے مجمع مین اسے ٹوک دیا، کہ اے عمرؓ تمھاری یہ رائے قرآن کے منشاء کے مطابق نہین تو اس خلیفۃ المسلمین اور دنیا کی اصطلاح مین شاہنشاہ اعظم نے سرِ نیاز جھکا دیا، اور خوش ہوکر فرمایا کہ شکر ہے اللہ کا کہ مدینہ کی عورتین بھی قرآن فہمی کا اتنا ملکہ رکھتی ہین، یہ کیون تھا، اس لئے کہ وہ باوصف این ہمہ غلبہ و استیلاء اپنے آپ کو مقبوضہ ممالک و رعایا کا مالک نہین سمجھتے تھے، بلکہ اس کا مالک وہ مالک الملک تھا اور یہ اس کے نائب کی حیثیت سے خدمت گذار تھے، چنانچہ جب مالک کا حکم سامنے کر دیا گیا تو اپنے ارادون اور آراء کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہ رہی، اس حکم کے سامنے رعایا اور حاکم آقا اور غلام مالک و مملوک ہر ایک کی یکسان حیثیت تھی، بادشاہ اور رعایا کے لئے دو جداگانہ قانون نہ تھے، بلکہ دونون ایک ہی قانون کے ماتحت اپنے اپنے فرائض سرانجام دیتے تھے، چنانچہ جب امانتِ خلافت ان کے سپرد کیجاتی وہ سب کے سامنے اس امر کا اعلان کرتے کہ "مین اس وقت تک متبوع ہو سکتا ہون، جب تک میرے احکام فرمان خداوندی کے ماتحت ہون" اور اگر میرا ایک اشارہ بھی اس احکم الحاکمین کے حکم کے خلاف ہو تو نہ صرف یہ کہ میری اطاعت نہ کرو، بلکہ مجھے فوراً علحدہ کردو، چنانچہ بعض اوقات خلیفۃ المسلمین کو مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت مین پیش ہونا پڑتا، اور واقعات و شہادت کے مطابق اس کے خلاف بھی حکم صادر ہو جاتا،

یہ عہد تو خیر عہد سعادت عہد السابقون الاولون کا تھا، اس کے بعد جب خلافت ریاست مین تبدیل ہو گئی ہر چند بادشاہ ایک خود مختار فرمان روا ہوتا تھا، لیکن امور سلطنت بہ تمام و کمال شریعت کے فیصلون کے ماتحت سرانجام

پاتے تھے، اور ارکین دربار مین فقہا (TURISTS) کی کرسیان سب سے بلند وبرتر مقام پر ہوتی تھین، اور حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامی ضوابط و قوانین کی شکل مین انھین ادوار مین مرتب و مدون ہوئی، عراق و عرب کے بعد جب اسلامی حکومتین ترکستان و ہندوستان تک پہنچین تو اگرچہ اسلامی تہذیب کے اصلی خط وخال بڑی حدتک عجمی نقابون مین چھپ چکے تھے، پھر بھی حسن اصلی کا پرتو کبھی کبھی جلوہ فگن ہوئے بغیر نہین رہتا تھا، اور پامال شدہ نقوش بھی اجڑے ہوئے بہشت کا نقشہ پیش کردیتے تھے، محمود غزنوی کا نام کس نے نہین سنا، اگرچہ مکائد تاریخ کی ستم ظریفیون نے اس کا نقشہ کچھ ایسا خونی سا پیش کیا ہو کہ اوس کے نام کے ساتھ ہی چنگیز خان وہلاکو خان کی یاد تازہ ہوجاتی ہی، لیکن یہ واقعہ بھی ہمین گبن کی روایت سے اسی کی سیرت مین مل رہا ہے، کہ ایک عام سپاہی نے اس سے جاکر فریاد چاہی کہ کہ عمائد سلطنت مین سے کوئی ممتاز ہستی، رات کو اس کے گھر جاکر اسکی بیوی کی عصمت پر دست تطاول دراز کرتی ہے، تو محمود نے حکم دیا کہ جب وہ ظالم وفاجر اس کے گھر مین موجود ہو اس وقت اطلاع دیجائے، تیسری شب کو وہ مظلوم بادشاہ کے پاس آیا اور کہا کہ اس وقت وہ شخص اس کے گھر مین موجود ہے، بادشاہ اس کے گھر چل کھڑا ہوا اور معلوم کیا کہ وہ شخص اس سپاہی کی بیوی کے بستر پر محو خواب ہی، محمود نے کہا کہ چراغ بجھادیا جائے، اندھیرے مین جاکر تلوار کے ایک ہاتھ سے اس کا سر قلم کر کے رکھدیا، پھر حکم دیا کہ روشنی کیجائے، جب شمع جلائی گئی تو مقتول کی لاش کو دیکھ کر سربسجود ہوگیا، اور اس سپاہی سے پانی منگاکر پیا، جب بادشاہ جانے لگا، تو اس سپاہی نے عرض کیا کہ جہان پناہ! اگر جرات عرض معاف ہو تو اتنا فرمادیا جائے کہ روشنی بجھانے، سجدہ کرنے اور پانی پینے مین کیا راز تھا، محمود نے جوابدیا کہ مین نے سمجھ لیا تھا کہ میری سلطنت مین عین دارالخلافہ مین ایسی نازیبا حرکت کی جرأت میرے لڑکے کے سوا اور کسے ہوسکتی ہے، چراغ بجھادیا کہ مبادا اس کی شکل دیکھکر محبت پدری عود کر آئے، اور انصاف نہ ہوسکے، بعد قتل جب روشنی منگائی تو دیکھا کہ وہ میرا لڑکا نہین، بلکہ ایک اور سردار سلطنت تھا، خدا کا شکر کیا کہ محمود کا بیٹا اس قدر ناخلف نہ تھا، پانی پیا کہ مین نے اس دن سے عہد کر رکھا تھا کہ جب تک اس مظلوم کی دادرسی نہ کرلون گا، کچھ کھاؤن پیونگا نہین، آج تیسری رات کو روزہ توڑا ہے، یہ کیا تھا؟ یعنی وہی، کسی بلند و بالا ہستی کی فرمانبرداری کا جذبہ!

جہانگیر اور نور جہان کی داستانِ عشق و محبت سے کون ناواقف ہے لیکن اسی نور جہان نے جب ایک راہگذر کو بندوق کا نشانہ بنا دیا تو پا بجولان مجرمون کے کٹہرے مین لاکر کھڑی کر دی گئی، قاضی عدالت نے بعد سماعت مقدمہ، حسب حکم قرآنی، موت کا فتویٰ لکھ کر بادشاہ کے دستخطون کے لئے پیش کر دیا، سینے مین دل اور دل مین خون کی حرارت رکھنے والے ذرا جہانگیر کی جگہ اپنے آپ کو رکھ کر دیکھین، لیکن جہانگیر نے بغیر نظر اٹھائے فتویٰ موت پر بلا تامل دستخط کر دیئے، اس لئے کہ یہ اس کے خدا کا حکم تھا، اور نور جہان کی محبت اس کے اپنے دل کی خواہش، مقتول کے ورثہ نے زرِ قصاص لیکر نور جہان کو معاف کر دیا، لیکن جہانگیر نے ذاتی محبت کو انصاف پر غالب نہ آنے دیا، (تذکرہ والہ یاغستانی)

یہ اُس جہانگیر کا ذکر ہے، جس کے نام کے ساتھ ہی آنکھون مین خمار آجاتا ہے، کیونکہ بتانے والون نے ہمین ایسا ہی بتایا ہے،

شاہنشاہ مراد کو ایک معمار کی تعمیر پسند نہ آئی، جوشِ غضب مین معمار کے ہاتھ کٹوا دئے، معمار قاضی کے پاس جا کر دادخواہ ہوا، قاضی نے وارنٹ جاری کر دیا، اور شہنشاہ مجرم کی حیثیت سے حاضر عدالت ہو گیا، قاضی نے ازروے حکم قرآنی فیصلہ صادر کر دیا کہ

عبد مسلم کمتر از احرار نیست   خونِ شہ رنگین تر از معمار نیست

شاہنشاہ مراد نے آنکھین جھکا دین، فرطِ ندامت سے پیشانی پر پسینہ آگیا، آستین سے ہاتھ نکالا، اور جلاد کے سامنے کر دیا، مدعی کو تاب خاموشی کہان تھی، اس نے فوراً عدل و احسان کے حکم قرآنی کے ماتحت عفو و تقصیر سے کام لیا، اور بادشاہ کو معاف کر دیا، یہ اس لئے کہ

پیش قرآن بندہ و مولا یکے است ،   بوریا و مسند دیبا یکے است ، (رموز و اسرار)

کیا دنیا کی کوئی تہذیب اس کی مثال پیش کر سکتی ہے، جب سلاطین کی یہ حالت تھی، تو عامۃ المسلمین کے اتباع قرآن کا اندازہ خود بخود لگ سکتا ہے، اگر کسی سے رات کی تاریکی مین بھی سہو و خطا سے کوئی لغزش ہو جاتی

توجب تک کھلے بندون اس کا اعتراف کرکے تائب نہ ہوجاتا چین نہ پڑتا، اور یہ کسی گوشہ نشین زاہدون کے فرقہ کا ذکر نہین ہے، کیونکہ اسلام مین زاہد اور سپاہی دو مختلف نام نہین، بلکہ فی الواقعہ سپاہیون کا ذکر ہے، کہ جن کی زندگی آج مطلق العنانی مین ضرب المثل ہے، فتح بیت المقدس کے وقت جب مسلمانون کی فوجین شہر مین داخل ہوئین تو اہل شہر نے نہایت حسین وجمیل نوجوان لڑکیان دکانون پر بٹھا رکھی تھین، کہ فطرت انسانی کی لغزش کے لئے یہ مقام بڑا نازک ہوتا ہے، مسلمان شہر مین گئے اور نماز پڑھکر واپس آگئے، شام کے قریب بیت المقدس کے سرداران قوم اور مسلمانون کے نمایندون کا ایک عام اجلاس ہوا، جسمین صلحنامہ کی شرائط طے ہونی تھین، جلسہ مین ایک مسلمان سپاہی نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے یہودی سے پوچھا بھئی تمھارے شہر کے مکانات عام طور پر یک منزلہ ہین یا دو منزلہ، اس نے تعجب سے کہا کیون، کیا تم آج دوسرے مسلمانون کے ساتھ شہر مین نہین گئے، انھون نے جواب دیا کہ گیا تو تھا، لیکن چونکہ ہمارے خدا کا حکم ہے کہ مسلمانو! جب چلو تو آنکھین نیچی کرکے چلو” (نور رکوع ۴) اس لئے بلا مطلب ہم اوپر نہین دیکھا کرتے، اس یہودی نے انھین تو جو جواب دینا تھا دیا، لیکن چپکے سے آگے بڑھ کے اپنے نمایندے سے کہا کہ جو شرائط بھی یہ پیش کررہے ہین، عافیت اسی مین ہے کہ چپکے سے مان جاؤ، ان کے اصول ایسے نہین کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ کرسکے،

یہ کیا تھا۔ وہی اپنے ارادون کو کسی اعلیٰ ہستی کے قوانین کے ہاتھون بیچ دینا، یہی وجہ تھی کہ حمص فتح کرلینے کے بعد اہل قریہ سے جزیہ لیکر اون کی حفاظت کے لئے وہان چھاؤنی ڈال دی، لیکن جب کسی اور ضرورت کے لئے وہان سے چھاؤنی اٹھا دینی پڑی تو جزیہ کا باقی ماندہ حصہ انھین واپس کردیا، اور جب فوج شہر کو خالی کررہی تھی تو عیسائی اہل شہر روتے ہوئے باہر آئے اور کہا کہ ہمین عیسائی سلطنت کے بجائے اپنی پناہ ہی مین رہنے دیجئے، اپنون سے تو یہ بیگانے اچھے،

موجودہ زمانہ کے سپاہیون کی ایک چھاؤنی کا نقشہ آپ اس سے پہلے بھی دیکھ آئے ہین، ذرا اس سے اس سپاہیانہ زندگی

کا مقابلہ کیجئے، حالت یہ تھی کہ حضرت عبیدہؓ کو ایک دن معلوم ہوا کہ جو کھانا ان کے سامنے آتا ہے وہ اس سے کچھ اچھا ہے، جو عام فوج کو ملتا ہے، تو انھون نے اہل مطبخ کو بڑی زجر و توبیخ کی، مدائن کی فتح کے وقت بے بہا غنیمت میدان جنگ مین پڑی ہوتی تھی، لیکن کوئی سپاہی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا، کیونکہ انھین اس سے منع کیا گیا تھا صوبون کے گورنرون کو حضرت عمرؓ نے جو ضروری ہدایات دی تھین، ان مین یہ بھی تھا کہ وہ ترکی گھوڑون پر سوار نہ ہون، باریک کپڑے نہ پہنین، چھنا ہوا آٹا نہ کھائین، دربان نہ رکھین، اور اہل حاجت کے لئے ان کا دروازہ ہر وقت کھلا رہے،

ملکی فتوحات کے ساتھ ساتھ علوم و فنون کی نشر و اشاعت مین جو گران بہا خدمات مسلمانون نے انجام دی ہین اسکی مثال بھی کہین اور نہین مل سکتی، حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور تعلیم مین قدرتی لزوم ہے، عہد رسالت مین صرف اظہار ایمان پر ہی قناعت نہ تھی، بلکہ بقدر استطاعت قرآن کریم کی تعلیم بھی حاصل کرنے کی تاکید تھی، بیع و شری، مہر نکاح، زر فدیہ اسیران جنگ مین ادائے معاوضہ کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ قرآن کی تعلیم دینے سے یہ حق ادا ہو جاتا تھا، قرون اولی کے بعد سلاطین عباسیہ کے عہد مین علم و فضل کی ترقیون نے وہ معراج کمال حاصل کیا کہ آج یورپ باین ہمہ وسائل نشر و اشاعت و اسباب رسل و رسائل وہان تک نہین پہنچ سکا، کلیمنٹ ہارٹ (CLEMENT HUART) اپنی مشہور کتاب ہسٹری آف عربک لٹریچر مین لکھتا ہے:-

"عربی زبان مین دور حاضرہ کی تمام علمی و فنی اصطلاحات کے لئے مترادف الفاظ موجود ہین"

اس سے اندازہ لگ سکتا ہو کہ اسلامی حکومت کے عہد مین مادی ترقی کہان تک پہنچی تھی، مورخ گبن لکھتا ہے:-

"علم کیمیا اپنے ارتقاء اور اصلیت کے اعتبار سے اہل عرب کی ایجاد ہے، انھون نے سب سے پہلے تیزاب ایجاد کیا، نائٹرک ایسڈ، نائٹرو ہائیڈرو کلورک ایسڈ، پوٹاس، امونیا، نائٹریٹ آف سلور وغیرہ کیمیاوی مادے نکالے، سلفیورک ایسڈ، الکحل جیسی چیزین دریافت کین"

لہ رومن امپائر جلد ۵ و انٹلکچولی ڈیولپمنٹ آف یورپ جلد اول ص۴۰۵)

عیسائی مورخ جغرافیہ دان سلطبرون لکھتا ہے "کولمبس سے پہلے عرب کی جماعتین دریاؤن کے ذریعہ سفر کرتی تھین اور عجیب وغریب مقامات اور زمینین بحر اطلانطک مین تلاش کرتی پھرتی تھین۔ (آئینہ عرب ص ۶۱ مصنفہ ڈاکٹر گستاولیبان)

ڈاکٹر لیبان فرماتے ہین :-

"عربون نے عملی میکینیس کے آلات ایجاد کرکے یورپ کو ان کا استعمال کرنا سکھایا جنکو امریکن اور یورپین آج کل استعمال کر رہے ہین" (تمدن عرب)

جان کلرک روڈپاتھ انسائیکلوپیڈیا آف یونیورسل ہسٹری جلد ۲ ص ۴۵۱ پر لکھتے ہین، کہ علوم وفنون صرف عربون نے پھیلائے"

مسٹر ہائنڈ لکھتے ہین، کہ "تمام علوم یونانی کا بڑا حصہ جو اصل ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے وہ پہلے پہل ہمکو عربون نے عنایت کیا"، (ہسٹورینس ہسٹری اوف دی ورلڈ جلد ۸ ص ۲۷۶)

یورپ کے استاد پروفیسر نکلسن رقمطراز ہین کہ

"مسلمانون نے مختلف شعبہ ہاے علم مین قیمتی اضافے کئے ہین، لیکن ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انھون نے بڑی فیاضی سے یورپ کو اپنے علوم وفنون سکھائے"، (لٹریری ہسٹری آف دی عربز ص ۲۵۹)

ڈاکٹر لیبان اور موسیو بارتھیلیس سینٹ ہلیر تحریر فرماتے ہین کہ

"عربون کی معاشرت اور تقلید نے یورپ کے امراکی عادتون کو درست کیا، اور انھین بہترین انسانی عادات واخلاق سکھائے" (تمدن عرب ص ۵۲۴)

مسٹر باسورتھ سمتھ کس قدر شاندار الفاظ مین اعتراف حقیقت کرتے ہین کہ

"اگر پوچھا جائے کہ افریقہ بلکہ کل دنیا کو مسیحی مذہب نے زیادہ فائدہ پہنچایا یا اسلام نے! تو جواب مین کہنا پڑیگا کہ اسلام نے اگر اسلام نہ ہوتا تو مشرق ومغرب دونون اندھیرے مین رہتے!"

سنہ ۱۰۶۴ء مین جبکہ یورپ ابھی بالکل اندھیرے مین بھٹکتا پھرتا تھا، صقلیہ (سسلی) مین عربی حکومت تھی،

وہان کا طبی کالج یورپ کا مرجع و مآب بنا ہوا تھا، تعلیمی درسگاہون مین تمام یورپ کے طلباء آتے تھے، اور تعلیم مفت تھی، بغداد کی نظامیہ یونیورسٹی کی نظیر دنیا کی علمی تاریخ مین نہین ملتی، اندلس کے تعلیمی مرکز یورپ کے گوہر درخشندہ تھے یہ کیون، اس لئے کہ ان کے قرآن نے یہ فرما دیا تھا کہ،

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۹، ۱۳)

پوچھیے ان سے کہ کیا وہ جو علم رکھتے ہین، اور وہ جو بے علم ہین کبھی برابر ہو سکتے ہین،

لیکن ان کے عالم، یورپ کے آجکل کے علماء کی طرح نہ تھے، کہ جن کا قول ہے کہ "ہمین نہ دیکھو، ہماری کتابون کو دیکھو"، بلکہ یہی علمائے ملت تھے، جو مسلمانون کی شریعت کے امام بنے، اسلامی حکماء و متکلمین مین معتزلین سب سے پیش پیش ہین، ان کی اخلاقی حالت کا اس سے اندازہ ہو سکے گا، کہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو بھی کافر سمجھتے ہین، لامارک اور ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کا خیال سب سے پہلے فارابی اور ابن مسکویہ کو ہوا، لیکن یورپ کا ارتقاء صرف مخلوقات کے جسم ہی تک محدود ہے، لیکن اسلام کا قانونِ ارتقاء بتلاتا ہے کہ ارتقائے جسمانی انسانیت کے درجہ کے بعد ختم ہو جاتا ہے، لیکن اس کے بعد ایک اور ارتقائے روحانی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہی، اور جسم حیوانی کے لئے انسان کا ہیکل اختیار کرنے کے بعد بھی، انسان بننے کے لئے بہت کچھ بننا اور ترقی کرنا باقی رہتا ہی،

یورپ کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز آج آزادی نسوان کہا جاتا ہی، لیکن نظر تعمق سے دیکھنے والون پر یہ حقیقت آشکارا ہو جائیگی کہ عورت کی حیثیت ان کے نزدیک جذبات پرستی کے کھلونے سے زیادہ نہین، اسلام نے جو حیثیت عورت کو عطا کی ہے اس سے زیادہ وقار اور عزت اسے کہین اور حاصل نہین، ایک خاتون بلحاظ عورت ہونے کے چار حیثیتون کی مالک ہے، (۱) بیٹی، (۲) زوجہ، (۳) مان اور (۴) سوسائٹی کی بنیاد، مسلمان لڑکی اپنے والدین کی شفقت یا اپنے عزیزون کے رحم و کرم پر نہین ہوتی، بلکہ اسلام نے بین الفاظ مین والدین کی جائداد مین سے اسکے لئے حصہ مقرر کر دیا ہے، لڑکی کو یہ مفاد کہین اور حاصل نہین، حتی کہ آزادی نسوان کے اجارہ دار یورپ مین بھی نہین، لڑکی جب تک سن رشد کو نہ پہنچے اپنی مان کے آغوش مین تربیت حاصل کرتی ہے، سن بلوغ سے قبل اگرچہ ولی

اس کا نکاح کر سکتا ہے، لیکن سن بلوغ پر پہنچنے کے بعد لڑکی کے اختیار مین ہے، کہ اس نکاح کو فسخ کر دے۔

(۲) بالغ ہونے پر نکاح کے مسئلہ مین اسلامی عورت بالکل آزاد ہے، وہ رشتۂ ازدواج مین منسلک ہوکر بھی اپنی ذاتی وجاہت اور حیثیت نہین کھو دیتی بلکہ وہ ان تمام حقوق سے متمتع ہونے کی مجاز ہے جو قانون اسلام نے اسکی پیدائش ہی سے اس کے لئے مقرر کر دیئے ہین، اور اپنے مال ومتاع کی وہ خود مالکہ ہے، خاوند کے مر جانے پر وہ اسکی جائداد کی حصہ دار اور اسکی اولاد کی تربیت کی ذمہ دار ہے، ازدواجی حالت مین بھی وہ محض مرد کے تعیش کا آلہ نہین بلکہ گھر کی مالکہ اور اس کی دست راست ہونے کی حیثیت رکھتی ہی، کیونکہ خاوند اور بیوی کے اوپر ایک ہی قانون نافذ ہے، جس نے کہہ دیا کہ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَانتم لباسٌ لَهُنَّ وہ تمھاری عزت وناموس کی پردہ دار اور تم اس کے حقوق وفرائض کے کفیل ہو، یورپ آج بھی اس نقشہ کا خواب نہین دیکھ سکتا، وہان عورت، نکاح ہو جانے کے بعد اپنا نام تک بھی باقی نہین رہ سکتی، وہ خاوند کی ہستی مین مدغم ہو کے رہجاتی ہے، مسلم خاتون مرد سے طلاق حاصل کرنے کی اسی طرح سے مجاز ہے، جس طرح مرد اس "الغیض الحلال" (حدیث) اجازت سے، حدود وشرائط کی پابندی کے ساتھ مستفید ہو سکتا ہی،

(۳) مان ہونے کی حیثیت سے ایک مسلمان خاتون کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہی، حضورؐ نے فرمایا کہ جنت مان کے قدمون کے نیچے ہے، "قرآن نے بیٹے پر فرض عائد کر دیا کہ وہ مان باپ سے الفت ومحبت اور احسان واکرام سے پیش آئے، سب سے بڑھکر یہ کہ متوفی بیٹے کی جائداد مین مان کے لئے حصہ مقرر ہے، اور یہ خصوصیت دنیا کے قوانین مین سے صرف اسلامی قانون ہی کو حاصل ہے،

(۴) اجتماع ومعاشرت کے لحاظ سے بھی مسلم خاتون کو ایک امتیازی فوقیت حاصل ہے، یہ تفصیل کا موقع نہین، ورنہ تاریخ اسکی شاہد ہے، کہ مسلم خواتین کی کس قدر عزت وتوقیر مسلمان مردون کی نگاہ مین ہوتی تھی، اور سب چھوڑیئے، عورت کے لئے جو حرم کا لفظ اسلامی تہذیب مین مروج ہے، وہی اس جذبۂ تقدیس وتکریم پر شاہد ہے، جو فطرت کے اس مقدس ونازک ترین آبگینے کے لئے ہر مسلم کے دل مین موجود ہونا چاہئے۔

نیز اسلام نے ہر چیز کے لئے حدود مقرر کر رکھی ہین، وہ عورت کو عورت ہی دیکھنا چاہتا ہی، اور مرد کو مرد، وہ یورپ کے اس عملی نظریے سے یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَاءَهُمْ (بقرہ) کو فرعونیت قرار دیتا ہی اور اسے فطرت کے خلاف جنگ کے مترادف سمجھتا ہے، اس نے دورِ جہالت کی نمایشِ زینت کو (جو بعینہ آج دورِ تہذیب کی نمایشِ زینت ہے) حرام قرار دیدیا، کیونکہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ اس سے مرد کے حیوانی جذبات مین اشتعال پیدا ہو جائیگا، اور ایک طرف جہان وہ جائز و ناجائز کی تمیز بھول جائیگا، دوسری طرف عورت کی تخلیق کا مقصد اس کے نزدیک جذبات پرستی کے سوا اور کچھ نہ رہ جائیگا، یہی نمایشِ حسن و لوازمِ حسن کا وہ جذبہ ہے کہ جس کی خرابیون کو آج مغرب کے ماہر جنسیات بھی محسوس کر رہے ہین، چنانچہ ایک مشہور انگریز عالم نفسیات نے لکھا ہے:-

> ,,شہوت نفسانی کو برانگیختہ کرنے والے سب سے زیادہ ہمارے لباس ہین، رابرٹ برٹن اور ڈاکٹر ہیولاک ایلس کہتے ہین کہ اگر لباس کی اہمیت اور تراش خراش دنیا سے اٹھ جائے، اور عورتین سادہ لباس پہننے لگین، تو اشتعال و اغوا کا وجود بھی دنیا سے ناپید ہو جائے،،

روشن خیال حضرات کو جب قرآن حکیم کی یہ آیات سنائی جائین،

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ	مسلمان عورتون سے کہدیجئے کہ وہ اپنی نگاہین نیچی رکھا کرین
وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ	اور اپنی عصمت کی حفاظت کیا کرین، وہ اپنی زینت کے مواقع
زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ	کو ظاہر نہ کرین، مگر وہ حصہ جو ضرورۃً کھلا رہتا ہی، اور اپنے دوپٹے
عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ	اپنے سینون پر ڈالے رکھا کرین، اور اپنی زینت کے مذکورہ مواقع
... وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ	کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دین،،،........ اور اپنے پاؤن
مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ، (نور، ع ۴)	زور سے نہ مارین کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے،

تو وہ اسے تنگ خیالی، کوتاہ نظری، قدامت پسندی، دورِ جہالت و استبداد کی یاد اور (خاکم بدہن) پتہ نہین کن کن نامون سے موسوم کرتے ہین، لیکن وہ ذرا دیکھین تو سہی کہ ان کے جدت پسند، آزاد خیال، اور تہذیب و تمدن

کے علماے محققین اس بارہ مین کیا کہہ رہے ہین، لیکن مشکل تو یہ ہو کہ

ہم جو چپ بیٹھین سٹری کہلائین   یار چپ بیٹھے تغافل ٹھہرے

اور حق تو یون ہے،

تم جسے چاہو چڑھا لو سر پر،   ورنہ یون دوش پہ کاکل ٹھہرے

انسانی طبائع پر سوسائٹی اور مذہب کے احکام کا کیا اثر پڑتا ہے، اس کا صاف صاف اندازہ اس سے لگ جائیگا کہ امریکہ آج پندرہ بیس برس سے ترک خمر پر لوگون کو مجبور کر رہا ہے، قوانین بنائے گئے، سزائین دی گئین، جس جہاز پر ذرا سا بھی شبہہ ہوا کہ کوئی خم مے لئے آرہا ہے، اپنی بندرگاہ کے قریب نہین آنے دیا، باہمہ شراب نہین چھوٹتی، اور نہین چھوٹ سکی، چنانچہ روٹیرین کلب کلکتہ کے جلسہ مین ڈاکٹر ایچ، ای، واٹسن نے کھلے بندون اس کا اعتراف کر لیا، کہ

" قانون امتناع بالکل بے کار ثابت ہوا ہے، اور کوئی حکومت اب تک قانون کے زور سے ترک شراب نوشی پر کسی کو مجبور نہین کر سکی۔" (سٹیٹسمن یکم جون ۳۳ء)

لیکن ڈاکٹر موصوف کی نگاہ صرف انسانون کے بنائے ہوئے قوانین ہی تک پہنچ سکی ہے، اگر وہ اپنی نگہ تحقیق کو ذرا اور وسعت دیتے، اور آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر تاجدار مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک حکم کو بھی دیکھ لیتے، تو انھین نظر آجاتا کہ رات کو تحریم شراب کا حکم نازل ہوا، اور صبح کو مدینے کی گلیون مین شراب کی ندیان بہ رہی تھین، اور وہ کافر جو ایک دفعہ منہ سے لگ کر چھٹا نہین کرتی، اس طرح سے نابود ہو گئی کہ پھر کسی نے اسکی شکل بھی نہ دیکھی، وہ لوگ جو آج تک اسے صحت کے لئے مفید سمجھ رہے تھے، انھون نے بھی اعتراف کر لیا کہ،

" اب تو ڈاکٹر بھی طبی اغراض کے لئے الکحل کا استعمال بہت ہی شاذ و نادر ہی کرتے ہین، اور گرم ملکون مین تو اس کا استعمال ہے ہی مضر۔" (اسٹیٹسمین یکم جون، تقریر ڈاکٹر یوکین)

اسمین شبہہ نہین کہ اسلامی تہذیب کے جن درخشندہ عہود و ادوار کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، ان مین اس زمین پر فرشتے نہین بسا کرتے تھے، بلکہ انسان ہی بستے تھے، اور ان مین بھی خطا کار و گنہ گار انسان ہوا کرتے تھے،

لیکن فرق یہ تھا کہ وہ گناہ کو گناہ ہی سمجھتے تھے اور اس کے ارتکاب سے منفعل ہوتے تھے، اور آج یورپ کیطرح برائیون کو اکتسابی جوہر کا سارٹیفکٹ نہین مل جاتا تھا، کہ جو مرتکب کے لئے باعث ہزار عزت و افتخار ہو، یورپ تو گناہ کو گناہ ہی نہین سمجھ رہا، اور یہ جو آج ان کے چند مفکرین کو ان برائیون کا احساس ہوا ہے تو محض اسلئے کہ ان سے ان کا اقتصادی[۱] نظام متزلزل ہو گیا ہے، اور وہ اگر ان ذمائم خبیثہ کی اصلاح کے لئے کبھی پلک اٹھا کر دیکھتے ہین تو محض اقتصادی مشکلات کو رفع کرنے کی غرض سے نہ کہ اسلئے کہ اون کے اخلاقی دساتیر مین ان خبائث کی برائی لکھی ہے، یورپ اور شیدائیان تہذیب یورپ کو متنبہ رہنا چاہئے، کہ وہ ان مشکلات سے کبھی نہین نکل سکتے جب تک وہ انسانی قوانین کے بجائے، انسانون کے بجائے خدا کے قوانین کو مشعل ہدایت نہ بنائین گے، ان کے لئے سعادت و نجات کی ایک راہ اور صرف ایک راہ ہے، کہ وہ اپنا ایک سیدھا دستور العمل حیات ٹھہرائین، ایک راہنما کی ضرورت کو محسوس کرین، اور ایک منتہائے مقصود قرار دین،

وہ راہ قرآن کی راہ، وہ رہنما نبی اکرم ﷺ، اور وہ منزل مقصود، ابتغاء مرضات اللہ ہے،

---

[۱] یورپ (بلکہ تمام دنیا) کی اقتصادی تباہی کا سب سے بڑا سبب منجملہ دیگر اسباب، انکی سود خوری ہے، جنگ عظیم مین مختلف سلطنتون نے اس قدر قرضہ اٹھایا کہ اس کا سود ادا کرنا بھی مشکل ہوا ہے، اسٹیٹسمین مورخہ ۱۴ فروری ۳۳ء مین پروفیسر مارس ہاگیر وتھول نے اس قرضہ کے کچھ اعداد و شمار جمع کئے تھے جسکے رو سے دول متحدہ نے حسب ذیل رقوم امریکہ کو قرض دی تھین،

	رقوم معہ سود
برطانیہ۔	۹۴۵،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ
فرانس۔	۸۲۷،۰۰۰،۰۰۰ "
اٹلی،	۴۲۵،۰۰۰،۰۰۰ "

انکے علاوہ چھوٹی چھوٹی سلطنتون کا قرضہ ملاکر امریکہ نے کل ۲،۳۱۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ قرضہ وصول کیا تھا جو باسٹھ سال کے عرصہ مین معہ سود ۴،۵۵۳،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ ہو جاتا ہے،

نتیجہ اس کا ظاہر ہے، جنگ ختم ہوے مدت گذر گئی لیکن مختلف ممالک کی اقتصادی حالت اس سے بدتر ہے، جب کہ جنگ جاری تھی، اور سلطنتین روپیہ قرض لیکر دھوان بنا بنا کر اڑا رہی تھین، دنیا کو اس عذاب الیم سے چھڑانے کے لئے یورپ مین ہر طرح طرح کی تجاویز سوچ رہے ہین، لیکن سود خواری کی حرص کسی تدبیر کو پنپنے نہین دیتی اسلام نے اس مہلک اخلاقی و تمدنی جنگ کا خاتمہ ایک حکم سے کر دیا کہ احل اللہ لکم البیع وحرم الربوٰا "اللہ تعالیٰ نے سود تم پر حرام کر دیا اور بیع و تجارت حلال رکھی"، دنیا کی نجات اسی نسخہ کے اندر ہے، جو طبیب حقیقی نے تجویز فرما دیا ہے، وفیہ شفاء للناس ورحمۃ،

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ، (بقرہ)	یہی لوگ اللہ کے سیدھے راستہ پر ہین، اور یہی لوگ (انجام کار) کامیاب ہونے والے ہین،
وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ، (عنکبوت ۔۷)	اور جو لوگ ہماری (راہ کی تلاش مین) کوشش کرین گے ہم انھین اپنا راستہ دکھائین گے،
وَلَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى، وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى، (نجم ۳)	اور انسان کے لئے تو وہی ہے، جس کی وہ کوشش کرے اور اپنی کوششون کو وہ جلدی (بارآور ہوتے) دیکھیگا
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا - وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ،	فلاح وبہبودی صرف پاکیزگی مین ہے، اور نکبت ورسوائی خباثت مین،

سیرۃ النبی جلد چہارم

منصب نبوت کی تشریح، قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلعم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اس کے عقائد پر تفصیلی اور حکیمانہ مباحث، ضخامت ۷۰۰ صفحے، قیمت باختلاف کاغذ ۸ عے، ۷ عے، تقطیع کلان،

مہاجرین

حصہ دوم

اسمین ان صحابۂ کرام کے حالات جمع کئے گئے ہین، جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، اور ہجرت کی، ضخامت ۳۶۳ صفحے، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت عہ،

"منیجر"

دسوین صدی ہجری کا ایک بلند پایہ ایرانی شاعر،

کمال الدین وحشی،

از جناب سید ابوسعید صاحب بزمی بھوپالی بی اے آنرز،

دسوین صدی ہجری کا زمانہ فارسی شاعری کے لئے بہت پر سکون اور حیات بخش دور تصور کیا جاتا ہے، اس لیے کہ ادھر تو ہندوستان مین خاندان مغلیہ کی دریا دلیون سے شاعری کے کلاہ افتخار مین نت نئے طرے لگائے جاتے تھے، اور ادھر ایران مین خاندان آصفیہ کے جود و سخا سے شعرا کے قلوب مین ایک نئی حرارت پیدا ہو رہی تھی، پھر ان دونون حکومتون کی چشمک کی وجہ سے ایرانی اور ہندوستانی دربار کے شاعرون مین باہمی مسابقت کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا، اس نے فطرۃً فارسی شاعری کی آب و تاب مین اور چار چاند لگا دیئے[1]، لیکن تعجب ہے کہ اس دور کے شاعرون مین عرفی اور نظیری کے دو تین نامون کے سوا اور قریب قریب تمام دیگر شعراء سے ہم ناآشنا ہوتے جاتے ہین، حالانکہ اس دور مین ہم کو بہت سے ایسے نام جگمگاتے ہوئے نظر آتے ہین جو کسی طرح اپنی خصوصیات مین عرفی یا نظیری سے کم نہین،

نظیری کی غزلیات اس وقت بہت بلند سمجھی جاتی ہین، لیکن اگر غزل کی لطافت و عذوبت، سلاست الفاظ اور بندش کی چستی کے اعتبار سے اس دور کے شعرا کے دیوانون کو پرکھا جائے، اور اگر بقول ملٹن "شاعری نام ہے سادگی، اصلیت اور جوش کا" تو یزد کا ایک عزلت پسند شاعر کمال الدین **وحشی**، ہماری بڑی توجہ کا مستحق ہے، لیکن افسوس ہے کہ اسکا بہت سا کلام یا تو ضائع ہو گیا اور یا اس وقت تک کسی ناقدر شناس ہاتھون مین پڑا ہوا اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے،

---

[1] تاریخ ادبیات ایران از پروفیسر براؤن،

تقی الدین اوحدی مصنف "تذکرہ عرفات" وحشی کے معاصرین مین سے تھا، اس نے وحشی کے حالات کو کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے،

"درکلیاتش نہ ہزار بیت جمع کردہ ام"

لیکن "دیوانِ وحشی" کے نام سے جو نسخہ ایران مین رجب ۱۳۴۷ھ مین حمید الملک مرزا اسمعیل ایرانی کے مختصر سے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے اس مین مشکل سے پانچہزار اشعار ملتے ہین،

افسوس ہے کہ وحشی کے سوانح حیات تحریر کرنے مین بھی تذکرہ نویسون نے کافی بے اعتنائی سے کام لیا ہے

خانِ آرزو، مجمع النفائس[1] مین وحشی کے حالاتِ زندگی پر ایک تشنہ سا نوٹ دے کر لکھتے ہین کہ "چونکہ دیگر تذکرون مین اسکا حال تفصیل سے لکھا ہے، اس لئے مین یہان اس کے بعض منتخب اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہون" لیکن سمجھ مین نہین آتا کہ خانِ آرزو نے کس چیز کو تفصیل سمجھ لیا جبکہ کسی تذکرہ نے نہ تو شاعر کا سنہ ولادت دیا ہے، نہ اس کے باپ کا نام اور نہ اس کے خاندان کے تفصیلی حالات،

حقیقۃً شعرا کے تذکرے بہت ہین لیکن وہ درحقیقت بیاضِ اشعار ہین جنہین شعرا کے عمدہ اشعار انتخاب کرکے لکھدیئے ہین، شعرا کے حالات اور واقعات کم اور نہایت کم ہین[2]"،

بہرحال مختلف تذکرون سے اس کی زندگی کے جو کچھ حالات فراہم ہوسکے وہ یہ ہین:-

کمال الدین نام، دراصل بافق کا رہنے والا ہے جو یزد کے مضافات مین ایک قصبہ ہے لیکن چونکہ اوائل عمر سے یہ اپنے بھائی کے ساتھ جو مرادی تخلص کرتا تھا، یزد مین آکر مولانا شرف الدین علی یزدی کا جو شہر کے مشہور شعرا مین شمار ہوتے تھے، شاگرد ہوگیا تھا اس لئے وہ وحشی بافقی کے بجائے بالعموم وحشی یزدی کے نام سے مشہور ہوگیا[3]،

اگرچہ کسی تذکرہ نے اس کا سنہ پیدائش نہین دیا ہے لیکن بعض باتون سے یہ پتہ چلتا ہے کہ موت کے وقت

---

[1] مجمع النفائس از خان آرزو، درذکر احوال وحشی، اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری مین ہے، جس سے خاکسار نے استفادہ کیا ہے، [2] دیباچہ شعر العجم حصہ اول، [3] ماخوذ از تذکرہ عرفات، آتشکدہ، مجمع النفائس، مقدمہ دیوان وحشی مرتبہ حمید الملک مرزا اسمعیل ایرانی (مطبوعہ رجب ۱۳۴۷ھ)

اس کی عمر ۵۰ سال سے کچھ زیادہ تھی، اور چونکہ اس کا سنہ وفات تحقیقی طور پر ۹۹۱ھ ہے[1]، اس لئے اس کا زمانۂ ولادت تخمینی طور پر دسوین صدی کے ربع دوم کے اوائل مین ہونا چاہئے، اسی بنا پر صاحب مقدمہ لکھتے ہین:-

"ظہور وحشی در قرن دہم بودہ . . . . در اوائل ربع دوم کہ مصادف با واخر سلطنت شاہ اسمعیل است[2]"

یزد مین اس کی گذر اوقات اس زمانہ کے دیگر شعرا کی طرح قصیدہ گوئی اور امرا کی مداحی پر تھی، چنانچہ گو اس کے قصائد کئی ایک ممدوحین کی شان مین ملتے ہین، لیکن اس کا تعلق تعلق غیاث الدین میر میران یزدی (جو شاہ اسمٰعیل کا نواسہ تھا) کے خاندان سے تھا[3]،

عرفات اور ہفت اقلیم کی بعض تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ یزد مین وحشی کی زندگی بہت کچھ تنہا بسر ہوتی تھی، لوگون سے بہت کم ملتا تھا، کہین آنے جانے کا عادی نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ ایران کے شاہی دربار سے اس کا تعلق نہ ہو سکا، غالبًا اسکی گمنامی اور عدم شہرت کی ایک بڑی وجہ اسکی یہ خلوت گزینی بھی ہے،

صاحب مقدمہ کا خیال ہے کہ غالبًا وہ اپنی اسی عزلت گزینی کی وجہ سے ہندوستان نہ جا سکا، حالانکہ اس زمانہ مین خاندان مغلیہ کی فیاضیون اور کرم گستریون نے ہندوستان کو ایرانی شعرا کی حوصلہ مندیون اور بلند پروازیون کا آماجگاہ بنا رکھا تھا،

غالبًا وحشی باوجود قصیدہ گوئی کرنے کے طبعًا طامع اور دنیا طلب نہ ہوگا، اسی لئے اس کی زندگی زیادہ ثروت سے بسر نہ ہو سکی، اس کے ایک قطعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کے اعتبار سے بھی ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، شاید اس کے والدین کا بچپن ہی مین انتقال ہو گیا، اور دیگر اعزہ نے شقاوت قلبی اور بے احساسی سے کام لے کر اس کے معاملات مین بے دردانہ بے اعتنائی سے کام لیا، جسکی وجہ سے اس کو اپنے عزیز وطن کے در و دیوار چھوڑنے کے بعد پھر کبھی وہان جانے کا خیال پیدا نہین ہوا، اس دوران مین وہ صرف ایک مرتبہ بافق گیا ہے

---

[1] عرفات [2] مقدمہ دیوان وحشی صفہ ۱ [3] مقدمہ دیوان وحشی صفحہ ۴ و ۵، تذکرہ عرفات و ہفت اقلیم،

لیکن اپنے اعزہ اور احباب کی تکلیف دہ بے توجہی سے مجروح ہو کر سات مہینہ کے بعد ہی یزد واپس آگیا، اور پھر کبھی وہاں باقی نہ گیا، اس واقعہ کو اس نے ایک قطعہ مین اس طرح ظاہر کیا ہے،

درآن دہ مجاور شدم ہفت ماہ   نپرسید حالم چہ دشمن چہ دوست
مین اس گاؤن مین سات مہینہ تک ٹھہرا رہا   لیکن دوست دشمن کسی نے میری بات بھی نہ پوچھی
جواب سلامم ندادند نیز   ازانرو کہ اطلاق دادن بروست
میرے سلام کا جواب بھی نہ دیتے تھے   اسلئے کہ آخر اسپر بھی تو "دینے" کا اطلاق ہوتا ہے[1]

اگرچہ مختلف تذکرون کے دیکھنے سے اس کے سفر کرنے کا کوئی حال معلوم نہین ہوتا، لیکن اس کے بعض اشعار سے صاحب مقدمہ یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ شاید عراق وکاشان گیا ہو،

وحشی اپنی ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے بہت بدرو تھا، چنانچہ اپنے گنجے پن کے متعلق ایک جگہ لکھتا ہے:-

نشستم دوش در گنجے کہ سازم   سر کل را بزیر فوطہ پنہان
درآنساعت حکیمے در گذر بود   مرا چون دید زینسان گشت خندان
پریشان حال بودم من درآن وقت   ز فعل او شدم از سر پریشان
بمن گفتا کہ داروئے مراہست   کزان دارو سر کل راست درمان
شنیدم از جگر آہے و گفتم   مگر نشنیدۂ حرف بزرگان
زمین شورہ سنبل بر نیارد   درو تخم عمل ضائع مگردان

وحشی کی وفات کے متعلق اختلاف ہے، لیکن اس مسئلہ مین ہمارے لئے سب سے زیادہ مستند قول

---

[1] یعنی وہ لوگ اتنے بخیل اور زر پرست تھے کہ "دینے" کے نام سے بھی وہ گریز کرتے تھے، یہانتک کہ سلام کے جواب کو بھی چونکہ "دینے" سے تعبیر کرتے ہین، اسلئے وہ سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہ کرتے تھے، فن بلاغت کی اصطلاح مین اس طرز ادا کو حسن تعلیل کہتے ہین،

اس کے معاصر اوحدی اصفہانی ہی کا ہو سکتا ہے، وہ کہتا ہے،

"عرق تندی نوشید و خلعت نشاہ و بقا پوشیدہ، تاریخ فوت او من گفتہ ام"

چو سرمستانہ وحشی بادہ نوشید از خم وحدت   روان شد روح پاک او بستی سوے علیین
من از پیر مغان تاریخ فوتش طلب کردم   بگفتا ہست تاریخش "وفات وحشی مسکین"[۱]
۹۹۱

اوحدی کے قول کے بموجب وحشی کو یزد کے نواح مین کسی مقام پر دفن کیا گیا تھا، لیکن صاحب مقدمہ کہتا ہے،

"امروز مکان آن نامعلوم است، تنہا چیزیکہ از مرقد وحشی باقی ماندہ است سنگ مرمریست کہ غزلے بر روئے آن حجاری شدہ کہ از افکار خود وحشی است،

کردیم نامزد تبو بود و نبود خویش   گشتیم ہیچ کارہ بملک وجود خویش

سنگ مزبور را درین سنوات یکے از احکام نجیب دار الحکومہ یزد نقل کردہ و لقبۂ برائے وے بنا نمودہ"[۲]

وحشی کا کلام قصائد، غزلیات اور رباعیات وغیرہ کا ایک مجموعہ، مثنوی خلد برین، مثنوی شیرین فرہاد اور مثنوی ناظر و منظور

وحشی کی شاعری وحشی کی شاعری کے متعلق اکثر تذکرہ نویس متفق ہین کہ بہت بلند ہے، مجمع النفائس مین ہے،

"چند حکایت شیرین خسروئے او بسیار شور انگیز است، چنانچہ ہرگاہ خواندہ ام بے اختیار گریہ کردم، در شعر طرز خاصے دارد کہ پیروی او بسیار مشکل است، گویا شعر او سہل الممتنع است"[۳]

تقی الدین اوحدی کہتا ہے:-

"کہ خدائے اقلیم سخنوری، او ستاد کارخانۂ معنی پروری، شیر بیشۂ سخن۔ ۔ ۔ ۔"[۴]

ایک اور جگہ لکھتا ہے:-

"مثنوی فرہاد و شیرینش عالمگیر شدہ"[۵]

آذر دیرپسند ایک بلند پایہ نقاد ہے جس نے وحشی کے معاصرین کی شاعری کے بری طرح پرزے بکھیرے ہین،

---

[۱] تذکرۂ عرفات در ذکر احوال وحشی [۲] مقدمۂ دیوان وحشی [۳] مجمع النفائس خان آرزو در ذکر احوال وحشی [۴] عرفات [۵] عرفات

وہ وحشی کے متعلق لکھتا ہے:۔

"سخنانش حلاوتے تمام وملاحتے مالا کلام دارد، از مراتب عشق وعاشقی آگاہ وغزلیاتِ رنگینش باین معنی گواہ است"

صاحبِ مقدمہ کی رائے ہے:۔

"وے مہارتِ طبع شاعرانۂ وحشی دراداے غزل ومثنوی است، قصائدش درمقابلۂ قصائد متقدمین جلوہ ندارد"

صاحبِ آتشکدہ نے اس کے اشعار کا انتخاب دینے سے پہلے "بذلگفت" کا جملہ لکھا ہے، لیکن اس کی غزلیات کے متعلق علی قلی خان والہ ریاض الشعراء مین لکھتے ہین:۔

"وحشی درغزلسرائی پیروی بابا فغانی میکردہ، انشادِ اینگونہ غزل در ادبیات فارسی تازگی نداشتہ"؛

تعجب ہے کہ علی قلی خان، وحشی کی غزلیات کو خشک اور پھیکا صرف اس لئے کہتے ہین کہ اس نے بابا فغانی کا تتبع کیا ہے، درانحالیکہ "تمام اہلِ فن اور ارباب تذکرہ کا اتفاق ہے کہ متوسطین کی شاعری مین انقلاب پیدا ہوکر جو نیا دور قائم ہوا جو متاخرین اور نازک خیالون کا دور کہلاتا ہے اسکا بانی فغانی ہے"[1]

والہ داغستانی لکھتے ہین:۔

"بابائے فغفور مجتہد فن تازہ ایست کہ پیش از وے احدے بآن روش شعر نگفتہ وپایۂ سخنوری رابجائے رسانیدہ کہ عنقائے اندیشہ پیرامونِ او نمی تواند پرید، اکثر استادان زمان مولنا وحشی و مولنا نظیری نیشاپوری ومولنا ضمیری اصفہانی وخواجہ حسین ثنائی ومولنا عرفی شیرازی وحکیم شفائی اصفہانی وحکیم مسیحا رکنا کاشی ومولنا محتشم وغیرہم متتبع ومقلد وشاگرد وخوشہ چین خرمن طرز روشِ اوئند"

اگر بابا فغانی کے تتبع نے وحشی کی غزلیات کو پھیکا اور بے رنگ بنادیا ہے تو پھر عرفی اور نظیری وغیرہ کی غزل گوئی کا آفتاب بھی مکسوف رہنا چاہئے تھا، حالانکہ خود والہ داغستانی انکی غزلگوئی کے کافی مدحت سرا ہین! حقیقت یہ ہے کہ وحشی کی عزلت گزینی، گمنام زندگی اور عسرت نے اس کی شاعری کو بھی فطرۃً سوسائٹی

---

[1] شعر العجم حصہ سوم،

کی نظرون مین پست کر دیا ہے، اس لئے کہ دربار کے ایک صاحبِ ثروت وجاہ شاعر کے مقابلہ مین ایک دور افتادہ مفلوک الحال شاعر کے کلام کا گہرا مطالعہ کرکے اس کی خوبیون پر غور کرنے کا وقت بمشکل نکالا جاسکتا ہے، چنانچہ یہ اسی ذہنیت کا عکس ہے جو ہم کو والہ داغستانی کے مندرجۂ بالا جملون مین یا صاحبِ آتشکدہ کے تلخ جملہ "بدنگفتہ" مین نظر آتا ہے،

وحشی کے کلام کی خصوصیات

اگر وحشی کے کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس مین ہم کو مندرجۂ ذیل خصوصیتین نمایان طور پر نظر آتی ہین،

ا- کسی ایک خیال کو تسلسل کیساتھ پوری غزل مین ظاہر کرتا ہے، اور اس لئے اسکی بعض غزلین ہماری غزل کی مروجہ تعریف سے خارج ہوکر نظم کی ذیل مین آجاتی ہین،

چنانچہ ایک غزل مین محبوب کے گذرنے ہسکرانے اور لگاوٹ کیساتھ کھینچنے کو اس طرح بیان کیا ہے:-

رسید و آن خم ابرو بلند کرد و گذشت   تواضعے کہ بابرو کنند کرد و گذشت
نوازشم بجوابِ سلام اگرچہ نداد   تبسمے زلبِ نوشخند کرد و گذشت
بجذبہ نگہم کز ہمہ کشان می برد   چہ صید ہا کہ اسیرِ کمند کرد و گذشت
کرشمۂ کہ جنون آورد تعقلِ آن   بلائے دانشِ صد ہوشمند کرد و گذشت

محبوب سفر مین چلا گیا ہے اسکی یاد مین کہتا ہے،

یارب مہ مسافرِ ما ہمزبانِ کیست   باو کہ شد رفیق و کنون ہمعنانِ کیست
تاہمچو ماہ خیمہ بسر منزلی کہ برد   وزہر باکہ دم زند و ہمزبانِ کیست
ماہے کہ چرخ ساخت بدستان جدا از من   تا باکہ دوست گشتہ و ہمداستان کیست
آن مہ کز و رسید فغانم بگوشِ چرخ   یارب نہادہ گوش برائے فغان کیست
وحشی ہمین نہ جانِ تو فرسودہ شد زغم   ان کو غمِ فراق نفرسود جانِ کیست

محبوب سفر مین جا رہا ہے، اس کو مختلف حیلون سے روکتا ہے:-

وداعِ جان و تنم استماعِ رفتنِ تست   مرو کہ گر بروی خونِ من بگردنِ تست

زمانہ دامنت از دستِ ما برون نکند   خدائے را زوی دست ما و دامنِ تست،
بکشورے کہ درو دوستی نشان ندہند   مرو مرو کہ نہ جائے تو، جائے دشمنِ تست
نشین و بال بیفشان کہ ہر کجا بروی   چو نیک درنگری در ہوائے گلشنِ تست

ایک جگہ وصالِ محبوب سے مست ہو کر کہتا ہے:-

المنۃ للہ کہ شبِ ہجر بسر آمد   خورشید وصال از افقِ بخت برآمد
صد شکر کہ زنجیریِ زندانِ جدائی   از حبسِ فراقِ تو سلامت بدر آمد
شد نوبتِ دیدار و زد دم طبلِ بشارت   یعنی کہ دعائے سحری کارگر آمد
جان بود ز ہجرِ تو مہیائے ہزیمت   این بود کہ ناگاہ ز وصلت خبر آمد
بیخود شدہ بود از شغفِ وصلِ تو وحشی   زد در گزران گر بدرت دیر تر آمد

ایک غزل مین محبوب کی عمر رسیدگی اور اس کے باغِ حسن کی پژمردگی کو یون بیان کرتا ہے،

انجامِ حسنِ او شد پایانِ عشق من ہم   رفت آن نوائے بلبل بے برگ شد چمن ہم
کرد آن چنان جمالے در کنج خانہ ضائع   بر عشقِ من ستم کرد بر حسنِ خویشتن ہم
بد مستی و غرورش ہنگامہ گرم نگذاشت   افسردہ کرد صحبت برہم زد انجمن ہم
آن بت کہ بود، افتاد از طاقِ کعبۂ دل   وز کفر شد پشیمان آن کافرِ کہن ہم

یہ خیال انگریزی شعرا مین بہت عام ہے[1]، اور حقیقۃً یہ محبت کرنے والے دل کی سچی تڑپ ہوتی ہے، جو محبوب کی کج ادائیون کے بعد اس کے زوالِ حسن کو دیکھکر اس طرح ظاہر ہوتی ہے،

دیکھئے ان غزلون مین جذبات کی کتنی زندہ تصویرین ہین جو ہم کو شاعر کے احساسات کے ساتھ ساتھ ہنساتی اور رلاتی ہین، حقیقۃً شاعری نام ہے جذبات کے اٹھتے ہوئے سیلاب کا جس کو شاعر بے اختیارانہ الفاظ کا جامہ پہنا دیتا ہے

---

[1] تاریخ ادبیاتِ انگریزی از کاملٹن رکٹ،

اور یہ بات غزل کے دو مختصر سے مصرعون مین اکثر ناممکن ہوتی ہے،

۲- تکلف اور دقت پسندی مطلق نہین ہے، سیدھے سادے الفاظ، سیدھے سادے مفہوم کے ادا کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے، چند مثالین ملاحظہ ہون،

این چشم چہ بود آہ کہ ناگاہ کشودی   وین فتنۂ دگر چیست کہ از خوابِ گران جست
بدیگرے نگذاریم و مردہ ایم مگر   نشانِ تیر تغافل شدن کہ خدمتِ ماست
ہزار بندہ چو وحشی خرید و کرد آزاد   کند مضائقہ دریک نگہ کہ قیمتِ ماست
مریضِ طفل مزاجند عاشقاں ورنہ   علاجِ رنجِ تغافل دو روزہ پرہیز است
ساعدِ او مباد رنجہ شود   داغ بر دستِ نازنین دارد

دیکھئے اس شعر مین کس قدر ندرتِ تخیل سے کام لیا گیا ہے، محبوب نے کسی کو قتل کیا ہے جس کے خون کا چھینٹا اس کی کلائی پر پڑا ہوا ہے، عاشق کو یہ فکر ہے کہ کہین خون کے اس قطرے سے محبوب کی کلائی بدنما نہو جائے

گر سجدہ کند پیشِ تو چندان عجبے نیست   وحشی کہ جز ابروے تو محراب ندارد
اگر جز کعبۂ کوئے تو باشد قبلہ گاہِ من   الٰہی ناامید از سجدۂ آں خاک در گردم
رسم کجاست ایں تو بگو در کدام ملک   دل می برند و چشم ببالا کنند

اسی مضمون مین غالب کا یہ شعر بھی ہے، لیکن وحشی کے طرزِ ادا مین جو لطافت ہے وہ غالب مین کہان!

دلبری ہے کہ دستانی ہر   یکے دل دلستان روانہ ہوا
قصۂ مے خوردنِ شبہا در گشتِ آفتاب   ہم حریفانِ تو می گویند پیشِ آفتاب
حفظِ ناموسِ تو منظور است میدانی تو ہم   ورنہ صد تقریبِ خوب از بہرِ رسوائیم ہست

۳- اگر کبھی صنائع معنوی و لفظی کا التزام بھی کرتا ہے تب بھی سلاست کو ہاتھ سے نہین جانے دیتا،

تمثیلاً ذیل کے اشعار ملاحظہ ہون:-

تا ہچو ماہ خیمہ بہ منزل کہ برد   باد کہ شد رفیق و کنون ہمعنان کیست ۔ ایہام تناسب، مراعاۃ النظیر
ماہے کہ چرخ ساخت بدستان جدا ز من   تا با کہ دوست گشتہ و ہم داستان کیست ۔ مراعاۃ النظیر، تجنیس لفظی،
آن مہ کز و رسید فغانم بگوش چرخ   یا رب نہادہ گوش بسوے فغان کیست ۔ مراعاۃ النظیر؛ رد العجز علی الصدر

میرند وحشی آن غزال از من   ہرگزش میل آرمیدن نیست ۔ مراعاۃ النظیر؛ ایہام تناسب

مجلسے خواہم کہ پیشت گریم و سوزم چو شمع   بر زبان آرم کہ این سوز و گداز از بہر چیست ۔ مشاکلہ

آن بت کہ بود افتاد از طاق کعبۂ دل   وز کفر شد پشیمان آن کافر کہن ہم ۔ تضاد؛ مراعاۃ النظیر،

۴۔ اس کے اشعار مین عشق و عاشقی کے وہ لطیف تخیلات موجود ہین، جو ایک سچے جذباتی دل ہی مین پیدا ہو سکتے ہے، محب و محبوب کی نوک جھونک، معشوق کی بے نیازی، عاشق کو مجلس مین دیکھ کر منھ پھیر لینا، اسکو دیکھکر تیزی سے گذر جانا وغیرہ وغیرہ محبت کے سینکڑون نکات کو اس خوبی سے ادا کرتا ہے کہ آنکھون کے سامنے نقشہ کھنچ جاتا ہے، ذیل کے اشعار ملاحظہ ہون؛

کرشمہ گرم سوال است لب مکن رنجہ   کہ احتیاج بہ پرسیدن زبانی نیست

عشق و محبت کا کتنا لطیف نقشہ اس شعر مین پیش کیا گیا ہے، محبوب عاشق سے ناراض ہو کر کچھ جواب طلب کرنا چاہتا ہے، لیکن اس ناراضگی کے جذبہ کی بنا پر اس کے چشم و ابرو کی حرکت اور اس کے اعضا کی جنبش مین فطری طوریہ جو تغیر پیدا ہو گیا ہے، وہ اتنا کیف انگیز اور ہوشربا ہے کہ عاشق اسکی لذت سے مست ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ "خدا کیلئے آپ اپنے ہونٹون کو گفتگو کی زحمت نہ دیجئے، اس لئے کہ آپ کا ہر ہر کرشمہ مجھ سے میرے اعمال کا جواب طلب کرتا ہے جس کے بعد زبانی کہنے سننے کی کوئی ضرورت ہی باقی نہین رہتی"۔

آخر اے صاحب متاع حسن این دشنام چیست   در سر دریوزہ گر از ما دعائے سر زدہ است

زین در بہ درد گر غرضت رفتن وحشی است   حاجت بتغافل زدن و تندی خو نیست

ذرا اس شعر کے منظر کا تصور کیجئے، اتفاق سے عاشق محبوب کی مجلس مین آبیٹھا ہے، محبوب چاہتا ہو کہ

وہ چلا جائے تاکہ اغیار سے بے تکلف ہو سکے، اس لئے وہ کبھی تو عاشق سے کٹی کٹی باتین کرتا ہے، کبھی اس کی طرف سے منھ پھیر کر بے توجہ ہو جاتا ہے، عاشق یہ دیکھکر کہتا ہے "اگر آپ چاہتے ہین تو وحشی اس بارگاہ سے چلا جاتا ہے، اس طرح بے اعتنائی کرنے اور خواہ مخواہ خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے"؛

من خود از حیرتِ تو خاموشم   حاجتِ منع و لب گزیدن نیست

دیکھیے کتنا دلفریب نقشہ ہے، عاشق دفعۃً محبوب کے سامنے آگیا، محبوب یہ دیکھکر حیران رہ گیا، اور اس ڈر سے کہ کہین عاشق کی والہانہ داد و فریاد سننے سے وہ دوسرون کی نظرون مین بدنام اور مطعون نہ ہو جائے اس سے اشارون سے دھیرے دھیرے خاموش رہنے کی استدعا کرتا ہے، یہ ایسا عجیب منظر ہے جس کی لطافت کا اندازہ خود وہی قلوب کر سکتے ہین جنپر کبھی یہ حالت گذری ہو، بہرحال عاشق یہ سنکر محبوب سے کہتا ہے "مین خود آپ کو دیکھکر سراپا حیرت بنا خاموش کھڑا ہون، اور اس لئے یہ چپکے چپکے منع کرنے اور لبون پر انگلی رکھنے کی کیا ضرورت ہے"؛

خود رنجم و خود صلح کنم عادتم این است   یک روز تحمل نکنم طاقتم این است

جو قلوب محبت کی چاشنی سے باخبر ہین وہ جانتے ہین کہ محبوب کی بے رخیون پر دن مین کتنی مرتبہ غصہ آتا ہے، لیکن محبوب کو خبر بھی نہین ہوتی، اور عاشق خود ہی خود اپنے دل مین سوال جواب کرکے یہ غصہ رفع کر لیتا ہے؛

آہ این چہ غرور است کہ صد تشنہ گر افتد   وز دیدہ ہم از دور تماشا نکند بس

عشقِ ما پرتو ندارد ما چراغِ مردہ ایم   گرم کن ہنگامہ دیگر کہ ما افسردہ ایم

اسی مضمون کے قریب قریب جگر مرادآبادی کا ایک شعر ہے،

ہنسی پھر اڑنے لگی عشق کے فسانے کی   نقاب اٹھاؤ بدل دو فضا زمانہ کی

شرابِ لطف پُر در جام میریزی دمے ترسم   کہ زود آخر شود ایں بادہ و من در خمار افتم

وقتِ برقع ز رُخ کشیدن نیست   رخ بپوشاں کہ تاب دیدن نیست

اس وقت اپنے چہرہ سے نقاب نہ اٹھایئے   خدارا منھ چھپا لیجئے کہ کسی مین نظارہ کی تاب نہین ؏

بمجلس کاش از من غیرمی شد آں قدر غافل کہ یکرہ بر مرادِ خویش روئے یار میدیدم

منکہ مستم مجلست گرم است و شمعِ مجلسی بزمِ خود افسردہ خواہی کرد ہشیارم مکن

غور کیجئے محبوب کی مجلس سے نہ اٹھنے کا کتنا لطیف حیلہ اس شعر مین پیش کیا گیا ہے،

قصورے نیست در بیگانگی اما نہ بر وقتے نگہ را با نگہ در وقتِ حاجت آشنا لیکن

گفتم بگو ازاں لبِ شیریں حکایتے صد تلخ گفت و بسرِ شیرین کلامِ من

سادہ لوحم میکنم باور، بگو قاصد بگو ہر دروغے کز درِ آں بے وفا آوردۂ

می نشستم کہ مگر خارِ غمم از پا بکشم داد دشنام کہ تقریب میانگیزد برد

زخونِ وحشی اگر منکری نگاہ بمن کن کہ بگذرانم ازاں چشم صد گواہ نہانی

دیکھئے صرف "نگاہ بمن کن" کے جملہ نے شعر کو کتنا "شور انگیز" کر دیا ہے،

وعدۂ جلوہ چون دہی قدوۂ اہلِ صومعہ در رہِ انتظارِ تو فوت کند نماز را

اسی مضمون مین ربیعہ ابن مقرّم کے یہ اشعار بھی پڑھیے اور پھر دیکھئے کہ جذبات کی بے اختیارانہ پکار کس کے کلام مین زیادہ ہے۔

فلو انّہا عرضت لاشمط راہب فی راسِ مشرفۃ الذری یتبتل
لرنا لبہجتہا وحسن حدیثہا ولہمّ من ناموسہٖ یتنزل

(یعنی اگر محبوبہ کو کسی ایسے راہب کے سامنے بھی لایا جائے جسکے بال بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکے ہون، اور جس نے کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھکر اپنی زندگی کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کر دینے کا عہد کر لیا ہو، (ایسا راہب بھی جب اسکو دیکھیگا تو) اسکی خوبصورتی اور حسن سے مبہوت ہو کر اس کو گھورنے لگے گا، بلکہ اسکا یہ دل چاہیگا کہ اپنی عبادت گاہ سے نیچے اتر آئے)

عشق کی صعوبتین شدید ہونے کے باوجود عاشق کے لئے لذت انگیز ہوتی ہین، اس خیال کے ماتحت محبوب

کو مخاطب کر کے کہتا ہے :۔

عشقم خراشِ سینہ شد لطفت چو مرہم می نہد   گر التفاتے میکنی ناسور کن این ریش را

اسی خیال کو اس نے ایک اور جگہ اس طرح ادا کیا ہے :۔

بیش لیلی، کیست تا گوید ز استیلاے عشق   باز گشت از کعبہ مجنون رند و رسوا ہمچنان

اس شعر کے ساتھ یہ پرانی روایت یاد رکھئے کہ جب مجنون سے اس کے باپ نے کہا کہ "خانۂ کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعا مانگ کہ "خدایا میرے دل سے لیلی کا عشق نکال دے" تو اس نے بجائے اسکے یہ کہا کہ "خدایا تو لیلے کا عشق میرے سینہ مین اور بھر دے"

مگر در من نشانِ مرگ ظاہر شد کہ می بینم   عزیزان را نہانی آستین بر چشم تر امشب

بر خاستم کہ دستِ دعائے بر آورم   دشنام داد و راہ دگر گرد و راند و رفت

ہوائے بادہ ساقی سادہ، صرفِ عشرت آمادہ   کسے مست است وحشی کز تو ہشیاری طمع دارد

اسی کو سعدی نے اس عریانی سے ادا کیا ہے :

چو خانہ خالی و معشوق مستِ ناز بود   تواں گریست بر آن کس کہ پاکباز بود

۵ ۔"انسانی جذبات کو متاثر کرنا" شعر کا ایک اہم عنصر قرار دیا گیا ہے، وحشی کے اشعار مین یہ عنصر بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے، ذیل کی مثالون سے اس کا اندازہ ہوگا،

اے چرخ ہماں گیر کہ از جور تو مردیم   ہر دم المے بر الم افزودنِ ما چیست

اس شعر مین عجز و بیکسی کی جو مصوری ہے وہ محتاجِ تشریح نہین، آسمان کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ خدا کے لئے تو ایک مرتبہ یہ سمجھ لے کہ ہم تیرے ظلم سے ختم ہو چکے، لیکن یہ ہر وقت ایک غم پر دوسرے غم کا اضافہ تو نکر،

بر منِ خستہ بین و تند مراں   کہ مرا قوتِ دویدن نیست

خدا کیلئے مجھ ضعیف کے حال پر ترس کھا کر گھوڑے کو اتنا تیز نہ دوڑائیے، اسلئے کہ مجھ مین اب بھاگنے کی طاقت نہین رہی"

با کہ گویم غمت کہ در مجلس ، زہرۂ گفتن و شنیدن نیست

عفاک اللہ مرا کشتی و رفتی نکو کردی الٰہی بد نہ بینی

ہیچکس را بجاں مضائقہ نیست اگر آں شوخ قصد ایں دارد
نیم جانی ست تحفۂ درویش چہ کند بینوا ہمیں دارد

ایک بے سروساماں درویش کا پیشکش یہی ہو سکتا ہے کہ وہ نیم جان ہو کر آپ کے قدموں پر گر پڑے کیا کرے غریب کے پاس اس کے سوا اور کیا رکھا ہے،

ز ہجراں مردم و بر سر ندیدم کسے را غیر سنگِ تربت خویش

چہ بودے گر منِ بیمار چنداں زندہ می بودم کہ او را بر سرِ بالینِ خود یکبار میدیدم

ما و تو ہم ہر دو ہمداغیم اے مرغِ چمن تو ز گل منال و من از بیوفائیہائے او

تا جاں دہم ز شوق چو ایں مژدہ بشنوم آہنگِ پرسشِ منِ بیمار کردہ

چیست قصدِ خونِ من آن ترکِ کافر کیش را اے مسلمانان نمیدانم گناہِ خویش را

سنگے نہ فتد ایں طرف از گوشۂ آں بام ایں بخت نباشد سرِ شوریدۂ ما را

دل پر حسرت از کوئے تو بر گردیدم و رفتم نشد پابوس روزی آستاں بوسیدم و رفتم

ازپئے یک نیم جاں چند تقاضائے ناز میدہم اینک تو لیک مجالے بدہ

یکرہ سوال کن نگہِ بے گناہِ خود زیں چشمِ پر تغافلِ اندک نگاہِ خود

اس شعر مین "بیگناہ" کے لفظ مین جو زور ہے اس کو ذہن مین رکھکر شعر کو پڑھئے اور پھر دیکھئے کہ حسرت و اضطراب کی الم انگیز کہانی کس درجہ دردناکی کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیگئی ہے،

۶۔ بعض اوقات اشیاء کے فلسفہ کو نہایت خوبی سے ادا کرتا ہے، ذیل کی مثالین ملاحظہ کیجئے:-

(۱) عشق خود بخود ہو جاتا ہے، عقل و تدبیر کو اس سے کوئی تعلق نہین،

دست کردن در کمرِ باعشق کارِ عقل نیست   فتنۂ نتوان برائے خود بزور انگیختن

۲- دنیا مین ہر شخص کسی نہ کسی غم مین مبتلا ہے،

وحشی ہمین نہ جانِ تو فرسودہ شد زغم   آنکو غمِ فراق نفرسودہ جانِ کیست

۳- عشق عقل و ہوش سب کچھ ختم کردیتا ہے،

خانہ پُر بود از متاعِ صبر این دیوانہ را   سوخت عشقِ خانہ سوز اول متاعِ خانہ را

۴- زندگی مین عشرت کی ایک مختصر سی ساعت بھی ہر قیمت پر سستی ہے،

باآنکہ روزِ وصل را دانم کہ شوقم میکشد   ندہم بصد عمرِ ابد یکساعتِ آں روز را

شعر العجم

(حصہ دوم)

شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک) مع تنقید کلام، مطبوعۂ معارف پریس، ضخامت ۳۰۲ صفحے، قیمت عہ

(حصہ سوم)

شعرائے متاخرین کا تذکرہ (فغانی سے ابوطالب کلیم تک) مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۲۳۰ صفحے، قیمت عہ

"منیجر"

علم الحیوانات پر ایک نئی توجہ

از جناب محمد سعید صاحب عثمانی، ہوشیارپوری، بمبئی،

مذہب اور سائنس دونون کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ کائناتِ ارضی کی تمام مختلف الانواع مخلوقات مین صرف ایک ہی نوع ذمہ دارانہ حیثیت رکھتی ہے، اور فطرۃً اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے، کہ وہ اپنی زندگی کے ہر قسم کے علمی اور عملی مظاہرات کے لئے پورے احساس اور قطعی یقین کے ساتھ اپنے آپ کو جواب دہ قرار دے، خواہ وہ مظاہرات انفرادی ہون یا اجتماعی، یہ نوع، نوع انسانی ہے،

نوع انسان کے متعلق یہ امر بھی بخوبی سمجھ مین آسکتا ہی کہ دنیا مین صرف وہی ایک نوع ہے، جس کا وجود اپنے اندر حقیقت اور استقلال رکھتا ہے، موت کے بعد روح انسانی کی موجودگی اور اس کا بقا تمام مذاہب کے نزدیک مسلم ہے، سائنس کی تحقیق جدید بھی روحِ انسانی کی حیات بعد الممات کو تسلیم کرتی ہے، حکمائے اسلام انسان کے اندر دو روحون کی موجودگی ثابت کرتے ہین، ایک روحِ حیوانی جو قوائے طبعی کا سرچشمہ ہے، اور موت کے ساتھ ہی فنا ہوجاتی ہی، اور دوسری روحِ انسانی جو محلِ معرفتِ الہیات ہے، اور جو موت کے بعد بھی جسمِ خاکی سے علیحدہ ہوکر باقی رہتی ہی،

روح کے متعلق تفصیلی اور ناقدانہ تبصرہ کرنا میرے مبحث سے خارج ہے، لیکن جو کچھ مین کہنا چاہتا ہون اسکے سمجھنے کے لئے یہ تذکرہ کردینا ضروری ہی، کہ روحِ انسانی ایک مستقل اور غیر فانی چیز ہے، برخلاف روحِ حیوانی کے جو ایک وقت معین کے بعد فنا اور کالعدم ہوجاتی ہے، اس کے خلاف تناسخ کا نظریہ عقلِ سلیم کے نزدیک قابلِ التفات نہین ہے، یقیناً اس زمانہ مین جب کہ دنیائے علم کی قوائے عقلیہ کافی نشو ونما پاچکی ہین، یہ نظریہ خود بخود رد ہوچکا ہے، اگرچہ ویدون کو بفرضِ محال کتبِ سماوی ہی کیون نہ تسلیم کیا جائے، تاہم یہ کہا جائیگا کہ امتدادِ وقت اور انقلابِ زمانہ

کا ان پر بہت کچھ تصرف ہو چکا ہے، اس لئے اس بحث کو بھی مین طول دینا نہین چاہتا، بہر حال چونکہ تمام مذاہب آسمانی کا روح کے متعلق ہمارے متذکرۂ بالا نظریہ سے اتفاق ہے، بنابرین مین اس کو صحیح تسلیم کرکے اپنے اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہون،

مین نے یہان تک بیان کیا تھا کہ انسان ایک مستقل اور غیر فانی ہستی ہے، اور اس کے خلاف باقی سب حیوانات، چرند، پرند، اور حشرات الارض موت کے ساتھ فنا اور کالعدم ہو جاتے ہین، گویا جوہر تخلیق صرف انسان ہے اور اس کے سوا جو کچھ موجود ہے وہ سب عوارض ہین، یا یون سمجھنا چاہئے، کہ انسان کتابِ دنیا کا متن ہے، اور باقی سب مخلوقات اسی متن کی شروح و تفاسیر ہین،

یہ ظاہر ہے کہ حیوانات مر کر فنا ہو جاتے ہین، اور اون کو کسی قسم کی ذمہ دارانہ حیثیت حاصل نہین ہے، یہان طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ صدہا قسم کے جانور کیون ہین؟ ان کی تخلیق مین قدرت کی کون سی حکمتین مضمر ہین؟ کہا جا سکتا ہے کہ نوعِ انسان کے آرام اور فائدہ کے لئے یہ سب جانور پیدا کئے گئے ہین، اکثر جانورون کا گوشت انسان کی مرغوب ترین غذا ہے، اور کئی ایک انسان کے لئے دودھ اور پشم مہیا کرتے ہین، اور بعض باربرداری، اور سواری کی خدمت بجا لاتے ہین، لیکن پھر بھی یہ سوال تشنۂ تسکین رہجاتا ہے؛ ہم دیکھتے ہین کہ بیشمار مچھر جو ملیریا کا سرچشمہ ہین، اور ان گنت چوہے جو پلیگ کے موجد ہین، اور ان کے علاوہ کھٹمل، پسو، مکھیان، بھڑین، سانپ اور صدہا قسم کے دوسرے موذی جانور اور خونخوار درندے، نوعِ انسان کی ہلاکت اور بربادی کے باعث ہین، اس حقیقت سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ انسان حیوانات سے تمتع بھی حاصل کر سکتا ہے اور ضرر بھی، اس صورت مین یہ نظریہ کہ حیوانات کو انسان کے فائدہ اور خدمت کے لئے قدرت نے پیدا کیا ہے، غلط ٹھہرتا ہے، کیونکہ بصورت دیگر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہین کہ تخلیقِ حیوانات نوعِ انسانی کی ہلاکت اور ضرر کی غرض سے عمل مین آئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ لغو اور محال ہے، اس لئے یہ معلوم ہوا کہ حیوانات انسان کے لئے ضرر رسان بھی ہین اور نفع بخش بھی، لیکن ان دونون یا ان مین سے کسی ایک کو تخلیقِ حیوانات

کی علت قرار نہین دیا جا سکتا،

دنیا کی ہر چیز کے مالہ اور ماعلیہ پر غور کرنا، اور اس کے اسرار پر اطلاع پانے کی کوشش کرنا انسان کا علمی اور عقلی فرض ہے، انسان کے متعلق حکمائے زمانہ نے طویل بحثین کی ہین، کہ اس کا مقصدِ زیست کیا ہے، اور کیون پیدا کیا گیا ہی، علمائے اسلام نے اس بحث مین نہایت دلچسپ باتین پیدا کی ہین، جن سے اسرارِ تخلیق پر کافی روشنی پڑتی ہے، جس دقتِ نظر سے انھون نے انسان کا مطالعہ کیا ہے اور فطرت کے رازہائے سربستہ کو ظاہر کیا ہے، یقیناً قابلِ تحسین ہے، اور احسان و امتنان کا ایک بارِ عظیم ہے، جس سے دنیائے انسانیت کبھی سبکدوش نہین ہو سکتی، انسان کی بلندیِ نظر، وسعتِ تخیل، اسکی ہمہ گیری اور فراست کے پیش نظر وہ یہان تک لکھ گئے ہین کہ انسان عالمِ صغیر ہے، یعنی عالمِ شہود مین جو کچھ بھی ہے، وہ سب کچھ اس چھوٹے سے جہان یعنی انسان مین موجود ہے، فطرتِ انسانی کے سوال کا یہ حل بالکل صحیح اور درست ہے، اگرچہ اس حل کی تشریح مین تخلیقِ حیوانات کے اسرار تک ہماری رہنمائی نہین کی گئی، میری اس تحریر کا موضوع اسی مسئلۂ لاینحل پر غور کرنا ہی،

قدرت نے انسان کو بہت سی صفات کے ساتھ متصف کیا ہے، جنمین سے بعض نیکی کا سرچشمہ ہین، مثلاً رحم و عدل، صدق و وفا، اتحاد و مودت، غیرت و حمیت، تہور و شجاعت، احساسِ مساوات، جذبۂ حریت، اصلاحِ نفس، وغیرہ، اور بعض برائی کا منبع ہین، مثلاً قساوت و ظلم، کذب و افترا، افتراق و مخاصمت، خباثت و دناءت، غیظ و غضب، غرور و نخوت، فسق و فجور، وغیرہ، ان ہر دو قسم کے صفات کو اخلاقِ فاضلہ اور اخلاقِ رذیلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور ان کی افراط و تفریط اور کیفیت و کمیت کے متفاوت اندازے ان کی تعداد مین ایک کثیر اضافہ پر منتج ہوتے ہین، پھر اون کی ترکیب اور امتزاج کی مختلف ہیئتون سے اون کی صورِ معنوی متشکل ہوتی ہین،

مسئلۂ تخلیقِ حیوانات پر سالہائے دراز کے فکر و تدبر کے بعد مین جس نتیجہ پر پہنچا ہون وہ بظاہر ایک حیرت انگیز نظریہ معلوم ہوتا ہے، پہلی مرتبہ ۱۹۱۹ء مین میرے دل مین یہ خیال پیدا ہوا، اور مین نے ان

خیالات کو قلمبند کیا، لیکن چونکہ یہ بالکل انوکھا اور نیا تھا مجھے جرأت نہین ہوتی تھی کہ کسی کو اس پر مطلع کرون، جون جون زمانہ گذرتا جاتا تھا، اس نظریہ کی صحت و معقولیت مجھ پر روشن تر ہوتی جاتی تھی، لہذا وہ کسی وقت بھی میرے ذہن سے الگ نہین ہوتا تھا،

میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ اتفاق سے قران کریم کی ایک آیت پر میری نظر پڑ گئی، اور میرے خیال مین اوس سے حرفاً حرفاً میرے اس نظریہ کی تائید ہوئی، نیز یہ معلوم ہوا کہ احادیثِ نبوی سے بھی ضمناً اس کی تائید ہوتی ہے، اسلئے اب مین اپنے آپ کو اس قابل پاتا ہون کہ اسے حکمائے زمانہ کے سامنے رکھدون،

تخلیقِ حیوانات کے متعلق وہ نظریہ جو میرے غور و فکر مین ہے، بہ الفاظ سادہ یہ ہے کہ زمین پر چلنے والے جملہ حیوانات، پانی مین تیرنے والے تمام جانور، اور ہوا مین اڑنے والے سب پرندے انسان کے خلاقِ فاضلہ و رذیلہ کی صفاتِ متمثلہ ہین، یعنی قدرت کی صنعتِ کاملہ نے انسان کی کیفیاتِ معنوی کو خارج مین مجسم کرکے دکھادیا ہے، گویا یہ سارا کھڑاگ اجمالِ انسانیت کی تفصیلِ مجسم ہے،

یہان یہ واہمہ پیدا ہو سکتا ہے، کہ اگر حیوانات کلیتہً انسانیت کے اجزا ہین تو جمادات و نباتات کیون نہین، اس کا یہ جواب ہے کہ ظہور اول عالمِ جمادات ہے، اور اس کی ارتقائی حالت کا نام ظہورِ ثانی یعنی عالمِ نباتات ہے، پھر عالمِ نباتات کی ارتقائی حالت کا نام ظہورِ ثالث یعنی عالمِ حیوانات ہے، جب ظہورِ ثالث کا وقت قریب آچکا تھا عین اسی وقت صانعِ حقیقی نے انسان کو پیدا کیا، یعنی انسان و حیوان بیک وقت معرضِ ظہور مین آئے، ڈارون کی تھیوری ظہورِ ثالث تک حقیقت پر مبنی ہے، اسمین شک نہین کہ اسکا مقام فضائے مغرب مین اپنے زمانہ کی سطحِ فراست و بصیرت سے بلندتر ہے، اس نے درست راہ اختیار کی، لیکن آگے چل کر دھوکا کھا گیا، نہ صرف یہ کہ وہ عالمِ حیوانات کی حقیقتِ تخلیق سے یکسر بےخبر رہا، بلکہ اس راہ مین اس نے یہ ٹھوکر کھائی کہ وہ حیوان کو اساسِ انسان قرار دیتا ہے، بعینہٖ اُس بچہ کی طرح جس سے اگر پوچھا جائے کہ تو لڑکی ہے یا لڑکا تو وہ جواب دیگا، لڑکا، پھر معاً اس سے پوچھا جائے کہ تو بیوقوف ہے یا دانا

تو اس کا جواب ہوگا، دانا، پھر اس سے یہ سوال کیا جائے کہ تو گدہی ہے یا گدہا تو وہ فوراً بے تکلف بول اٹھیگا، گدہا، کیونکہ اس قسم کے سوالات مین بچون کو جواب کے لئے سوال کا پچھلا لفظ ہی یاد رہجاتا ہے، اسی طرح ڈارون راہِ تخلیق مین منازلِ حکمت کو جس استدلال کی رہنمائی مین طے کر رہا تھا، آنکھین بند کرکے قدم بڑھاتا گیا، یہان تک کہ اس نے آدمی کو ترقی یافتہ بندر بنادیا،

جو آیتِ قرآنی میرے نظریہ کی بنیاد و اساس قرار پاتی ہے، وہ یہ ہے،

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ	اور زمین پر کوئی حیوان نہین اور نہ کوئی پرندہ
یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ	جو اپنے بازوٗن پر اڑتا ہے، مگر وہ امتین ہین
( )	تمھاری مثلین،

اگرچہ عربی زبان مین "امثال" کے معنی مانند کے بھی آتے ہین، لیکن اسی کے ساتھ اسکے معنی "صفت" و "حالت" کے بھی ہین، مثلاً وللہ المثل الاعلیٰ یا مثل الجنۃ التی وعد المتقون یا مثلھم کمثل الذی استوقد نارا اس لئے دراصل قرآن مجید کی مذکورۂ بالا آیت مین چرند و پرند کو انسانون کی صفت و حالت مین پیش کیا گیا ہے، اور اس لئے یہ کہنا اپنی جگہ پر صحیح ہو سکتا ہے، کہ تمام چرند و پرند دراصل انسان کے اخلاقِ فاضلہ و رذیلہ کے صفاتِ متمثلہ ہین جن کے ذریعہ انسان کی کیفیاتِ معنوی خارج مین مجسم کرکے دکھائی گئی ہین،

عجب کیا کہ اگر اخلاقِ انسانی کی کیفیتون اور حیوانات کی مادی اور طبعی حالتون کا پوری شرح و بسط سے استقصا کیا جائے، تو جدید نظریہ کے مزید دلائل و براہین مہیا ہون، اور اس سے انسان کو گران بہا جسمانی اور روحانی فوائد حاصل ہون،

مکالمات برکلے

برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ جسمین مکالمہ کی صورت مین برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہی، قیمت عہ حجم ۱۴۰ صفحے "منیجر"

نامۂ کیمبرج

شذراتِ افکار،

از

پروفیسر تاثیر، ایم اے، کیمبرج

پروفیسر تاؔثیر ایم اے (اسلامیہ کالج لاہور) پنجاب کے متوقع فاضل ادیب ونقاد ہین، اُن کو اردو اور انگریزی ادبیات پر یکسان عبور ہے، ہم کو یقین ہے کہ وہ ایک دن پنجاب کے مسلم الثبوت ادیب وفاضل مشہور ہونگے،

وہ چند ماہ سے اپنی طلب علم کی تکمیل کے لئے انگلستان گئے ہین، وہان سے ان کا جو پہلا خط میرے نام آیا ہے، وہ اس قابل نہین کہ اسکو صرف نجی کے طور پر پڑھا جائے، اور ناظرین معارف کو اس کے لطف سے محروم رکھا جائے، سب سے پہلے ان کے مذہبی جذبہ کا ہم کو احترام ہے، پھر ان کے قومی احساس کی تصویب کرنی چاہئے، بعد ازین انکی صحیح علمی طلب وتحقیق کی داد دینی ہے، ہم کو یورپ جانے والے نوجوانون سے بھی شکایت رہتی ہے کہ وہ اپنی چیز سے بے خبر ہو کر یورپ کیون جاتے ہین، اور وہان کی ہر اچھی اور بری چیز سے اس قدر مرعوب کیون ہو جاتے ہین، پروفیسر تاؔثیر نے اپنا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ ہمارے یورپ جانے والے نوجوانون کے لئے ایک نئے دور کا دیباچہ ہے،

اپنی تعلیم وتحقیق کار مین ان کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے ہم اس پر بخلوص دل ان کو مبارکباد دیتے ہین، اور دعا کرتے ہین کہ وہ یورپ کا علم سیکھ کر آئین، یورپین بنکر نہ آئین، کہ تاؔثیر کی تاثیر سے ہمارے غلط رو نوجوانون کو سچی رہنمائی مل سکے،

"سلیمان"

علامۂ محترم - السلام علیکم

کیمبرج مین داخلہ نادم ہون کہ اب تک کوئی عریضہ ارسالِ خدمت نہ کرسکا، لیکن کچھ اس جلدی مین روانہ ہوا، اور اس بے سروسامانی سے یہان پہنچا کہ سر نہ اٹھاسکا، اب پہلا ٹرم (دورِ اوّل) ختم ہوا ہے تو حاضرِ خدمت ہورہا ہون، مین انگریزی ادب مین ریسرچ کررہا ہون، اور بدقسمتی سے اس وقت پہنچا ہون جب چند سال پہلے یہان کے ذمہ دار پروفیسر (کہ یہان وہی حاکمانِ قضا و قدر ہوتے ہین) طے کرچکے ہین کہ کسی اجنبی کو (امریکن، ہندی، جرمن کوئی ہو) کم ازکم انگریزی ادب مین براہِ راست پی - ایچ - ڈی کے لئے نہین لیا جائیگا، عام طلبہ کو بی اے (TRIPOS) مین لے لیتے ہین اور ریسرچ والون کو (M. LIT) ایم - لٹ مین، اور بس! - مگر چونکہ میرا مقصد محض حصولِ علم ہے اسلیے مین ڈگری کے نام پر نہین گیا اور لنڈن اور ڈبلن وغیرہ کی طرف رجوع نہین کیا، تجارتی طور پر شاید ایم لٹ سے زیادہ بی اے مفید ہوتا مگر ہفتہ عشرہ کے بعد میرے نگران نے مجھ سے واضح طور پر کہدیا تھا کہ "یہ محض ابتدائی SCHOOL WORK ہے، تمھین امتحان بازی سے بہتر کام کرنا چاہئے"؛

میرا موضوع آپ خوش ہونگے جو کام مین کررہا ہون وہ ادبی بھی ہے اور اسلامی بھی! دین و دنیا دونون کی بہتری کی امید ہے، انشاء اللہ - میرے مضمون کا عنوان ہے: "مشرق کا تصور انگریزی ادب مین، از ابتدا تا حال" - مشرق سے مغرب کی بیشتر مراد مسلمان ہی رہے ہین اور میرے اس کام سے عجب عجب انکشافات کی توقعات ہین، شاید ہمارے ان مغرب زدہ حضرات کو جو آپ ہی آپ مغرب کو مذہب سے عاری قرار دیکر اپنے دماغی افلاس کے لئے سہارا ڈھونڈھتے رہتے ہین کچھ عبرت حاصل ہو، مین نے کام بالکل ہی ابتدائے عہد سے شروع کیا ہے، آج کل اینگلو سیکسن عہد کی تصنیفات مین مشغول ہون، مشکل یہ ہے کہ مجھے انگریزی ادب کی ہر صنفِ نظم و نثر - ڈرامہ، ناول، سیاحت وغیرہ کی کتب مین سے گزرنا پڑے گا، اور چونکہ پروفیسرون نے ان کتب کو میرے زاویے سے کبھی نہین دیکھا اسلیے وہ مجھے پوری راہبری کی امید نہین دلاتے، لیکن یہان کے پروفیسر اسقدر فنا فی العلم ہین، اور اس قدر خوش اخلاق اور منکسر المزاج ہین کہ ہر وقت ہر قسم کی مدد کے لئے طیار رہتے ہین،

یورپین اساتذہ اور مذاہب میرے نگران کار جو انگریزی شعبے کے صدر ہین، نائٹ بھی ہین اور بیسیون کتابون کے مصنف ہین، اور عہدِ حاضر کے مشاہیر مین شمار ہوتے ہین، سر آرتھر کولر کوچ! وہ ان تمام صفات مین شاید سب سے برتر ہین، مغربی کلچر کا بہترین نمونہ ہین، مگر گرجے بھی جاتے ہین اور اپنی مذہبی تصنیفات سے بھی پوری طرح واقف ہین، کل ہی انکی میز پر پلیو ٹنیس پر ڈین انگ کی کتاب پڑی تھی! ہمارے "تعلیمیافتہ" حضرات مین سے کتنے ایسے ہین جنھون نے سیرت ہی کو اچھی طرح تو کیا محض پڑھا ہی ہو؟ - انھون نے مخالفون کی تحریرون کو بھی نہین پڑھا ہوتا! - اس مین قصور ہمارا اپنا ہے، انگریزی کی سرکاری درسگاہون مین مذہبی تعلیم کا نہ ہونا تو شاید قابل مدافعت ہو لیکن ہمارے اسلامی ادارات مین جو بے نیازی برتی جاتی ہے اس کا کیا جواب، کیا مسلم یونیورسٹی مین کوئی باقاعدہ SYLLABUS موجود ہے، کیا اس قسم کی کوئی تجویز پیشِ نظر ہے؟ مین نے اپنے کالج والون کو تو چند تجاویز لکھ کر بھیجی ہین، دیکھیے کیا انجام ہوتا ہے! ارباب کار کو آپ سے استمداد کے لئے بھی لکھا، امید ہے کہ آپ اسے میری پرانی عادت سمجھ کر معاف کرینگے، (ایک دو ادبی رسائل کو حال ہی مین آپ کے پیچھے ڈال چکا ہون،) مگر ایسا کام تو اسلامی دنیا کے کسی گوشہ مین ہو آپ کی طرف لازمی طور پر ہاتھ پھیلائے جائین گے، ضروریات حاضرہ کے مطابق دینی تعلیم کا نظام تدریس! -

قدیم وجدید کا امتزاج یہان اکثر چند نیک نیت مگر نادان مسلمان نوجوانون سے گفتگو کر کے یہ پرانا احساس پھر بیدار ہوا ہے، کہ ہم نے بی اے بہت پیدا کر لئے ہین، مولوی بھی کافی ہین، کیا ان کا امتزاج ناممکن ہے؟ مین محض علمی پہلو کی طرف نظر ڈال رہا ہون، عمل کی صلاحیت مختلف چیز ہے،

مشکل یہ ہے کہ "دینیات" کو کچھ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ اب وہ محض مضحکہ کا سامان بنکر رہ گیا ہے، کوئی وجہ نہین کہ جب انگلستان مین قمیص کو پتلون سے باہر لٹکا کر چلنا مہذب مجالس مین شرکت سے مانع ہو سکتا ہے، تو معاشرتی معاملات مین ہمارے علمار کے فتاوے کفر کو بربریت کا نمونہ سمجھا جائے، دینیات کلچر ہی کی تعلیم ہے، اس کے لئے طہارت کے مسائل بھی اہم ہین اور آدابِ مجلس بھی، ان کا انکاری "کافر" نہ ہوا، تو اور کیا ہوا، بلفرق مراتب لیکن ہمین تو کفر کے معانی یا اصطلاحی مدارج بھی بتائے نہین جاتے،

جب ہماری سرکار عالی مدار نے انگریزی تعلیم رائج کر کے بیک جنبشِ قلم ہمارے سینکڑون عالمون کو جاہل اور ہزارون باروزگارون کو بے روزگار بنا دیا تو اس وقت یہی بدنصیب ملّا اٹھے اور انھون نے عدم تعاون کی اولین آواز بلند کی اور اس سے انکار کرنے والون کو کافر قرار دیا، آج غدار اور "ٹوڈی" کے الفاظ لفظ "کافر" کے محل پر استعمال کئے جاتے ہین اور خراج تحسین حاصل کرتے ہین، مگر ان بیچارے ملاؤن کی تحریک کو جہالت کی بدترین مثال بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور ان کو قومی ترقی کا سب سے بڑا دشمن بتایا جاتا ہے، ضرورت ہے کہ پرانی روایات کو صحیح طور پر استوار کیا جائے اور نئی عمارت کو انھین بنیادون پر قائم کیا جائے، مغرب و مشرق کا جبری اور اضطراری پیوند کبھی بارآور نہین ہوسکتا،

علم و ادب مین قدیم و جدید کا امتزاج

یہی حال ہمارے علم و ادب کا ہے، ہم مغربی زبانون مین فقط انگریزی کچھ کچھ جانتے ہین اور اسی برتے پر ایک جدید ادبی تحریک کا بلند آہنگ ادعا کرتے رہتے ہین، اور یونہی نئی تنقید کا غل غپاڑا مچا رکھا ہے، حالانکہ اپنے ادب کی روایات کی صحیح تفہیم کے بغیر کوئی نیا راستہ پیدا کرنا ناممکن ہے، محض بہاریون پر نظمین لکھنے سے جدید ادب تخلیق نہین کیا جاسکتا، یہ "جدید موضوع" ولی دکنی کے کلام مین بھی نظر آتا ہے اور نہ قوافی کی ترتیب بدلنے سے نیا عروض وضع ہوجاتا ہے، اس مین ہمارے ادیب ابھی پوربی کے گیتون اور ٹھمریون تک بھی نہین پہنچے، نہ جانے ہم اپنے ملکی ادب کو اپنا ماخذ بنانے سے کیون گھبراتے ہین؟ مسلسل نظمون اور مناظرِ قدرت کے شیدائی میر کی مثنویون کو کیون نہین دیکھتے، انھین ان مین حیوانات تک کے کردار منفرد اور جاندار صورت مین دکھائی دینگے، ہمین غیر ملکی ادب سے محض دلچسپی ہے، واقفیت کچھ بھی نہین، صحیح پندار تو اور چیز ہے محض اپنے ادب سے دلچسپی تک نہین،

ترک سلاطین کی ادب نوازی

یہان ایک ہندی "مستشرق" طالب علم علامہ شبلی کو غیر مستند کہہ رہے تھے اور ریو کے تبحر پر قصیدہ خوانی کر رہے تھے، ایک مورخ "صاحب" ترک سلاطین کی جنگ جوئی کے تو معترف ہین، مگر ان کی علم و ادب سے جہالت پر "ندامت محسوس کرتے ہین"،

سلطان سلیم اول کا دیوان اور مستشرقین کی غلطی

اتفاق سے مجھے ایک قدیم انگریزی نظم کے مسودات کی تلاش مین برٹش میوزیم لندن جانا پڑا، کیمبرج مین پڑے پڑے اُکتا گیا تھا، دو دن کے کام کو چار دن پر پھیلا دیا، ایک دن یونہی سولھوین صدی کے مکتوبات کے سلسلے مین سرآمدِ مستشرقین قدیم وجدید جناب ریو کی فہرستِ مخطوطاتِ ترکی کو الٹ پلٹ رہا تھا کہ سلطان سلیم کا نام نظر آیا، مجھے اس ترک سلطان سے خاص عقیدت ہے اُس کا فارسی دیوان بڑی جد وجہد سے حاصل کیا ہے، جلد جلد اندراج پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ مسودہ نمبر ۷۷۸۶ .A.D سلیم اول نہین بلکہ سلیم ثانی کا فارسی دیوان ہے کچھ حیرت بھی ہوئی کیونکہ سلیم ثانی فارسی مین شعر گوئی سے قطعًا ناواقف تھا، کچھ خوشی بھی ہوئی، کہ ایک نئی دریافت ہوئی، مگر یہ مسودہ جو نکلوایا تو سلیم اول کا کلام پایا، (یہ خوشخط مگر غلط نسخہ ہے جس مین کئی کام کی چیزین غائب ہین) ضیاپے کی خرابات کے انتخاب سے مقابلہ کیا، اپنے نسخے کو دیکھا، اُدھر ریو کی شہرت، ادھر اپنی آنکھین، حسبِ عادت اپنے ہی پر اعتماد کرتا، مگر ریو نے اپنے اندراج مین بصد وثوق دو اور نسخون کا حوالہ دے رکھا تھا، ایک کنگز کالج کیمبرج کا نسخہ نمبر ۱۶۳، اور ایک پٹرزبرگ لائبریری کا! کیمبرج واپس آیا تو چھٹیون ہی مین کنگز کالج کے کتب خانے کو کھٹکھٹایا، وہان کچھ اور ہی ماجرا پایا، نمبر ۱۶۳ کسی شکاری کے انگریزی مین حالات ہین!، مین نے نگران سے کہا کہ ریو کا حوالہ غلط نہین ہوسکتا، ریو کے نام پر وہ بھی چونکا اور کہنے لگا واقعی ریو کا حوالہ غلط نہین ہوسکتا، چنانچہ پڑتال کے بعد معلوم ہوا کہ نئی فہرست بناتے وقت یہان کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے، ۱۶۳ واقعی دیوان سلیم ہے، نگران نے ریو کا نام دوبارہ بصد احترام لیا اور نسخہ میرے حوالہ کردیا، مگر استغفر اللہ؟ یہ تو شاہجہانی عہد کے شاعر سلیم طہرانی کا دیوان ہے، نہ سلیم اول نہ سلیم ثانی؛ اس مین پان کا ذکرِ لذیذ ہے ؎

چمن بخونِ گل ولالہ پروردیاں را　　بہ پاں سرے ست چو در ملکِ ہند خوباں را
چو برگ لالہ لبِ سرخِ ایں سیاہاں را　　نمی تواں زنزاکت دلیر بوسیدن

مستشرقین کہہ سکتے ہین کہ شاید سلطان سلیم نے پان کا ذکر سنا ہوگا، یا کوئی ہندوستانی لونڈی پیشِ نظر ہو، ایک قطعہ مین پھٹے ہوئے جوتے کی شکایت ہے، یہ بھی شاید شاعرانہ مضمون بندی پر محمول کیا جا سکے، اسی طرح

ع زشوقِ شال سرم راہوائے کشمیر است، کی بھی تاویل ہوسکتی ہے، مگر شاہجہان اور وزیر سلطنت اسلام خان کے قصائد کا کیا کیا جائے، اور امراکی "بھٹ گری" ؎

تا چند کنی فکر پئے جائزہ دادن
در گفتن شعر این ہمہ من فکر نہ کردم

اور یہ حسرت بھری یادِ وطن ؎

زہند ہر کہ سفر می کند سلیم بگو
سلام ما برساند دیارِ ایران را

کنگز کالج کے فہرست نگار نے اسے محض "دیوانِ سلیم" لکھا ہے اور اس سے بڑھکر کوئی تحقیق نہین کی ہے مگر تفصیل مندرجات کے دیتے ہوئے چند سطرون ہی مین "استشراق" کا حق ادا کردیا ہے، تین مثنویون کو ایک بنا دیا ہے، قصائد اور مناقب کو خلط ملط کردیا ہے، اور قطعات کی صنف سے ناآشنائی کا اظہار فرمایا ہے! اب رہا پیٹرزبرگ کا نسخہ، یہ فرانسیسی فہرستِ مخطوطات مین نمبر CDLXXIV ہے، اور فہرست نگار نے بوضاحت اسے سلیم اوّل کا دیوان قرار دیا ہے اور سنینِ سلطنت بھی دئیے ہین، اور کتب خانہ حمیدیہ اور نوری عثمانیہ کے نسخون کا بھی ذکر کیا ہے، مگر "مستشرقیت" کے جملہ لوازم مہیا کرنے کی خاطر مین نے ڈرتے ڈرتے پیٹرزبرگ (اشتراکی لیننگرڈ) بھی یہ سب کچھ لکھ بھیجا ہے!

لیکن سلطان سلیم کا دیوان منہ سے بول رہا ہے کہ یہ سلیم اوّل کا کلام ہے، اس کی اسلامی فتوحات، اور اس کی مجاہدانہ روح چھپائے نہین چھپتین، اسمٰعیل صفوی کی قزلباش (سرخ سر) فوجون کا ذکر، مصر کی فتح، حجاز کی تسخیر ایک ہی نظم مین بہم موجود ہین ؎

لشکر از تختِ ستانبول سوئے ایران تاختم
سرخ سر را غرقۂ خونِ ملامت ساختم

شد غلام ہمتم از جان و دل والئے مصر
تا لوائے خسروی برنہ فلک افراختم

کرد از ملکِ عراق این مژدہ آہنگِ حجاز
چنگِ نصرت را چو در بزمِ ظفر بنواختم

سارا کلام دلچسپ ہے، ترکی مین فارسی ادب کے عروج کی داستان ایک مستقل تصنیف کی محتاج

گب انجمانی کی تاریخ بالکل ابتدائی ہے، مگر غنیمت ہے، مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ سلطان سلیم کے دیوان کے متعلق گب نے دوسری جلد کے کسی حاشیہ مین ریو سے اختلاف کیا ہے مگر نہ دلائل دیے ہین اور نہ گنگز کالج اور نہ پیٹرزبرگ کے حوالجات کی تردید کی ہے، حالانکہ براؤن نے نظر ثانی اور ترتیب کی ہے، بلکہ لکھا ہے کہ ریو سے غلطی النادر کالمعدوم کا حکم رکھتی ہے!!

آیندہ کام مجھے ڈر ہے کہ میرا خط "مقالۂ افتتاحیہ" بنتا جاتا ہے، بلکہ بن چکا ہے، اسے چار مہینے کی خاموشی کا ردِ عمل سمجھئے، اب نئے ٹرم کا آغاز ہے، ۹ رجون تک معروف رہونگا، پھر لمبی چھٹیون کا بیشتر حصہ برٹش میوزیم مین گزارونگا، کیمبرج ہی رہتا، مگر یہان کی لائبریری کئی صدیوں کے بعد نئی عمارت مین منتقل ہو رہی ہے، لہذا چار مہینے بند رہے گی، پروفیسر اور ریسرچ کرنے والے طلبہ سراسیمہ ہو رہے ہین، مجھے خود لندن کا شور و غوغا پسند نہین مگر مجبوری ہے، شاید کچھ عرصہ فرانس رہون، وہان کی لُور گیلری دوبارہ باطمینان دیکھنا چاہتا ہون اور خوش قسمتی سے فرانسیسی سیکھنے کے لئے جو وظیفہ ملا ہے اسکے لئے بھی وہان جانا ضروری ہوگا، لہجہ درست کرنے کی خا

تعلیمی کامیابی آپ خوش ہونگے پہلے ٹرم کے کام کے بعد مجھے انگلش بورڈ نے ایم لٹ سے اٹھا کر پی ایچ۔ ڈی مین ڈالد ہے، اس سے میرے بعد آنے والے ہندوستانی اور دیگر اجنبی طلبہ کے لئے نظیر قائم ہوگئی ہے، گو براہِ راست انگریزی کی پی ایچ ڈی مین نہین لینگے مگر دو تین ماہ کے کام کے بعد تو لے لین گے، قاعدۂ کلیہ کی استثنا تو ہوگئی،

مین شاید پہلا ہندوستانی ہونگا، جسے انگریزی مین کیمبرج یا اوکسفورڈ سے پی۔ ایچ۔ ڈی ملے گی، خدا اگر کامیاب کر دے، مجھے اپنی نااہلیت کا سخت احساس ہے، میرے لئے دعا مانگتے رہئے، مین آپ کی دعاؤن کا بے حد محتاج ہون ؎

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

دیگر کار لائقہ سے یاد فرمائیے، آپنے لکھا تھا کہ تم سے بہت سے کام لینے ہین، فرمائیے!

دہ فصلِ تبریزی

ترک فاضل عالی رومی المتوفی سنہ ۱۰۱۱ھ کی کتاب ربیع المرسوم کا ذکر ہماری کتاب خیام مین آیا ہے، ربیع المرسوم کا نہایت عمدہ اور قدیم نسخہ دار المصنفین مین موجود ہے، عالی دسوین صدی اور گیارہوین صدی ہجری کا ایک ترک فاضل اور ترکی و عربی و فارسی کا مشہور شاعر تھا، اس نے سنہ ۱۰۰۲ھ ربیع المرسوم کے نام سے اپنے فارسی منظومات کا مجموعہ مرتب کیا ہے، اس کا پہلا حصہ ان فارسی رباعیات پر مشتمل ہے، جنکو عالی نے خیام کے رباعیات کے جواب مین لکھا ہے، اس جوابی حصہ کے شروع مین عالی نے خیام کے حالات جن ماخذون سے جمع کئے ہین، ان مین ایک تبریزی کی دہ فصل ہے، اور اسی ذریعہ سے ہم نے اس رسالہ کا حال جانا،

کتاب خیام کی تالیف کے وقت تک ہم تبریزی اور اُسکی دہ فصل سے براہ راست واقف نہ تھے، چنانچہ تالیفِ مذکور مین جہان اس کا ذکر آیا تھا، یہ لکھدیا گیا تھا کہ "ہم تبریزی اور اس کی دہ فصل سے واقف نہین" کتاب کی اشاعت کے بعد حیدرآباد دکن سے خیامیات کے ایک بڑے صاحبِ ذوق ماہر پنڈت وینکٹ راؤ داتار نائب معتمد مالیات سرکار نظام نے کتابِ خیام کی بیحد مدح و ستایش فرمائی بلکہ انھون نے یہانتک لکھا کہ خیام کے متعلق کسی زبان مین آج تک یہ معلومات فراہم نہین ہوئے، ساتھ ہی بڑی بشارت انھون نے یہ سنائی کہ خیام کے رباعیات کے متعدد قلمی مجموعون کے علاوہ تبریزی کی یہ دہ فصل بھی ان کے پاس موجود ہے، اور اس کے بعد مزید مہربانی یہ فرمائی کہ اس رسالہ کی ایک نقل اور ابتدائی صفحات کے فوٹو عنایت کئے،

اس نسخہ کے دیکھنے کے بعد یہ حیرت انگیز حقیقت سامنے آگئی کہ عنوانات پر تقسیم کرکے رباعیات خیام کا سب سے پہلا مدوّن و مرتب نسخہ غالبًا یہی ہے، اس نے حروف تہجی کی رعایت نہین کی ہے،

اس نسخہ کے سرورق پر اس کے پہلے مالک" مالکہ حسن بن علی الحسینی کی مہر ہے، اور ایک اور بھی مہر ہے، دیباچہ سے معلوم ہوا کہ رسالہ کا اصلی نام "طرب خانہ" ہے، لیکن چونکہ یہ دس فصلون پر مرتب ہے، اس لئے دہ فصل کے نام سے مشہور ہوا، مصنف کا نام یار احمد بن حسین الرشیدی المشتہر بالتبریزی ہے، طرب خانہ تاریخی نام ہے، اس سے بحساب جمل ۸۶۷ھ نکلتے ہین، چنانچہ مصنف مذکور دیباچہ مین کہتا ہے،

بہ دہ فصل ایں نسخہ اتمام یافت بہ ترتیب احسن بوجہ نیکو
طرب می فزاید ز ہر صفحۂ اش ورت نیست باور بہ بین روبرو
طرب خانۂ اہل فضل است و بہت طرب خانہ تاریخ اتمام او

اس سے ظاہر ہے کہ اس رسالہ کی تالیف کا سال ۸۶۷ھ ہے، اور یہ سنہ بوڈلین لائبریری کے نسخۂ خیام کے سنہ سے صرف دو سال بعد کا ہے، یعنی بوڈلین کا نسخہ ۸۶۵ھ مین تبریزی کے شہر تبریز مین لکھا گیا ہے،

اس رسالہ مین تبریزی نے خیام کے رباعیات کو نو متفرق عنوانون مین تقسیم کیا ہے، اور ہر عنوان کے نیچے اس عنوان کی مناسب رباعیان جمع کی ہین، اور آخری دسوین فصل مین خیام کے حالات مین دس حکایتین درج کر کے رسالہ کو ختم کیا ہے،

وہ نو عنوانات جنپر تبریزی نے خیام کی رباعیون کو تقسیم کیا ہے، حسب ذیل ہین،

۱- فی التنزیہ والمناجاۃ وطلب المغفرۃ وما یتعلق بہ.

۲- فی الحکمیات واسئلۃ الحکمۃ، والاعتراضات وغیرہ،

۳- فی النصائح والآداب وما یناسب بہما (کذا)

۴- فی الاغتنام والفرصۃ ومضیق العیش وحدوث العالم والفنا وغیرہم (کذا)

۵- فی الخمریات والبحث وما یتعلق بہا،

۶- فی جریان الفصول خصوصًا فی الربیع والعیدین، واغتنام اوقاتہم (کذا)

۷- فی النکات والتضمینات والملمعات.

۸۔ فی الموقوفات،

۹۔ فی السکریات والھزل وما یناسب بہا (کذا)

افسوس ہے کہ پیش نظر نسخہ مین یہ دونون فصلین علٰحدہ علٰحدہ لکھی نہین، یا اس مین سے کچھ صفحے گر گئے ہین، آخری دسوین فصل مین خیام کے متعلق دس حکایتین ہین، یہ تمام حکایتین بے سند اور محض گڑھی ہوئی ہین، اور یہ اکثر وہی ہین، جو پچھلے تذکرون مین خیام کے متعلق ملتی ہین، مثلاً،

۱۔ حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر اور خیام کے درمیان سوال وجواب،

۲۔ شکارگاہ مین خیام کے شکاری کتے کا ڈر کر بھاگنا، اور خیام کا اس پر رباعی موزون کرنا،

۳۔ خیام کا قائل تناسخ ہونا اور گدھے کے کان مین رباعی پڑھنا،

۴۔ امام محمد غزالی کا خیام سے تلمذ، اور نشہ کی حالت مین خیام کا ان کو اجازہ دینا،

۵۔ حکیم ناصر خسرو کا اپنی تالیف روشنائی نامہ خیام کے پاس بھیجنا،

۶۔ خیام اور محتسب والا قصہ،

۷۔ بخارا مین امام بخاری کے مزار پر پہنچکر خیام پر مجذوبانہ کیفیت کا پیدا ہونا

۸۔ وفات اور امام سنائی کے استاد محمد منصور سے تلمذ،

۹۔ خیام کے کوئی اولاد نہ تھی،

۱۰۔ سبزوار مین نظامی عروضی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ کا دیکھنا اور اس کے نیچے یہ لکھا ہونا، کہ مین آخری دفعہ اس سے ملا، اور اس سے اس کی قبر کی نسبت پیشینگوئی سنی، چند سال کے بعد اس کی قبر پر جانا، اور اسکی ماں سے ملنا، اور ماں کا اپنے بیٹے کی بخشایش کے متعلق خواب دیکھنا، اور یہ رباعی اسکی زبان سے سننا ع ای سوختہ سوختنی الخ

عالی کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے اسمین نظامی کی اس ملاقات کی تاریخ سنہ ۵۲۲ھ لکھی ہے، لیکن تبریزی کے پیش نظر نسخہ مین سنہ ۵۱۲ھ ہے، اور سب جانتے ہین کہ اصل چہار مقالۂ عروضی کے قلمی و مطبوعہ نسخون مین اس ملاقات کی تاریخ سنہ ۵۰۶ھ لکھی ہے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،

"س"

تلخیص و تبصرہ

"دانشگاہ" ایران

یعنی

ایران کی ایک نئی یونیورسٹی

ایران کی حکومت جب سے رضا شاہ جیسے مدبر و ہوشمند فرمانروا کے ہاتھون مین آئی ہے، اس وقت سے ایران اپنے ہر شعبۂ عمل مین روز بروز ترقی پر ہے، اور نہایت سلامت روی، اور روح اسلامی کے قیام و بقا، کے ساتھ مختلف قسم کی مدنی، علمی، و تعلیمی ترقی عمل مین آرہی ہے، اسی سلسلہ مین حکومت ایران نے ایک نئی یونیورسٹی "دانشگاہ" کے نام سے آیندہ سال قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے، بلکہ اس یونیورسٹی سے ملحق ہونے والے بعض مدارس عالیہ کا افتتاح اسی سال ہوگیا ہے، جس کے حالات صحیفۂ "الفتح" مصر مین آئے ہین،

اس یونیورسٹی یعنی "دانشگاہ" ایران کے ماتحت مختلف علوم و فنون کے علحدہ علحدہ کالج (مدارس عالیہ) کھولے جائین گے، جنمین سے ایک کالج "کلیہ اسلامیہ" (اسلامیہ کالج) کے نام سے اس سال کھل گیا ہے، اسی طرح سال آیندہ طب، قانون و سیاست، سائنس، آداب و فلسفہ، اور صنعت و حرفت کے لئے علحدہ علحدہ کالج کھولے جائین گے، اور یہ دانشگاہ (یونیورسٹی) کلیۂ اسلامیہ (اسلامیہ کالج) کلیۂ طبیہ (میڈیکل کالج) کلیۂ حقوق و سیاست (لا کالج) کلیۂ علوم (سائنس کالج) کلیۂ فنون (آرٹس کالج) اور کلیۂ فلسفہ و آداب و تربیت پر مشتمل ہوگی،

ان مین سے کلیۂ علومِ دینیہ اسلامیہ کا افتتاح گذشتہ مہینہ مین ہوگیا ہے، اس موقع پر وزیر تعلیم نے اپنے خطبہ مین کہا :-

" وزارت تعلیم نے علوم دینیہ اسلامیہ کے لئے ایک کلیہ کی تاسیس وقیام کا عزم کیا ہے، اسلامی علوم وفنون اس وقت یورپ کے علوم جدیدہ وفنون متنوعہ سے متزلزل ہو رہے ہین، وزارت تعلیم نے عزم کیا ہے کہ وہ مختلف اسلامی علوم وفنون فقہ، حکمت وفلسفہ وادب کو جمع کرکے ان کی حفاظت و ترقی کی خدمت انجام دے، انہی اغراض ومقاصد کے ساتھ اس وقت طہران مین اس مدرسہ کا افتتاح کیا جاتا ہے، جو نمونہ ہوگا، اپنے ان تمام مدارس کا جو ایران کے مختلف شہرون مین قائم ہونگے، اور اس مرکز سے ملحق کئے جائین گے "؛

اس مدرسہ علوم دینیہ اسلامیہ کا افتتاح طہران کی ایک وسیع مسجد مین کیا گیا ہے، یہ مسجد جو "مسجد سپہ سالار" کے نام سے موسوم ہے، طہران کی خوبصورت ترین عمارتون مین شمار کیجاتی ہے، اس کا بانی حسین خان سپہ سالار نامی تھا، جس نے سنہ ۱۲۹۶ھ مین اس کی تعمیر شروع کی، اور جو سنہ ۱۳۰۲ھ مین اختتام کو پہنچی، مسجد مین کہین کہین مرمت اور ترمیم کی ضرورت تھی، حکومت نے اسکی ترمیم وتکمیل کا کام بھی شروع کر دیا ہے، تاکہ یہ اس مذہبی مدرسہ کیلئے کار آمد ہو سکے،

اس مدرسہ کا نصاب مرتب کر لیا گیا ہے، علوم دینیہ اسلامیہ کے تین شعبے علومِ نقلیہ[۱]، علوم عقلیہ[۲]، اور فنونِ ادبیہ[۳] قرار پائے ہین،

اس مدرسہ سے متعلق ایک بڑا کتب خانہ بھی قائم کر دیا گیا ہے، جس مین اس وقت تک ۴،،۳ کتابین داخل ہو چکی ہین جنمین سے ۲۱۵۱ قلمی کتابین ہین، ان قلمی کتابون مین سے اکثر ایسی ہین، جن کے نسخے یورپ اور ایشیا کے کتب خانون مین مشکل سے ملتے ہین،

اس مدرسہ کے لئے مقصورۂ مسجد کی بلندی پر ایک کمرہ بھی تعمیر کیا گیا ہے جس مین ایران کا ایک نو ایجاد آلہ "شاقول" نصب کیا گیا ہے، اس آلہ کو وزارت تعلیم نے پیش کیا ہے، یہ آلہ حرکت زمین کی پیمائش کا کام

دیگا، اس کی ایجاد اس آلہ کی بنیاد پر ہے، جسے لیون فوکو نے سنہ ۱۸۵۱ء مین پیرس مین ایجاد کیا تھا، اسی سلسلۂ افتتاح مین اس آلہ کا تجربہ بھی پہلی مرتبہ پبلک کو دکھایا گیا، حاضرین اپنی اس ملکی ایجاد کو دیکھ کر نہایت محظوظ ہوئے، اسے ایران کے ایک ریاضی دان استاذ نے تیار کیا ہے،

اس کلیہ مین تعلیمی مدت ۶ سال رکھی گئی ہے، جو ہر یک شعبہ منقول و معقول و ادبیات کے لئے جداگانہ ہے، اس ۶ سال کی مدت کے پہلے ۳ سال پر تعلیم کا ایک درجہ تمام ہو جاتا ہے، جس کو ختم کرنے پر طلبہ کو "سند یافتہ" کی سند دیجائے گی، پھر جو طالب علم مزید ۳ سال کی تکمیل کر سکیگا اُسے "فقیہ" "حکیم" اور "ادیب" کی سند عطا کیجائے گی، جو یورپ کی یونیورسٹیون کی "ڈاکٹریٹ" کی سند کے مساوی ہوگی،

پھر اسی طرح اس "دانشگاہ" کے دوسرے کلیات کا افتتاح ہوگا، اور ایران کے دوسرے شہرون مین اسی نمونے کے مدارس عالیہ کھولے جائین گے، جو سب کے سب اس "دانشگاہ" کے ماتحت اور ملحق ہونگے،

"ر"

ترکی کی وزارت تعلیم و حفظان صحت کی دہ سالہ خدمات،

ترکون نے جنگ عظیم کے بعد استقلال و آزادی وطن کے لئے جو سرفروشانہ متحدہ کوششین کین، ان کا ایک اثر یہ بھی تھا کہ، اساتذہ طلبہ تک مدارس و مکاتب سے نکل کر میدانِ جنگ مین آگئے، اور سرفروشی کر کے وطن کی عزت و ناموس بچائی،

وزارت تعلیم کے خدمات استقلالِ وطن کے بعد یہ طلبہ پھر مدارس و مکاتب مین لوٹ آئے، اس وقت تک یہ مدرسے پہلے سے زیادہ زبون حالات مین پہنچ چکے تھے، اور ملک مین تعلیمی ترقی کا سلسلہ مسدود ہو چکا تھا، اس لئے جب نوجوان ترک، استقلالِ وطن کے بعد اصلاحِ وطن کی جانب متوجہ ہوئے، تو تعلیمی سلسلہ مین ان کی پہلی نظر انھی مدارس و مکاتب پر پڑی، اور انھون نے حکومت مین ایک شعبہ وزارت تعلیم قائم کر کے تمام تعلیمی مسائل اس کے سپرد کر دیئے، وزارت تعلیم نے اپنا تعلیمی پروگرام مرتب کر کے اپنی دہ سالہ کوششون سے ان مدارس و مکاتب کو ان کے اعلیٰ مدارج تک

پہنچا دیا، اور طلبہ کی ایک کثیر تعداد صحیح و مفید تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوکر ان مدارس سے نکلی،

اس تعلیمی پروگرام مین سب سے پہلی چیز دار المعلمین (ٹرینگ کالج) کی بناؤ تاسیس تھی، چنانچہ ۲۵ دار المعلمین قائم کئے گئے، جن سے اساتذہ کی ایک کثیر تعداد فارغ التحصیل ہوکر نکلی، اور آجکل انہی دار المعلمین کے فارغ التحصیل مین سے (۱۵) ہزار اساتذہ ابتدائی جماعتون کو تعلیم دیتے ہین جنمین اسوقت ۵۰ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہین، اگر اس تعداد کی ترکون کی مردم شماری کے اعداد و شمار سے تطبیق دیجائے تو معلوم ہوگا کہ گویا ترکی مین جبری ابتدائی تعلیم کا قانون رائج ہو چکا ہے،

ترکون نے جبری تعلیم کا واقعی قانون بھی نافذ کیا، جس سے ترکون کے خواندہ افراد کے اعداد و شمار مین نمایان ترقی ہوئی جس زمانہ مین ترکی مین نئے لاطینی حروف رائج کئے گئے، ان دنون وہان ہزارون مدارس ہر ہر شہر اور قریہ مین کھولے گئے، اور حکم نافذ ہوا کہ ترکی کا ہر متنفس اپنے روزانہ کے معمولات سے فارغ ہوکر ان مدارس مین حاضر ہو اور ان حروف مین لکھنا پڑھنا سیکھے، ہر شہر کے باشندون کی حاضری کا رجسٹر مرتب کیا گیا، اور ان رجسٹرون مین شہر کے ہر باشندہ کی حاضری لازمی قرار پائی، اور ان حروف مین نوشت و خواند کی سند کا حاصل کر لینا بھی لازمی قرار پایا، چنانچہ تمام مرد، عورت، بوڑھے، جوان، امیر اور فقیر ان مدارس مین حاضر ہونے لگے، اور اس وقت تک ۸ لاکھ نفوس ان لاطینی حروف مین لکھنے پڑھنے کی سند حاصل کر چکے ہین، اس جبری تعلیم سے ترکون کی خواندہ جماعت مین غیر معمولی اضافہ ہوگیا،

اسی طرح اس وقت ترکی کے ثانوی مدارس مین ۵۰ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہین، ان مدارس مین مختلف علوم کے علاوہ، زراعت، صنعت اور تجارت وغیرہ کی تعلیم بھی دیجاتی ہے، پھر "دار الفنون" کے نام سے مدرسے جداگانہ ہین، جن مین ثانوی مدارس سے فارغ ہوکر طلبہ داخل ہوتے ہین، دار الفنون مین ریاضی، طبیعیات، فلسفہ، قانون، و اقتصاد وغیرہ کی تعلیم دیجاتی ہے، دار الفنون کے پروفیسرون کی تعداد ۵۰۰ ہے، دار الفنون مین مختلف مضامین کے لئے جداگانہ مدارس عالیہ ہین، جن مین مختلف علوم و فنون تجارت، صنعت، زراعت، جنگلات، کمپونڈری، و دندان سازی بیطاری، انجنیری اور جہاز رانی وغیرہ کی تعلیم دیجاتی ہے، اسی طرح فوجی تعلیم کے لئے مدرسہ حربیہ ہے، لیکن اسکا تعلق وزارت حربیہ سے رکھا گیا ہے، وزارت حربیہ نے بھی ان مدارس پر اپنی پوری توجہ صرف کی ہے، اور اعلیٰ تعلیم کا اہتمام کیا ہے

ترک لڑکیون کو بجز مدارس حربیہ کے تمام مدارس مین اپنا داخلہ کرانے کا حق حاصل ہے، چنانچہ وہ بھی مردون کے دوش بدوش پڑھتی ہین، اور مدارس ثانوی سے نکل کر دار الفنون کے مختلف شعبون کے مدارس عالیہ مین داخل ہوتی ہین، اور بالعموم ڈاکٹری، کمپونڈری، اور دندان سازی وغیرہ کے مدارس سے فارغ ہوکر نکلتی ہین، نیز نسوانی ضروریات کی خاص تعلیم کے لئے علحدہ مدرسے کھولے گئے ہین، یہ گویا اسی طرح عورتون کے لئے مخصوص ہین جیسے مدارس حربیہ مردون کے لئے خاص ہین، عورتون کے ان مدارس مین سب سے اعلی پیمانہ پر انگورہ کا مدرسہ "مدرسہ عصمت پاشا" ہے ان مدارس مین نسوانی ضروریات کی تعلیم وتدریس کے وہ جملہ ضروری سامان جو زمانہ حال مین مہیا ہوسکتے ہین، موجود ہین اسی طرح عورتون کے لئے ایک قسم کے جداگانہ مدارس اور بھی ہین، جن مین انھین سینے پرونے، بننے، بچون کی پرورش اور امور خانہ داری کی تعلیم وتربیت دیجاتی ہے،

وزارت تعلیم نے صنعتِ طباعت ونشر کا اہتمام بھی اپنے ہاتھ مین رکھا ہے، مطابع زیادہ تر قسطنطنیہ مین کھولے گئے ہین، جن سے کتابون کی بڑی تعداد چھپ کر نکلتی ہے، چنانچہ اعداد وشمار کے لحاظ سے ۳ ہزار قسم کی کتابین سالانہ چھپ کر نکلتی ہین، اور ان کی مجموعی تعداد ۴ لاکھ ہوتی ہے، اسی طرح اس نے مدارس کے نصاب تعلیم کی کتابون کی تالیف وترجمہ کا اہتمام بھی اپنے ہاتھ مین رکھا ہے، جن طریقون پر نصاب کی یہ کتابین تیار کیگئی ہین، اور جس نوع کے ان مین مضامین ہین، ان کا تذکرہ معارف کے ان صفحات مین کسی گذشتہ موقع پر آچکا ہے،

وزارت تعلیم نے ملک مین علوم وفنون اور صنعت وحرفت کے پھیلانے اور ذوق پیدا کرنے کی بھی پوری کوششین کی ہین، چنانچہ اکثر شہرون مین زراعت، صنعت وحرفت اور تجارت کی نمائش گاہین قائم کی گئی ہین، اور ان کے نہایت مفید اثرات ملک مین مترتب ہوئے ہین، اسی طرح اشاعت کا ایک مخصوص طریقہ اس نے یہ اختیار کیا ہے کہ چند موٹرون پر انواع واقسام کی چیزین لاد کر ملک مین انھین گشت کرنے کے لئے متعین کر دیا ہے، یہ موٹرین ایک شہر سے دوسرے شہر مین جاتی ہین، چیزون کی نمائش کرتی ہین، اور لوگون کو شوق دلاتی ہین، ان اشتہاری موٹرون کا تذکرہ بھی ان صفحات مین کسی موقع پر مفصل آچکا ہے،

اس طرح علوم تاریخ وجغرافیہ وغیرہ کی خدمت کے لئے مختلف علمی انجمنین مختلف مقامات پر قائم ہین، ان انجمنون کے ارکان کی مجموعی تعداد جوان سے دلچسپی لیتے ہین، اور کام کرتے ہین، ہزارون تک ہے، یہ تمام جمعیتین اور انجمنین ایک مرکزی انجمن "انجمن دانش" (اکاڈیمی) کے ماتحت ہین،

ملک مین اس قسم کی مختلف علمی، ادبی، تعلیمی اور صنعتی ترقیون کے باوجود، ترکی سے ہر سال جو طلبہ تحصیل علوم کیلئے یورپ وامریکہ کو جاتے ہین، ان کی تعداد ہر سال ایک ہزار سے زیادہ ہوتی ہے،

وزارت صحیہ کے خدمات

وزارت حفظان صحت کی دہ سالہ ترقیان حیرت انگیز ہین، ترکی مین قیام جمہوریت سے پیشتر عہد عثمانی مین حفظان صحت کا صرف ایک محکمہ "محکمہ حفظان صحت" تھا، جو وزارت داخلیہ سے ملحق تھا، حکومت ملیہ انگورہ نے معاہدۂ لوزان کے بعد جب نئے سرے سے حکومت کی تشکیل کی تو اس نے ایک مستقل وزارت، "وزارت صحیہ ومعاونت اجتماعیہ" کے نام سے قائم کی،

"وزارت صحیہ ومعاونت اجتماعیہ" نے اولاً ہر ولایت مین ایک محکمہ حفظان صحت اور ضلع کی ہر حکومت مین ایک محکمہ طبابت قائم کیا، اور یہ سب اپنے مرکز "وزارت صحیہ ومعاونت اجتماعیہ" سے ملحق رہے، اس طریقہ سے ۶۲ محکمہ حفظان صحت اور چند سو محکمہ طبابت قائم ہوگئے،

اس جدید نظام کے قیام سے ایک دشواری ڈاکٹرون کے ملنے کی ہوئی، ترکی کے سندیافتہ ڈاکٹر بالعموم بڑے اور مرکزی شہرون مین رہنے کے عادی تھے، وہ چھوٹے شہرون اور دیہاتون مین جانے سے گھبرائے، بالآخر حکومت کو ایک جبری قانون نافذ کرنا پڑا، کہ ہر ڈاکٹر کیلئے دو سال کسی نہ کسی چھوٹے شہر اور دیہات مین قیام کرنا لازمی ہے، اس قانون کے نفاذ کے بعد ملک کے گوشہ گوشہ مین طبی امداد مہیا ہوگئی،

اس کے بعد وزارت صحیہ نے شفاخانے کھولنے کا اہتمام کیا، چنانچہ ابتداءً (۱۵۰) چھوٹے بڑے شہرون اور دیہاتون مین ایسے شفاخانے کھولے گئے، جن مین مریضون کے قیام کا بھی انتظام تھا، پھر (۳۰۰) شہرون اور دیہاتون مین چھوٹی ڈسپنسریان کھولی گئین، جنمین مریض اپنا معائنہ کراتے، اور دوائین لے کر چلے جاتے

ڈسپنسریون اور شفاخانون کے کھولنے مین تعمیرات کا ایک وسیع سلسلہ چھڑ گیا، اور بیک وقت لاکھون روپے کے مصارف حکومت کو برداشت کرنے پڑے،

وزارت صحیہ نے ان اسپتالون کے قائم کرنے کے علاوہ ایک دوسری مفید اجتماعی خدمت جو انجام دی وہ امراض متعدی و وبائی کے لئے ایک مستقل محکمہ کا قیام ہے، جس حصۂ ملک مین جن جن امراض کا غلبہ تھا، وہان ان کے مخصوص اسپتال قائم کئے، اس طرح پوری مملکت ترکیہ امراض کی نوعیت کے لحاظ سے متعدد حصون مین تقسیم ہوگئی اور ہر حصہ مین مختلف امراض ملیریا، آتشک، سل، دق اور بچون کے خاص امراض کے علاج کے مرکز قائم کئے گئے، ان مرکزون اور ان کے ماتحت مقامات کا مفصل نقشہ شائع کیا گیا، اسیطرح ان شفاخانون، ڈسپنسریون، اور علاج کے مرکزون مین جو دوائیان بہم پہنچائی گئین، ان کی لاگت لاکھون تک پہنچی ہے،

ان طبی کوششون سے ترکون کی صحت و تندرستی کو نمایان فائدہ پہنچا، اور اعداد و شمار واضح ہین، کہ ہر قسم کے امراض مین نمایان کمی ہوگئی، اور لاکھون مریض صحتیاب ہوئے،

وزارت صحیہ نے بچون کی پرورش، پرداخت، اور ان کے علاج و معالجہ پر خصوصیت سے توجہ کی، اور بچون کے موجودہ پرورش و پرداخت کے طبی و تمدنی اصول و طریق کی عوام مین اشاعت کی، اور خود حکومت نے ایسے مرکز قائم کئے جن مین اعلیٰ پیمانہ پر پرورش و پرداخت کا سامان بہم پہنچایا، چنانچہ انگورہ، بلاطہ، آطنہ اور ارض روم وغیرہ مین پرورش اطفال کے مرکز قائم ہین،

اسی طرح اس نے دواؤن کی تیاری کے لئے متعدد معمل اور ادارے کھولے، جن مین علمی و فنی تدقیقات کے ساتھ دواسازی کا کام جاری ہے، ان کی بھی ایک لمبی تفصیل ہے،

وزارت صحیہ کے قوانین، طریق کار اور نظام کی تفصیل مین کتاب کی ایک مستقل ضخیم جلد ہے، حقیقت یہ ہے کہ ترکی جمہوریت سے ترکی قوم کو جو فوائد پہنچے ہین، انھین دیکھنے کے لئے محض وزارت تعلیم و وزارت صحیہ و معاونت اجتماعیہ کی خدمات پر ایک نگاہ ڈال لینا کافی ہے، اُن سے حکومت کے دوسرے شعبون کی کارگذاریون کا بھی اندازہ ہوگا

اور نظر آئیگا کہ ترکی حکومت نے پوری مملکت ترکیہ اور ترکی قوم مین ایک نئی روح پھونکدی ہے، جو پوری قوم کو بیدار کرکے اسکو ہر شعبۂ زندگی مین اسکے معراج کمال پر لیجارہی ہے، (آئینہ عرفان کابل)

"ر"

کرۂ ارض کے علاوہ کسی اور سیارہ پر حیات کا امکان

ڈاکٹر والٹر ایڈمس (WALTERADAMS) نے جو رصد خانہ ماونٹ ولسن (امریکہ) کے ڈائرکٹر ہین، حال مین یہ دریافت شائع کی ہے کہ نظام شمسی کے نو سیارون مین صرف تین سیارے ایسے ہین جہان حیات ممکن ہے، یہ سیارے زہرہ، ارض، اور مریخ ہین، عطارد حد سے زیادہ گرم اور کرۂ ہوا سے بالکل معریٰ ہے، اس لئے وہان زندگی کا قیام ممکن ہی نہین، زہرہ کی آب و ہوا اس سے بہت زیادہ بہتر ہے، اس کی وسعت کرۂ ارض کی وسعت کے قریب قریب ہے، اس کا کرۂ ہوا بھی کافی وسیع ہے، اگرچہ اس کا کرۂ ہوا زمین کے کرۂ ہوا سے کسی قدر کم کثیف ہے، اور گہرے بادلون سے پُر رہتا ہے،

ڈاکٹر ایڈمس کا خیال ہے کہ ہیئت دانون نے زہرہ کی سطح غالبًا اب تک نہین دیکھی ہے، اسی وجہ سے اس کی سطح کے حالات سے متعلق کوئی واقفیت موجود نہین ہے، یہ بھی دریافت نہین ہو سکا ہے کہ زہرہ مین دن کتنا بڑا ہوتا ہے، اس سیارہ کی رات کے حصہ کا ٹمپریچر بھی بظاہر وہی معلوم ہوتا ہے جو دن کے حصہ کا ہے، لہذا قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کی گردش محوری چھوٹی ہے، برخلاف اس کے طیف نما (SPECTYOSCOPE) کی مدد سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک دن کرۂ ارض کے کئی دنون کے برابر ہے، زہرہ کے کرۂ ہوا کی ترکیب کا اہم مسئلہ طیف نما نے ایک حد تک حل کردیا ہے، بادلون کی تہ کے اوپر زیادہ تر کاربن ڈائی اکسائڈ (GARBONDiOXiD) ہے، اور اگر اس کے تمام کرۂ ہوا مین یہی عنصر غالب ہے تو یقینًا اس کی سطح پر اس نوع کے جاندارون کا وجود ممکن نہین جس نوع کے جاندارون پر کرۂ ارض کی آبادی مشتمل ہے، اس سلسلہ مین ایک نظریہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ زمین کے کرۂ ہوا کا آکسیجن پودون سے نکلتا ہے جو کاربن ڈائی اکسائڈ استعمال کرتے ہین اور آکسیجن کو بیکار پیداوار کے طور پر خارج کردیتے ہین، ممکن ہے کہ زہرہ کے کرۂ ہوا مین کاربن ڈائی اکسائڈ کی کثرت کی وجہ سے پودے یا جاندار وہان زندہ نہ رہ سکتے ہون، لیکن یہ چیز

یقین کے ساتھ نہین کہی جاسکتی، کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کرۂ ہوا کا بالائی حصہ اس کے تحتانی حصہ سے بہت کچھ مختلف ہو، چنانچہ اس امر کی شہادت موجود ہے کہ زمین کے کرۂ ہوا کے بالائی حصہ مین زیادہ تر نائٹروجن ہے، لہذا اگر کوئی شخص طیف نما کے ذریعہ زمین کو زہرہ کی سطح سے دیکھے، تو وہ بجا طور پر یہ قیاس کرسکتا ہے کہ کرۂ ارض پر بھی کوئی زندگی نہین ہے،

مریخ کی مشہور "نہرون" کا مسئلہ ابھی تک مختلف فیہ ہے، اگرچہ آج بہت کم ہیئت دان ان کو مصنوعی تسلیم کرتے ہین، اس مین شبہ نہین کہ متعدد اہم باتون مین مریخ کرۂ ارض سے بہت مشابہ ہے، مثلاً مریخ کی گردش محوری کی مدت بھی ۲۴ گھنٹہ ہے، اس لئے اس کے دن ورات کی طوالت بھی تقریباً اتنی ہی ہے جتنی کرۂ ارض کے، موسم سرما مین اس کے قطبین مین بھی برف جمع ہو جاتی ہے، اور پھر موسم بہار مین گلنے لگتی ہے، موسم گرما مین اس کے استوائی حصون مین نباتات کی علامتین نمایان طور پر دکھائی دینے لگتی ہین، علاوہ برین اس کا بھی ایک کرۂ ہوا ہے، اور کبھی کبھی اس مین بادل بھی نظر آجاتے ہین، مشابہت کی ان مثالون کے باوجود دونون سیارون کے حالات مین اختلاف بھی بہت زیادہ ہے، رصد خانہ ماؤنٹ ولسن کی جدید ترین تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ مریخ کے کسی ایک ٹکڑے کے اوپر آزاد آکسیجن کی جو مقدار ہے، وہ کرۂ ارض کے اتنے ہی بڑے ٹکڑے کے آکسیجن کے ہزارون حصہ سے زیادہ نہین ہو سکتی، اسیطرح اگرچہ مریخ مین بھی آبی بخار موجود ہے، تاہم کرۂ ارض کے مقابلہ مین اسکی مقدار بہت ہی کم ہے، پھر یہ کہ اسکا ٹمپریچر انتہائی درجون تک پہنچ جاتا ہے، اگرچہ مریخ آفتاب سے قریب ترین سیارہ ہے، تاہم اسکا موسم کسیقدر سرد ہی رہتا ہے، یعنی خطوط سرطان وجدی کے درمیانی خطون مین بھی تقریباً (۶۰) درجہ فارنہائٹ شب مین یہ صفر سے (۴۰) درجہ نیچے آجاتا ہے،

مشتری کے متعلق بعض ہیئت دانون کی رائے تھی کہ اسکی سطح پر اتنی حرارت موجود ہے کہ زندگی قائم رہ سکتی ہے، لیکن اب رصد خانہ لاول کے ڈائرکٹر ڈاکٹر سلائفر نے یہ تحقیق پیش کی ہے کہ مشتری اور زحل دونون سیارون کے کرۂ ہوا کا بالائی حصہ زیادہ میتھین اور امونیا سے مرکب ہے، میتھین ایک دھماکا پیدا کرنیوالی اور اُڑادینے والی گیس ہے، جسے دلدلی گیس بھی کہتے ہین، امونیا ایک مشہور گیس ہے، جن لوگون نے اُسے سونگھا ہے، وہ اندازہ کرسکتے ہین کہ مشتری اور زحل پر زندگی کیونکر گذر سکتی ہے، ان سیارون کے ہوائی کرون مین آکسیجن نہین پایا گیا ہے، اگر آکسیجن موجود ہوتا تو ایک بہت بڑے دھماکے کا ہونا لازمی تھا، کیونکہ آکسیجن اور میتھین کے باہم ملنے سے سخت دھماکا پیدا ہوتا ہے،

(لٹری ڈائجسٹ) "ع ز"

اخبار علمیہ

امریکہ مین سینما کا بائیکاٹ

سینما کی حیاسوز تصویرون کو دیکھکر بالآخر امریکہ کی شوخ نگاہین بھی نیچی ہوگئین، کلیسائے کیتھولک کے سرآوردہ ارکان نے اس فساد کی اصلاح کے لیے ایک انجمن حزب الحیا، (LEGIONOFDECENCY) کے نام سے قائم کی ہے جس کے صدر آرچ بشپ جان میک نکولس (JOHN MC. NICHOLAS) ہین، اور دو کروڑ کیتھولک عیسائیون کو ایک عہدنامہ کے ذریعہ سینما کے بائیکاٹ کی ترغیب دی ہے، اس عہدنامہ پر دستخط کرنے والے عہد کرتے ہین کہ وہ اپنے گھرون اور کیتھولک ادارون کے علاوہ اور تمام جگہون کی متحرک تصویرون سے اجتناب کرینگے، پروٹسٹنٹ اور یہودی فرقون کے پیشوا بھی اس تحریک مین شریک ہوگئے ہین، امید کیجاتی ہے کہ دوسرے تمام فرقون کی شرکت بھی جلد حاصل کرلیجائے گی، اور یہ بائیکاٹ جو عنقریب امریکہ کے طول وعرض مین پھیل جانے والا ہے، دنیا کے دوسرے ملکون مین بھی جاری ہوجائیگا، امریکہ مین سینما دیکھنے والون کا اوسط تخمیناً سات کروڑ ستر لاکھ فی ہفتہ ہے، جن مین سے دو کروڑ تیس لاکھ تماشائیون کی عمرین اکیس سال سے کم ہین، تحریک بائیکاٹ کی کامیابی سے سینما کمپنیون کو جو خطرہ ہے، اسکا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ ان کمپنیون کی ایک منتخب کمیٹی نے آرچ بشپ آف سینٹ لوئی سے یہ استدعا کی ہے کہ ارکان حزب الحیا، کو مہذب تصویرین دیکھنے کی اجازت دیدیجائے، لیکن آرچ بشپ موصوف نے جواب دیدیا ہے کہ "یہ اس وقت ممکن ہے جب بجز پاکیزہ تصویرون کے اور کسی قسم کی تصویر سینما گھرون مین نہ دکھائی جائے، اگر ان مین اچھی اور بری دونون قسم کی تصویرین

دکھائی جائینگی تو ہم اپنی جماعت کو دونون سے روک دینگے، جب تک بری تصویرین بالکل نکال نہ دیجائین اچھی تصویرین بھی ان کے ساتھ رہنے سے خراب ہو جائین گی"۔

امریکن سینما کی اُن تصویرون کے خلاف جن مین امریکہ کی خانگی زندگی کا نقشہ دکھایا گیا ہے، چین، جاپان، ترکی، اور متعدد یورپین ممالک نے احتجاج کیا ہے اور حیرت ظاہر کی ہے کہ تہذیب جدید کے اس علمبردار نے اپنے آپ کو تمامتر عیش پرستی اور فحاشی کی نذر کر دیا ہے، ان شکایات کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوم کے ایک نمایندہ ریمنڈ کینن (RAYMOND CANNON) نے امریکہ کی مجلس ملی کے سامنے ایک تجویز پیش کی ہے کہ جو تصویرین اخلاقی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہین اُن کا داخلہ ایک ریاست سے دوسری ریاست مین قانوناً ممنوع قرار دیدیا جائے، اس تجویز سے سینما کمپنیون مین ایک نمایان تشویش پائی جارہی ہے، اور وہ کلیسا کے بائیکاٹ سے زیادہ حکومت کی نگرانی سے خائف نظر آرہی ہین،

بجلی کی دوہری چمک

گذشتہ اپریل مین کیپ ٹون یونیورسٹی (جنوبی افریقہ) کے مشہور سائنس دان پروفیسر شان لینڈ (SCHONLAND) نے ایک جلسہ مین اپنی دریافت بیان کی تھی کہ بجلی کی چمک دوہری ہوتی ہے، اب امریکہ کے تین سائنس دانون مسٹر لوائڈ (W.L.LLOYD) مسٹر میک ایکرون (K.B.MC-EACHRON) اور مسٹر میک مورس (W.A.MC-Morris) نے تازہ ترین تحقیق کے ساتھ اس بیان کی تصدیق کی ہے، اور ایک خاص قسم کے نو ایجاد کیمرے سے بجلی کی تصویرے کر یہ ثابت کر دکھایا ہے، کہ اس کی چمک دوہری ہوتی ہے، ان تصویرون سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چمک سے پہلے ایک باریک برقی خط بادل سے زمین کیطرف آتا ہے، اس کی رفتار (۱۴) سے (۱۸) فٹ فی مائکرو سکنڈ یعنی ایک سکنڈ کا دس لاکھوان حصہ ہوتی ہے، اس کے بعد فوراً ہی ایک زبردست کڑک ہوتی ہے، اور بجلی پہلے خط کے راستہ پر زمین سے بادل کیطرف جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، اس دوسری چمک کی رفتار پہلی چمک سے آٹھ دس گن زیادہ ہوتی ہے،

سائنس اور کلچر،

انگلستان کے بعض اکابر فلسفہ و سائنس نے موجودہ سائنس اور کلچر پر کتابون کا ایک سلسلہ مرتب کرنا شروع کیا ہے جس کی پہلی جلد "سائنٹفک تحقیق اور معاشی ضروریات" (SCIENTIFIC RESEARCH & SOCIAL NEEDS) کے عنوان سے پروفیسر جولین ہکسلے کے قلم سے نکل کر ابھی حال مین شائع ہوئی ہے، اور رسالہ لٹریری گائڈ نے اسپر ایک نوٹ لکھا ہے، اس سلسلہ کا مقصد جدید دنیائے فکر و عمل کی تصویر پیش کرنا ہے جس کی تشکیل آج سائنس کے ہاتھون ہورہی ہے، پروفیسر ہکسلے کی تصنیف سائنس کے گذشتہ کارنامون کا ذکر کرنے کے بعد نوع انسانی کی آیندہ ترقیون کے لئے اس کی ضرورت اور بہبود و فلاح انسانی کے لئے اسکی ناگزیری بیان کرتی ہے، اس سلسلہ کی ہر جلد جدید خیالات کے کسی ایک پہلو سے متعلق ہوگی، اور پورا سلسلہ بحیثیت مجموعی سائنس کی ہمہ گیر وسعت پر مشتمل ہوگا، اس کی جدید ترین تحقیقات کو پیش کرے گا، اور وہ طریقے بتائے گا جن سے مزید ترقی کی امید ہے، اس سلسلہ کی ادارت پروفیسر لیوی نے قبول کی ہے،

شہاب ثاقب سے متعلق جدید معلومات

حال مین کئی بڑے بڑے ستارون کے ٹوٹ کر گرنے سے شہابون کی تحقیق و تفتیش بہت سرگرمی کے ساتھ کی جارہی ہے اور اس سلسلہ مین بعض اہم مسائل سامنے آرہے ہین، جنمین سے ایک سوال آواز اور روشنی کی رفتار سے متعلق بھی پیدا ہو گیا ہے، اب تک روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے بہت زیادہ تیز تسلیم کی جاتی تھی، لیکن اب یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ کیا دونون کی رفتار برابر ہے، اس سوال کا سبب یہ ہے کہ بہتیرے قابل وثوق شاہدون نے بیان کیا ہے کہ شہاب ثاقب ہوا مین سو میل یا اس سے زیادہ کی دوری پر تھا جب ہی انھون نے اس کی سنسناہٹ سنی تھی اور بعض اوقات اس سنسناہٹ ہی کو سنکر ان کی توجہ گرنے والے ستارہ کی طرف مبذول ہوئی تھی،

شہابون کے متعلق جدید تحقیق سے ایک چیز یہ بھی معلوم ہوئی ہے کہ شہابی مواد ہر روز کثرت کیساتھ زمین تک پہنچتا رہتا ہے، چنانچہ امریکہ صغریٰ سے جو اینٹ آرٹک (ANTARTIC) مین واقع ہے، شہادت آئی ہے کہ ایک ارب بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ چھوٹے چھوٹے شہابے ہر روز زمین کے ہوائی کرہ مین گرفتار ہوتے رہتے ہین،

مردون اور زندون کی گفت وشنید

برطانیہ کے مشہور سائنس دان سر آلیور لاج کا ایک مضمون رسالہ سنڈے گرافک مورخہ ۲۹ر جولائی سنہ ۳۴ء مین چھپا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ "مردون اور زندون کے درمیان گفت وشنید کا تعلق "دورخیالی" (TELEPATHY) کے ذریعہ ممکن ہے، کیونکہ جو شخص مرچکا ہے وہ جسمانی اعضاء سے محروم ہوچکا ہے، اور اگر اپنے کسی عزیز کو کسی واقعہ سے مطلع کرنا چاہے تو اُسے دقت محسوس ہوتی ہے، تاہم دورخیالی کی راہ اب بھی کھلی ہوئی ہے۔"

کچی اور پکی غذائین

اب تک ایک بڑی جماعت قائل تھی کہ جسم کی طاقت اور توانائی کے لئے کچی غذائین پکی غذاؤن سے زیادہ مفید ہوتی ہین، لیکن جدید ترین تحقیق کے مطابق جو کولمبیا یونیورسٹی مین کی گئی ہے یہ خیال سائنٹفک تجربہ کے خلاف ثابت ہوا ہے، اور یہ دیکھا گیا ہے کہ پکی غذائین جسم کو زیادہ طاقت اور توانائی بخشتی ہین،

کرۂ زمین کی گہرائی،

کرۂ زمین کی موٹائی اور گہرائی کے متعلق ابھی تک مختلف قیاس آرائیان تھین لیکن اب ماہرین سائنس اپنے مختلف تجربون سے اس نتیجہ تک پہنچے ہین کہ کرۂ زمین کی سطح کی گہرائی اور موٹائی ایکہزار ۸ سو میل ہو، اس قیاس مین انھین زلزلون کے جھٹکون سے بھی مدد ملی ہے، جو بڑی سرعت رفتار کیساتھ سطح زمین کے اندر جاتے ہین، اور ایک ہزار ۸ سو میل پر جاکر رک جاتے ہین،

"ع ز"

ادبیات

کلام طاہر

از جناب صفی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خانصاحب طاہر

بگوشِ او گزرِ آہِ بے نوائے نیست   شکستِ شیشۂ دل را اگر صدائے نیست
گر از محبتِ خود بدگمان شوم چہ عجب   رقیب ساختہ بودن کم از جفائے نیست
فدائے نیم نگاہش ہزار عشوہ و ناز   کدام شیوہ کہ در ضمنِ یک ادائے نیست
رسیدنِ تو ندانستہ ناگہاں ببرم   مبارک است ولے حسبِ مدعائے نیست
بود معانقۂ عید رسمِ ناز و نیاز   وگرنہ جلوۂ او باکس آشنائے نیست
پس از ہزار ستم یار بے وفا نبود   بہ نیم شکوۂ من گویداین وفائے نیست
ہزار وعدہ اگر بشکنی مرا چہ غم است   کہ دانم این کہ مرا این بندۂ بے خدائے نیست
تغافلِ تو گواہِ محبتِ تو بس است   خوشم بطالعِ خود بے اثر دعائے نیست
گہے بطاہرِ دل خستہ یک نگاہِ کرم   معاشرانہ سوالے است التجائے نیست

خونِ جگر

از جناب جگر مرادآبادی

ادا جو آئے وہ بے عیب و بے قصور آئے   خدا وہ دن نہ کرے، آپ کو غرور آئے

ذرا تو آنکھ کھلے، عقل مین شعور آئے   ہم اپنے آپ مین آئین تو وہ ضرور آئے
نکل کے عشق جو حدِ ادب سے دور آئے   اُدھر سے کعبہ چلے، اس طرف سے طور آئے
جسے ذرا بھی غمِ عشق پر غرور آئے   ترے حضور نہ جائے، مرے حضور آئے
چلون مین، راہِ محبت مین، بے نیازانہ   مری بلا سے، اگر وہ بھی ناصبور آئے
خود اپنی منزلِ دل، محو ہوتی جاتی ہے   نظر مین جب سے مقاماتِ دور دور آئے
پئین وہ شوق سے تنہا، مگر یہ کیا ممکن؟   ہمین سرور نہ آئے، اُنھین سرور آئے
ہزار سجدے کرے رات رات بھر زاہد   جو دل ہی صاف نہ ہو، کیا جبین پہ نور آئے
زمانے تک تری گلیون کی خاک چھانی ہو   مری نگاہ مین کیا جلوہ گاہِ طور آئے
کسی کی مست خرامی کا واہ کیا کہنا   کہ جیسے حافظِ شیراز چور چور آئے
مجاز ہے کہ حقیقت یہان تو حال یہ ہے   ترے حضور سے اُٹھے، ترے حضور آئے
انھین ہے عشق سے چشمک مگر یہ کون کہے؟   وہ خود حسین ہے، اُسکو نہ کیون غرور آئے
اجل جو آتی ہے آئے، مگر اسی صورت   کہ جیسے زلفِ پریشان وہ رشکِ حور آئے
عجیب چیز ہے، میخانہ، تصور بھی   یہان سے ہوش مین پہنچے، وہان سے چور آئے
نظر ہی اپنی، نہ اب دل ہی رہ گیا اپنا   سزا ملی ہے کہ ہم کیون ترے حضور آئے
وہین سے ہم کو ملا ہے سکونِ دل کیا کیا   جہان سے ہو کے بہت لوگ ناصبور آئے
مری طرف سے بھی لے کاروانِ شوق سلام   کہین جو راہِ طلب مین مقامِ طور آئے

ہزار بار لکھے تو، بہار نامۂ شوق
ترے بلائے جگر! آئے وہ ضرور آئے

* * *

مطبوعات جدیدہ

تاریخ سلطنت خداداد، از جناب محمود خان بنگلوری، ۷۵۴ صفحات، للعہ ر، پتہ :- جناب محمد سراج الدین نمبر ۴۹، بلاکپلی روڈ، بنگلور

"تاریخ سلطنتِ خداداد" میسور کی نامور سلطنت کے نامور بانی حیدر علی، اور اس کے جانشین ٹیپو سلطان کی مکمل تاریخ ہے، یہ ایک طرف مواد اور دلائل اور دوسری طرف جوش و خروش اور عقیدت کے ساتھ مرتب کی گئی ہے، تاریخ سلطنت خداداد کے مصنف اس سے پہلے تاریخ سلطان شہید کے نام سے ٹیپو سلطان کی سوانحعمری شائع کر چکے ہین، اب اس کتاب کے ذریعہ انھون نے حیدر علی اور ٹیپو، دونون کی سوانحعمریون اور جنگی و عمرانی کارنامون پر مشتمل مختلف ابواب آگے پیچھے بڑھا کر سلطنت کی تاریخ مکمل کر دی ہے، بلاشبہہ ان مجاہدین کے کارنامون سے اردو زبان اس وقت تک تہی دامن تھی، مصنف نے یہ بڑی کمی پوری کی، ترتیب کتاب مین مصنف نے فارسی اور انگریزی کے قریب قریب سب ماخذون سے فائدہ اٹھایا ہے، اور کوشش کی ہے کہ سلاطین کے کارنامون کے ساتھ ان کی حریف طاقتون یعنی انگریز، نظام، اور مرہٹون کے باہمی تمام ساز و باز کو کھول کر رکھدین، یہ کتاب ہندوستان مین انگریزون کے طاقت پکڑنے اور اسلامی سلطنتون کے زوال پانے کے اسباب کے سمجھنے مین بھی بڑی مدد دیگی۔

ترجمہ و شرح کلیات قانون، از مولوی حکیم محمد کبیر الدین صاحب، استاذ طبیہ کالج دہلی ناشر دفتر المسیح، قرولباغ، دہلی، ضخامت ہر دو حصہ ۱۱۸۰ ص

حکیم محمد کبیر الدین صاحب، طبی کتابون کی تالیف و ترجمہ کی مفید خدمت مین مصروف ہین، اس سلسلہ کی نئی کڑی شیخ بو علی سینا کی ضخیم کتاب کلیات قانون کا ترجمہ مع ضروری حواشی و شروح ہے، حکیم صاحب موصوف

کو طبی کتابون کے اردو مین منتقل کرنے کا ایک خاص سلیقہ حاصل ہو گیا ہے، اس لئے اس کتاب کے فن کی اہم و مغلق کتاب ہونے کے باوجود، ترجمہ نہایت صاف، سلیس اور روان ہے، کتاب مین ایک جانب اصل عربی عبارت اور دوسری طرف اس کا ترجمہ درج ہے، اصطلاحات کی تشریح دہین پر قوسین مین کر دی ہے، اور معانی و مطالب کی تشریح، کتاب کی مختلف مستند شرحون کے ترجمہ سے کی ہے، جن مین گیلانی کی شرح پر زیادہ اعتماد کیا ہے، نیز بعض مقامات پر اپنی ذاتی رایون اور معلومات کو بھی درج کیا ہے، مضامین کی فہرست بہ ترتیب حروفِ تہجی آخر مین منسلک ہے، اگر کتاب کے دیباچہ کے ان اوراق مین جہان ابواب و فصول کا ذکر ہے، اس اردو نسخہ کے صفحات قوسین مین درج کر دیئے جاتے تو ابواب و فصول اور ترتیب مضامین کی فہرست بھی تیار ہو جاتی،

مرحوم دہلی کالج، از مولوی عبد الحق صاحب، بی اے، ۱۰۱ صفحات، تقطیع رسالہ اردو کی، عمر انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن،

مولوی عبد الحق صاحب بی اے، نے رسالہ اردو کے کئی نمبرون مین دہلی کے مشہور مدرسہ، دہلی کالج پر مسلسل مضمون لکھے تھے، انھین اب کتاب کی شکل مین شائع کیا گیا ہے، مضمون پر از معلومات ہے، اس سے اٹھارہوین اور انیسوین صدی مین ہندوستان کی تعلیمی حالت پر روشنی پڑتی ہے، جس زمانہ مین کہ ہمارے قدیم مذہبی مدارس بند ہوتے ہین، اور انگریزی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے، ہندوستان مین انگریزی تعلیم کے رائج کرنے کی جو کوششین کی گئین، حکومت کا ہندوستان مین تعلیم کے متعلق جو زاویۂ نگاہ رہا، اور جو حکمت عملی اختیار کیگئی، یہ سارے مباحث دہلی کالج کی تاریخ کے ساتھ ساتھ، اس رسالہ مین موجود ہین، اس طرح یہ گویا ہندوستان مین مشرق کی مسندِ علم و فضل کے تہ کرنے اور "لکچر ہال" تعمیر کر کے میزون پر مغربی بساطِ تعلیم بچھانے کی ایک سرگذشت آگئی ہے۔

خیالات مہاتما گاندھی، حجم ہر دو حصہ ۵۱۲ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ہر ایک حصہ عہ، پتہ: جناب رفعت یار خان حکیم بلڈنگ، تیسری منزل، مومن پورہ، بمبئی نمبر ۸۔

جناب سی ایف اینڈریوز کو گاندھی جی کی زندگی سے گہری دلچسپی ہے، جنوبی افریقہ مین دونون کا ساتھ رہ چکا ہے، موصوف نے اپنی اس انگریزی کی تصنیف مین گویا ان کے فلسفہ، مقصدِ زندگی، اور سیاسی مطمحِ نظر کو پیش کیا ہے، جو زیادہ تر ان کی تحریرون، تقریرون، اور عام و خاص مجلسون کی گفتگوؤن سے مقتبس و مرتب ہے، کتاب دو حصون مین ہے، پہلا حصہ "مذہبی ماحول" اور دوسرا "تاریخی ماحول" کے عنوان سے ہے، جس مین مختلف قسم کے مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور اجتماعی مسائل و مباحث پر ان کے خیالات و معتقدات بیان کئے گئے ہین، موصوف کی یہ انگریزی کتاب یورپ سے شایع ہوئی، اور مقبول ہوئی، اس کا عربی ترجمہ بھی مصر سے شائع ہو چکا ہے، اب بمبئی کے کسی گمنام محبِ وطن نے اس کو سلیس اردو زبان مین منتقل کیا ہے، کتاب مختلف اعتبارات سے دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہے،

پیامِ سالک، از جناب پنڈت دینا ناتھ مجرؔ، دہلوی، بی اے، لال حویلی، محلہ جوڑیگران، دہلی،

قیمت مجلد عہ،

جناب پنڈت دینا ناتھ مجرؔ، دہلوی، بھگوت گیتا کے منظوم اردو ترجمہ کرنے مین کامیاب ہو چکے ہین، اب انھون نے "اشٹاوکر گیتا" کا اسی طرح منظوم ترجمہ "پیام سالک" کے نام سے کیا ہے، دیباچہ مین دکھایا ہے کہ "اشٹاوکر گیتا" کا زمانہ تصنیف بھگوت گیتا سے قدیم ہے، اشٹاوکر جی، راجہ جنک کے زمانہ کے مشہور رشی و منی تھے، اس گیتا کے ترجمے اس سے پہلے بھی اردو نظم و نثر مین ہو چکے ہین، جناب مجرؔ نے سب ترجمون کے خصوصیات دکھا کر اس جدید ترجمہ کی ضرورت ظاہر کی ہے، ترجمہ کا طریقہ یون ہے کہ پہلے سنکرت کے ہر منتر یا اشلوک کا پہلے ایک شعر مین ترجمہ کیا ہے، پھر اس منتر کی مکمل تشریح درج کی ہے، ترجمہ کی زبان صاف اور شیرین ہے، اور تصوف کے اسلامی اصطلاحات بھی استعمال کئے گئے ہین،

مختصر تاریخ عالم، از جناب سید حکیم احمد صاحب نقوؔی، ۱۶۰ صفحات، تقطیع چھوٹی، قیمت :- عہ

پتہ :- جناب سید امداد علی منیجر گوالیار لیدر کمپنی، مرار، گوالیار،

مصنف نے دنیا کی مختصر تاریخ چھوٹے چھوٹے حصون مین لکھنے کا ارادہ کیا ہے، اس کا یہ پہلا حصہ ہے، جسمین عالم کائنات کے ظہور پذیر ہونے کی داستان بیان کی ہے، اس سلسلہ مین عالم ارض و سما، جمادات اور نباتات کی شکل پذیری دکھا کر ابتدائی آثارِ حیات دکھائے ہین، پھر حیات کی نشو و نما سے حیاتِ انسانی کے تدریجی ارتقار و تغیرات تک، کا بیان آیا ہے، مسائل و مباحث تقریبًا سب تحقیقاتِ جدیدہ سے ماخوذ ہین، کتاب قابلِ قدر ہے، خدا کرے اس سلسلہ کی تکمیل ہو،

فانوس خیال، از جناب نواب امین الدین احمد والیٔ ریاست لوہارو، ۵۶ صفحات، عمر

مکتبہ جامعہ، قرول باغ، دہلی،

یہ ایک افسانہ ہے، جو ایک والیٔ ریاست، کے قلم سے عام جذبات انسانی کی ترجمانی کرنے کے لئے نکلا ہے، فسانہ مین لڑکیون کی مرضی کے خلاف کسی جگہ شادی کر دینے کے تلخ نتائج دکھائے گئے ہین، اور اسی مین حسن و عشق کے جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے، فسانہ مین مشرقی و مغربی دونون تہذیبون، اور سوسائٹیون کے جلوے نظر آتے ہین، اس کا ہیرو شرفا کے ایک قدیم مشرقی خاندان کا مغربی تعلیم یافتہ نوجوان ہے، جو انہی اعلیٰ مغربی و یورپی تعلیم اور مغربی سوسائٹیون مین رہنے کے باوجود مشرقی آداب تہذیب اور خیالات کا حامل ہے، مشرق و مغرب کا ایسا امتزاج دلآویز ہوتا ہے، اسی طرح مختلف معاشرتی و اجتماعی مسائل پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے، زبان سلیس اور روان ہے، امید ہے یہ فسانہ دلچسپی سے پڑھا جائیگا، اور اس کی المیہ داستان عبرت آموزی کا سامان بہم پہنچائیگی،

سوزِ بیدل، از جناب شیخ محمد دلاور خان بیدل، پشاوری، ۱۶۶ صفحات، عہ، پتہ:-

دیوان خانہ بیدل، محلہ ملا فضل گذر گنج، پشاور،

جناب بیدل، پشاور کے باشندہ اور اردو زبان کے پرگو شاعر ہین، اگرچہ موصوف کا آبائی وطن سہارنپور ہے، مگر ننہال افغانون مین تھی، وہین پیدا ہوئے، اور وہین نشو و نما پائی، اس لئے مادری زبان

فارسی تھی، اور اسی مناسبت سے فارسی کے قادر الکلام شاعر ہین، لیکن آبائی وطن کی کشش سے زبان اردو کے دلدادہ ہوئے، اور اس زبان مین بچپن ہی سے شعرگوئی فرمانے لگے، "سوزِ بیدل" موصوف کے کلام کا مجموعہ ہے، جس مین غالب حصہ اردو کلام کا ہے، کلام مختلف اصناف سخن: غزل، مسدس، قصائد، در مدح شاہان افغانستان، رباعیات اور قطعات تاریخ وفات و تقریبات پر مشتمل ہے، طرز شاعری تمامتر سادہ، بے نیاز تکلف اور تحسین و تزیین سے بے پروا ہے، دیوان کے آخر مین مقتدر اساتذۂ اردو حضرت ریاض خیرآبادی مرحوم، سائل دہلوی، صفی لکھنوی، اور اثم تلمیذ امیر مینائی وغیرہ کی تقریظین اور تاریخین درج ہین، اچھا ہوتا اگر یہ مجموعہ چھپنے سے پہلے ان مین کسی استاد کی نظر سے بھی گذر چکا ہوتا،

موتی، از جناب سید یوسف بخاری، دہلوی، ۱۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت: ۱۲ ر ناشر جناب سید محمد بخاری گلی امام، جامع مسجد، دہلی،

یہ حکیمانہ و شاعرانہ اقوال کا مجموعہ ہے، ہر نتیجہ خیز مقولہ ایک گوہر آبدار ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس مجموعہ کا نام "موتی" رکھا گیا ہے، مقولے مشرقی و مغربی دونون قسم کے فلاسفہ، حکماء، و شعراء کے ہین، اور مختلف قسم کے مذہبی، روحانی، اخلاقی، معاشرتی، سیاسی و جذباتی معانی کے حامل ہین، جناب مصنف نے اپنے مقدمہ مین ضرب الامثال و اقوال کی تشریح اور مختلف قومون اور ملکون کے مقولون مین موازنہ کیا ہے، لیکن ضرورت تھی کہ ہر قول کے قائل کا پتہ دیا جاتا، اور حوالہ بتایا جاتا،

قرآن ایک معجز نما کتاب ہے، از مولوی محمد عبد البصیر صاحب عتیقی آزاد، سیوہاروی، ناشر جناب سید حسن انیس بقائی دفتر پیشوا، دہلی، ۸۰ صفحات، قیمت: ۶ ر

اس رسالہ مین جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، مصنف نے قرآن مجید کے اعجاز کو بہ دلائل ثابت کیا ہے، مولانا انور شاہ صاحب مرحوم اور مولوی اعزاز علی صاحب دیوبندی وغیرہ نے اس رسالہ کی تحسین کی ہے،

ہندوستانی کلچر، از جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب ناشر دفتر کتاب الہدیٰ ایلاپور مدراس، قیمت ۸ ر

جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب نے میسور اسٹیٹ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس مین بحیثیت صدر خطبۂ صدارت پڑھا تھا، جس

مین مختلف تعلیمی سائل کے ساتھ زیادہ تر ہندوستانی تہذیب و تمدن کے عنوان پر گفتگو کی ہے، وہی خطبہ "ہندوستانی کلچر" کے نام سے شائع ہوا ہے، اس مین موصوف نے دکھایا ہے کہ ہندوستانی زبان یعنی اردو اور عام موجودہ ہندوستانی تہذیب کو اسلامی زبان اور اسلامی تہذیب سے موسوم کیا جارہا ہے، یہ صحیح نہین، ہندوستان کی تہذیب نئے نئے فاتحین سے بنتی اور بدلتی رہی، اب دراصل ہندوستانی زبان یعنی اردو اور ہندوستانی تہذیب وہی تہذیب ہے جسے عرف عام مین ہندوستان مین اسلامی تہذیب کہا جاتا ہے،

اسلام اور غلامی، مصنفہ جناب میان سلطان احمد وجودی، ناشر منیجر نظامیہ بکڈپو، ٹبالہ پنجاب، قیمت ۳؎

اس رسالہ مین ہندوستان کے باشندون کو اپنی سیاسی "غلامی" سے نکلنے کی دعوت دیگئی ہے، اور ثبوت و دلائل مین، اسلام و پیغمبر اسلام علیہ السلام کے رسم غلامی کے استیصال کرنے کو پیش کیا گیا ہے، ہمین نفس مقصد سے اختلاف نہین، لیکن غلامون کی "اصطلاحی غلامی" اور ہے، اور سیاسی محکومی اور شے، جسے استعارۃً "غلامی" کہا جاتا ہے، تشبیہ و استعارہ کو اصل واقعہ قرار دینا صحیح نہین، آزادی ہند کی کوششین ضرور ہون لیکن یہ تحریک ان دلائل کی محتاج نہین، اسلام مین "سیاسی محکومی" کے متعلق بہت کچھ موجود ہے، اُسے نمایان کیجئے،

جمال الدین افغانی، از جناب قاضی عبدالغفار صاحب ناشر مکتبۂ جامعہ ملیہ دہلی، حجم ۰۰ صفحے قیمت ۱؍

قاضی عبدالغفار صاحب نے اردو اکاڈمی جامعہ ملیہ کے اجلاس مین جمال الدین افغانی کی سیرت پر ایک مقالہ پڑھا تھا، جو اسی نام سے شائع ہوا ہے، اس مین موصوف کے مختصر سوانح حیات کے ساتھ ان کی سیرت کے مختلف پہلوؤن پر نقد کیا گیا ہے،

خطبات، از مولنا عبدالصمد صاحب رحمانی، امام جامع مسجد، مونگیر، حجم ۳۶ صفحے، قیمت ۲، مرتبہ: مولوی محمد رفیق اللہ صاحب صفہ جامع مسجد، مونگیر،

یہ رسالہ چند خطبات جمعہ کا مجموعہ ہے، جن مین قرآن مجید کی اس آیت لا ینکح الزانی الا الزانیۃ، الایہ سے اس غلط استدلال کی تردید کیگئی ہے، کہ زانی کا نکاح بجز زانیہ کے کسی سے درست نہین، اور زنا کے بعد نکاح فسخ ہوجاتا

ہے، یہ فتنہ مونگیر مین کسی نومسلم کا اٹھایا ہوا ہے، اور اسی لئے مقامی طور پر اس رسالہ کے ذریعہ اسکے انسداد کی ضرورت پیش آئی،

رازِ نماز، مؤلفہ مولنٰا احمد، ایم اے، ناشر انجمن تبلیغ الاسلام، نواب گنج، دہلی، حجم ۳۴ صفحے،

رسالہ "رازِ نماز" مین نماز و متعلقاتِ نماز کی خوبیان اور فوائد دلنشین انداز مین بیان کئے گئے ہین، رسالہ افادۂ عام کے لئے انجمن مذکورۂ بالا کیجانب سے شائع کیا گیا ہے، اور مفت مل سکتا ہے،

گلدستۂ تبلیغ، مرتبہ جناب حکیم عبدالحمید صاحب ناشر ادارۂ اصلاح نوجوانان لاہور، حجم ۲۰ صفحے قیمت ۳؍

لاہور مین ایک اصلاحی ادارہ "ادارۂ اصلاح نوجوانان" قائم ہے، اس کے سالانہ جلسہ مین تبلیغ اسلام کے موضوع پر مختلف تقریرین اور نظمین پڑھی گئین، ان کا مجموعہ گلدستۂ تبلیغ کے نام سے شائع ہوا ہے،

جلوۂ سبحانی، مرتبہ جناب رسول و تاج الصاحبان، شائع کردہ انجمن اسلامیہ گونتی ضلع فتحپور، ۲۰ صفحے

شہسرام کے ایک باہمت مسلمان سید شاہ سبحان احمد صاحب پاپیادہ حج کو نکلے ہین، اور التزام یہ رکھا ہے کہ ہر پانچ قدم پر دو رکعت نفل ادا کرین، یہ کام اسلامی نقطۂ نظر سے جیسا کچھ ہو، لیکن وہ جہان جہان سے گذرے، مسلمانون نے ان کی پذیرائی کی، اس رسالہ مین موصوف کے سوانح حیات کے ساتھ ان کے مقام گونتی ضلع فتحپور پہنچنے اور ان کے استقبالیہ جلسون وغیرہ کی روداد کا تذکرہ ہے، اور استقبالیہ نظمین اور رباعیان درج ہین، رسالہ کا دیباچہ الہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر زبید احمد صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی نے لکھا ہے،

نمازِ عشق، از جناب شفق رضوی، عماد پوری، ۱۸ صفحے، ناشر مولوی غلام مصطفےٰ جذب جائسی، مدرسۂ سبحانیہ، الہ آباد،

یہ ایک مسدس نظم ہے، جو جناب سید سبحان احمد صاحب شہسرامی موصوف کی شان مین الہ آباد کے ورود کے موقع پر پڑھی گئی، اور علحدہ طبع کرائی گئی،

تدابیر ترقی، مؤلفہ جناب کامل بی اے، جونپوری، پبلشر منیجر صاحب برق، جونپور، حجم ۸ صفحے قیمت ۲؍

اس رسالہ مین بیکار نوجوانون کو کوئی نہ کوئی شغل اختیار کرکے، روزی کمانے کی تدبیرین بتائی گئی ہین، اور

اسی غرض سے اس مین مختلف پیشون اور صنعتون کے طریقے، اور ان کے نسخے درج ہین، رسالہ کارآمد ہے،

بچون کی کتاب، از جناب حامد علی بی اے، ال ٹی، حجم ۲، صفحے، قیمت ۴ر، پتہ: مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی،

یہ بچون کے لئے ایک مفید اور کارآمد رسالہ ہے، جس مین ایک لڑکے اسد کو ہیرو قرار دیکر مختلف عنوانون سے الگ الگ چھوٹے چھوٹے قصّے اور مضمون درج ہین، اور اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ سب مضامین ایک سلسلہ مین مربوط رہین، کہین کہین اسباق کا خلاصہ اردو نظم مین بیان کیا گیا ہے، جو بچون کے لئے زیادہ دلچسپ ہوگا، لکھائی چھپائی بچون کے مناسب ہے،

ریحانِ حمید، از جناب مولوی حمید الزمان خانصاحب حمید شاہجہان پوری، حجم ۸۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، مطبوعہ آگرہ اخبار، آگرہ، قیمت اور پتہ درج نہین،

"ریحانِ حمید" کے نام سے مصنف کے فارسی غزلیات قطعات، ایک فارسی خط، اور چند اردو غزلون کا مجموعہ شائع ہوا ہے،

انتخاب مصحفی، مرتبہ مولوی سید حبیب احمد صاحب آفق کاظمی، ناشر منیجر کتب خانہ حبیبیہ، محلہ گنگوئی امروہہ، یو پی، حجم ۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۴ر

شیخ غلام ہمدانی مصحفی کے چھ دیوانون کا یہ مختصر انتخاب ردیف وار تیار کیا گیا ہے،

رسالہ ہمایون کا افسانہ نمبر، گذشتہ مہینہ مین اردو کے رسالون کے خاص نمبرون پر تبصرہ کرنے کے بعد رسالہ ہمایون کا افسانہ نمبر ملا، جو بڑے اہتمام سے تیار کیا گیا ہے، ادارۂ ہمایون نے افسانہ کے لئے انعامی مقابلہ کا اعلان کیا تھا، تین افسانے مقابلہ مین منتخب ہوئے، جنھین ۲۵، ۲۵ اور ۱۵ کی رقمین بطور انعام دی گئین، یہ افسانے بھی اس نمبر مین چھپے ہین، سالے کے اکثر افسانے غیر زبانون سے ماخوذ ہین، ضرورت ہے کہ آیندہ مقابلہ مین طبعزاد افسانہ کی شرط لگائی جائے کہ ہمارے نوجوان ادیبون کی جودتِ طبع کا حال بھی معلوم ہو، افسانے قریب قریب سب کے سب اچھے ہین، اس نمبر کی قیمت ۱ر، اور رسالہ کے خریدارون کو اُسی سالانہ قیمت صر مین یہ بھی ملیگا، پتہ:۔

منیجر رسالہ ہمایون نمبر ۲۳، لارنس روڈ، لاہور،

"ر"

جلد ۳۴ | ماہ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۳۴ء | عدد ۴

مضامین

شذرات،	سید سلیمان ندوی،	۲۴۲-۲۴۴
کوئٹہ اور ملتان،	"	۲۴۵-۲۵۵
نامۂ کیمبرج،	پروفیسر تاثیر، ایم اے، کیمبرج،	۲۵۶-۲۶۰
توضیح و توجیہ،	سید سلیمان، ندوی،	۲۶۰-۲۶۵
کیا معیار الاشعار طوسی کی نہیں؟	"	۲۶۶-۲۷۰
✓ کیا اردو زبان ہماری قومی زبان ہو سکتی ہے؟	ڈاکٹر ایس، این، اے جعفری ایل ایل ڈی، بارایٹ لا،	۲۷۱-۲۷۶
مسلمانوں کے چند مخصوص اوقاف،	مولانا عبد السلام، ندوی،	۲۷۷-۲۸۰
ابن الہیثم اور علم مناظر،	جناب ذکی الدین صاحب ایم ایس، سی (علیگ)	۲۸۱-۲۸۴
تغیر پذیر جاپان،	"ع ز"	۲۸۵-۲۸۸
منطق پر ایک قدیم عربی تصنیف،	"	۲۸۸-۲۹۱
امن کی ایک جدید تحریک،	"	۲۹۱-۲۹۲
اخبار علمیہ،	"	۲۹۳-۲۹۶
علامہ شبلی نعمانی کی دو غیر مطبوعہ تحریریں،	جناب مولوی امتیاز علی خانصاحب عرشی،	۲۹۷-۳۰۲
تیری آنکھیں،	پروفیسر محمد اکبر منیر، ملتان،	۳۰۳-۳۰۴
سخن ماہر	مولوی منظور حسین صاحب ماہر، حیدرآباد دکن،	۳۰۴-۳۰۵
حسن بیان،	شیخ عبد اللطیف صاحب تپش، ایم۔ اے،	۳۰۵
"حیات حافظ رحمت خاں"،	سید ریاست علی، ندوی،	۳۰۶-۳۱۰
"کلیات حسن دہلوی"،	"ع"	۳۱۰-۳۱۲
مطبوعات جدیدہ	"ر"	۳۱۳-۳۲۰

شذرات

خوشی کی بات ہے کہ ہر سال یورپ کے متعدد افراد از خود یا مسلمانوں کی تبلیغ یا اسلامی ممالک کی سیاحتوں اور عینی مشاہدوں کے اثر سے دینِ حق کو قبول کرتے ہیں، اور ایسا نظر آتا ہے کہ اسلامی ممالک سے قریب تر یورپین ملک آسٹریا اور ہنگری یورپ میں اسلامی تبلیغ کے مرکز بن کر رہیں گے، عربی اخبارات میں ان ممالک کے نومسلم مسلمانوں کے جو حالات وقتاً فوقتاً چھپتے رہتے ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا اسلام انگریز نومسلموں کی طرح حصولِ شہرت، جلبِ منفعت اور ندرت پرستی کا نتیجہ نہیں،

* * *

ڈاکٹر جرمانوس جو شانتی نکیتان بنگال میں اسلامی علوم و فنون کے پروفیسر بنکر آئے تھے، اور یہیں انھوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا، وہ اپنے وطن آسٹریا ہنگری میں واپس جاکر نہایت مفید خدمات انجام دے رہے ہیں، انھوں نے تمام متفرق مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کیا ہے، ایک اسلامی درسگاہ کے افتتاح کی کوشش کی ہے، اور اپنے عربی ملک کے بھائیوں سے برابر مراسلات کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں، چند مصری مجاہدینِ دین بھی اس کام میں اُنکی رہبری کر رہے ہیں،

* * *

ہمکو اپنے تمام نومسلم بھائیوں میں سے سب سے زیادہ جسکی شخصیت نے متاثر کیا ہے وہ آسٹریا کے ایک گمنام نومسلم لیوپولڈ وائس معروف بہ **محمد اسد** ہیں، موصوف ایک اخبار کے مراسلہ نگار کی حیثیت سے اسلامی ملکوں کی سیاحت پر مامور ہوئے، انھوں نے عربی ممالک کی سیاحت کی اور مسلمانوں سے میل جول بڑھایا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلام کے حلقہ میں داخل ہوگئے، سالہا سال حجاز میں گذارے، اور وہاں ایک عرب خاتون سے نکاح کیا، اب تقریباً دو برس سے ہندوستان میں ہیں، گذشتہ سال لاہور کے جلسۂ حمایت اسلام میں، اور امسال جامعہ ملیہ دہلی کی ایک تقریب میں ان سے ملاقات ہوئی، وہ ایک ایسے نومسلم نظر آئے، جنکو دیکھکر مغرور پشتینی مسلمانوں کو شرمانا چاہیئے، وہ نہ صرف عقیدہ کے مسلمان ہیں، بلکہ فرائض و سنن و مستحبات اور

تمدن و معاشرت تک میں مسلمان ہیں، وہ یورپین ہیں جو نہ صرف مسیحی عقیدہ کے بلکہ یورپین تمدن کے مخالف ہیں، عربی زبان بولتے اور سمجھتے ہیں، اور انگریزی اتنی جانتے ہیں کہ اُس میں لکھ پڑھ سکیں،

موصوف کے دل میں اسلام کی بڑی عظمت ہے، اور وہ اُسکو حقیقتِ حقہ جانتے اور یقین کرتے ہیں اور اُن کے دل میں لگن ہے کہ وہ اسلام کی کوئی حقیقی خدمت بجا لائیں، اب انھوں نے اپنا لائحۂ عمل (پروگرام) مرتب کر لیا ہے، اور قرول باغ دہلی میں "عرفات" کے نام سے ایک ادارہ قائم کر لیا ہے، اسکی طرف سے عنقریب وہ ایک انگریزی رسالہ کے اجرا کا ارادہ رکھتے ہیں، اور "عرفات بکڈپو" کے ذریعہ سے اپنی تصنیفات کی اشاعت کا سامان کر لیا ہے،

چند ماہ ہوئے کہ موصوف نے اپنی ایک مختصر لیکن جامع کتاب "اسلام ان کراس روڈ" (اسلام راہِ عبور پر) بزبان انگریزی شائع کی ہے، (عرفات بکڈپو، قرول باغ، دہلی) اس میں موجودہ حالات و خیالات کے پیش نظر اسلام کی تعلیم کو بطور طریقِ نجات کے پیش کیا ہے، اسی ضمن میں یورپ کے تمدن اور رجحاناتِ دماغی کی تنقید کی ہے، بعض مسلمانوں میں اس وقت یورپین تجدد اور احادیث و سننِ نبویہ سے روگردانی کی بدعتوں کو "اصلاح" کے نام سے پیش کرنے کی جو افراط و تفریط پیدا ہوئی ہے، اسکی غلطیاں نہایت صحت اور نکتہ سنجی کے ساتھ ظاہر کی ہیں، کتاب کے اس باب کو پڑھکر اپنے ان نئے خیال کے دوستوں کو حافظ کا یہ شعر سنانے کو جی چاہتا ہے،

حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم
ز خاکِ مکہ ابوجہل، ایں چہ بوالعجبی است،

قرآن پاک کے صحیح و خالص انگریزی ترجمہ کی ضرورت کا احساس مسلمانوں میں روز بروز بڑھ رہا ہے، اگست کے شذرات میں ہمنے جناب مولنا عبد الماجد صاحب دریابادی بی اے، کے انگریزی ترجمۂ قرآن کا ذکر کیا تھا، اب انکا ترجمہ چار پاروں تک پورا ہو چکا ہے، وہ حواشی میں توضیحِ مطالب کیساتھ معترضین کے جوابات بھی دیتے جاتے ہیں، اور عیسائیوں اور مستشرقوں کے شکوک اور اعتراضات کو بھی دور کرتے جاتے ہیں، ہم کو اُسوقت اسکی خبر نہ تھی کہ علامہ عبد اللہ یوسف علی صاحب بھی قرآن پاک کا انگریزی

میں ترجمہ کر رہے ہیں، پنجاب کے دوستوں سے اسکی اطلاع پاکر بے حد خوشی ہوئی،

* * *

موصوف کا فضل و کمال نہ صرف انگلستان بلکہ پورے یورپ میں مسلّم ہے، ان کی انگریزی زباندانی پر انگریز اہلِ قلم کو بھی رشک ہے، وہ عربی زبان سے واقف ہیں، اور صاحبِ علم و نظر علماء کے مشورے بھی ان کو حاصل ہیں، وہ پوری مستعدی اور انہماک کیساتھ ترجمہ کے کام میں مصروف ہیں، دو ماہ ہوئے کہ اُنکا پہلے پارہ کا ترجمہ چھپکر شائع ہو گیا، انگریزی کے مسلمان ادیب فضلاء کی رائیں دریافت کیں تو سب نے اسکی فصاحت و خوبی و بلندی کی متفقہ تعریف کی، ہمکو تو صرف یہ دیکھکر تسلی ہوئی کہ انھوں نے تاویلات کی گمراہی سے کلیۃً احتراز کیا ہے، اور معجزات کو عقلی حماقتوں کا بازیچہ گاہ نہیں بنایا ہے، معانی کے سمجھنے میں اہلِ زبان مفسرین کی تفسیروں سے مدد لی ہے، اور متعلقہ آیات میں اسرائیلیات کے بجائے خود بائبل کے حوالے دئے ہیں،

* * *

یہ ترجمہ اشرف بک ڈپو کشمیری بازار لاہور کے زیر اہتمام شائع ہو رہا ہے، اسکی چھپائی کا کام گو لاہور ہی میں ہو رہا ہے، مگر اسقدر عمدگی اور خوبی کیساتھ چھپ رہا ہے کہ ظاہری شکل و صورت میں بھی اُن ترجموں سے کم نہیں، جنکو لندن سے چھپوا کر منگوایا گیا ہے، ایک کالم میں متنِ قرآن فوٹو بلاک میں، بالمقابل انگریزی ترجمہ موٹے ٹائپ میں، اور نیچے حواشی باریک ٹائپ میں چھاپے گئے ہیں، ہر دو ماہ میں ایک پارہ کا ترجمہ شائع ہوگا، ہر حصہ کی قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول ہوگی، ضرورت ہے کہ انگریزی خواں مسلمان بکثرت اس ترجمہ کو خریدیں، تاکہ شیخ محمد اشرف صاحب کی جنھوں نے اس ترجمہ کی اشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے، حوصلہ افزائی ہو، اور کام وقت پر پورا ہو سکے، انھوں نے یہ بھی آسانی کی ہے کہ جو خریدار دو۲ روپے بھیجکر اپنا نام مستقل خریداروں میں درج کرائیگا، اسکو محصول ڈاک معاف کر دینگے،

* * *

ہمارے پاس ہانگ کانگ (ساحلِ چین) سے وہاں کی اسلامک لٹریری سوسائٹی کی روداد بابت ۱۹۳۳ء آئی ہے، سوسائٹی نے دورانِ سال میں مفید اسلامی رسائل و کتب کی اشاعت کا کام کیا ہے، اور ارادہ رکھتی ہے کہ آیندہ چینی زبان میں تبلیغی کتابوں کی اشاعت کرے، اس روداد میں یہ پڑھ کر مسرت ہوئی کہ ہماری مسلم یونیورسٹی کے ایک طالب علم حافظ محمد فضل الرحمٰن انصاری اس سوسائٹی کی تحریری مدد کرتے ہیں،

* * *

مقالات

کوئٹہ اور ملتان

کوہستانی سڑک شام کا وقت تھا، اور ایک بڑی چڑھائی باقی تھی، اور یہ وہی طویل کوہستانی سلسلہ تھا جو افغانستان کو ہندوستان سے الگ کرتا ہے، چمن اور کوئٹہ کے بیچ میں یہ ایک سدِ سکندر ہے، جس کے عبور کرنے کے بعد کوئٹہ سامنے آجاتا ہے، ریل اس پہاڑ کے نیچے سے سرنگ سے ہو کر گذرتی ہے، اور موٹر اور لاری اور پیادہ مسافر اس پہاڑ کو عرض میں قطع کرتے ہیں، اور اس کو عبور کرکے اس پار سے اُس پار ہوتے ہیں، پہاڑ پر چڑھائی کے لئے حکومت انگریزی نے پہاڑ کو کاٹ کر اور جگہ جگہ نشیب و فراز کو ہموار کرکے موٹروں اور پیادہ چلنے والوں کے لئے نہایت عمدہ سڑک تیار کی ہے، قدم قدم پر موڑ آتے تھے، ادھر اودھر بغل میں غار اور خندقیں ملتی جاتی تھیں، شوفر کی ذرا سی غلطی موت کا پیغام تھی، مشکل راستوں پر انگریزی میں ہدایتیں لکھی تھیں، موٹر نے آہستہ آہستہ اوپر چڑھ کر بیچ پہاڑ کے نشیب و فراز میں قدم رکھا، عمدہ سڑک ہونے کے باعث پہیئے خود بخود پھسلے جاتے تھے، اور وہ بڑی تیزی سے راستہ قطع کرتی جاتی تھی، خوش قسمتی سے کوئی دوسری موٹر مخالف سمت سے آتی ہوئی نہیں ملی، اس لئے ہمارا شوفر اس ڈر سے اپنی موٹر بے تکان بھگا رہا تھا کہ رات ہونے سے پہلے وہ اس دشوار راہ کے خطروں سے باہر ہو جائے، اس جلدی پر بھی شام ہو ہی گئی،

روحانیات کا ذکر عجیب اتفاق کہ راستہ تو یہ خطرناک درپیش تھا اور ڈاکٹر اقبال صاحب نے روحانیات کے ذاتی مشاہدات و تجارب، اور ایک سچے پیر کی تلاش پر گفتگو شروع کر دی، گفتگو طرفین سے نہایت دلچسپ ہو رہی

تھی، اس عہد کے مختلف شیوخ اور بزرگانِ سلاسل کا تذکرہ رہا، اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے آغازِ زندگی اور طالب علمانہ عہد کا ذکر چھیڑا، پھر اپنے والد مرحوم کا تذکرہ کیا، کہ وہ خود ایک صاحبدل صوفی تھے، اور دیندار علماء کی صحبت میں رہتے تھے، اس ضمن میں یہ معلوم ہوا کہ ہمارے جلیل القدر اسلامی شاعر کے حسیاتِ خفتہ کے تاروں میں جس مضراب نے حرکت پیدا کی وہ خود اُن کے والد ماجد کی ذاتِ بابرکات تھی،

اثنائے گفتگو میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی طالب علمی کے عہد کے ایک قصہ کے اثنا میں اپنے والد مرحوم کا ایک ایسا فقرہ سنایا جسنے میرے دل پر بیحد اثر کیا، فرمایا کہ اپنے وطن سیالکوٹ میں صبح کی نماز کے بعد قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتا تھا، ایک صبح کو نماز کے بعد حسب دستور میں تلاوت میں مصروف تھا، کہ والد مرحوم ادھر آئے اور دریافت کیا کہ کیا کرتے ہو، ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں اس وقت تلاوت کرتا ہوں، فرمایا جب تک تم یہ نہ سمجھو کہ قرآن تمھارے قلب پر بھی اسی طرح اترا ہے، جیسے محمد رسول اللہ صلعم کے قلبِ اقدس پر نازل ہوا تھا، تلاوت کا مزہ نہیں، ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، فرمایا کہ جب بی اے پاس کر لوگے تو بتاؤنگا، کچھ دنوں کے بعد جب انھوں نے بی اے پاس کر لیا تو اس خوشخبری کے معاوضہ میں اس دن کی گفتگو کا حوالہ دیکر اس مقام کے حصول کی تدبیر پوچھی، مرحوم نے انکو کچھ طریقے اور دعائیں تلقین کیں، اور نوجوان بیٹے سے عہد لیا کہ وہ ہمیشہ اپنی زبان و قلم سے ملتِ محمدیؐ کی خدمت بجالاتا رہیگا،

ڈاکٹر صاحب کی شاعری ان کے والد مرحوم کی زندگی ہی میں پورا فروغ پا چکی تھی اور ایک عالم اون کے نغمہ سے سرشار و مست تھا، اور مسلمانوں میں وہ قیامت انگیز تاثیر پیدا کر رہا تھا، اور بالآخر باپ اپنے بیٹے کی اس عیسیٰ نفسی سے مسرور ہو کر اس دنیا سے سدھارا،

پہاڑی راستہ اب ختم ہوا، اور میدان کا منظر نمایاں ہو رہا تھا، مغرب کے قریب پہاڑ کے نشیب میں میدان آیا، آبادی کا کچھ کچھ نشان نظر آیا، اور سیدھی سڑک دکھائی دی، اس سڑک پر آگے بڑھ کر ایک چھوٹا سا شہر ملا، جس کے چھوٹے سے دو رویہ بازار سے ہو کر سڑک نکلی ہے، یہاں پہنچنے کے ساتھ موٹر روک دی گئی، اور پولیس کے ایک سپاہی نے آگے بڑھکر ایک رجسٹر پیش کیا، جس پر غلام رسول خان بیرسٹر (رفیق ڈاکٹر اقبال) نے دستخط کر دیئے

جس کے بعد ہم آگے بڑھے، معلوم ہوا کہ یہاں سے ہر گذرنے والے کا نام درج رجسٹر ہوتا ہے،

مغرب اور عشا کے بیچ میں جب تاریکی خوب پھیل رہی تھی، بجلی کے چراغوں کی روشنی دور سے قطار در قطار نظر آنے لگی، یہ کوئٹہ تھا، اس تاریکی میں روشنی کا یہ منظر آسمان پر جھلملاتے ہوئے ستارون کا سمان دکھا رہا تھا، رفتہ رفتہ شہر قریب آیا، افغانی سفارت متعینۂ دہلی کے نمایندہ نے ہمارے لئے یہاں کے ڈاک بنگلہ میں تین کمرے لے لئے تھے، وہیں آکر قیام ہوا،

تمام بستر و سامان لاری پر تھا، اور وہ پیچھے رہ گئی تھی، کوئٹہ میں اس وقت خاصی سردی تھی، ڈاکٹر صاحب کے کمرہ میں آتشدان روشن تھا، اور ہم سب اس کے گرد بیٹھے لاری کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، رات کی تاریکی اور سردی بڑھتی جاتی تھی، اور لاری کا انتظار سخت سوہان روح کا باعث ہو رہا تھا، سب سے بڑے ڈر کی چیز یہ تھی، کہ رات کی تاریکی میں کہیں لاری کو کوئی صدمہ نہ پہنچا ہو، اس لئے ہم سب بہت پریشان تھے، وقت گذرتا گیا، اور وقت کیساتھ پریشانی بھی بڑھتی گئی، بالآخر دس بجے رات کے قریب لاری آئی، اور معلوم ہوا کہ راستہ بخیریت گذرا، کابل میں جو بستر اور بکس اور سوٹ کیس لاری پر رکھے گئے تھے، ان کو آج پہلی دفعہ یہ موقع ملا کہ زمین پر قدم رکھیں، ان دشوار گذار راستوں کے ہچکولوں، اور اتار چڑھاؤ کے جھٹکوں میں ان کی پوری درگت بنگئی، چمڑے کے بکسوں کے اکثر کونے اور گوشے تو لاری کی رگڑ سے کٹ کٹ گئے تھے، بستر بندوں کے کپڑے اس سفر کے مشکلات کی تاب نہ لاکر اپنی اپنی جگہ سے ہٹ کر روزن دار ہوگئے تھے، مگر

شکر للہ کہ جنازہ بمنزل برسید

ہم سب نے کھانا ڈاک بنگلہ کے ڈائننگ روم میں کھایا، کھانا انگریزی تھا، مگر بہت معمولی اور بہت خراب پکا تھا، ناچار پاؤ روٹی اور مکھن پر گذر کیا،

لاری پہنچنے کی خوشی ہم سب کو بہت ہوئی تھی، میں آتشدان کے پاس بیٹھا تھا، لاری پہنچنے کی خوشی میں دفعۃً ٹھنڈک میں باہر نکل آیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ رات بھر بخار اور خفیف لرزہ میں مبتلا رہا، صبح کو اٹھا تو طبیعت

ہلکی تھی، نماز پڑھی، اور تھوڑی دیر کے بعد چائے پیکر پیادہ تنہا شہر دیکھنے کو نکلا اور اسٹیشن تک گیا،

کوئٹہ یہ برطانی بلوچستان کا صدر مقام ہے، اور سمندر کی سطح سے پانچہزار قدم بلند ہے، کہتے ہیں کہ اسکا پرانا نام کوٹ کوٹ تھا، اور ایک معمولی دیہات سا تھا، ۱۸۷۶ء میں سر رابرٹ سینڈ یمین نے جب اس پر قبضہ کیا، اور قلعہ تعمیر کیا، جسکا نام ان کے نام پر فورٹ سینڈیمین ہے، تو اسکا تمام زبانوں پر کوئٹہ ہوگیا یہ ہندوستان کا سب سے بڑا جنوبی فوجی مرکز ہے، یہاں سے ایک ریلوے لائن ایران کی سرحد دُزداب تک جاتی ہے، دوسری سڑک قندھار کو جدھر سے ہم آئے تھے، اور تیسری ریلوے لائن کراچی کو جو یہاں سے پانچ سو میل دور ہے، اور چوتھی لائن شکارپور ہوکر بھاولپور اور ملتان سے لاہور کو جاتی ہے،

یہ ایشیائے وسطیٰ، ایران، افغانستان اور ہندوستان کی تجارت اور بیوپار کی مرکزی منڈی ہے، میوے بکثرت اور تازہ بتازہ ملتے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ خشک میوون کی قیمت ہندوستان کے دوسرے شہروں سے کم نہیں، مجھے صرف بادام کا تجربہ ہے، دوستون نے کہا کابل میں خریدنا بے کار ہے، انھیں داموں میں کوئٹہ میں ملیں گے، مگر یہ خیال غلط نکلا، کابل میں بادام کابلی بارّہ آنے فی سیر تھے، پشاور میں ہندوستانی بارّہ آنے فی سیر دام ہیں، لیکن کوئٹہ میں ڈیڑھ روپیہ سیر ملے انگور اور انار البتہ سستے ہیں،

مکانات زیادہ تر بنگلہ نما ہیں، چھتیں لکڑی اور کھپروں کی ہیں، سڑکیں کشادہ اور صاف ہیں، آبادی مین مسلمانوں کا حصّہ غالب معلوم ہوتا ہے،

رات کو آتے ہوئے کوئٹہ کو رواروی میں دیکھا، صبح اٹھکر سیدھی سڑک پر چلا تو اسٹیشن پہنچ گیا، سڑک کے دونوں طرف بنگلے تھے، اسٹیشن بہت بڑا اور بہت پر رونق تھا، چھاؤنی کی وجہ سے ہر طرف فوجی چہل پہل معلوم ہوتی تھی، قلی پشتو، بلوچی، سندھی، فارسی، اردو سب ہی زبانیں بولتے تھے،

اسٹیشن سے واپس پھرا تو ایک صاحب نے جو کلاہ و دستار اور کوٹ اور شلوار میں ملبوس تھے پیچھے سے مولٰنا مولٰنا کہکر مجھے ٹھہرانا چاہا، میں ٹھہر گیا، وہ دوڑتے ہوئے پاس آئے، اور پہلے اپنی اس حرکت کی معافی مانگی، پھر پاسپوٹ

دیکھنا چاہا، اور روانگی کا وقت پوچھا اور سفر کی سمت دریافت کی، اور ارشاد کیا کہ میں خفیہ پولیس میں انسپکٹر ہوں اور اپنی خدمت اور ادائے فرض سے مجبور ہوں، اور یہ بھی کہا کہ آج صبح سر راس مسعود صاحب اسی بات پر خفا ہوگئے، میں نے کہا آپ جو کچھ پوچھنا چاہیں خوشی سے دریافت کریں، چنانچہ ان کے تمام مطلوبہ معلومات فراہم کردیئے اور ان کے سوالات کے جوابات دیدیئے، وہ شکریہ ادا کرکے واپس گئے،

راہ میں ملتان پڑتا تھا، میرے ایک عزیز (مولوی سید عبدالباری صاحب) مدت سے ملتان میں رہتے ہیں ریلوے دفتر میں ملازم ہیں، سالہا سال سے ان کا تقاضا تھا کہ میں کبھی ملتان آؤں، یہ موقع بے منت ہاتھ آیا، اُن کو تار دیا کہ کل دوپہر کو میل سے آتا ہوں،

۱۰ بجے کے قریب ہم لوگ ڈاک بنگلہ سے چل کر اسٹیشن آئے، انسپکٹر صاحب موصوف موجود تھے، انھوں نے اپنی مہربانی سے اسباب کے تلوانے اور ٹکٹ لینے میں مدد فرمائی، ۱۱ بجے کے قریب گاڑی آئی، اور ہم لوگ آرام سے سوار ہوکر روانہ ہوئے، راستہ بہت پرلطف تھا، جگہ جگہ پہاڑیاں مل رہی تھیں، کچھ دور کے بعد صاف ریگستان آگیا، اور گرد وغبار اور ریت سے واسطہ پڑا، پشاور سے کلکتہ تک براہ پٹنہ جو راستہ ہے جس قدر وہ معمور ہے اسی قدر یہ راستہ ویرانہ تھا، گھنٹوں کے بعد بھی کوئی آبادی نہیں آتی تھی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے اس کو سرسبزی اور شادابی سے محروم ہی رکھا ہے، اب سندھ کا ریگستان شروع ہوگیا تھا، کہیں کہیں جو اسٹیشن آجاتے تھے، انھیں میں کچھ آبادی کا سراغ ملتا تھا، تاہم یہ خوشی ہورہی تھی کہ عمر میں پہلی دفعہ اس راہ سے گذر رہا ہوں، جس پر فاتحین اسلام کے کارواں صدیوں چلتے رہے،

بہاولپور ریل اسیطرح دن بھر اور رات بھر چلتی رہی، مشہور مقامات میں سے جیکب آباد اور شکارپور گذرے، دوسرے روز کچھ دن چڑھے **بہاولپور** آیا، چونکہ نوابانِ بہاولپور اور خصوصاً جدہ ماجدہ صاحبہ مرحومہ نواب صاحب بہاولپور نے **ندوۃ العلما** کی ہمیشہ مالی امداد فرمائی، اس لئے میں نے بڑے شوق کی نظر سے اسکی طرف دیکھا، اور اس سے ایک اُنس سا معلوم ہوا، اس ریاست کے فرمانروا عباسی نسل سے ہیں، احمد شاہ ابدالی کے زمانہ میں انھوں نے

سندھ کے اس حصہ پر حکومت قائم کی، رنجیت سنگھ نے اپنی حکومت پنجاب کے عہد میں ان کو زیر کرنا چاہا، ۱۸۱۶ء میں انسے ستر ہزار کا نذرانہ بھی بجبر حاصل کیا، مگر یہ بہت جلد اس سے آزاد ہو کر انگریزوں سے ملحق ہو گئے، موجودہ عہد میں جامعۂ عباسیہ ریاست مذکور کی علمی ترقیوں کی سب سے بڑی دلیل ہے، سندھ کا مشہور شہر اُچ اسی ریاست کے اندر واقع ہے؛ ناصر الدین قباچہ کے زمانہ میں یہاں مدرسہ فیروزی واقع تھا، جس میں طبقات ناصری کے مصنف قاضی منہاج سراج مدرس مقرر ہوئے تھے،

ملتان ۱۲ بجے کے قریب ملتان آیا، سید عبد الباری صاحب، کیپٹن محمد عظیم صاحب اگزیکیٹو افسر ملتان چھاؤنی، سید عبد الغنی صاحب بی اے وائس پریسیڈنٹ کینٹونمنٹ بورڈ، سید میر حسن صاحب رئیس ملتان وغیرہ موجود تھے اسٹیشن سے سیدھے سید عبد الباری صاحب کے قیامگاہ پر آیا، احباب آتے رہے، اور ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں، ان میں سب سے دلچسپ شخصیت سید میر حسن صاحب رئیس ملتان چھاؤنی کی تھی، ساٹھ ستر کے درمیان عمر ہوگی، آنکھوں سے معذور ہو چکے ہیں، تاہم کتابوں اور رسالوں کا شوق باقی ہے، وہ خود اب نہیں پڑھ سکتے، تو دوسروں سے پڑھوا کر سنا کرتے ہیں، سر سید کے خیالات سے بہت متاثر ہیں، مگر اب امید ہے کہ اس ردِ عمل سے وہ متاثر ہو رہے ہیں، جو سر سید مرحوم کی فطرت پسندی کے باب میں اب عمل میں آرہا ہے،

علاوہ دوسرے دوستوں کے یہاں کی جامع مسجد کے خطیب و امام مولنا سید اشفاق علی صاحب فاضل دیوبند سے مل کر خوشی ہوئی، یہ روشن ضمیر بھی ہیں، اور روشنخیال بھی، ملتان کے زمانۂ قیام میں جو تین روز تک ممتد رہا موصوف کی صحبت سے بڑی دلچسپی رہی،

ہمارے نوجوان دوست پروفیسر اکبر صاحب منیر جنسے مدت سے مراسلت تھی، اور جو ایران کی سیاحت سے ہمارے لئے جدید فارسی شاعری کا تحفہ لائے تھے، اور جنکا دیوان ماہِ نو چھپکر شائع ہو چکا ہے، اور جنکی نظموں کے ذریعہ سے معارف کے ناظرین بھی ان سے آشنا ہیں، وہ خوش قسمتی سے آجکل یہیں کے گورنمنٹ کالج میں فارسی کے پروفیسر تھے، اُن سے پہلے لاہور میں ملاقات ہو چکی تھی، یہاں ان سے دوبارہ ملاقات ہوئی، منیر صاحب جدید فارسی اور

اردو کے نازک خیال شاعر ہیں، اور اخلاقاً نہایت متواضع اور خاکسار ہیں،

ملتان ہماری اسلامی تاریخ کا نہایت قدیم اور نہایت مشہور شہر ہے، یہی وہ شہر ہے جسکو مسلمانون نے محمد بن قاسم ثقفی کے زیر سرکردگی پہلی صدی ہجری کے آخر میں جب فتح کیا تو اس وقت سے لیکر سکھون کے عہد تک یہ ہمیشہ اسلامی حکومت کا ایک اہم مرکز رہا، غزنویوں کے فتوحات سے صدیوں پہلے یہاں مسلمان آباد تھے، اوران کی اسلامی حکومت قائم تھی، چوتھی صدی کے اواخر میں یہاں کی عربی حکومت مصر کے فاطمیہ کے زیر سایہ اسماعیلیت میں بدل چکی تھی، اور اسماعیلی امرار یہاں حکومت کرتے تھے، انھیں کا نام ہندوستان کی تاریخوں میں ملاحدہ اور باطنیہ آتا ہے، محمود غزنوی نے اس کو باطنیوں کے ہاتھون سے چھین کر اپنی سلطنت میں ملحق کیا، غزنویون کے ضعف کے بعد پھر اسماعیلیون نے اس پر قبضہ کرلیا، اور آخر شہاب الدین غوری نے ان کے ہاتھون سے دوبارہ اسکو لے لیا، غزنویوں کی آمد سے پہلے تک یہ شہر عربوں کی تہذیب و تمدن کا مرکز تھا، غزنویوں کی فتح سے اسکا تعلق مصر کے بجائے غزنین سے ہوگیا، تاہم یہ ہر دور میں اسلامی علوم و فنون کا بڑا مرکز رہا، علامہ بیرونی المتوفی سنہ ۴۴۰ھ نے بھی یہاں قیام کیا تھا، چشتیوں کو چھوڑکر تصوف کا دوسرا خانوادہ جو ہندوستان میں سب سے زیادہ پھیلا وہ سہروردی تھا، جس کے بانی حضرت شیخ ابوالنجیب شہاب الدین سہروردی المتوفی سنہ ۵۶۳ھ تھے، سہروردی خاندان کے فیوض و برکات کا سرچشمہ یہی شہر ہے، شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا ملتانی (ولادت سنہ ۵۷۸ھ - وفات سنہ ۶۶۶ھ) نے ترکستان و خراسان و عراق و حرمین محترمین سے علوم دینی کا اکتساب کیا تھا، ابوحفص عمر شہاب الدین سہروردی المتوفی سنہ ۶۳۲ھ سے جو ابوالنجیب شہاب الدین سہروردی کے بھتیجے اور مرید تھے، تصوف کی دولت حاصل کی، اور عراق سے اسکو ملتان میں منتقل کیا، مشہور صوفی شاعر عراقی اسی میخانہ کے جرعہ خوار تھے،

غزنویوں کا تو حال معلوم نہیں، مگر غوریوں کے عہد میں ناصر الدین قباچہ نے جو سلطان التمش کا معاصر اور سندھ کا فرمانروا تھا، یہاں پہلی علمی درسگاہ قائم کی، جسمیں مولنٰا قطب الدین کاشانی نے ماوراء النہر سے آکر درس و تدریس کی مسند بچھائی، یہ شیخ الاسلام بہاء الدین کا آغاز عہد تھا، وہ بھی یہاں آیا کرتے تھے، شیخ فریدالدین

گنج شکر (ولادت ۵۸۴ھ - وفات ۶۶۹ھ) نے بھی مولنا تاج الدین ترمذی سے یہین فقہ کی تعلیم حاصل کی،

خراسان وایران سے جو علمار اور اہل کمال اس راستہ سے ہندوستان آتے تھے، ان کی پہلی منزل یہی شہر ملتان ہوتا تھا، اس سبب سے یہاں علمار وفضلار کا بڑا مجمع رہتا تھا،

علاؤ الدین خلجی کے زمانہ میں جو علمار، امام وقت تھے ان میں چار بزرگ ملتان کے تھے، مولنا محب ملتانی، مولنا حمید الدین ملتانی، مولانا شہاب الدین ملتانی، اور مولنا علیم الدین نبیرۂ شیخ الاسلام ملتانی، یہ دہلی اکثر علوم عقلی ونقلی کے درس دیتے تھے، ہندوستان میں معقولات کا درس میں داخل ہونا بھی ملتان ہی کے طفیل ہے، ملتان کی بربادی کے بعد سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں شیخ عبد اللہ اور شیخ عزیز اللہ ملتان سے آئے اول الذکر نے دلی میں، اور آخر الذکر نے سنبھل (مراد آباد) میں ہنگامۂ درس گرم کیا،

ملتان کو ایک نظر دیکھنے کے بعد اس کی شدید مشابہت قندھار سے ظاہر ہوتی ہے، وہی خام مکانات، وہی ریگستان، وہی بارش کی کمی، لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہندوستان جیسی ایک بارش بھی ملتان میں ہو جائے تو وہاں کے اکثر مکان گر جائیں، ملتان کے متعلق ایک مشہور شعر زبان زد ہے،

چار چیز است تحفۂ ملتان گرد و گرما، گدا و گورستان

جہاں ریت ہو اور بارش کی کمی ہو وہاں کی گرمی کا کیا پوچھنا، اور گرد وغبار تو ریگستان کا جوہر ہے، گداؤں کا زور پہلے ہوگا مگر اب شاید نہ ہو، تاہم ایسے درویش یہاں بہت ہیں، جو گو بزرگوں کی گدیوں کے بوریا نشین ہیں، مگر ان کی زندگی امیرانہ ہے، اور یہ رنگ غالبًا حضرت شیخ الاسلام زکریا سہروردی کے بعد ہی سے شروع ہو گیا تھا، چنانچہ شیخ الاسلام کے پوتے حضرت رکن عالم سلاطینِ دہلی کے مقرب تھے اور بقول ابن بطوطہ وہ حاکم ملتان کی منظوری کے بغیر کسی کو اپنا مہمان بھی نہیں بناتے تھے، اور گورستان کا کیا پوچھنا کہ اس پرانے شہر کا چپہ چپہ اسلامی عظمت کا ایک ایک مدفن ہے،

چپہ چپہ پہ ہے یاں گوہرِ یکتا تہِ خاک دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

بڑے بڑے علماء اور بزرگوں کے مقبرے اور مزارات ہیں، جنہیں سے سوائے اُن کے جن کی نسل میں جاگیریں ہیں، باقی بے نشان ہیں، مدفن سے مولد یاد آیا، کہتے ہیں کہ ملتان کو ایک اور فخر یہ حاصل ہے کہ اس کی سرزمین تین عظیم الشان بادشاہوں کا مولد ہے، سلطان محمود تغلق (ناصر الدین محمد شاہ؟) سلطان بہلول لودی اور سلطان احمد شاہ ابدالی، ان تینوں بادشاہوں کی جاے پیدائش بھی لوگ بتاتے ہیں، سلطان محمود تغلق لاہوری دروازہ سے کچہری جانے والی سڑک کے ایک محلہ میں جسکو کوٹلہ تولہ خاں کہتے ہیں، پیدا ہوا، سلطان بہلول لودی کی ولادت حسین اگاہی میں ہوئی، اور سلطان احمد شاہ ابدالی کا مولد کمشنر صاحب کے بنگلہ کے قریب لبِ سڑک ایک مکان تھا جو اب بے نشان ہے، اگرچہ یہ واقعات شاید تاریخ کے رو سے درست نہ ہوں،

عصر کی نماز کے بعد دوستوں کے ساتھ ملتان کے قابل دید مقامات کی سیر کو نکلا، عربی تاریخوں میں ملتان کے ایک مشہور مندر کا ذکر آتا ہے، جس کے اندر سے سندھ کے عرب فاتح محمد بن قاسم ثقفی کو بڑی ضرورت کے وقت بہت سا سونا ہاتھ آیا تھا، اس نے اس مندر کو توڑا نہیں، بلکہ اصلی حالت پر چھوڑ دیا، اور اس کے قریب ایک جامع مسجد بنوا دی، اس کے بعد جو عرب ریاستیں یہاں قائم ہوئیں، انھوں نے بھی اسکو نہیں چھیڑا، بلکہ یہاں کے جاتریوں پر ٹیکس لگا کر خوب آمدنی حاصل کرتی ہیں، کمزور ہو جانے پر جب کبھی کوئی ہندو راجہ اُن پر حملہ کرنا چاہتا وہ یہ کہکر اس کو ڈراتی تھیں کہ اگر تم نے ذرا ہماری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ہم اس مندر کی اینٹ سے اینٹ بجا دینگے، اس دھمکی سے وہ ڈر جاتا تھا اور ملتان پر حملہ نہیں کرتا تھا، بیرونی نے کتاب الہند میں لکھا ہے کہ اس کے بعد جب باطنیوں نے ملتان پر قبضہ کیا تو جلم بن شیبان اسماعیلی نے ثقفی کی جامع مسجد کو بند کر کے اس مندر کو توڑ کر جامع مسجد کر دیا، بعد ازیں جب سلطان محمود نے باطنیوں کو شکست دیکر ملتان کو فتح کیا تو مندر والی مسجد کو ویران کر کے پھر پہلی جامع مسجد کھولدی،

بیرونی کا چشم دید بیان ہے کہ اس مندر کی عمارت کی جگہ بلندی پر تھی، اور اینٹ سے بنی تھی، لیکن اس کے زمانہ میں اس کے اکثر حصے میدان ہو چکے تھے، سیر کے لئے نکلتے وقت مجھے یہی چیز پہلے یاد آئی،

لوگوں نے کہا یہ مندر اب تک باقی ہے، اور اب اس کا نام پرہلاد پوری ہے،

پرہلاد پوری کا مندر یہ مندر موجودہ شہر سے باہر پرانے قلعہ کی جانب شمال ایک بلند مقام پر واقع ہے، اسی سے متصل شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کی قدیم خانقاہ ہے، موجودہ عمارت اینٹ کی بنی ہوئی ہے، پھاٹک کے بعد ایک وسیع صحن ہے، چاروں طرف سائباں ہے، اس میں پرہلاد نرسنگھ بھگت اور لکشمی مہاراج کی مورتیاں ہیں، اس مندر کے اندر مسلمانوں کو نہیں جانے دیتے، اس لئے اندر کی کیفیت معلوم نہ ہو سکی،

اس مندر کے متعلق مقامی روایت یہ ہے کہ اب سے تیس لاکھ برس پہلے یہاں ہرنیہ کشیپو نام ایک راجہ حکمرانی کرتا تھا، یہ راجہ خدائی کا دعویٰ کرتا تھا، تمام رعایا کو حکم تھا کہ وہ راجہ ہی کی پوجا کرے، جو اس سے سرتابی کرتا اس کی سزا موت تھی، اتفاق سے راجہ کے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام پرہلاد رکھا گیا، جب یہ سن شعور کو پہنچا تو اس نے اپنے باپ کی خدائی سے انکار کیا، اس کو طرح طرح کی سزائیں دی گئیں، مگر باز نہ آیا، آخر تنگ آکر ہرنیہ کشیپو نے ایک آہنی ستون کو آگ سے سرخ کیا اور پرہلاد کو حکم دیا کہ وہ اس ستون سے چمٹ جائے، اس حکم کی تعمیل میں اس نے جب اس ستون سے چمٹنا چاہا تو فوراً ستون بیچ سے پھٹ گیا، اور اس میں سے ایک شخص نمودار ہوا جس نے راجہ کو مار ڈالا، اسی واقعہ کی یادگار میں ایک مدت کے بعد یہ مندر تعمیر ہوا،

علامہ بیرونی کا بیان ہے کہ "یہ مندر سورج دیوتا کا تھا، اور اسی لئے اس کا نام آدت تھا، یہ لکڑی کا بنا ہوا تھا، اور اسکی دونوں آنکھوں میں دو سرخ یاقوت جڑے تھے، اور بدن پر سرخ رنگی ہوئی کھال تھی" لیکن اب ان چیزوں کا وجود نہیں،

۱۸۴۸ء کی انگریزوں کی لڑائی میں اس مندر کو کافی نقصان پہنچا تھا، جس کی مرمت بعد کو ہو گئی، اس مندر پر بہت سے اوقاف ہیں، مندر کا انتظام نرسنگھ مندر کمیٹی کرتی ہے،

خانقاہ و مزار حضرت بہاء الدین زکریا یہ خانقاہ جو اب مزار کی صورت میں ہے، اس مندر سے بالکل ملا ہوا اسکی مغربی سمت میں واقع ہے، میرا خیال ہے کہ اگر یہ پرہلاد مندر وہی ادت دیوتا والا پرانا مندر ہے تو عجب نہیں کہ یہ خانقاہ پہلے وہ مقام ہو،

جسکو مسجد بنا دیا تھا، ملتان میں یہ خانقاہ بہار الحق" کے نام سے مشہور ہے، کہتے ہیں کہ اس خانقاہ کی تعمیر حضرت بہاء الدین زکریا نے خود کرائی تھی، اور یہاں بیٹھکر چالیس برس تک حدیث کا درس دیا تھا، خانقاہ کا رقبہ بہت وسیع ہے، دو بڑے پھاٹک ہیں، ارد گرد عمارتیں بنی ہوئی ہیں،

پھاٹک کے بعد پہلے ایک صحن ہے، صحن کے بعد ایک گلیارا سا ہے، جس کو طے کرنے پر اصل مقبرہ آتا ہے، جو ایک لمبے کمرہ کی صورت میں ہے، اس کے اوپر گنبد ہے، مقبرہ کے اندر بیچ میں حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی سہروردی کا پختہ مزار ہے، مزار کے اوپر سیاہ شامیانہ تنا ہے، اس مزار کے ہر طرف بہ ترتیب اُن کی اولاد و احفاد کی قبریں ہیں، باہر خدام اور مجاور بیٹھے زائرین سے نذریں وصول کر رہے تھے، میں سیدھے حضرت کے مزار پر گیا، دعائے مسنونہ پڑھی، مقبرہ کے اندر خاصی تاریکی تھی، تاہم آنکھیں بند کرتے ہی ایک نور سا چمک گیا، سہروردی خاندان کا سرتاج یہاں محو استراحت ہے، میں سبب نہیں جانتا تاہم دل نے ایک اثر محسوس کیا، اور آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے نکل کر ڈھلک گئے،

شیخ الاسلام سہروردی کا سالانہ عرس ہوتا ہے، بادشاہوں نے یہاں بہت کچھ وقف کیا تھا، مگر اب چند دیہات رہ گئے ہیں، خان بہادر شیخ مرید حسین قریشی اس کے متولی ہیں، اور غالباً انھیں کے خاندان میں تولیت محدود ہے، شیخ الاسلام کے مزار کے برابر ان کے بزرگ صاحبزادہ اور جانشین حضرت صدر الدین المتوفی سنہ ۶۸۴ھ کا مزار ہے، یہ وہی بزرگ ہیں، جن کے عہد میں سلطان غیاث الدین بلبن کا نامور بیٹا محمد سلطان خان شہید ملتان کا حاکم تھا، اور جس نے تاتاری حملہ کے سیلاب کو جسکے تھپیڑوں میں خلافت بغداد کی کشتی ڈوب گئی تھی، ملتان میں کامیابی کے ساتھ روک دیا تھا، اور آخر خود اسی واقعہ میں اتفاقاً شہید ہو کر "خان شہید" لقب پایا، حضرت امیر خسرو دہلوی بھی اس شہزادہ کے ساتھ اس ہنگامہ میں ملتان میں تھے،

"سفرنامۂ روم و مصر و شام"

سنہ ۱۸۹۲ء میں علامہ شبلیؒ نے جو سفر کیا تھا، اس کے حالات و واقعات، یہ سفرنامہ مقبول ہو چکا ہے، قیمت:۔ ۱۰؏

"منیجر"

نامۂ کیمبرج

(۲)

از پروفیسر تاثیر، ایم اے، کیمبرج،

محترمی حضرتِ علامہ - السّلام علیکم،

کل بحری ڈاک میں لاہور سے برخوردار محمود نظامی کا ایک تحفہ موصول ہوا، آج اور کل اسی پر صرف ہوئے، اپنی ریسرچ سب بھول گیا، رات کے دو بجے تک اور صبح ناشتہ کے ساتھ بھی وہی تحفہ تھا، وہ تحفہ کیا تھا؟ عمر خیام از سید سلیمان ندوی! "شعر العجم" کے بعد "شعر الہند" کی اشاعت سے اذیت پہنچی تھی، اور علامۂ مرحوم کو مافوق البشر کہہ کر دل کو تسلی دے لیا کرتا تھا، مگر عمر خیام نے پرانی یادیں اور امیدیں پھر زندہ کر دی ہیں، اور تلافیٔ مافات ہو گئی ہے، یہ نقشِ اول نقشِ ثانی سے کلیتہً بے نیاز ہے، غالباً کسی اور زبان میں بھی اس شان کا مضمون اس موضوع پر اب تک شائع نہیں ہوا، خدا آپکی زندگی اور ہمت کو زیادہ کرے، آپ کا وجود ہمارے لئے غنیمت ہے،

میں نے کتاب کے اس سرسری مطالعہ میں چند مقامات پر پنسل سے کچھ نشانات لگائے ہیں، ان کی وضاحت چاہتا ہوں، یہاں میرے پاس نہ کوئی کتاب ہے (اردو فارسی کی)، نہ کوئی اور ذریعہ تحقیق، فضا مختلف ہے، کام الگ ہے، احباب اور طرح کے ہیں، فارسی کہاں، اردو کا بھی ایک لفظ مدتوں سننے میں نہیں آتا، اس لئے بہت ممکن ہے کہ میرے شبہات بالکل مبتدیانہ ہوں جنکا ازالہ آپ کو تکلیف دیئے بغیر ممکن نظر آتا ہو، مگر میرے لئے یہ سہل بالکل ممتنع ہے،

اوّل:- آپ نے عمر خیام کی ولادت اور وفات کا مسئلہ خوب واضح کر دیا ہے لیکن ایک سو سال کی عمر کو محال محض فرض کرنا سمجھ میں نہیں آتا، بالخصوص جب یہ سو سال قمری ہوں، یعنی پورے سو سال شمسی نہ ہوں، ایک حکیم مرتاض اگر یہ عمر نہ پا سکے تو ہم تو مارے گئے، یہاں ستر سال سے زیادہ عمر کے پروفیسر شبانہ روز کام کرتے ہیں، میرے اپنے

نگران سر آرتھر اپنے عام کام، لیکچرز، نگرانی کے علاوہ شعبۂ انگریزی کی صدارت کرتے ہیں، کئی ایک اور وصندوں کے نگہدار ہیں، اور پھر قریباً ہر سال ایک معرکۂ آرا تصنیف شائع کر دیتے ہیں، (انھیں عمر خیام بہت پسند ہے اور فٹز جرلڈ کے اس وقت مداح تھے جب بہت کم لوگ اس کے ترجمے سے واقف تھے۔)

عمر خیام کو آپ اتنی جلد ایا بج بنانے پر کیوں مصر ہیں، وہ زمانہ تو سکون و عافیت کا ہوگا، کم از کم ہوائی جہازوں اور موٹروں کی تگ و دو تو نہ تھی، مگر یہ تاریخی تحقیقات کا معاملہ ہے اور میری ہمدردی کے احاطہ سے باہر ہے

دوم: رباعی کے قوافی کے سلسلے میں آپ نے عمارہ مروزی کے چار مصرع نقل کئے ہیں، اور نہ جانے کیا استنباط کرنا چاہا ہے، مگر مجھے یہ چار مصرے رباعی کے معلوم نہیں ہوتے، اور چوتھا مصرع غلط نقل ہوا ہے، است کی جگہ بہ چاہئے، یوں ؎

آں مے بدستِ آں بتِ سیمیں من نگر گوئی کہ آفتاب بہ پیوست با قمر
واں ساغرے کہ سایہ بیفگند مے برد برگِ گلِ سفید بگوئی بہ لالہ بر

نہ کہ ؎ برگ گل سفید است گوئی بہ لالہ بر"

اور مستفعلن مفاعلن ہے، ع بحر رجز میں ڈال کے بحر رمل چلے، رباعی کا وزن کیسے ہوا، کیا میرے کان دھوکہ کھا رہے ہیں، یا آپ کچھ اور فرما رہے ہیں؟

سوم:۔ سلسلۂ ماسبق میں آپ نے محبی العزیز پروفیسر شیرانی کے" ادعائے چار بیتی" کا دو جگہ تذکرہ کیا ہے، میرے خیال میں یہاں کوئی لفظی الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے، جہاں تک مجھے یاد ہے وہ چار بیتی کو رباعی سے مختلف صنف سخن تصور کرتے ہیں، آپ چار بیتی اور رباعی کو ایک قرار دیتے ہیں، ترانہ کی طرح، اس لئے ان کا کہنا کہ چار بیتی کی اب کوئی مثال نہیں پائی جاتی، محض چار قوافی رباعی نقل کرنے سے غلط نہیں ہو جاتا، رباعی میں چار مصرعے ہوتے ہیں، چار بیتی میں بھی چار مصرعے ہوتے ہیں، رباعی میں قوافی کبھی تین کبھی چار، چار بیتی میں ہمیشہ چار قوافی ہوتے ہیں، رباعی عربی بحر ہزج سے مختص ہے، چار بیتی کے اوزان غالباً غیر

عربی قدیم ایرانی ہیں، یہ دعویٰ بلا دلیل سہی، مگر اس کی تردید میں عوفی سے چار قوافی رباعیات نقل کرنا غیر متعلقہ ہے،

میرے پاس نہ شیرانی ہیں نہ ان کا کوئی مضمون، نہ کبھی اُن سے اس موضوع پر گفتگو ہوئی ہے، جو یاد رہ گئی ہو، آپ کے اقتباسات ایک دھندلا سا خیال اور اپنی رائے ان کی بنا پر ماقبل الفاظ تحریر کئے ہیں اور پھر یہ بھی اعتبار ہے کہ وہ گرگ بیشۂ تحقیق ایسا "نادر" دعویٰ کم کرتا ہے، جو یونہی لاطائل ٹھہر جائے، بڑا پیچ دار بزرگ ہے اور پکا عروضی، اور رباعی کے اوزان کے متعلق مجھے خود مروجہ مسلمات سے اختلافات ہیں، مگر وہ اور بحث ہوگی،

چہارم آپ نے رباعی کی ترویج کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے، اور غالباً اس موضوع پر اور کسی نے کچھ بھی نہیں لکھا، مگر مجھے پہلی ہی وجہ سے ایک الجھن پیدا ہوگئی، آپ فرماتے ہیں کہ چونکہ قصیدہ، مثنوی اور قطعہ (مروجہ اصناف سخن) میں لوگ حقائق حکمت کے علاوہ اور مضامین زیادہ باندھتے تھے، اس لئے ایک نئی صنف سخن درکار تھی، یہ تو جب تھا کہ "تصوف و حکمت" کے شہکار رباعی کے لئے مخصوص ہو جاتے، حالانکہ واقعات یہ ہیں کہ ہمیشہ مثنوی ان خیالات کے اظہار کا مشہور ترین آلہ رہی، عطار، رومی، اقبال کے نام اور تصانیف سب کو معلوم ہیں، دوسری وجہ دیتے ہوئے آپ نے مثنوی اور قصیدے کی طوالت کو پیشہ ور شاعر کے لئے مخصوص کرنا چاہا ہے، اور صوفیہ کی بے فرصتی کو بہانہ بنایا ہے اور اسے "ذکر و فکر عبادت" میں مخل گردانا ہے، ظاہر ہے کہ آپ ان رموز کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں، لیکن رومی اور عطار اور دیگر صوفیاے کرام کی لمبی لمبی مثنویوں کو دیکھتے ہوے سمجھ میں نہیں آتا کہ انھیں پیشہ ور شاعروں سے الگ کیسے کیا جائے، اور "ذکر و فکر و عبادت" سے غافل کس طرح کہا جائے؟ اور یہ کیا ضروری ہے کہ صوفی شاعر پیشہ ور صوفی بھی ہو، آپ نے یہاں تیسری صنف سخن "قطعہ" کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ قلت وقت کی شکایت اس سے رفع ہو سکتی ہے، قطعہ جو مصرعہ بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی، اس کے وجود سے آپ کی تیسری وجہ بھی کہ قصیدہ اور

مثنوی محض مسلسل خیالات کے کفیل ہیں، اسلئے متفرق خیالات غزل کی غیرموجودگی میں رباعی ہی میں آسکتے تھے، محض حسن ظن ہو کر رہجاتی ہے، یہ بھی یاد رہے کہ رباعی غزل کے بعد بھی قائم رہی اور رہے گی، جس طرح قطعہ کے باوجود پیدا ہوئی اور قائم ہے، آپ کی چوتھی وجہ بھی جو رباعی کے اختصار مصاریع ہی پر مبنی ہے، قطعہ اور مختصر قصائد کے ہوتے ہوئے بے بنیاد معلوم ہوتی ہے، اگر گانے کے لئے چند اشعار ہی درکار تھے، تو قطعہ موجود تھا اور مثنوی کے مختصر ابواب وقصص تھے جو باقتضائے طلب اور زیادہ مختصر ہو سکتے تھے،

غرض یہ چوتھی دلیل بھی کچھ ایسی محکم نہیں، چھٹی وجہ کہ رباعی کو قول کہتے تھے اور قوال گاتے ہیں، بجائے خود مستقل دلیل نہیں، چوتھی کا اضافہ بن سکتی ہے اور ساتویں اور آخری وجہ تو بقول آپ کے محض "متفرق اقوال" کا مجموعہ ہے، میں نے پانچویں وجہ کو اب تک خارج از بحث رکھا ہے، کیونکہ یہی قول حقیقت کے قریب ترہے، آپ نے فقط اس قدر لکھا ہے کہ "رباعی کے وزن کو موسیقی کی لے سے کوئی خاص مناسبت تھی"۔ وہ خاص مناسبت کیا ہے؟ لے اور موسیقی سے آپ کا کیا مطلب ہے؟۔ آپ کے نزدیک الفاظ کے معانی اور اصوات کا کیا تعلق ہے؟ کیا موسیقی سے مراد ملائم آوازیں ہیں، داغ کے اس "مصرعۂ میمی" کی طرح ع کس قیامت کے یہ نامے مرے نام آتے ہیں، یہ سوالات جواب طلب ہیں، مگر یہ ظاہر ہے کہ رباعی کی ترویج کا راز اس کے وزن میں ہے، آپ نے "اقسام البحور" کی رباعی میں بداہت کی طرف توجہ مخصوص کردی حالانکہ اصل بات مصرعۂ اوّل میں ہے ع در بحر ہزج زحاف بسیار آمد، زحافات کا ہونا اور "بسیار" ہونا، سو جوابوں کا ایک جواب ہے، اس سے رباعی میں اختصار کے ساتھ ایک ایسا تنوع اور یگانگت کا امتزاج ممکن ہوگیا ہے جو اور اصناف میں نایاب ہے، اور بحر بھی مناسب ہے، وہ کس طرح؟

مگر اس بحث کے لئے ایک مستقل مضمون درکار ہے،

اب فصل پنجم آتی ہے، آپ نے حافظ وخیام کے مجتمع نسخوں کا ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں (ص ۲۸۱) "ندوۃ العلما" کے نسخے کے متعلق لکھا ہے کہ "خط و کاغذ کے لحاظ سے دو تین سو برس کا پرانا معلوم ہوتا ہے"۔ یہ محاورۂ زبان ہی سہی، مگر تاریخی تحقیقات میں دو سو برس اور تین سو برس میں پورے سو سال کا فرق ہوتا ہے

اور یہ بڑا فرق ہے، عمر خیام کی عمر کے متعلق آپ کو بھی سو سال پوری صدی معلوم ہوتے تھے، اگر میری یاد دھوکا نہیں دیتی تو لاہور میں بھی ایک نہایت عمدہ اور قیمتی نسخہ موجود ہے، مجی ابو الاثر حفیظ جالندھری یا حفظ الرحمن صاحب جامع حفظ العلوم اس کے متعلق بالیقین کہہ سکتے ہیں،

آپ نے لاہور کے "سید سلیم" کے نسخۂ عمر خیام کا ذکر بھی کیا ہے، مجھے لاہور جیسے بڑے شہر میں ہر صاحب ذوق و علم یا جامع کتب سے تعارف کا دعویٰ نہیں، لیکن ایسا نایاب نسخہ چھپا نہیں رہتا، کہیں یہ سید سلیم صاحب محترمی خواجہ سلیم۔ ایم اے، ساکن محلہ کوٹھیداراں تو نہیں؟ اُن کے پاس ایسے خزائن ہیں، اور عمر خیام بھی ہے، آپ محبی العزیز خواجہ عبدالوحید یا پروفیسر تبسم سے دریافت کریں، وہ "سید" اور "خواجہ" کا جھگڑا مٹا سکیں گے،

میرے یہ سوالات کتاب کے اصل موضوع سے دور ہیں، اور ان کی صحت یا تغلیط سے آپ کی کتاب بے نیاز ہے، مگر مجھے امید ہے کہ آپ فرصت کا وقت نکال کر ان کی طرف متوجہ ہو سکیں گے، مناسب ہو تو اس خط کو شائع فرما دیں، جواب بھی ساتھ ہی، کیونکہ یہ سوالات اوروں کے لئے خیال افروز ہونگے،

(مورخہ ۱۸ رمئی ۱۹۳۴ء)

توضیح و توجیہ

از

سید سلیمان، ندوی،

سپاسگذار ہوں کہ میری اس حقیر تالیف کی نسبت آپ نے اس حسنِ ظن کا اظہار فرمایا ہے، مجھے اس کا اعتراف ہے کہ میری کوشش کے باوجود اس میں کچھ نہ کچھ نقائص ضرور ہونگے کہ کوئی انسانی کام خطا و نسیان سے یکسر پاک نہیں ہو سکتا، امورِ مستفسرہ کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کرتا ہوں،

۱ – میں نے سو سال کی عمر کو "محالِ محض" کہیں نہیں کہا ہے، بلکہ یہ کہا ہے کہ

خیام کی ولادت کا سال پانچویں صدی ہجری کے اوائل کا سال (تاکہ نظام الملک طوسی المولود ۴۰۸ھ کی ہمسنی ثابت ہو) اس وقت تک فرض نہیں کیا جا سکتا جب تک ہم اس کی عمر غیر معمولی اور غیر طبعی تسلیم نہ کریں، جسکا اندازہ ایک سو سولہ برس تک کیا جا سکتا ہے، اور اس حالت میں لازم آئیگا کہ حسب ذیل سنین کے وقت حسب ذیل عمر کا ہو، (۱) ۴۶۷ھ میں رصد خانہ کی تعمیر کے وقت وہ انسٹھ ۵۹ برس کا ہو، (۲) ۵۰۶ھ میں جب وہ نیشاپور سے بلخ گیا تھا۔ . . . تو وہ اٹھانوے برس کا ہو (۳) ۵۰۷ھ جب ابو الحسن بیہقی اپنے بچپن میں اس سے ملا تھا اور خیام نے اس کا امتحان لیا تھا، اس وقت اس کی عمر ننانوے برس کی ہو، (۴) ۵۰۸ھ کے موسم سرما میں جب سلطان مرو میں شکار کھیلنے نکلا تھا اور خیام اس کو خود سوار کرانے گیا تھا تو اس وقت اس کی عمر سو برس ہو، ان (سنین) میں سے رصد خانہ کی تعمیر کے وقت کا سال گو چنداں بعید نہیں، مگر بقیہ سنین تمامتر طبعی حالات کے خلاف ہیں، اگر ایسا ہوتا تو ضرور تھا کہ بیہقی اور نظامی عروضی ان سنین کے ذکر کے وقت اس کی حیرت انگیز غیر طبعی قوت اور عمر کا استعجاب کے ساتھ ذکر کرتے، جیسا کہ اس قسم کے مستثنیٰ عمر والوں کے حالات میں اہل تاریخ نے ذکر کیا ہے"۔ (ص۵۰ خیام)

منشا یہ ہو کہ اسکے ان سنین عمر میں اگر نظامی اور بیہقی اس سے ملے ہوتے اور اس کو اس عمر میں اس طرح سفروں اور کاموں میں مشغول پاتے تو اس کی اس طویل عمر کا ذکر استعجاب کے ساتھ ضرور کرتے، جیسا کہ اس قسم کے مستثنیٰ واقعات کا ذکر مورخین اور اہل تذکرہ طبعاً کیا کرتے ہیں،

۲- عمارہ مروزی کا یہ قطعہ یا رباعی جو چاہے کہئے میں نے لباب الالباب عوفی (جلد دوم ص۲۵ طبع برون) سے نقل کی ہے، اس میں عوفی جیسے ماہر ادب نے اس کو رباعی ہی کہہ کر نقل کیا ہے، اس کی تصحیح و تحشیہ کا کام اس عہد کے نامور ایرانی فاضل علامہ محمد بن عبد الوہاب قزوینی نے کیا ہے، انھوں نے بھی یوں ہی رہنے دیا ہے اور اس نظم کے چاروں مصرعے بھی اسی طرح ہیں، جس طرح میں نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں، (لباب الالباب جلد دوم ص۲۵)

اتنا لکھنے سے صحتِ نقل کا بار تو میرے سر سے اتر گیا، البتہ عقل و قیاس کا سوال باقی رہ گیا، آپ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ اس کا وزن بحر ہزج کے عام اوزانِ رباعی میں سے نہیں ہے، مگر اس کی جو تقطیع آپ نے کی ہے وہ صحیح نہیں ہے، بحر رمل میں مستفعلن مفاعلن مستفعلن مفاعلن میرے علم میں نہیں آیا ہے، اور نہ اس وزن کو اہل عروض نے اس بحر کے منشعبات میں شمار کرایا ہے،

یہ چاروں مصرعے غالباً بحر مضارع میں ہیں، جسکا اصلی وزن مفاعیلن فاعلاتن مفاعیلن فاعلاتن ہے، اور ان مصرعوں میں یہ زحافات کے بعد مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن ہو کر آیا ہے، چوتھا مصرع میں نے صحیح نقل کیا ہے، اور وہ اسی وزن پر ہے، برگِ گُ مفعولُ - لِ سپیدش فاعلاتن - ت گوئی ب مفاعیل، لالہ برفاعلن - تین پہلے مصرعوں کا بھی یہی وزن ہے، آں می ب مفعولُ، دست آں بُ فاعلات، تِ سیمینِ مفاعیل من نگر فاعلن،

عوفی کا اس کو رباعی کہنا، اور قزوینی وغیرہ مصححین کا اس پر کوئی اعتراض نہ کرنا یا تو یہ معنی رکھتا ہے کہ رودکی کے عہد میں اوزانِ رباعی کی یہ تخصیص نہیں ہوئی تھی جو بعد میں ہوئی، یا اس کے یہ معنی ہیں کہ لوگ ہر چار مصرعوں کی نظم کو رباعی کہدیتے تھے، چنانچہ عوفی نے اسی صفحہ میں ایک اور چار مصراعی نظم کو جس کے پہلے مصرع میں قافیہ بھی نہیں رباعی کہا ہے، جس کو آپ یقیناً قطعہ کہیں گے، موجودہ مطبوعہ دیوان رودکی کے بعض رباعیات کا بھی یہی حال ہے، اس قطعہ یا رباعی کو یہاں نقل کر کے میں نے یہ کہنا چاہا ہے کہ اس عہد تک میں فارسی رباعیات کے تیسرے مصرع کا ہم قافیہ ہونا ضروری نہ تھا،

پروفیسر شیرانی صاحب نے رباعی کے متعلق اپنے مضمون تنقید شعر العجم میں جو کچھ کہا ہے، وہ محقق طوسی کی معیار الاشعار اور مفتی سعد اللہ مرحوم کے رسالہ رباعی پر مبنی ہے، آپ نے رباعی اور چہار بیتی کے درمیان جو فرق دکھانا چاہا ہے وہ تمامتر غیر صحیح ہے، اہل عروض کے نزدیک رباعی اور چہار بیتی متحد ہیں، معیار الاشعار میں ہے:

"وانچہ ازیں وزنہا مانند یک مصراع مثمن است متاخراں استعمال کمتر کنند و قدماء ایں شعر بسیار

گفته اند، و ایشاں ہر مصرع را قافیه می آورده اند، و آنرا بیتی می شمرده اند، مانند رجز مشطور، یا بیتهای معقد از اشعار تازیاں که آں را منتصفے معین نباشد، و بایں سبب ترانه را قدما چهار بیت میگرفته اند، و آنرا چهار بیتی خوانده اند، و تازی رباعی، و در ہر چهار قافیه آوردن لازم می شمرده، اما بنزدیک متاخراں چوں مربعات ایں اوزان مستعمل نیست، ایں اوزان متروک است، و ہر بیتی ازیں ابیات مصراعے می شمرند، و رباعی را دو بیتی میخوانند، و مصراع سیم را خصی می خوانند و قافیه شرط نمی فهمند؛

مفتی سعد اللہ صاحب اپنے رسالہ رباعی میں رقمطراز ہیں:-

"قدمائے فارس ترانه را که از ہزج مربع اختراع کرده اند چهار بیتی و رباعی می گفتند و ہر دو ور چهار رکنی را قافیه لازم می شمردند، اما متاخراں شاں چوں ابیات مربع ہزج نزد ایشاں متروک است، ترانه را از مثمن قرار میدہند و ہر دو ور چهار رکنی را مصراعے می شمرند، و مجموع را دو بیتی، و در مصرع سوم قافیه لازم نمی دانند و آنرا خصی نامند، لیکن نه بودن قافیه در مصرع سوم لازم نباشد، بل در بعضے از رباعیات در ہر چهار مصرع قافیه بود"

۴۔ حکماء و صوفیہ نے اپنے اظہار مطالب کے لئے زیادہ تر رباعی کو کیوں اختیار کیا؟ اس سوال کے جواب میں چند اسباب و دلائل میں نے لکھے ہیں، مگر ظاہر ہے کہ وہ اسباب و دلائل منطقی نہیں، جو ہر شک و شبہہ سے پاک ہوں، بلکہ محض قیاس و ذوق پر مبنی ہیں، مثنوی کسی ایک مختصر نکتہ کے ادا کرنے کے لئے کبھی استعمال نہیں کیگئی ہو، بلکہ ہمیشہ طویل و مسلسل قصص و مسائل کے بیان و تشریح کے کام میں آئی ہے، جیسا کہ عطار اور سنائی اور رومی وغیرہ کے یہاں ملتی ہے، انھیں بزرگوں کو جہاں کہیں مختصر اور علٰحدہ علٰحدہ نکات کے بیان کا اتفاق ہوا ہے، انھوں نے مثنوی کے بجائے رباعی کو استعمال کیا ہے، قطعہ البتہ ایک چیز تھی، چنانچہ ابن یمین نے اس سے کام لیا ہے، مگر قطعہ کے لئے بھی گو ضروری نہیں، مگر زیادہ تر چار پانچ چھ شعروں کا استعمال شائع تھا، جیسا کہ مشہور قطعہ گو ابن یمین کے

قطعات میں نظر آتا ہے، ایک اور بات یہ ہے کہ قطعہ میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اسکا کوئی جزء باقی، ناتمام یا متروک تو نہیں ہے، کیونکہ اس میں اشعار کی تعداد مخصوص نہیں ہے، مگر رباعی میں یہ شبہہ ممکن نہیں کہ اس کے چار مصرعوں میں کمی بیشی ممکن ہی نہیں، اسلئے یہ مختصر نکات کی حفاظت کے لئے بہترین صنفِ سخن ہے،

میرے ان دلائل و اسباب میں اصل دلیل چوتھی اور پانچویں ہے، یعنی یہ کہ ترانہ، قول، چہار بیتی اور رباعی جس نام سے اس کو پکارئیے وہ اہلِ فن میں گانے کے کام میں آتی تھی، اور اس لئے صوفیہ کی مجلسِ سماع کے لئے وہ بہترین چیز تھی،

موسیقی سے میری مراد ساز پر گانا ہے،

اقسام البحور (اقسام البحور) رشید الدین وطواط کے جس شعر کو میں نے اس کتاب میں نقل کیا ہے اس سے صرف اس بات پر استدلال کیا ہے کہ بحر ہزج جس میں عموماً رباعی کہی جاتی ہے، فی البدیہہ اظہارِ مطلب کے لئے استعمال میں آتی ہے، اس شعر میں یہ وہ بات تھی جس کے بیان کی طرف دوسرے کسی صاحبِ عروض نے توجہ نہیں کی ہے اور اس لئے رشید المتوفی سنہ ۵۷۳ھ جیسے ماہرِ فن اور قدیم شاعر و عروضی کے بیان سے فائدہ اٹھایا گیا، اور اس کے شعر کے اس دوسرے بیان کی طرف کہ اسمیں زحافات بہت آتے ہیں اور اس سبب سے اسمیں بہت سے اوزان پیدا ہو گئے ہیں، اسلئے خاص توجہ کی ضرورت نہ تھی کہ یہ تو سب ہی عروضی لکھتے ہیں، پھر محض زحافات کا کثیر آنا یا اسکا کثیر الاوزان ہونا رباعی کے اختیار کی وجہ نہیں بن سکتی کہ قطعات میں تو بحر کی بھی سرے سے قید نہیں، وہ ہر بحر میں ہو سکتا ہے، اس لئے اس کی بوقلمونی اور تنوعِ اوزان تو رباعی سے بدرجہا زیادہ ہے،

میں نے کتبخانہ بانکی پور کی فہرست کے مطابق اس رسالہ کو رشید وطواط کی طرف منسوب کیا تھا، مگر ابھی گذشتہ اگست میں کتبخانۂ حبیب گنج (ملوکہ نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خاں شیروانی) میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں یہ رسالہ مونس الاحرار نام کے ایک قدیم تذکرہ و منتخبات کے آخر میں مشہور ادیب و شاعر ادیب صابر المتوفی سنہ ۵۴۶ھ کی طرف منسوب نظر آیا، کیا عجیب بات ہے کہ یہ دو معاصر شاعر جو ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے اور ایک دوسرے کی ہجو کرتے

رہے، وہ اتنی صدیوں کے بعد اس طرح متحد ہوگئے کہ اب یہ فیصلہ مشکل ہوگیا ہے کہ یہ رسالہ اب ان دو میں سے کسکی ملکیت ہے،

۵۔ ندوۃ العلماء کے نسخۂ دیوان حافظ کے زمانہ کتابت کی تعیین خط و کاغذ وغیرہ کے قیاس سے میں نہیں کر سکتا، اسلئے اس حقیقت کا اظہار "دو تین سو برس" کے مجاز کے سوا میرے لئے ممکن نہیں،

۶۔ مکرمی خواجہ سلیم صاحب کو سید سلیم صاحب لکھنے میں مجھ سے غلطی ہوئی ہوگی، اور آپ اسکی تصحیح کا حق رکھتے ہیں، کہ مجھ سے تو خواجہ صاحب کی ایک ہی دفعہ کی ملاقات ہوئی اور لاہور آپکا گویا وطن ہے، اور اہل البیت ادری بما فیہ، لیکن کیوں صاحب! ایک منطقی یہ بھی تو کہہ سکتا ہے کہ حضرت "سید" اور "خواجہ" کا جھگڑا ختم کیجئے، گو ایک لفظ عربی اور دوسرا فارسی ہے، مگر معنی دونوں کے ایک ہی ہیں، والسلام "س"

خیّام

خیام کے سوانح، تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ، اور فارسی رباعی کی تاریخ، اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث، اور آخر میں خیام کے چھ عربی و فارسی رسالوں کا ضمیمہ، اور اس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، مکمل اور حتی المقدور محققانہ، یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے،

ضخامت ۵۲۰ صفحات کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ،

قیمت :- غیر مجلد - ہے/
مجلد - للعہ/

"منیجر"

(حاشیہ ص ۲۶۴) یہ مونس الاحرار اس مونس الاحرار سے جسکو محمد بدر جاجرمی نے ۷۴۱ھ میں تالیف کیا ہے الگ ہے، یہ ایک اور مصنف نے اس زمانہ سے ٹھیک پینتیس ۳۵ برس پہلے تالیف کیا ہے، اگر دونوں کا موضوع یکساں ہے، عنقریب اس تذکرہ پر ایک مضمون معارف میں شائع ہوگا، "س"

کیا معیار الاشعار طوسی کی نہیں؟

فارسی و عربی علم عروض و قافیہ مین فارسی کا ایک مشہور قدیم رسالہ ہے، جس کا نام معیار الاشعار ہے، ہندوستان مین اس رسالہ کی اشاعت کا فخر مولانا مفتی سعد اللہ صاحب رامپوری مرحوم المتوفی ۱۲۹۴ھ کو ہے، مرحوم نے پہلے اس رسالہ کو اپنے حواشی کے ساتھ ۱۲۶۴ھ مین مطبع علوی مین چھپوایا، اور اسکی تاریخ حسب ذیل لکھی،

ع زہے معیارِ اشعارِ محشّا،
۱۲۶۴ھ

اس حاشیہ مین مرحوم نے اسکی مفصل شرح لکھنے کا خیال ظاہر کیا تھا، مگر جیسا کہ میزان الافکار کے دیباچہ مین انھون نے لکھا ہے کہ اودھ کی سلطنت کی تباہی و بربادی سے جمعیتِ خاطر ایسی منتشر ہوئی کہ شرحِ مذکور کا شیرازۂ ترتیب بھی منتشر ہوگیا، بعد ازین جیسا کہ خاتمۂ کتاب مین ہے، جب شارح کو فصلِ نہم کے شروع کرنے کے بعد حرمین شریفین کا سفر درپیش آیا تو واپسی مین عدن مین جہاز کے انتظار مین کچھ دنون توقف کا اتفاق ہوا، اور وہین ۷؍صفر ۱۲۷۱ھ[1] مین یہ شرح اتمام کو پہنچی اور میزان الافکار کے نام سے ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء مین مطبع نولکشور لکھنؤ مین چھپی اور شائع ہوئی،

مفتی صاحب نے اصل متن معیار الاشعار اور میزان الافکار شرح معیار الاشعار دونون مین اصل کتاب معیار الاشعار کو علامہ محقق طوسی المتوفی ۶۷۲ھ کی تصنیف ظاہر فرمایا، اور اسی نسبت سے یہ زبان زدِ خاص و عام ہوئی، مفتی صاحب نے معیار الاشعار مطبوعہ ۱۲۶۴ھ کے خاتمہ مین اس تصنیف کا سنہ تک متعین فرما دیا،

"اما بعد این نسخۂ کامل العیار مسمّیٰ بہ معیار الاشعار در علم عروض و قوافی عربی و فارسی ریختۂ قلم جادو رقم

---

[1] کتابت کی غلطی سے اصل کتاب مین یکہزار و ہفتاد و یک چھپ گیا ہی، یکہزار و دوصد و ہفتاد و یک چاہئے، مطبوعہ نولکشور ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۵ء

سلطان الحکمار المتقدمین والمتاخرین محمد بن محمد بن حسن خواجہ نصیر الدین طوسی است کہ در سن ششصد و چہل و نہ ہجری از تسویدش فارغ گردیدہ"

اس سے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کے نزدیک ۶۴۹ھ مین محقق نے اس رسالہ کے مسودہ سے فرصت پائی معلوم نہین مفتی صاحب نے یہ تاریخ کہان پائی، عجب نہین کہ معیار الاشعار کے اس قلمی نسخہ مین جو ان کے پاس ہو یہ لکھا ہو، پھر وہ اپنی شرح کے دیباچہ مین اپنا خیال لکھتے ہین کہ محقق طوسی نے اس رسالہ کو مسودہ ہی کی حالت مین چھوڑا تھا، اسلئے وہ اس کی دوسری تصانیف کی طرح مشہور نہ ہوا،

"مگر ظاہر چنان مینماید کہ نوبت نظر ثانی خواجہ برین کتاب نہ رسیدہ ولہذا مثل دیگر تصانیفش متداول درس نگردیدہ" (ص ۳)

بہر حال یہ سب مفتی صاحب مرحوم کے قیاسات وبیانات ہین، اصل متن کتاب مین نہ تو مصنف کا نام ہو نہ یہ سالِ تصنیف ہے، اسلئے محققینِ حال کو جو ہر اُس بات مین جس کی معتبر شہادت نہ ہو، شک کی نظر سے دیکھتے ہین، اس امر مین بھی شک ہوا کہ یہ رسالہ محقق موصوف کی تصنیف بھی ہے یا نہین ؟

سب سے پہلے ڈاکٹر ریو نے اپنی قابلِ قدر فہرست مخطوطاتِ فارسی کتبخانہ برٹش میوزیم جلد دوم ص ۵۲۵ مین مفتی صاحب مرحوم کے بیان کو لکھکر اس کی صداقت مین شک ظاہر کیا،

"ہم کو یہ نہین بتایا گیا کہ یہ انتساب (یعنی معیار الاشعار کی تصنیف کی نسبت خواجہ محقق طوسی کی طرف) کس سند پر مبنی ہو، اس پر بھی نظر رہے کہ مجالس المومنین کے مصنف نے نصیر الدین کی تصانیف کی وسیع فہرست مین اس قسم کی کسی تصنیف کا ذکر نہین کیا ہے"

فاضل جلیل مرزا محمد بن عبد الوہاب قزوینی نے محمد بن قیس رازی کی المعجم فی معاییر اشعار العجم کی تصحیح و تحشیہ کی تقریب سے اس پر جو دیباچہ لکھا ہے، اس مین معیار الاشعار اور اسکی شرح میزان الافکار کا بھی ذکر کیا ہے اور ڈاکٹر ریو کے شک دلانے سے انھون نے بھی اس کو محقق طوسی کی تصنیف قرار دینے مین شک کیا ہے، کہتے ہین:

"کتاب مرغوب معیار الاشعار است در علم عروض و قوافی کہ در ۶۴۹ھ تالیف شدہ و مصنف آں معلوم نیست ...... ودی ایں کتاب را بخواجہ نصیر الدین طوسی معروف متوفی در ۶۷۲ھ نسبت دادہ است و بے معلوم نیست از روے چہ ماخذے"

حاشیہ میں "رجوع کنید بفہرست نسخ فارسیہ برتیس میوزیم تالیف ریو ص ۵۲۵" لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مرزا کے اشتباہ کی بنیاد ڈاکٹر ریو کی مذکورۂ بالا تحریر ہے،

اب ہم کو غور کرنا ہے کہ واقعہ کیا ہے؟ کتاب **خیام** کی تصنیف کے وقت ایک ضمنی حاشیہ مین ہمنے یہان تک ثابت کر دیا تھا کہ یہ کتاب محقق طوسی کی زندگی ہی مین لکھی جا چکی تھی، مگر اس وقت تک کوئی تحریری شہادت اس بات کی نہین ملی تھی کہ یہ محقق کی تصنیف ہے، اس لئے شک کا پردہ پوری طرح ہمسے چاک نہ ہو سکا تھا، اور کسی قطعی فیصلہ سے احتراز کیا تھا، اور لکھدیا تھا کہ

"ان تاریخی قیاسات کی صورت مین خواجہ کی طرف اس تصنیف کی نسبت اسناد کی غیر موجودگی کی صورت مین مشکوک معلوم ہوتی ہے، اور اگر اسناد موجود ہون تو ان کے اوائل عمر کی تصنیف ہوگی"

(خیام ۴۸۴)

خیام کی اشاعت کے بعد بحمد اللہ کہ یہ سند ہم کو مل گئی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خواجہ محقق طوسی کی تصنیف ہے، ہمارے پہلے دعویٰ کی دلیل کہ یہ کتاب خواجہ طوسی کی زندگی مین لکھی گئی ہے حسب ذیل ہے،

معیار الاشعار کے مباحث قافیہ مین ہے:-

"و مثال تغییر ردیف بطریق بدعت آن است کہ کمال اصفہانی دریں روزگار در قصیدہ کہ بعضے را از اشعار ردیف "می آمد" کردہ است، و بعضے را می آید آوردہ است، و مطلع قصیدہ این است"

سپیدہ دم کہ نسیم بہار می آمد نگاہ کردم و دیدم کہ یار می آمد"

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ قصیدہ اس کتاب کی تالیف کے وقت کہا گیا ہے، کمال کا یہ قصیدہ قاضی رکن الدین

ابو العلاء مسعود صاعدی اصفہانی کی مدح مین ہے، یہ صاعدی خاندان اپنے مسلسل فضل و کمال اور دنیاوی جاہ و جلال کے باعث اصفہان مین نہایت محترم تھا، اور امراء کی طرح زندگی بسر کرتا تھا، سلاطین وقت اس خاندان کے افراد کا لحاظ کرتے تھے، اور شعراء اُن کی مدح مین قصیدے لکھتے تھے، اور صلہ اور انعام پاتے تھے، کمال کی تاریخ وفات میری تحقیق مین ۶۲۵ھ ہے، (دیکھو خیام ص۴۸۵) اور قاضی رکن مسعود صاعدی کے سیاسی حیات کا زمانہ ۶۱۵ھ سے لیکر ۶۲۲ھ تک معلوم ہوتا ہے، ۶۱۵ھ مین اصفہان پر رکن الدولہ نے قبضہ کیا تو قاضی صاحب بھاگ کر اتابک سعد زنگی کے پاس (شیراز) چلے گئے تھے (ابن خلدون ج ۵ ص۱۱۵ مصر)، سلطان جلال الدین خوارزمشاہ المقتول ۶۲۸ھ کی واپسی اصفہان کے وقت تک جو غالباً ۶۲۲ھ مین ہوئی تھی، زندہ تھے، (تاریخ گزیدہ ص۵۰۲) قاضی صاحب خود بھی اتابک کے پاس سے شاید ۶۲۲ھ سے کچھ پہلے یا پیچھے اصفہان واپس آئے تھے، چنانچہ سلطان کی طرح قاضی صاحب کی واپسی پر بھی مبارکباد کا قصیدہ کمال کے دیوان مین ہے،

اب قاضی صاحب کی مدح میں کمال نے اپنا یہ قصیدہ شاید ۶۱۵ھ سے ۶۲۵ھ تک کے کسی زمانہ میں کہا ہوگا، خواجہ نصیر طوسی کی تاریخ ولادت ۵۹۷ھ ہے، اسلئے شاید ۶۱۵ھ میں ان کی عمر اٹھارہ برس اور ۶۲۲ھ میں ۲۵ برس ہوگی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب معیار الاشعار خواجہ محقق طوسی کی زندگی مین لکھی گئی ہے،

اب آگے بڑھئے، ابھی حال مین صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی کی الوافی بالوفیات کی پہلی جلد استانبول سے ۱۹۳۱ء مین چھپکر شائع ہوئی ہے، یہ محمد بن محمد سے محمد بن ابراہیم تک کے اشخاص کے حالات پر مشتمل ہے، صلاح الدین صفدی آٹھوین صدی ہجری کا مشہور فاضل ہے، اس کی تاریخ الوافی بالوفیات فن وفیات مین سب سے مفصل اور ضخیم تالیف ہے، اور تیس جلدون پر مشتمل ہے، مصنف کی ولادت ۶۹۷ھ مین اور وفات ۷۶۴ھ مین ہوئی ہے، یعنی خواجہ نصیر طوسی کی وفات کے پچیس برس کے بعد پیدا ہوا ہے،

صلاح الدین صفدی نے اپنی اس تاریخ مین خواجہ طوسی کا پورا حال کہین ایک اور کہین دو واسطون سے نقل کیا ہے، اسی ضمن مین اس کی تصنیفات کی فہرست بھی دی ہے جس مین فارسی رسالۂ عروض کی بھی تصریح ہے، صفدی کا بیان ہے

ومن تصانیفه التجرید فی المنطق	اور اس کی تصنیفات مین تجرید منطق مین اور
واوصاف الاشراف وقواعد العقائد	اوصاف الاشراف اور قواعد العقائد اور تلخیص
والتلخیص فی علم الکلام والعروض	علم کلام مین اور عروض فارسی زبان
بالفارسیة	مین . . . . . .

اب یہ بات کہ یہ رسالہ معیار الاشعار ہی ہے، اس سے ظاہر ہے کہ دسوین صدی کے ایک مصنف فخری بن محمد امیر الہروی نے بھی جو ارغون شاہ حاکم سندھ (سنہ ۹۲۰ تا سنہ ۹۶۲ھ) کا معاصر تھا اپنی کتاب صنائع الحسن میں جس کا نسخہ بانکی پور لائبریری میں ہے معیار الاشعار کو خواجہ نصیر طوسی کی تالیف بتایا ہے، (فہرست کتبخانۂ مذکور جلد نہم ص ۵۶ و ۶۲)

ڈاکٹر ریو کا یہ کہنا کہ قاضی شوستری نے مجالس المومنین مین اس کی فہرستِ تصانیف مین رسالۂ عروض کا ذکر نہین کیا ہے، صحیح ہے، لیکن یہ صحیح نہین ہے کہ مجالس المومنین کے مصنف نے خواجہ کی تصنیفات کی بڑی اور مفصل فہرست دی ہے، معلوم ہونا چاہئے کہ قاضی شوستری جو جہانگیر کے عہد کے آدمی ہین، خواجہ نصیر طوسی المتوفی سنہ ۶۷۲ھ کے باب مین کوئی سند نہین رکھتے، قاضی صاحب نے خواجہ کی کل تصنیفات کا احاطہ نہین کیا ہے، بلکہ تصریح کی ہے کہ بعض تصنیفات کے نام لکھتا ہون، پھر یہ کہ قاضی صاحب نے اپنے موضوع کے لحاظ سے زیادہ تر مذہبی اثر کی کتابون کی طرف توجہ کافی سمجھی ہے، چنانچہ خواجہ کی تصنیفات کا ذکر وہ اس طرح کرتے ہین،

"و تصانیف علیہ حضرت خواجہ در علوم حکمیہ و کلامیہ و فقہیہ در مذہب شیعہ امامیہ بسیار است، ازانجملہ کتاب تجرید در کلام و کتاب تجرید در منطق . . . . . ." (مجالس المومنین ص ۳۴۱ ایران)

اس سے ثابت ہوگا کہ قاضی شوستری کو خواجہ طوسی کی کل تصانیف کے نامون کا احاطہ اور استقصاء منظور نہ تھا،

مفتی سعد اللہ صاحب مرحوم کے اس بیان کی تصدیق کے لئے کہ خواجہ نے معیار الاشعار کا مسودہ سنہ ۶۴۹ھ مین تمام کیا، کوئی تاریخی سند ہم کو نہین معلوم، بلکہ جیسا کہ ہم نے شروع مین لکھا ہے، قیاس یہ ہے کہ یہ سنہ ۶۲۲ھ کے قریب کسی زمانہ مین لکھی گئی ہے، واللہ اعلم،

"س"

کیا اُردو زبان ہماری قومی زبان ہو سکتی ہے؟

از

ڈاکٹر ایس - این ، اے ، جعفری ، ایل ایل ڈی ، بار ایٹ لا ،)

اردو زبان فی الحقیقت تین زبانوں کا مجموعہ ہے، مثل شہد کی مکھی کے صدیوں کی محنت سے بھاشا، فارسی اور عربی کے پھولوں سے رس چوس چوس کر اس نے وہ شیرینی ہمارے لئے مہیا کی ہے جس پر بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے، اس کے ذریعہ سے جہاں ہم پپیہے کی کو کو سنتے ہیں وہیں "نالۂ بلبلِ شیدا" بھی گوش زد کرتے ہیں، جہاں دجلہ و فرات کی سیر کرتے ہیں وہیں سنگم کا سماں بھی دیکھتے ہیں، جس طرح کنول کے پھول ہماری آنکھوں کو لبھاتے ہیں اسی طرح نرگس و نسترن ہمارے دماغ کو طراوت بخشتے ہیں، جہاں اس کے ذریعہ سے ڈوپٹہ اور قمیص ہماری نگاہوں کو پیامِ شوق دیتے ہیں وہیں ساری کی دلفریب پھبن قلب کو اکساتی ہے، اگر ایک طرف مرو اور شیراز کے خرماستان ہمارے لئے باعثِ کیف بنتے ہیں، تو دوسری طرف مہابن کا جوبن ہمیں سرمست بنا دیتا ہے، جہاں شیریں فرہاد کے قصے ہم میں عشق و محبت کے جذبات پیدا کرتے ہیں وہیں نل اور دمینتی کے افسانے ہم میں پریم کی لہریں دوڑاتے ہیں، اگر ایک طرف ہم میں اس کے ذریعہ سے وہ ہندی تخیل پیدا ہوتا ہے، جس سے فلسفہ کا ادراک نشو و نما پاتا ہے تو دوسری طرف وہ عسکریت اور عملیت پیدا ہوتی ہے جو عرب کی کارواں نواز خاک کا خاصہ ہے، اگر ایک طرف ہم گلزارِ عدن کی سیر کرتے ہیں تو دوسری طرف ہم مگدھ دیس کے شاداب سبزہ زار دیکھتے ہیں، اگر ایک طرف شملہ کی پہاڑیاں اور کشمیر کی گلکاریاں ہمیں بے چین کرتی ہیں تو دوسری طرف شام کی "زلف عنبریں" ہمیں بزمِ فطرت کی رنگ آرائیوں سے آشنا کرتی ہے، اگر ایک طرف اس کے ذریعہ سے ہم کوروں اور پانڈوؤں کے کرتب دیکھتے ہیں تو دوسرے طرف خالد جانباز کے کارنامے ہم میں ایثار اور بہادری کے سچے جذبات پیدا کرتے ہیں، غرض مختلف تمدنوں

کے اتحاد سے جو لطائف اور دل آویز بندشیں اُس نے پیدا کی ہیں، وہ ہماری روزمرہ زندگی میں ایک عجیب محبوب فضا پیدا کر دیتی ہیں، اور اگر ہم پوری طرح اس فضا سے لطف اندوز ہونا سیکھ لیں تو وہ انتشار انگیز صورتیں جو آج پیدا ہیں، دور ہو سکتی ہیں، لیکن افسوس ہے کہ آپس کے نقیض اور مختلف اقوام کی عصبیت نے اس میں ایسے عوارض پیدا کر دیئے ہیں کہ اب اردو کے لالے پڑ رہے ہیں، کوئی زبان کی خدمت اسکو سمجھ رہا ہے کہ اسے عربی، فارسی کے مغلق الفاظ سے بھر دیا جائے، کوئی سنسکرت کے ایسے الفاظ سے جس کا بار یہ نازک البیلی زبان نہیں اٹھا سکتی اس کو بوجھل کرنا چاہتا ہے، اس کشمکش میں دونوں طرف سے جو نمونے پیش ہو رہے ہیں وہ زبان کے لطف اور اس کی شیرینی کو مٹا رہے ہیں، ذرا ملاحظہ ہو، ایک صاحب فرماتے ہیں:-

دودِ آہ دم سوزاں کا چراغاں ہونا   ہے مرا صرف، تماشاے گلستاں ہونا

دوسری طرف ایک صاحب فرماتے ہیں:-

"یہ منشیہ پرانی کے لئے اسنبھو ہے اور نہ یہ بردان میں دے سکتا ہوں، دوسرا کوئی بر مانگ لے"

اس طرزِ نگارش میں یہانتک جولانی دکھائی گئی ہے کہ صرف بڑے بڑے الفاظ کا بھر دینا بلاغت اور فصاحت دونوں سمجھا گیا ہے، خواہ عبارت سے معنی بھی پیدا ہوں یا نہیں، چنانچہ صدہا اسی قسم کے اشعار جاری ہیں اور صدہا اسی قسم کے اشعار مشاعروں میں پڑھے جاتے ہیں جنکو اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ بالکل بے معنی اور مہمل ہوتے ہیں، بہت سے لوگ فارسی اور عربی کے الفاظ اس زمانے میں غالب کے تتبع میں اپنے اشعار میں لاتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غالب کا صحیح تتبع کر رہے ہیں، لیکن شاید انھیں وہ واقعہ یاد نہیں کہ غالب کی ابتدائی مشق کے دنوں میں جب وہ اسد تخلص کرتے تھے، ایک ہم عصر نے اسد تخلص رکھا اور یہ مطلع کہا،

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی   مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

تو غالب نے جھنجھلا کے اپنا تخلص تبدیل کر دیا، اگر آج مرزا نوشہ زندہ ہوتے اور اپنے تتبع میں ایسے لایعنی اشعار سنتے جنکا نمونہ اوپر درج ہوا ہے، تو شاید شاعری ہی ترک کر دیتے،

اس میں شبہہ نہیں کہ خود غالب کے بعض اشعار ایسے ہیں جو فارسیت کے عیب سے پاک نہیں کیے جا سکتے؛ لیکن اوّل تو وہ اُس دور کے ہیں جب زبان پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچی تھی، دوسرے خود مرزا غالب کبھی ان پر فخر نہیں کرتے، تیسرے گو زبان کے لحاظ سے شعروں میں مشکل گوئی کا عیب ہے تاہم تخیل یا معنی کی کوئی خامی نہیں دکھائی جا سکتی، فی الحقیقت غالب کو بھی اپنی دشوار گوئی کا احساس تھا، جیسا کہ ایک جگہ کہا ہے،

ہے بسکہ کلام میرا مشکل اے دل   سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل
آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش   گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

بہر حال جب ہم اپنے ملک کی انتشاری حالت کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری حالت وہ ہو گئی کہ جتنے منھ اتنی ہی زبانیں، علمِ تمدن کا مسلّم مسئلہ ہے کہ قومیت پیدا کرنے میں جو چیز سب سے زیادہ معین و مددگار رہی ہے، وہ زبان ہے اور جب تک کسی ملک کی زبان ایک نہ ہو وطنیت اور قومیت کا خیال محض خواب ہے، ہندوستان میں یہ اصول اسلئے اور بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ بدنصیبی سے دو اور چیزیں جو جذبۂ قومیت پیدا کرتی ہیں، ابھی تک سرے سے ناپید ہی ہیں، یعنی یکجائی خورد و نوش اور آپس کے شادی بیاہ، اس لئے ہمیں صرف زبان کی امداد پر بھروسہ کرنا ہے اور اپنی ساری کوششیں اس طرح مبذول کر دینی ہیں کہ سارا ملک "یک زبان" ہو جائے،

ہماری یہ کوششیں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتیں، اگر ہم اردو سے مغائرت برتیں، ہمارے ملک میں کوئی ایسی زبان نہیں جو اس ملک کی بڑی بڑی قوموں کے تمدنوں کی آئینہ دار ہو، ملک نے جو اور زبانیں پیدا کی ہیں وہ سب مقامی حیثیت رکھتی ہیں، ہندی کے لئے یہ دعویٰ کرنا کہ وہ ہندوستان کی قومی زبان بن سکتی ہے بالکل عبث ہے، اس زبان کو آج بھی بہی کھاتے کی زبان ماننا پڑیگا، اس کا تخیل محدود ہے اور اس میں متعدد تمدنوں کی لطافت اور شیرینی بھی شامل نہیں ہے، بلکہ ابھی تک اس کے اشعار وغیرہ میں اس سادہ اور غیر ارتقائی زندگی کا اثر ہے، جو صحیح آغازِ تمدن سے پہلے تھی، کہا جاتا ہے کہ یہ زبان رسیلی ہے، لیکن سچ پوچھو تو

اس کے رسیلے پن سے متاثر ہونے میں یہ نکتہ ہے کہ ہمارے دماغوں پر تمدن کے تمام ارتقائی مدارج کا ابھی اثر اتنا گہرا نہیں ہوا ہے، کہ تمدنی زندگی کا نقشہ اس غیر ارتقائی زندگی کے نقشہ پر غالب آجائے، دوسری بات یہ ہے کہ انسان میں یہ ایک جذبۂ عام ہے، کہ وہ قدیم چیزوں کو ہمیشہ اچھا سمجھتا ہے، اور اُن کی خوبیوں پر مبالغہ آمیز نظر ڈالتا ہے، خاصکر اہلِ ہند اسمیں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، یہ عیب بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ ہم ارتقا سے ابھی ہم عنان نہیں ہوئے ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک جماعت کو ہندی کا روز افزوں شوق ہوتا جا رہا ہے اور اس شوق سے ان کو تسکین حاصل ہوتی ہے، یہ بھی اسی جذبہ کے تحت میں ہے، اس میں کچھ عصبیت کا بھی شائبہ ہے جو صرف زبان ہی میں نہیں بلکہ اور تمدنوں کو قبول نہ کرنے کے جذبہ میں بھی ظاہر ہوتا ہے،

اب رہی انگریزی زبان، یہ موجودہ حکام کے ساتھ اس ملک میں آئی ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ ڈیڑھ سو برس میں اسکا یہاں بہت کچھ عمل دخل ہوگیا ہے، اور ہم نے بہت کچھ اس کے ذریعہ سیکھا بھی لیکن یاد رہے کہ یہ زبان ہماری ملکی زبان نہیں ہو سکتی، ہم اس میں اپنا تخیل قائم نہیں کر سکتے، ہم اُسے اپنا اوڑھنا بچھونا نہیں بنا سکتے، کچھ خانساماں اور منشی جو گوروں کی صحبت میں زیادہ تر رہتے ہیں اور ہر وقت اُن کے رعب داب سے متأثر رہتے ہیں، وہ شاید خواب انگریزی میں دیکھتے ہوں، لیکن بڑے سے بڑا تعلیم یافتہ ابھی اپنا غیر ارادی خیال اسی زبان میں قائم کرتا ہے جس کے گہوارے میں وہ پلا ہے، یہی نہیں آپ غور کرینگے تو معلوم ہوگا کہ ہم میں سے بڑے سے بڑا انگریزی داں کبھی کسی خیال کو انگریزی میں ظاہر کرنا چاہتا ہے، تو وہ خیال پہلے اس کے دماغ میں انگریزی میں نہیں آتا بلکہ اسی زبان میں آتا ہے جس میں اسکے بچپن کا نشو و نما ہوا ہے،

مذکورۂ بالا سطور سے صاف ظاہر ہو گیا ہوگا کہ اگر ہم تمام تعصبات سے علٰحدہ ہو کر صرف اپنے ملک اور اپنی قومیت کے ارتقا کا خیال کریں تو ہمیں ماننا پڑیگا کہ اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو ہمارے ملک کی واحد زبان ہو سکتی ہے، جو ہندوستانی زبان کہلانے کی مستحق ہے اور جس کے ذریعہ سے ہم اپنے ملک میں سچی یکجہتی اور جذبۂ ملکی پیدا کر سکتے ہیں، اور مختلف قوموں کو شیر و شکر بنا کر ملک کو اعلیٰ مدارج تک پہنچانے میں ہم آہنگ بنا سکتے ہیں،

معارف:- ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر جعفری صاحب نے اردو زبان کی جس تمدنی جامعیت اور ارتقائی

خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ حرف حرف صحیح ہے، مگر واقعہ یہ ہے، کہ ہندی کے طرفدار دلائل کے زور پر اپنے دعویٰ کی صحت کے قائل نہیں، بلکہ صرف قومی جذبات کی عصبیت ان کو اس راہ پر لیجا رہی ہے، ان کا تصور یہ ہے، کہ ہندوستان ایک خالص ہندو ملک ہے، اسلئے یہاں کے تمدن، زبان، علوم و فنون، ادبیات اور مذہب ہر چیز کو ہندو پن پر مبنی ہونا چاہئے، اس خیال میں تھوڑی سی ترمیم کر لیجائے تو یہ مسئلہ آسان ہو جاتا ہے، ہندوستان تنہا ہندوؤں کا ملک نہیں، بلکہ ہندو مسلمان دونوں کا ہے، اب یہاں جو تمدن قائم ہے، اور جو زبان رائج ہے، وہ نہ تنہا ہندوؤں کی اور نہ تنہا مسلمان، بلکہ دونوں سے ملکر، ہندوستان میں مسلمانوں کا تمدن نہ عربی ہے، نہ فارسی ہے، نہ ترکی ہے، بلکہ ہندوستانی ہے، اسی طرح جو زبان وہ بولتے ہیں، وہ بھی عربی یا فارسی یا ترکی نہیں بلکہ ہندوستانی ہے، اس زبان کو بیرونی یا بدیسی زبان سمجھنا تمامتر بے بنیاد ہے،

اردو وہ ہندی زبان ہے جس میں مسلمانوں کے مذہبی اصطلاحات، قومی خصوصیات اور تمدنی الفاظ مل گئے ہیں، اور یہ عناصر جب تک مسلمان مسلمان ہیں، اس زبان سے الگ نہیں کئے جا سکتے، مسلمان مجبور ہیں کہ وہ ایمان، کلمہ، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، خدا، رسول، قیامت، دوزخ، بہشت وغیرہ جیسے مذہبی الفاظ کو بولیں، اسی طرح کرتہ، پائجامہ، عبا، صدری، چادر، قالین، تکیہ، غلاف، غسلخانہ، پائخانہ، باورچیخانہ اور سیکڑوں مصطلحات تمدنی و معاشرتی کو جنکا بدل ہندی میں نہیں استعمال کریں، اور جب یہ الفاظ ہندی میں شامل ہونگے، تو لامحالہ اردو بنجائیگی، اسلئے مسلمانوں سے اردو کو ترک کرانے کی کوشش گویا ان کو ان کے مذہب اور تمدن و معاشرت سے محروم کرنا ہے،

ہمارے نزدیک غلط فہمی کا ایک بڑا سبب لفظ اردو بھی ہے، جو انگریزوں کے زمانہ میں اسقدر پھیل گیا ہے، کہ اب وہ ایک مخصوص زبان کا نام بن گیا ہے، حالانکہ شروع شروع میں اضافی ترکیب کیساتھ یعنی زبانِ اردو یا زبانِ اردوے معلی، اس کو کبھی کبھی کہا گیا تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ شاہجہاں کے پایۂ تخت کی زبان ہو رفتہ رفتہ انگریزی عہد میں یہ اضافی ترکیب مٹ کر لفظ اردو، زبان کا نام بنگیا، حالانکہ اس کے

لئے صحیح نام ہندوستانی ہے، ہندوستان اِس ملک کا نام مسلمانوں کے آنے کے بعد ہوا ہے، اس لئے لفظ ہندوستان میں ہندویت اور اسلامیت کا مشترک مفہوم شامل ہے، اور اس لئے اس زبان کا بہترین نام ہندوستانی ہے، یہ خیال بھی غلط ہے کہ لفظ ہندوستانی انگریزوں کا رکھا ہوا نام ہے، تاریخوں میں اس سے بہت پہلے شاہجہان اور سلاطین بیجاپور کے زمانہ میں اس کو ہندوستانی کہا گیا ہے اگر ہمارے ہندو بھائی اردو کو ہندوستانی زبان سمجھیں تو ان کو اس زبان سے پھر اتنی کدورت باقی نہ رہے،

ابھی حال میں ڈاکٹر سر سپرو نے اردو، ہندی، ہندوستانی پر، جو مختصر مضمون لکھا ہے، اگر ہندو مسلمان اس کی سچائی کو تسلیم کرلیں تو یہ مناقشہ دم کے دم میں ختم ہوجاتا ہے،

ہندوستانی زبان (اردو زبان) نے بہت سے ہندی الفاظ کو قبول کرلیا ہے، لیکن زبان کے ارتقائی اصول کی بنا پر ہر زمانہ میں الفاظ میں کانٹ چھانٹ اور تراش خراش ہوتی رہتی ہے، ہندی لفظوں میں بھی تھوڑی ترمیم کرکے اس نے ہندوستانی لفظ بنالیا ہے، ہندو دوست یہ چاہتے ہیں، کہ ان لفظوں کو بھی خالص ہندی تلفظ کے مطابق بولا جائے، اور اس طرح زمانہ کے سیکڑوں ہچکوبوں کے بعد جس لفظ نے فصاحت کا موجودہ لباس پہنا ہے اس کو اتار کر پھر وہی پرانا کپڑا اس کے بدن پر ڈال دیا جائے، انگریزی زبان نے ہزاروں الفاظ لاطینی سے لئے ہیں، مگر انگریزی میں ان کی لاطینی شکل بعینہ باقی نہیں رہی ہے، خود ہندی میں سنسکرت کے جو الفاظ ہیں وہ بعینہ سنسکرت تلفظ و لب و لہجہ میں باقی نہیں ہیں، پھر یہ کیا دھاندلی ہے، کہ ہندوستانی نے ہندی کے جن لفظوں میں فصاحت کے تقاضے سے ترمیم کی ہے، انکو مٹا کر پھر انکو اصلی ہندی شکل میں لکھا اور بولا جائے، راون کو راونڑ، اور برہمن کو برہمنڑ، بولنا اور اُسپر اصرار کرنا زبان کی خوبی کو ستیاناس کرنا ہے، ہماری زبان میں پانی کا لفظ نہ عربی ہے نہ فارسی ہے، نہ ترکی ہے، خالص ہندی ہے، اب اس کو چھوڑ کر جل بولنے پر ضد کرنا کس مصلحت پر مبنی ہے؟ اُس امید کے معنی میں ہم بولتے ہین، لیکن اب اس کے بجائے آشا بولنے پر مجبور کرنا کیا زبان کی خدمت ہے؟ اسی کا نام اُردو کو ہندی بنانا ہے،

مسلمانوں کے چند مخصوص اوقاف

ازمولنا عبدالسلام ندوی،

عیسائی فخر کرتے ہیں کہ انھوں نے تبلیغ عیسائیت کے سلسلے میں جو عظیم الشان تمدنی کام انجام دیئے ہیں ان کی نظیر مسلمان نہیں پیش کر سکتے، عام تعلیم کے علاوہ مختلف قسم کے زرعی و صنعتی مدارس، یتیم خانے، اور جذامیوں کے شفاخانے وغیرہ جو عیسائیوں نے اس وقت دنیا میں قائم کر رکھے ہیں، دنیاے اسلام میں ان کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں، لیکن یہ جو کچھ ہے، مسلمانوں کی سیاسی قوت کے ضعف کا نتیجہ ہے، ورنہ اُن کے دورِ ترقی میں جبکہ ان کی سیاسی قوت میں کسی قسم کا زوال نہیں آیا تھا، ہر مشہور شہر میں شفاخانے قائم تھے، اور جذامیوں، دیوانوں، اپاہجوں اور اندھوں کے رہنے سہنے کے لئے مکانات بنے ہوئے تھے، اور اُن سب پر اوقاف کئے گئے تھے،

دمشق شام میں پاگلوں، مجذوبوں اور جذامیوں کے مکانات کے علاوہ حیوانات کے لئے بھی وقف کئے گئے تھے، کہا جاتا ہے کہ مرجہ دمشق جو آج کل اہل شہر کی سیرگاہ ہے ان گھوڑوں کے لئے وقف تھا جو جہاد میں تھک کر بے کار ہو جاتے تھے،

شفاخانوں میں بعض وظائف ایسے تھے کہ باوجود اس ترقی اور ترقی کے آج تک یورپ کا ذہن بھی انکی طرف منتقل نہ ہو سکا، چنانچہ بعض ادیبوں کا بیان ہے، کہ نورالدین زنگی نے جو شفاخانہ قائم کیا تھا، اس میں ایک وظیفہ اس غرض سے مقرر تھا کہ دو آدمی مریض کے پاس کھڑے ہو کر اس کے مرض کے متعلق باہم اس طرح سوال و جواب کریں، کہ مریض کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ قصداً ایسا کر رہے ہیں، چنانچہ ایک دوسرے سے اس مرض کے سبب کی حقیقت دریافت کرتا تھا، دوسرا اس کا جواب دیتا تھا، کہ مرض کوئی خطرناک نہیں، طبیب نے اس کے لئے فلاں فلاں دوائیں تجویز کی ہیں اور اس کا خیال ہے کہ صحت میں اتنے زمانے سے وہ دیر نہ لگیگی، اسی قسم کی اد

بھی بہت سی باتیں کرتے تھے، اور جب ایک پریشان خاطر مریض ان کو سنکر صحیح باور کرتا تھا، تو اس کے نشاط اور قوت قلب میں مؤثر دواؤں سے زیادہ اضافہ ہوجاتا تھا، بالخصوص عصبی مزاج کے لوگوں کے لئے اس قسم کی گفتگو اور بھی زیادہ مؤثر ہوتی تھی،

مسلمانون کے رقیق و لطیف جذبات کا اظہار دمشق کے ایک اور وقف سے ہوتا ہے، جسکا ذکر ابن بطوطہ نے کیا ہے، یعنی ایک مکان میں بہت سے بڑے بڑے چینی کے برتن لوگوں نے اس غرض سے وقف کر رکھے تھے، کہ اگر کسی غلام سے اپنے آقا کا برتن ٹوٹ جائے، اور وہ اسکا موردِ عتاب ہو تو وہ وہان جاکر ٹوٹا ہوا برتن رکھدے اور اس کے عوض صحیح برتن لائے، کیا آج یورپ کے ارباب خیر اس قسم کے لطافت جذبات کی مثال پیش کر سکتے ہیں؟

گرموں میں ایک وقف مسافروں کے لئے تھا جس کے ذریعہ سے اُن کو برف کا شربت پلایا جاتا تھا،

حوران میں احمد پاشا کی ایک زمین جذامیوں کے لئے وقف تھی،

مکہ معظمہ میں متعدد اوقاف تھے، ایک وقف اس غرض سے کیا گیا تھا کہ اسکے منافع سے مکہ میں کتوں کا آنا بند کیا جائے،

ایک وقف شادیوں اور تقریبوں میں زیورات اور سامانِ آرائش کے مستعار دینے کے لئے کیا گیا تھا، اور عوام فقراء بلکہ متوسط طبقہ کے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھاتے تھے، اور شادیوں اور جلسوں میں جن زیورات کی ضرورت ہوتی تھی، اُن کو مستعار لیکر پھر واپس کر آتے تھے، اس طرح ایک محتاج شخص اپنی شادی میں عمدہ لباس پہن سکتا تھا، متوسط درجہ کے لوگوں کو بھی ان سامانوں کے خریدنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، جن کی وہ استطاعت نہیں رکھتے تھے،

ایک اور وقف سامان سفر اور دعوتوں اور جلسوں میں فرش وغیرہ کے مستعار دینے کیلئے کیا گیا تھا، مصر میں ایک وقف یتیموں کے رہنے، اور ایک وقف محتاجوں کے بچوں کے لباس اور ایک وقف کتوں کے کھانے کے لئے موجود تھا،

تونس خضرا میں ایک وقف ہے جسکا منافع یتیم بچیوں اور غریبوں کی لڑکیوں کے نکاح پر صرف ہوتا ہے، ایک وقف بچوں کی حوصلہ افزائی اور تفریح خاطر کیلئے تھا، ایک مخصوص دن یعنی جمعرات کے روز یہ بچے جمع ہوتے ہیں اور ہفتہ بھر کا پڑھا ہوا سناتے ہیں، اس کے بعد ان کو چند درہم دیئے جاتے ہیں، تاکہ ان کا حوصلہ بڑھے،

ایک وقف اس غرض سے کیا گیا ہے کہ محتاج لوگ مفت حمام کرسکیں، اس کی صورت یہ ہے کہ حمام میں درہم کی چند تھیلیاں، جن میں ہر تھیلی میں اس قدر رقم ہوتی ہو جتنی حمام کی اجرت کے لئے ضرورت ہوتی ہے، رکھدی جاتی ہیں، ایک غریب حمام میں داخل ہوتا ہے تو ایک تھیلی اٹھا لیتا ہے، اور اس کو اجرت میں دیکر حمام کر لیتا ہے، ایک وقف جذامیوں اور اپاہجوں کے لئے ہے، اور پہلے وقف کے علاوہ ایک اور وقف دوشیزہ اور قابل نکاح لڑکیوں کے نکاح کے لئے ہے، ایک وقف محتاجوں کے لڑکوں کے ختنہ کے لئے ہے جس کے ذریعہ سے اسکو ختنہ کے وقت لباس اور درہم دیئے جاتے ہیں، ایک وقف ہو جسکے منافع سے رمضان میں مفت مٹھائی تقسیم ہوتی ہے، دمشق کی طرح تونس میں بھی ایک وقف اس غرض سے کیا گیا ہے، کہ اگر کسی شخص کے ہاتھ سے برتن ٹوٹ جائے، تو وہ وہاں جاکر اس کے عوض دوسرا صحیح و سالم برتن لے لے، اسی قسم کا ایک وقف فاس میں بھی ہے،

سال کے بعض دنوں میں تونس کے ساحلوں پر ایک قسم کی مچھلیاں نہایت کثرت سے آتی ہیں، اس غرض سے ایک وقف کیا گیا ہے، کہ اس کے منافع سے یہ مچھلیاں خرید کر غریبوں کو تقسیم کیجائیں،

فاس میں ایک وقف اس غرض سے قائم ہے، کہ اگر کسی کے اوپر تیل گر جائے یا اس کے کپڑے میں کوئی چیز لگ جائے تو وہ اس وقف سے دوسرا کپڑا خرید سکے، فاس میں سیدی ابی العباس سبتی نے اندھوں اور اپاہجوں کے لئے ایک وقف کیا ہے، جس کے منافع سے ان کو روزانہ کھانے پینے کا سامان مل جاتا ہے۔

ایک وقف کا نام وقف سیدی علی ابی طالب ہے، جسکا منافع مصیبت زدہ لوگون پر صرف کیا جاتا ہے،

فاس میں ایک اور وقف راستوں سے کنکر، پتھر کے ہٹانے کے لیے ہے،

ایک وقف ان موذنوں کے لیے ہے جو رات کو باری باری جاگتے ہیں، اور نرم آواز میں ایک گھنٹہ

تک تسبیح پڑھتے ہیں، ان مؤذنوں کو مونس الغربا، یا مونس المرضیٰ کہتے ہیں، کیونکہ مریض کو نیند نہیں آتی اور ہر وقت کوئی شخص اس کے لئے بیدار نہیں رہ سکتا، اسلئے اس مؤذن سے بہتر اسکا کوئی رفیق نہیں، دمشق کی طرح مراکش میں بھی گرمیوں کے موسم میں ٹھنڈا پانی پلانے کے لئے ایک وقف ہے،

ایک عمارت کا نام دارالدقہ ہے، جس پر بہت سے اوقاف ہیں، یہ عمارت اس غرض سے قائم کی گئی ہے، کہ جن عورتوں کو اپنے شوہر سے ناراضی پیدا ہو جائے وہ وہاں جاکر قیام کریں، کھائیں پئیں یہانتک کہ اس ناراضی کا خاتمہ ہو جائے،

مراکش میں ایک مکان ہے جسکا نام سیدی فرج ہے اس پر بہت سے اوقاف ہیں، یہ مجذوبوں اور اپاہجوں کا ٹھکانا ہے، ان سے غریبوں کی تجہیز وتکفین کا سامان کیا جاتا ہے، اور غریبوں کو جاڑے کی ابتدا، میں ان اوقاف کے منافع سے کپڑا تقسیم کیا جاتا ہے،

دو فرنچ سیاحوں کا جنھوں نے مراکش کا سفر کیا ہے، بیان ہے، کہ مراکش میں ایک عمارت ہے جو اس قدر بڑی ہے کہ اسکو ایک شہر کہا جا سکتا ہے، اور تمام دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں، اس میں چھ ہزار اندھے رہتے ہیں، اور سوتے، کھاتے پیتے اور پڑھتے ہیں، اور اُن کے لئے خاص نظام وقوانین موجود ہیں،

مسلمانوں کے کار خیر کی یہ مثالیں ہیں، اور یورپ نے اگرچہ انتہائی تمدنی ترقیاں کرلی ہیں، اور انسانی مصائب کے دور کرنے میں انتہائی احتیاط سے کام لیتا ہے، تاہم وہ بھی اس قسم کی مثالیں قائم نہ کرسکا، ان میں بہت سے اوقاف مٹ گئے ہیں، یا اُن کے متولی خود اُن کو اپنے تصرف میں لاتے ہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام کی ترقی کے زمانے میں اس قسم کے آثار خیر موجود نہ ہوں،[1]

---

[1] حاضر العالم الاسلامی جلد ۱ صفحہ ۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲، امیر شکیب ارسلان نے اس کتاب پر جو حواشی لکھے ہیں، یہ مضمون انہی سے ماخوذ ہے،

ابن الہیثم اور علم مناظر

از

جناب محمد ذکی الدین ایم۔ ایس۔ سی (علیگ) علیگڈھ یونیورسٹی اکیس فزکس ریسرچ اسکالر الگزنڈر
فون ہمبولڈت اسٹفٹنگ اسکالر برلن (جرمنی)

بعد از وفات تربت ما در زمین مجو،
در سینہ ہائے مردم عارف مزار ماست

ابو علی الحسن ابن الحسن ابن الہیثم ۹۶۵ء میں بصرہ میں پیدا ہوا، عمر کا زیادہ حصہ مصر میں خلیفہ الحاکم کیساتھ بسر کیا اور قاہرہ میں ۱۰۳۹ء میں وفات پائی،

موجودہ سائنس اور علم مناظر اس کے احسانات کو آجتک نہیں بھولا، اوسکی کتابیں آج تک وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہین، اور انھیں کا اثر یورپ کے مشہور سائنس داں بکین اور کیپلر پر پڑا، یورپ کی قدر دانی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ گرچہ حکیم موصوف کی کتابیں عربی زبان کے سوا مشرق کی دوسری زبانون مین ترجمہ نہیں کیگئیں لیکن فرانسیسی، جرمن اور دوسری مغربی زبانون مین اس کی تصانیف کا ذکر بکثرت آتا ہے اور کئی مستند ترجمے بھی موجود ہیں،

ابن الہیثم کو مختلف علوم و فنون میں کمال تھا، علم ہیئت، طب، ریاضی پر عبور رکھتا تھا، اور ارسطو اور جالینوس کی کتابون کی شرحین لکھتا تھا، مختلف مسائل پر اہم مضامین لکھے جو آج تک موجودہ سائنسدانوں اور ریاضی دانون کو انگشت بدنداں کئے ہوئے ہیں،، اس کی زندگی کے واقعات میں سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ وہ اپنے علمی تبحر کو پوشیدہ رکھنے کی خاطر عالم جذب اور وارفتگی کا بہانہ کرکے متمدن دنیا سے کنارہ کش ہو کر علوم و فنون کی

ترقی میں اپنا بیش بہا وقت صرف کیا کرتا تھا، مختلف اہم رسائل کے علاوہ اُس نے وقتاً فوقتاً دوسرے مسائل پر وقت صرف کیا، جنہیں قابل الذکر مسئلہ دریائے نیل پر بند باندھنے کا کام تھا،

اس کی تصانیف کی فہرست سارٹن نے اپنی کتاب ہسٹری آف سائنس حصّہ اوّل میں صفحہ ۷۲۱ پر دی ہے، اور بروکلمین نے بھی HANDBUCHDFRARABIOCHEN LITERATUR• میں ان رسائل کا ذکر کیا ہے،

جو ابن الہیثم نے اپنے بعد ہم لوگون کے لئے بطور یادگار چھوڑے، ان رسائل میں قابل الذکر ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب المناظر ہے، کتاب المناظر کی شرحین وقتاً فوقتاً لکھی گئی ہیں، جنہیں کمال الدین کی تنقیح المناظر خاص اہمیت رکھتی ہے، اس کتاب کو عربی زبان میں جناب عنایت احمد نقوی صاحب نے پانچ سال کی محنتِ شاقہ کے بعد علی گڑھ میں مرتب کیا، اس کے نسخے گرچہ مختلف کتبخانوں میں موجود ہیں مگر ان میں کوئی بھی قابلِ وثوق و صحیح نہیں، اس کتاب کے مرتب کرنے کے بعد اس کو جرمنی روانہ کیا گیا، اور وہان سے مشہور مستشرق پروفیسر، ڈاکٹر کرانکو کے ایک دیباچہ کے اضافہ کے ساتھ ہندوستان واپس آئی، اور دار الترجمہ، حیدرآباد، دکن سے شائع ہوئی،

اس کتاب میں مختلف مضامین و مسائل کے متعلق بحث کیگئی ہے، مثلاً روشنی کا انعکاس کس طرح ہوتا ہے؟ آنکھ کی ساخت کیا ہے؟ سورج و چاند افق پر بڑے کیوں نظر آتے ہیں؟ تارے کیوں جھلملاتے ہیں؟ انسان کو ایک آنکھ کے بجائے دو آنکھیں کیوں عطا کی گئی ہیں؟ یہ اور اسی طرح دیگر سوالات کے جوابات اس کتاب میں موجود ہیں،

ابن الہیثم کی کتاب المناظر کا ترجمہ بسیل مین ۱۵۷۲ء میں شائع ہوا تھا، اس کے ساتھ وٹیلو کی کتاب المناظر کا ترجمہ بھی شامل ہے، اس کی دو تصاویر پیش کر رہا ہون، ان تصاویر میں سے ایک میں یہ دکھایا گیا ہے کہ نور کی شعاعیں کس طرح منعکس ہو کر آفتاب سے ہماری آنکھوں تک پہنچتی ہیں، اس سے یہ بھی واضح ہے کہ نور کی شعاعین خطِ مستقیم میں سفر کرتی ہیں اور ہماری آنکھون میں داخل ہو کر ہمیں ضیا کا احساس دیتی ہیں، اس میں یہ بھی دکھایا ہے کہ آئینہ میں عکس کس طرح نظر آتا ہے، اور پانی کے اندر کی چیزیں بڑی کیوں معلوم ہوتی ہیں، دوسری تصویر آنکھ کی ساخت

کے متعلق ہے، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ آج بھی ہمارا علم اس بات کی خبر دیتا ہے کہ ابن الہیثم کے مشاہدے اور نظریے قابل قدر اور اہم ہیں، چونکہ یہ دونوں تصاویر معدوم ہوگئی ہیں، اسلئے ان کی اشاعت ضروری سمجھکر پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہون، سارٹن نے تقریباً سو مضامین کا حوالہ دیا ہے جو مختلف زبانون میں شائع ہوئے ہیں، ان کی فہرست ہسٹری آف سائنس حصہ اول میں موجود ہے، جن صاحبان کو ابن الہیثم کی تحقیقات سے دلچسپی ہو اس کتاب کو ملاحظہ فرمائین،

اس کتاب کے متعلق ذکر کرنے کے بعد ضروری ہے کہ ان دیگر مسائل کا بھی ذکر کردیا جائے جنکے متعلق اس نے رائے زنی کی ہے، ان سب سے اہم اور دلچسپ اس کا عملی طریقہ ہے جس کی مدد سے نور کے متعلق اس نے تحقیقات کیں، وہ اپنے علم کو مشاہدے پر قائم کرتا تھا، کسی مسئلہ کے متعلق جو نور سے تعلق رکھتا تھا پہلے عملی طریقہ اختیار کرتا اور بعدہٗ جو نتائج یا مشاہدے ہوتے ان کو من وعن بیان کرتا، مثلاً آئینوں کے متعلق جو تحقیقات اُس نے کین انکی بنا مشاہدہ ہی تھی،

اگر آپ کسی اندھیرے کمرہ میں ایک سوراخ کریں جس سے روشنی کا گذر ہو تو وہاں دیوار پر اس کا عکس پڑیگا اور اس عکس میں آپ کو بیرونی اشیا کی تصاویر الٹی نظر آئیں گی اس کو "کمرہ ابسکیورا" کہتے ہیں، اسی مشاہدہ کا نتیجہ وہ فوٹو کمرہ ہے جس سے آج لوگ عکس کشی کرتے ہیں، ابن الہیثم نے اسکا مشاہدہ پہلے پہل کیا اور اس کا استعمال اوس نے سب سے اول کیا،

آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے اردگرد ہوا موجود ہے، اگر اوپر کی طرف کسی طیارے میں بیٹھکر سفر کریں تو ایک ایسے مقام پر پہنچ جائین گے جہاں کہ ہوا مفقود ہوگی، ابن الہیثم نے ہوا کی اونچائی معلوم کرنے کی پہلی کوشش کی،

ابن الہیثم کا نظریۂ نور جس کے متعلق اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ تھا کہ شعاعیں آنکھ تک پہنچکر ہمیں نور کے متعلق خبر دیتی ہین، یہ نظریہ اس زمانے میں بالکل انوکھا نظریہ نظر آتا تھا اس لئے کہ بطلیموس اور دیگر حکماے یونان کے نظریوں کے روسے روشنی کی ماہیت بالکل جداگانہ خیال کیجاتی تھی،

ان مسائل کے علاوہ جنکا مختصر ذکر مندرجۂ بالا سطور میں کیا گیا ہے، اور جنکے تحقیقات سے علم مناظر آج اس

درجۂ کمال پر پہنچا ہے، ابن الہیثم نے ریاضی کے متعدد اہم مسائل حل کئے، اور اپنے فہم وادراک کا ثبوت دیا،

اس سلسلہ میں قابلِ ذکر امر یہ بھی ہے کہ حکمائے یونان اور ابن الہیثم کے درمیان علم المناظر کے متعلق معلومات کی کڑی گم ہوگئی تھی، مگر چند ماہ کا ذکر ہے کہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ میں الکندی کا ایک رسالہ جس میں رنگ کے متعلق بحث کی گئی ہے، دستیاب ہوا، اس کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے اور عنقریب شائع ہونے والا ہے، اس کے بعد ہی یہ خبر ملی کہ قسطنطنیہ میں کندی کے پندرہ رسائل ملے ہیں، ان میں سے بعض علم مناظر کے متعلق ہیں، چنانچہ قسطنطنیہ سے بھی اس رسالے کی نقل منگوائی گئی ہے اور اسکو بھی ترجمہ کرتے وقت استعمال کیا گیا ہے،

ان رسائل کے دریافت ہونے کی وجہ سے امید کیجاتی ہے کہ حکمائے یونان اور ابن الہیثم کے درمیان جو گمشدہ کڑیاں ہیں وہ مکمل ہو جائینگی اور ایک مکمل تاریخ علم مناظر شائع کیجا سکے گی، انشاء اللہ المستعان،

ہفتہ وار

ہند

اردو زبان کا بلند پایہ مصور ہفتہ وار رسالہ، جس کا پبلک کو مدت سے اشتیاق تھا، اب ملیح آبادی کے اہتمام میں جاری ہو گیا ہے، رسالہ کی تعریف غیر ضروری ہے، آپ اس کا ایک پرچہ ایک آنے کا ٹکٹ بھیجکر طلب کیجئے، ہم دعوے سے کہتے ہیں آپ کو ضرور پسند آئیگا، رسالہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے بینظیر ہے،

منیجر "ہند" نمبر ۲۸ اے۔ چترنجن ایونیو کلکتہ،

مقالات شبلی حصہ سوم ۳

مولانا کے تعلیمی مضامین کا مجموعہ، ضخامت ۱۷۷ صفحے، قیمت :- عہ ۲

"منیجر"

شعاعوں کا انعکاس کسطرح ہوتا ہے ،

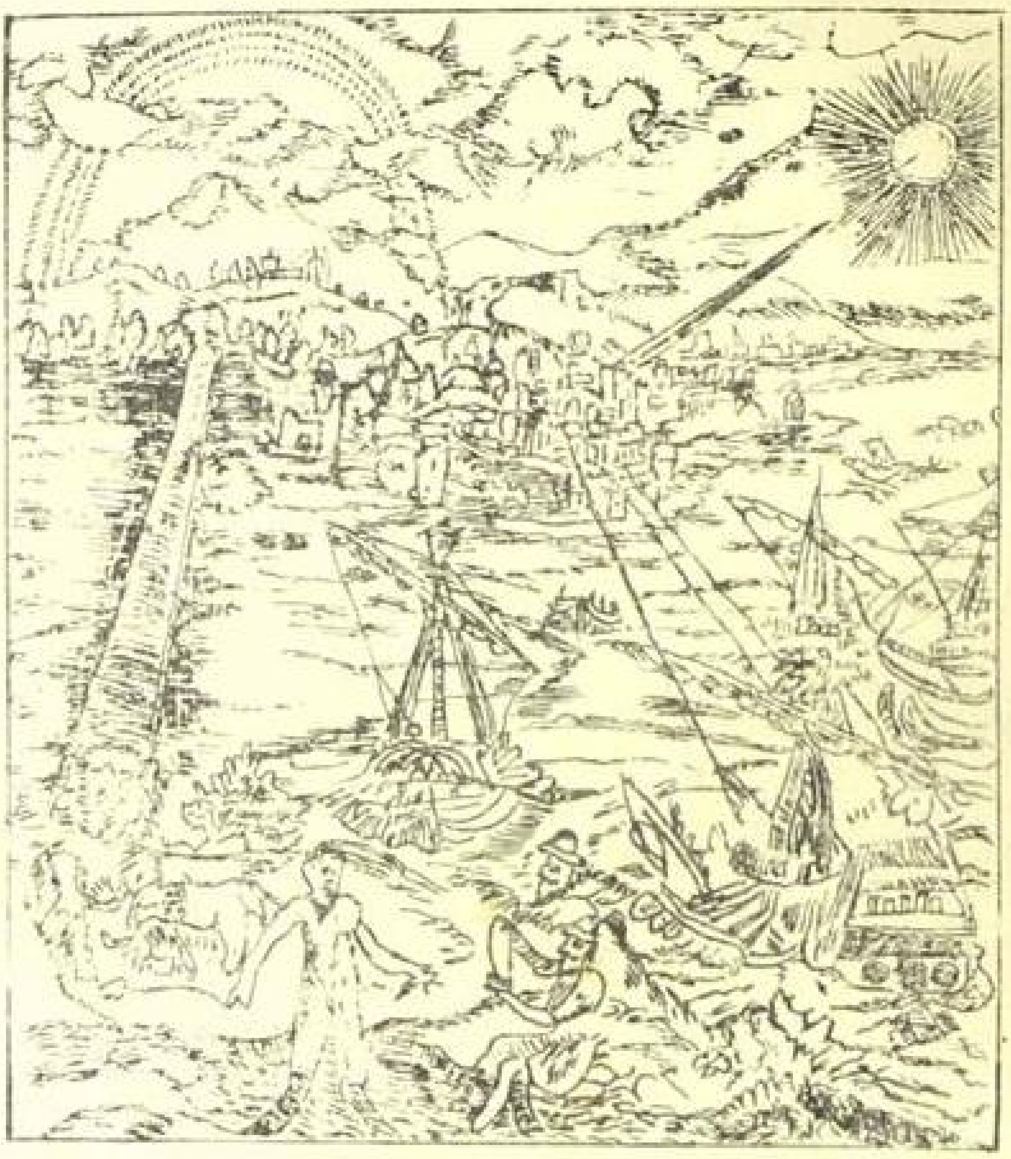

آنکھ کا نقشہ

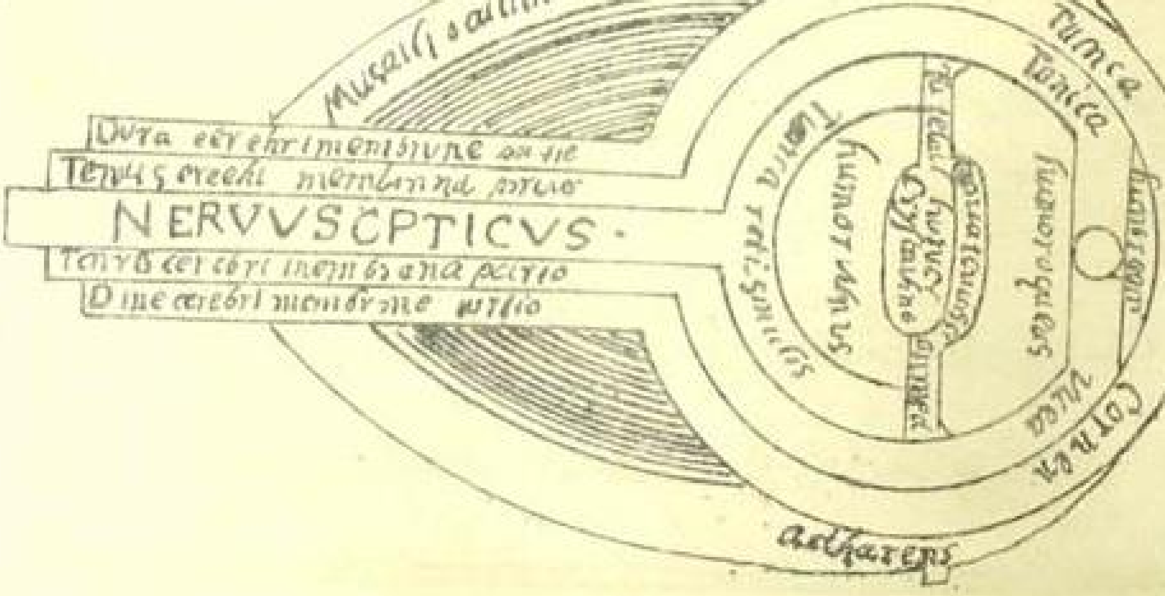
Musculi oculum mouentes
Dura cerebri membrane
Tenuis cerebri membrana
NERVVSCPTICVS
Tenuis cerebri membrana
Dura cerebri membrane
Tunica
Tunica
Tunica retina
humor vitreus
Cornea
Uvea
adharens

تلخیص و تبصرہ

تغیّر پذیر جاپان،

جاپان کے ممتاز مصنف یوسوک زورومی (Yusuke Tsurumi) کا ایک مضمون عنوان بالا سے حال میں برطانوی روزنامہ "ڈیلی ٹیلی گراف" میں شائع ہوا تھا، جو سنڈے اسٹیٹسمین مورخہ ۱۶ر ستمبر ۳۴ء میں نقل ہو کر آیا ہے، صاحب مقالہ نے اہل جاپان کے قومی خصائل وضاحت کیساتھ بیان کئے ہیں، اور پھر اُن تغیرات کو دکھایا ہے جو مغرب کے تعلقات سے قومی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں رونما ہو رہے ہیں، ناظرین معارف کی دلچسپی کے لئے ہم اس مضمون کا ملخص ترجمہ سطور ذیل میں اس غرض سے پیش کرتے ہیں، تاکہ ہم کو معلوم ہو کہ اپنے قومی خصوصیات کو باقی رکھنے کیساتھ بھی مشرقی قومیں، مغربی اقوام کی برابری کر سکتی ہیں،

جو لوگ جاپان کے کسی مشہور باغ کی سیر کرینگے انھیں اہل جاپان کے قومی خصائل کا نشان مل جائے گا، باغ کے درختوں اور مصنوعی پہاڑیوں کے درمیان سیر کرتے ہوئے انھیں سب سے پہلے وہاں کی فضا میں سکون و قناعت کا ایک عجیب احساس ہوگا، باغ کے حد درجہ خوبصورت ہونے میں کوئی شبہ نہیں، لیکن درختوں اور پھولوں کی خوبصورتی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی ہے جو اس احساس کی محرک ہوتی ہے، سکون و خاموشی کی جو فضا وہاں پھیلی ہوئی ہے، وہ حقیقۃً اُس کامل ہم آہنگی کی پیدا کردہ ہے جس سے باغ کا چپہ چپہ معمور ہے، پھر یہ ہم آہنگی محض باغ ہی تک محدود نہیں، بلکہ اس کی وسعت میں گرد و پیش کے مناظر بھی شامل ہیں، باغ کے تمام درخت، پہاڑیاں اور چبوترے اس طرح ترتیب دیئے گئے ہیں کہ قریب کے جنگلوں اور دور کی پہاڑیوں کے ساتھ ہم آہنگی پیدا

ہو جائے، ہم آہنگی ہی میں حُسن پایا جاتا ہے اور حسن ہی میں امن و سکون ملتا ہے، ہر شے کل کا ایک جزو ہے اور جزو کا فرض یہ ہے کہ اپنے کو اس طرح ترتیب دے کہ کل میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے،

ہم آہنگی کا یہ احساس اہل جاپان کی فطرت میں راسخ ہے، یہ چیز ہماری فطرت کا ایک جزو ہو گئی ہے، کسی بات کو کہتے یا کرتے وقت ہمارے ذہن میں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا اثر خاندان کے بقیہ افراد یا جمہور پر کیا پڑیگا، یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ ایثار و قربانی کو انسان کا سب سے بڑا وصف شمار کرتے ہیں،

ہم آہنگی کے اس شغف سے دو خصوصیتیں اور پیدا ہوئیں، سادگی اور اعتدال، ہم آہنگی کے حصول کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ رنگ و وضع کے علاوہ خیال میں بھی سادگی پیدا کیجائے، یہ چیز کسی جاپانی گھر میں داخل ہو کر خوب سمجھ میں آجاتی ہے، جہاں حسن مذاق کا معیار یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جس قدر کم چیزیں سامنے رکھی جائیں اتنا ہی بہتر ہے، بادی النظر میں کمرہ تقریبًا خالی معلوم ہوگا، لیکن غور سے دیکھنے والا اس کاوش کو معلوم کرے گا، جو گھر کی مالکہ نے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے چیزوں کے رنگ و وضع کی ترتیب میں برتی ہے، سادگی کا یہ ذوق جاپانی خیالات میں بھی خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہے، چنانچہ ہندوستان اور چین کے پیچیدہ فلسفے جب جاپان میں لائے گئے تو انھیں بہت نمایاں طور پر سادہ بنالیا گیا،

ہم آہنگی کے حصول کا بہترین ذریعہ اعتدال ہے، لیکن اہل جاپان نے جب اس اعتدال کو گفتگو میں ظاہر کیا تو حد سے متجاوز ہو گئے اور یہیں سے ایک دوسری قومی خصوصیت پیدا ہو گئی، یعنی کم گوئی، ہم لوگ کم بولنے والے کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، بعض اوقات کم گوئی کے اس وصف نے بین الاقوامی مجمعوں میں عجیب دشواریاں پیدا کر دیں،

اہل جاپان فطرۃً بہت زیادہ جذباتی اور ذکی الحس ہوتے ہیں، لیکن صدیوں کی فوجی تعلیم نے ان میں احتیاط اور ضبط نفس کی شدید عادت پیدا کر دی ہے، جس طرح مجمع عام میں کپڑے اُتارنا معیوب خیال کیا جاتا اسی طرح ایک تعلیم یافتہ شخص کے لئے ہم لوگ اسے بھی نازیبا سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے عریاں جذبات دوسروں پر ظاہر کرے

ذکی الحس ہونے کی وجہ سے ہم لوگ خارجی تبدیلیوں کو جلد قبول کرتے ہیں، اس سے ہم میں زمانہ کا ساتھ دینے کی قوت پیدا ہوگئی ہے جس کے باعث ہم پر اکثر نقالی کا الزام لگایا جاتا ہے، لیکن یہ نقالی یا تتبع میرے خیال میں اُس احترام کا اظہار ہے، جو اہلِ جاپان غیر ملکی تمدنوں کا کرتے ہیں، ہم غیر ملکی تمدنوں کی بہتر خوبیوں کا اعتراف کرنے اور انھیں اپنے ہاں رائج کرنے میں کبھی نہیں شرمائے،

ہماری جذباتی اور ذکی الحس فطرت فلسفۂ مابعد الطبیعیات کے نشو و نما میں معین نہ ہو سکی، جس میں ہمارے ہمسایہ اہلِ چین اور ہند و ممتاز تھے، ہم اہلِ جاپان ایک عملی قوم ہیں اور فکر و تخیل میں ہماری دستگاہ کچھ زیادہ نہیں ہے، فکر اور عمل کی وحدت کا خیال ہماری فطرت میں اتنی گہرائی کے ساتھ داخل ہے کہ ہم کسی شے کو علم سمجھتے ہی نہیں، جب تک اُسے عمل میں بھی نہ لائیں، اسی چیز نے خیالی فلسفہ میں ہماری ترقی محدود کر دی،

جاپانی قوم کی ایک دوسری نمایاں خصوصیت مناظرِ قدرت سے شیفتگی ہے، اگر آپ کسی ابتدائی مدرسہ کے بچوں سے کوئی مضمون لکھنے کو کہیں اور موضوع کا انتخاب خود انھی کی پسند پر چھوڑ دیں تو سو میں پچانوے بچے مناظرِ قدرت پر مضمون لکھینگے، آپ غریب سے غریب کاشتکار یا مزدور کے گھر میں بھی ایک گلدستہ یا مناظرِ قدرت کی کوئی تصویر پائیں گے،

اسی جذباتی فطرت کی بنا پر ہم دولت سے زیادہ عزت کی قدر کرتے ہیں، ہم لوگوں میں سلطنت کا تخیل ملک کے تخیل کی ترقی یافتہ شکل نہیں ہے، بلکہ اسکا ارتقا، خاندان کے تخیل کے ساتھ ہوا ہے، سلطنت خاندان ہی کی ایک وسیع شکل ہے، اس معنی میں اس کے تمام باشندے ایک ہی خاندان کے افراد ہیں جسکا مرکز خاندان شاہی تھا، اسی سبب سے ہمارے دلوں میں خاندان شاہی کا احترام غیر محدود ہے، شہنشاہ اور سلطنت کیساتھ وفاداری میں استوار رہنا قوم کا سب سے بڑا وصف خیال کیا جاتا ہے،

حال کی جڑیں ماضی کی گہرائیوں میں نصب ہیں، اس تاریخی واقعہ نے کہ جاپان پر کبھی کسی غیر قوم نے حملہ نہیں کیا، اور گذشتہ صدی کے وسط سے پہلے وہ صدیوں دوسرے ملکوں سے الگ تھلگ رہا، ہم میں

اس بات کا بہت زیادہ احساس پیدا کردیا کہ ہماری نسل اور ہماری سلطنت دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے، یہ چیز بہتیرے جاپانیوں کے لئے ایک ذہنی روک ثابت ہوئی، لیکن ساتھ ہی ساتھ قومی طاقت کا ایک سبب بھی بنگئی،

اہل جاپان فطرۃً مذہبی ہیں، تہذیب جدید اپنی نصف صدی کی اثر اندازی سے بھی ایک سپاہی یا کاشتکار کی سادہ اور پرعقیدت فطرت کو یکسر بدل نہ سکی، قوم کی اکثریت اپنے معاشرتی نظام میں اب بھی قدیم جاپان کے روایتی تمدن پر بدستور قائم ہے،

تاہم ہر جگہ صنعت وحرفت اور مغربیت کا اثر محسوس کیا جارہا ہے، آبادی کی کثرت سے اقتصادی حالات تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ قوم کی نفسیات میں بھی تغیر واقع ہو رہا ہے، صحافت، سینما، لاسلکی، مغربی کھیلوں اور عہد جدید کی دوسری ایجادوں کے اثر سے اس تغیر کی رفتار اور زیادہ تیز ہورہی ہے، اور اسمیں کوئی شبہہ نہیں کہ قومی سیرت میں ایک خاموش مگر مستقل تبدیلی پیدا ہورہی ہے،

صنعت وحرفت اور بیرونی تجارت کی ترقی سے قوم کے مطمحِ نظر کا ایک عالمگیر وسعت اختیار کرلینا ناگزیر ہے، ایک ایسی قوم کے خصائل جس کے ننانوے فی صدی بچے مدرسوں میں تعلیم پارہے ہیں، اسی مقام پر قائم نہیں رہ سکتے جہاں وہ اس وقت تھے، جب کہ اس قوم کی صنعت زراعت تھی اور اس کی حکومت ایک جاگیرداری حکومت تھی، جس طرح سیاسی اور معاشرتی حیثیت سے یہ وقت جاپان کے لئے ایک مہتم بالشان فیصلہ کا وقت ہے، اسی طرح نفسیاتی حیثیت سے بھی یہ وقت اس کے لئے ایسا ہی اہم ہے، "ع ز"

منطق پر ایک قدیم عربی تصنیف"

منطق پر خالص عربی تصنیفات میں سے ایک تصنیف جو قرونِ وسطیٰ میں بہت مقبول تھی آج صرف لاطینی ترجمہ میں محفوظ ہے، اسکا لاطینی عنوان Liber Introductorius in Artem Logicae Demonstrationis

ہے، (جسکا اردو ترجمہ یہ ہوگا:- کتابیں ہمیں استدلال اور تشریح کا فن سکھاتی ہیں) اس پر مصنف کا نام محمد درج ہے، جو الکندی کا شاگرد تھا، یہ سوال کئی بار اٹھ چکا ہے کہ یہ محمد کون تھا، دو مشہور فاضل جو الکندی (متوفی ۸۷۳ء) کے حقیقی شاگرد تھے، السرخی (متوفی ۸۹۹ء) اور منصور بن طلحہ بن طاہر تھے، لیکن ان میں سے کسی کا نام محمد نہ تھا، پہلے کا نام احمد بن محمد تھا، اس پر یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ لاطینی مترجم نے ترجمہ کرتے وقت نام کا پہلا ٹکڑا غلطی سے چھوڑ دیا یا بعد میں کسی کاتب کی غلطی سے پہلا ٹکڑا چھوٹ گیا، بہرحال اس عہد میں متعدد فلاسفہ ایسے تھے جنکا نام محمد تھا اور جو حقیقۃً الکندی کے شاگرد ہو سکتے تھے، ان میں سے ایک محمد بن موسیٰ بن شاکر اور دوسرا اسکا ہم عصر محمد بن الجہم تھا اور یہ دونوں منطقی تھے،

ڈاکٹر البینو ناگی (ALBINO NAGY) جنھوں نے "LIBERINTRODUCTORIUS" کا لاطینی نسخہ اڈٹ کیا ہے یہ رائے رکھتے تھے کہ یہ محمد حقیقۃً الفارابی (متوفی ۹۵۰ء) تھا، جہاں تک دونوں کے زمانوں کا تعلق ہے، "معلم ثانی" کا الکندی کا شاگرد ہونا ممکن نہیں ہے، تاہم جس زمانہ میں الفارابی بغداد میں یوحنا بن خیلان سے منطق پڑھتا تھا وہ الکندی کی مصنفات بھی مطالعہ میں رکھتا تھا، اس بنا پر ایک وسیع معنی میں اسے الکندی کا شاگرد کہہ سکتے ہیں، ابن رشد بھی بظاہر اسی کتاب کا ذکر کرتا ہے اور اُسے الفارابی کی طرف منسوب کرتا ہے، علاوہ بریں "LIBERINTRODUCTORIUS" کے مصنف نے جن متعدد کتابوں کا ذکر کیا ہے، اُن سب کے عنوانات وہی ہیں جو الفارابی کی مصنفہ یا منسوبہ کتابوں کے ہیں، الفارابی کی تصنیفات منطق میں سے کئی ایک کے عربی عنوانات بظاہر LIBERINTRODUCTORIUS سے ملتے جلتے ہیں، مثلاً کتاب التوطیہ فی المنطق، فصول یحتاج الیہا فی صناعۃ المنطق، اور کتاب المدخل الی المنطق، ان میں سے پہلی کتاب عبرانی ترجمہ میں محفوظ ہے، دوسری عربی زبان (عبرانی رسم خط) میں، لیکن تیسری مفقود ہے، پہلی دونوں کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی "LEBERINTRODUCTORIUS" نہیں ہو سکتی، لہذا اگر یہ کتاب دراصل فارابی ہی کی تصنیف ہے، تو پھر یہ اس کی گمشدہ کتاب، کتاب المدخل ہی ہے،

برخلاف اس کے یہ بھی ممکن ہے کہ اسکا مصنف کوئی اور ہو، اس کتاب کا متن تقریباً بلفظ اخوان الصفا کے مشہور رسائل میں ملتا ہے، پس کوئی وجہ نہیں کہ اس کی تصنیف محمد بن معشر البستی کی طرف جسے کبھی کبھی مقدسی بھی کہتے ہیں منسوب نہ کیجائے، محمد بن معشر ان مشہور و معروف رسائل کے مصنفوں میں سے تھا، یہ رسائل اسلامی اسپین میں بہت مشہور تھے، جہاں ان کی ترویج ابو القاسم مسلمہ المجریطی (متوفی ۱۰۰۷ء) کی طرف منسوب کیجاتی ہے، بوڈلین لائبریری، اکسفرڈ میں رسائل کے دو قلمی نسخے موجود ہیں، جنیر اسکا نام ہے،

اصلی عربی عبارت تیرہویں رسالہ میں پائی جاتی ہے، جسکا عنوان یہ ہے:۔

"فی انولوطیقا الثانیة فی المنطق - اسکا ایک ٹکڑا جسمیں موسیقی کا ذکر ہے حسب ذیل ہے:۔

"ومثال ذلك من الروحانی والنفسانی وهو قولنا الغناء اشارة الی الحان مؤلفة واللحن مؤلف من نغمات متناسبة وابيات موزونة والابيات مؤلفات من المفاعيل والمفاعيل من الاوتاد والاسباب وكل واحد ايضاً مؤلف من حروف متحركات وسواكن وانما يعرف هذه الاشياء صاحب العروض ومن ينظر فی النسب الموسيقية"

اسی ٹکڑے کا خلاصہ پندرہویں رسالہ موسومہ فی الموسیقی کی فصل بعنوان فی اصول الالحان و قوانینھا میں بھی ہے،

منطق کی اس تصنیف کا مصنف علاوہ اُن کتابون کے جنکا ذکر اوپر ہو چکا ہے، اور جو الفارابی کی تصنیف میں اپنے دیگر اسناد کا حوالہ نہیں دیتا اور محض اہل یونان سے استفادہ کا ایک اجمالی اعتراف کرتا ہے، ڈی بوئر (T.J. DE BOER) کی رائے ہے کہ اگرچہ اخوان الصفا سے فلسفۂ ارسطو کی خالص اور کامل شکل کا سراغ نہیں ملتا جو الکندی سے شروع ہوتی ہے، تاہم یہ ناممکن نہیں ہے کہ وہ لوگ الکندی اور اس کے اسکول سے علمی تعلقات رکھتے تھے، اس سلسلہ میں ایک امر قابل توجہ یہ ہے کہ اخوان الصفا اپنے رسالہ فی المنطق

میں انسان کے مزاج و سرشت پر فلکی اثرات سے متعلق ٹھیک وہی غلطی کرتے ہیں جو الکندی اپنے رسالہ فی اجزاء خبریة الموسیقی میں کرتا ہے، پس اخوان نے یا تو الکندی سے نقل کیا ہے یا پھر اُن سب سے کسی ایک ہی ماخذ سے لیا ہے، (جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی، لندن) "ع ز"

امن کی ایک جدید تحریک[1]

گذشتہ جنگ عظیم کی تباہ کاریاں یورپ کی پشتِ نخوت کے لئے ایک نہایت ہی سخت تازیانہ تھیں جس کے بعد ہی امن کی پکار سے پورا برِ اعظم گونج اٹھا، تقریباً ہر ملک میں امن کی تحریک باقاعدہ طور پر شروع کردی گئی اور اس مقصد کیلئے مختلف انجمنیں قائم ہو گئیں لیکن طاقت کا نشہ وہ نشہ ہے جسکا خمار کبھی پوری طرح نہیں اترتا، چنانچہ وہی آثار و علامات جو گذشتہ جنگ سے پیشتر نظر آرہے تھے اب پھر بعض دوربین نگاہوں کی تشویش کا باعث ہو رہے ہیں، ان خطرات کا اندازہ کرتے ہوئے رسالہ لٹریری ڈائجسٹ (امریکہ) کے ایک مقالہ نگار نے ایک جدید تحریکِ امن شروع کرنی چاہی ہے، موصوف کا خیال ہے کہ موجودہ نسل کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ انجیل کے اصول از سرِ نو تمام دنیا کے سامنے پیش کئے جائیں، صلح و امن کی اُمید صرف اُسی وقت کیجا سکتی ہے جب اسکی خواہش دل کی گہرائی سے پیدا ہو، اس مقصد کے حصول کیلئے اُسنے حسب ذیل پانچ دفعات کا ایک پروگرام مرتب کیا ہے:-

(۱) سب سے پہلے ہمیں اپنے ذہن میں امن کا تخیل راسخ کر لینا چاہئے، پھر ہمیں چاہئے کہ امن کا لٹریچر کثرت سے تقسیم کریں، بین الاقوامی صلح کے قیام کیلئے ضرورت ہے کہ جنگ کے اسباب سے واقفیت حاصل کیجائے اور اُن قوموں کے منصوبے معلوم کئے جائیں جنکی سرحدوں پر جنگ کے خطرات خفیہ طور پر اپنا کام کر رہے ہیں،

(۲) ہمیں متحد ہو کر اس بین الاقوامی مقابلہ کا انسداد کرنا چاہئے جو جنگی بیڑوں اور فوجوں کی تیاری میں ہو رہا ہے،

(۳) ہمیں اس بات کیلئے بھی متحد ہو جانا چاہئے کہ جو اسلحہ غیر سرکاری طور پر مالی منفعت کی غرض سے تیار کئے جاتے ہیں اُن کی روک تھام کیجائے،

(۴) ہمیں چاہئے کہ اپنی اپنی حکومتوں پر زور ڈال کر اسلحہ کی درآمد و برآمد بالکل روک دیں، ریاستہائے متحدہ امریکہ

---

[1] معارف ۔ کذا،

کے سینٹ نے یہ تجویز منظور کرلی ہے اور صدر امریکہ کو یہ اختیار دیدیا گیا ہے کہ جو قومیں جنگ پر تلی ہوئی ہیں اُنکے لئے امریکہ سے اسلحہ کا بھیجا جانا بند کردے، ہمیں متحد ہو کر اس اصول کو اس حد تک وسعت دینی چاہئے کہ جو قومیں جنگ کیلئے پیش قدمی کریں انہیں سرکاری یا غیر سرکاری قرضے بھی نہ دیئے جائیں،

(۵) آخر میں ہمیں پریزیڈنٹ روزولٹ (صدر امریکہ) کی اس تائید کیلئے بھی متحد ہوجانا چاہئے کہ تمام قومیں متفقہ طور پر ایک عہدنامہ پر دستخط کریں کہ جنگ میں پیش قدمی نہ کرینگی، اس قسم کے معاہدے مخالف تنقیدوں کے علی الرغم اپنا اثر ضرور رکھتے ہیں تحریکِ امن ابھی اپنے ابتدائی مدارج میں ہے، ہر دستخط شدہ معاہدہ قوم کے ارادۂ امن کو تقویت بخشتا ہے، یہ تدبیر اسوقت تک جاری رہنی چاہئے جبتک امن قائم کرنے کا عزم جنگ برپا کرنے کی خواہش سے زیادہ مضبوط نہ ہو جائے،

مقالہ نگار کا خیال ہے کہ پانچ دفعات کا یہ پروگرام ایک ایسا پروگرام ہے جس پر ہر خیال کے لوگ بلا کسی دشواری کے متفق ہوسکتے ہیں اور جس پر عمل کرنے سے وہ عہد پورا ہوسکیگا جو اب سے بیس سال قبل جنگِ عظیم کی ابتدا میں کیا گیا تھا، یعنی جنگ کو ہمیشہ کیلئے ختم کردینے کا عہد،

کسی خاص پروگرام سے بڑھکر اہم اور بنیادی چیز یہ ہے کہ اخوتِ انسانی کیلئے ایک متحدہ کوشش کیجائے چنانچہ اس مقصد سے امریکہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ۲۹ ؍ اپریل ۱۹۳۴ء کو "یوم اخوت" منایا گیا اور پوری قوم کو مندرجہ ذیل اقرار و اعلان کی دعوت دیگئی،

(۱) میں دوسروں کیساتھ خواہ وہ کسی نسل یا فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں وہی برتاؤ کرنا چاہتا ہوں جو میں انکی طرف سے اپنے لئے پسند کرتا ہوں،

(۲) میرا عزم یہ ہے کہ حقوقِ انسانی کا احترام کروں اور ہر انسان کی نسبت اسکی ذاتی اہلیت کے مطابق رائے قائم کروں،

(۳) میں ہر اس منظم کوشش کی مخالفت کرونگا جسکا مقصد کسی مذہبی یا معاشرتی جماعت کے خلاف خوف یا نفرت کا جذبہ پیدا کرنا ہو،

مذکورۂ بالا اعلانات کی بابت صاحبِ مقالہ کی رائے ہے کہ یہ ایک ایسا فلسفۂ حیات ہے، جو باعتبار اپنی اصل کے ایک زریں اصولِ زندگی ہے، یہ ایک ایسا فلسفۂ حیات ہے جو تمام حقوقِ انسانی کو محیط ہے، اور جو فکر و عمل کی آزادی قائم کرنے کے لئے نسل، رنگ، اور فرقہ کی تمام حدبندیوں کو پامال کردیتا ہے،

"ع ز"

اخبارِ علمیہ

نازی جرمنی کا "آرین" مغالطہ

کچھ عرصہ سے یورپ کے علمی حلقون مین اُس برتاؤ کے خلاف جو قومی تعصب کی بنا پر جرمنی مین یہود کے ساتھ کیا جارہا ہے، نیز اون "سائنٹفک" خیالات کی نسبت جو نازیون نے اپنی جگہ قائم کرلئے ہین، ایک طرح کی برہمی پیدا ہورہی ہے، چنانچہ حال مین لندن مین ماہرینِ انسانیات و نسلیات کی جو انجمن منعقد ہوئی تھی، جسمین تمام دنیا کے مشہور سائنس دان شریک تھے، اسمین جرمنی کے اس تخیل و عمل کی مخالفت نہایت صاف الفاظ مین کی گئی، جرمنی کے بعض سیاسی لیڈرون نے نسلی عصبیت کی بنا پر "آرین" اور "غیر یہودی" کو ایک دوسرے کا مترادف سمجھ رکھا ہے، لندن کی اس انجمن مین اس موضوع پر کافی روشنی ڈالی گئی، اور سر گریفٹن اسمتھ (SIRGRAFTON SMITH) نے جن کا شمار برطانیہ کے اکابر علمائے انسانیات مین ہے، جرمنی کے "آرین مغالطہ" کا خاصہ مضحکہ اڑایا، نازیون کے اس خیال پر اظہارِ رائے کرتے ہوئے، کہ "آرین" نسل ہر طرح کی خوبی اور بہتری کی جامع ہے، موصوف نے فرمایا:- یہ مسئلہ اب تک مختلف فیہ ہے، کہ تہذیب کی ابتدا کس مقام پر ہوئی، لیکن ہم اس امر کی شہادت رکھتے ہین، کہ خواہ اسکی ابتدا، مصر، سومیریا، (سومری قوم ساکن بابل کی سرزمین)، ہندوستان، یا کسی اور ملک مین ہوئی ہو، لیکن تہذیب کا کام شروع بحر روم ہی کی ساحلی نسل نے کیا، اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ اُس نسل مین تہذیب و تمدن کو جاری کرنے کا کوئی خلقی ملکہ تھا، بلکہ یہ محض اون تاریخی حالات کا نتیجہ تھا جنھون نے سواحلِ نیل کے باشندون کو ایسے مشاغل مین لگا دیا، جن سے تہذیب و تمدن کی تعمیر لابدی طور پر ہونے لگی،

اس وقت جب کہ دماغ واخلاق کی اعلیٰ خوبیان شمالی یورپ کی جرمن قومون اور نام نہاد "آرین نسل" کے لوگون کی طرف منسوب کیجارہی ہین، یہ یاد رکھنا چاہئے، کہ "آرین نسل" کے موجد تہذیب ہونے کا نظریہ شبہہ سے بھی زیادہ کمزور بنیادون پر قائم ہے، اور اگر "آرین نسل" کے لوگ قدیم کلچر کے بانی تھے، تو صرف اسی شکل مین کہ انھون نے اپنی تہذیب بابل سے اخذ کی تھی، اسکے بعد پروفیسر ہالڈین (HALDANE)(لندن یونیورسٹی) نے فرمایا کہ کسی شخص کے اسلاف کی واقفیت سے خود اسکی استعداد و اہلیت پر بہت کم روشنی پڑتی ہی، جہان تک جسمانی حالات کا تعلق ہی، یورپ کے نسلی سلسلے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بہت کچھ ملتے جلتے ہین، اور ظاہری شکل وصورت اب موروثی نسلی خصوصیات کی علامت نہین رہ گئی،

کامیابی کا معیار

کسی شخص کی زندگی کے ناکام یا کامیاب ہونے کے متعلق اس وقت تک فیصلہ نہین کیا جا سکتا جب تک اوسکے تمام کارنامے پیش نظر نہ ہون، ابتدائی کامیابی یا ناکامیابی معیار نہین ہو سکتی، اکثر اشخاص جو اپنی طالب علمی کے زمانہ مین بہت ذہین اور تیز سمجھے جاتے تھے، فارغ ہونے کے بعد کوئی خاص امتیاز حاصل نہ کر سکے، برخلاف اس کے بہترے لوگ جو شروع مین بھدے اور غبی تھے، آگے چل کر نہایت ممتاز ثابت ہوئے، چارلس ڈارون جس کا نظریہ ارتقار تمام دنیا مین مشہور ہوا، اور جو اکثر حیثیتون سے ایک بڑا آدمی تھا، اپنی تعلیم کے زمانہ مین ایک نہایت معمولی طالب علم تھا، اور کسی غیر ملکی زبان پر عبور حاصل نہ کر سکا، نپولین اپنی قابلیت کے لحاظ سے ہم سبق لڑکون مین بیالیسوین نمبر پر تھا، لیکن اسکے اکتالیس ساتھیون مین سے کسی ایک کا نام بھی مدرسہ کی چہار دیواری سے نکلکر شہرت کے میدان تک نہ پہنچ سکا، اسی طرح سر آئزک نیوٹن بھی اپنے درجہ مین تقریباً سب سے آخری نمبر پر تھا، اور ریاضی کا یہ شہرۂ آفاق فاضل جیومٹری مین ہمیشہ فیل ہوتا رہا، الکزانڈر فان ہمبولٹ مشہور جرمن سائنس دان بچپن مین اتنا غبی تھا، کہ اوس کے اساتذہ کو اوس کی معمولی سمجھداری مین بھی شبہہ تھا، "جارج ایلیٹ" جس کے ناول عام مقبولیت کی سند حاصل کر چکے ہین، اوس نے پڑھنا لکھنا بہت مشکل سے سیکھا تھا، اور اس کے متعلق یہ پیشین گوئی کی جاتی تھی، کہ وہ نہ صرف ایک بہت غبی عورت ہوگی، بلکہ

گھر مین بھی صرف موٹے موٹے کام کرنے کے قابل ہوسکیگی، سروالٹر اسکاٹ برطانیہ کا ایک ناول نگار محنت کافی کرتا تھا، مگر ذہین بالکل نہ تھا، گولڈ اسمتھ اٹھارہوین صدی کا ممتاز انگریز ادیب و تمثیل نگار اپنے ہم سبقون مین آخری نمبر پر تھا، اناطول فرانس جس کا شمار عہد جدید کے ممتاز ترین مصنفین مین ہے کبھی امتحانات مین کامیاب نہ ہوسکا، برنرڈ شا تیس سال سے زائد مدت تک ناکامی کی زندگی بسر کرتا رہا، ابراہیم لنکن متعدد اور ہیم شکستون کے بعد ترقی کرتا ہوا ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سب سے زیادہ معزز مقام یعنی صدارت تک پہنچ سکا، لیکن اب اپنی لیاقت اور کارنامون کے لحاظ سے وہان کے بہترین صدرون مین شمار کیا جاتا ہے،

ایک جدید سائنس

ہارورڈ یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر ہارلن اسٹٹسن (HARLAN.T.STETSON) کا خیال ہے کہ جلد ایک نئی سائنس مرتب ہوجائے گی، جس کا نام کوسمیکالوجی (COSMECOTOGV) ہوگا، اس کا مقصد اُن اثرات کا مطالعہ و تفحص ہوگا جو زندگی پر مظاہر فلکی (COSMIC.PHENOMENA) سے پڑتے ہین، مثلاً سطح زمین کی پیڑیون مین تبدیلیان، مدّوجزر، انوار شمالی وجنوبی، فلکی اور دیگر اشعاع، نیز وہ مختلف اثرات جو فضائے آسمانی سے روئے زمین پر مترتب ہوتے ہین،

بائبل کی کثیر اشاعت

برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی کی سالانہ رپورٹ سے معلوم ہوا ہے، کہ گذشتہ سال بائبل کی ۱۰۹۳۳۰۳ جلدین نکلین، جو ۱۹۳۲ء کی تعداد کے مقابلہ مین بقدر ۲۱۵،۳۴ زیادہ ہین، گذشتہ سال اس کے ترجمہ مین گیارہ نئی زبانون کا اضافہ کیا گیا، چنانچہ اب تک جتنی زبانون مین بائبل شائع کی جاچکی ہے، اُن کی مجموعی تعداد ۶۶۸ ہے،

کیمیائی تحقیقات مین اضافہ

پروفیسر کرین (E.J. CRANE) امریکہ کا بیان ہے کہ تمام دنیا مین کیمیائی تحقیقات پر روز بروز زیادہ زور دیا جارہا ہے، ۱۹۳۳ء کی پہلی ششماہی مین ۱۷۶۴۸ اور بجنل مقالات کیمیائی تحقیقات پر شائع ہوے تھے، لیکن ۱۹۳۴ء کی پہلی ششماہی مین ۱۸۶۶۴ اوریجنل مقالات دو ہزار ممتاز سائنٹفک اور ٹکنکل رسالون مین نکل چکے ہین،

ریڈیم کا نیا ذخیرہ

امریکن کیمیکل سوسائٹی کے رسالہ مین یہ اطلاع شائع ہوئی ہے، کہ بلغاریہ مین ریڈیم کا ایک نیا ذخیرہ دریافت ہوا ہے، جس کا تراسی فی صدی ریڈیم اس قابل ہے، کہ نکالا جاسکے، اس وقت ریڈیم کی قیمت تقریبًا پچاس ہزار ڈالر فی گرام ہے، لیکن چند سال پیشتر اوس کی قیمت ایک لاکھ بیس ہزار ڈالر فی گرام تھی، تمام دنیا کے نفیس ریڈیم کی مجموعی مقدار تقریبًا سات سو گرام ہے،

برنرڈشا کا تازہ حملہ،

حال مین برنرڈشا کا نیا ڈرامہ "پہاڑون پر" ("ON. THE ROCKS") ڈبلن مین اسٹیج کیا گیا تھا، جس سے حاضرین بہت زیادہ متاثر ہوئے، اس ڈرامہ مین شا نے اپنے مخصوص طنزیہ لب ولہجہ مین سوسائٹی کے موجودہ نظام پر نہایت سخت حملے کئے ہین، اور دکھایا ہے، کہ یورپ کے نظام معاشرت کی بنیادین کس قدر کمزور اور کھوکھلی ہین،

"ع ز"

اوراقِ پارینہ

علامۂ شبلی نعمانی کی دو غیر مطبوعہ تحریرین،

کتبخانۂ رامپور سے متعلق،

از

جناب مولوی امتیاز علیخانصاحب عرشی، ناظم کتب خانۂ رامپور،

"یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے، کہ کتب خانۂ ریاست رامپور کی بنیاد ریاست کی بنیاد کے ساتھ پڑی، لیکن نواب سید محمد یوسف علی خان بہادر کے عہد تک اس کی حیثیت پبلک لائبریری سے زیادہ نہ تھی، نواب خلد آشیان طاب ثراہ نے خصوصیت کے ساتھ اس طرف توجہ مبذول کی، اور اپنی قدردانی، فیاضی کے طفیل تقریبًا ۹ ہزار کتابون کا ذخیرہ اپنے بعد چھوڑا، یہ مارچ ۱۸۸۷ء کا واقعہ ہے، ان کے بعد نواب سید مشتاق علی خان بہادر کے عہدِ حکومت مین ریاست کے کل نظم ونسق کا تعلق مدار المہام جنرل عظیم الدین خان بہادر سے ہوگیا، جنرل صاحب موصوف نہایت روشنخیال اور اصلاح پسند طبیعت رکھتے تھے، ریاست کے دوسرے محکمون کے ساتھ ساتھ آپ نے کتبخانہ کی تنظیم وترتیب کی طرف بھی توجہ کی، اور اس سلسلہ مین علامۂ شبلی مرحوم سے خواہش کیگئی کہ وہ اس بارہ مین اپنی تجاویز پیش کرین، حسنِ اتفاق سے، کتب خانہ کے ردی گھر (گودام)، کا جائزہ لیتے وقت علامۂ مرحوم کی پیش کردہ تجاویز کا مسودہ جو مولنا کے اپنے قلم کا تحریر کیا ہوا ہے، دستیاب ہوا، چونکہ اس مین تنظیم وترتیبِ کتب کے متعلق اہم تجاویز پائی جاتی مین، بنا برین اس کا مطالعہ نہ صرف اس لئے کہ وہ اردو زبان کے ایک بلند پایہ ادیب ومورخ کی تحریر ہے، بلکہ علمی وفنی حیثیت سے بھی مفید ہوگا،"

رپورٹ متعلق کتب خانہ ریاست عالیہ مصطفیٰ آباد رامپور

مین نے کتب خانۂ سرکاری کو جو درحقیقت ریاست کی علمی فیاضیون کی ایک حیرت انگیز یادگار ہے، دو تین دن مین جس قدر تحقیق و کاوش کی نگاہ سے دیکھنا ممکن تھا، دیکھا، ایک شخص گو اس کی نظر کتنی ہی وسیع ہو، کتب خانہ کے احاطہ مین جا کر جب اُن عزیز الوجود اور بیش بہا کتابون کو دیکھیگا جن کو جستجو اور قدردانی اور فیاضیون نے، دنیا کے مختلف حصّون سے لا کر وہان جمع کر دیا ہے، تو دفعتہً وہ حیرت زدہ ہو جائیگا، لیکن اسی کے ساتھ جب وہ کتب خانہ کی بے ترتیبی اور فہرست کی ناموزونی پر نظر ڈالیگا تو سخت افسوس کریگا،

اصلاح طلب امور کو مین دفعہ وار عرض کرتا ہون، اور امید ہے کہ وہ قبول کی نگاہ سے دیکھے جائین،

دفعہ ۱۔ سب سے بڑی بے ترتیبی یہ ہے کہ کتابین الماریون مین حروفِ تہجی کی ترتیب سے رکھی گئی ہین، جسکا یہ نتیجہ ہے کہ کتاب الخراج قاضی امام ابو یوسفؒ کو جو نہایت عالی رتبہ تصنیف ہے کلیاتِ رند کے پہلو مین جگہ دیجا سکتی ہے، کتب خانہ مین ہر موقع پر یہ ناموزونی موجود ہے، اور نہایت بدنما معلوم ہوتی ہے، مین نے بہت بڑے بڑے کتب خانے دیکھے ہین، مگر مجھکو کسی کتب خانہ مین یہ ناموزون ترتیب نہین ملی ہے، سب سے مقدم یہ ہے کہ فن اور علم کے لحاظ سے فہرست مرتب کیجائے اور پھر اُس مین حروفِ تہجی کا لحاظ ہو، فہرست کا نمونہ جو منشی امیر احمد صاحب[1] نے پیش کیا ہے نہایت عمدہ ہے، لیکن جو خانہ "مختصر خلاصہ" کا رکھا ہے اور اس مین مثال کے طور پر ایک کتاب کے تمام مضامین کا خلاصہ کیا ہے، یہ طریقہ چندان ضروری نہین ہے، اُور نہایت مشکل ہے کہ ہر کتاب کے متعلق ایسا خلاصہ طیار ہو سکے، مین کافی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ اگر ایسا کرنا ضروری خیال کیا جائے تو ریاست کو مولوی عبد الحق صاحب[2] اور مولوی ارشاد حسین صاحب[3] کو مجبورانہ تکلیف دینی پڑے گی، اس خانہ مین تصنیف کے متعلق کسی قدر حالات لکھے جائین مثلاً اگر وہ کتاب تاریخ وغیرہ کی ہو تو یہ

---

[1] منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مراد ہین، موصوف اس کمیٹی کے ممبر تھے، جو تنظیم کتب خانہ کے لئے مرتب کی گئی تھی، عرشی

[2] مولنا عبد الحق بن مولنا فضل حق خیرآبادی مراد ہین، [3] مولانا ارشاد حسین مجددی رامپوری مراد ہین جو خود مولنا شبلی مرحوم کے استاد تھے، (عرشی)

لکھا جائے کہ کس عہد سے کس عہد تک کی تاریخ ہے، کس قسم کے حالات ہین، اگر اور فن کے متعلق ہو تو مصنف یا کتاب کی نسبت کوئی تاریخی امر لکھنا کافی ہوگا، لیکن یہ التزام ضروری نہین، اور اس پر خاص توجہ کی حاجت نہین، اور التزام مین بے انتہا دقت ہوگی،

دفعہ ۲ - فن کی ترتیب سے جو فہرست ہوگی اُس کے ذریعہ سے کتابون کا نکالنا مشکل ہوگا، اسلیے حروف تہجی کی ترتیب سے بھی ایک فہرست موجود رہے، جیسا کہ عموماً کتب خانون مین ایسی ایک فہرست مرتب ہوتی ہے، لیکن کتابون کے رکھنے مین اس فہرست کا مطلق لحاظ نہ ہو،

دفعہ ۳ - ہر کتاب پر دو قسم کے نمبر قائم کئے جائین، ایک باعتبار فن کے، اور ایک باعتبار حرف تہجی کے، لیکن فن کا نمبر اوّل قرار دیا جائے، مثال یہ ہے،

کتاب الخراج نمبر فن - ۳۰ نمبر حرف تہجی ۱۴۲،

اس طریقہ سے ہر فہرست مین دونون نمبرون کا حوالہ دیا جائے، تاکہ جو کتاب سرکار کو مطلوب ہو فوراً مل سکے اور جستجو کی زحمت نہ ہو،

دفعہ ۴ - اکثر کتابون کے دو تین نام ہوتے ہین، ایسی صورت مین جو نام مشہور اور معروف ہے اس کو اصل قرار دینا چاہئے اور دوسرا نام بھی اس کے ساتھ لکھدیا جائے،

دفعہ ۵ - مجموعون مین نہایت بے ترتیبی ہے، ان کی جلدین توڑ کر، یا تو ایک فن کے لحاظ سے یا مصنف کے لحاظ سے رسالے ایک مین مجلد کئے جائین، موجودہ مجموعے ایسے ہین، جو نہ ایک خاص فن مین ہین، نہ ایک مصنف کی تصنیف ہین، اس بے ترتیبی سے کتب خانہ نہایت ناموزون معلوم ہوتا ہے،

دفعہ ۶ - جو کتابین محفوظ اور رزرو قرار دیگئی ہین، اُن مین صرف خوشخطی اور حیثیت ظاہری کا لحاظ کیا گیا ہے، حالانکہ وہ کتابین در اصل رزرو قرار دیجاسکتی ہین جو عمدگی مضمون اور وقعت مصنف اور کمیابی کے لحاظ سے قابلِ قدر ہون، مین نے نہایت نادر الوجود کتابون کو دیکھا ہے کہ وہ عام کتابون کیساتھ

رکھی ہوئی ہین، ایسی تمام کتابین چھانٹ کر الگ کیجائین، اور ان کے لئے ایک خاص الماری ہو، مدرسۃ العلوم[1] مین اس قسم کی کتابین ایک نہایت مضبوط آہنی صندوق مین رکھی گئی ہین، لندن مین فولادی الماریان مخصوص ہوتی ہین، لیکن اس قسم کی کتابون کا انتخاب کرنا ایک مستعد اور وسیع النظر عالم کا کام ہے، اور مین علانیہ کہتا ہون کہ کتب خانہ کا موجودہ اسٹاف اس کام کے بالکل لائق نہین ہے،

دفعہ ۷۔ جو فہرست سردست مرتب ہے یا ہو رہی ہے، اس مین تفصیلِ فن کے متعلق سخت غلطیان ہین، اس سے زیادہ کیا تعجب انگیز بات ہوگی، کہ "قصہ" کو ایک فن قرار دیا گیا ہے، اور مخزن اسرار نظامی جو تصوف و اخلاق کی نہایت عمدہ تصنیف ہے، اس کو "قصہ" کے ذیل مین لکھا ہے، یہ ایک خاص مثال ہے، ایسی بہت سی مثالین ملسکتی ہین، اس پر خاص لحاظ ہونا چاہئے،

دفعہ ۸۔ کتابین صرف ایک لائن مین رکھی جائین، موجودہ صورت مین نہایت تکلیف ہوتی ہے اور دوسری لاین کی کتابین جو بالکل اوٹ مین ہین، اُن کا دیکھنا متعذر ہے،

دفعہ ۹۔ الماریان عموماً شیشے کی ہونی چاہئین،

دفعہ ۱۰۔ کتب خانہ کی ایک رپورٹ مرتب کیجائے جس مین یہ مراتب ہون،

کتب خانہ اوّلاً کس وقت قائم ہوا، ہر عہد ریاست کی مخصوص ترقیان، کل کتابین کس قدر ہین، قلمی کس قدر، مطبوعہ کس قدر، عمدہ کتابین باعتبار حیثیت ظاہری کے کس قدر، عمدہ کتابین باعتبار عمدگی مضمون اور کمیابی کے کس قدر، ملازمین کتب خانہ کا شمار اور ان کی تنخواہین، سالانہ صرف کتب خانہ، اس قسم کے اور حالات، بعض حالات شاید تحقیق معلوم نہ ہوسکین، ان مین تخمینہ پر اعتماد کرنا ہوگا، یہ رپورٹ عمدہ مطلا جلد بندھکر کتب خانہ مین رکھی جاوے،

دفعہ ۱۱۔ پرانی جلدون کا ایک بار نیا ہو جانا ضرور ہے تاکہ سابق نقصانات کی ترقی کا رستہ بند

---

[1] علی گڑھ کالج مراد ہے، (عرشی)

ہو جائے اس لئے کہ گو موجودہ احتیاط اور حفاظت آیندہ نقصان پہنچنے سے مانع ہے، لیکن جن کتابون کے پشتے اور شیرازے مین کیڑا اثر کر چکا ہے ان کا بندوبست ضرور ہے، ورق گردانی سے (جسکو مین نے خود دیکھا) اس نقصان سابقہ کی ترقی کا انسداد نہین ہو سکتا، اسلئے کہ پشتہ کے اندر کا کیڑا بغیر شیرازہ کھلنے اور جلد بندھنے کے جا ہی نہین سکتا، تدریجًا جو جلدین بندھا کرتی ہین اور جنکی کیفیت مجھکو دریافت ہوئی، اگر اسی پر اکتفا ہو گی تو بہت سی کتابین جبتک ان کی جلد بندھنے کی نوبت آئے ناقص تر ہو جائینگی، اس لئے جلد تر ایسی کتابون کی جلدین نئی بندھ جانا ضروری ہے اور نہایت ضرور ہے،

دفعہ ۱۲ - جو کتابین خلافِ تہذیب ہون، یا چھپی ہوئی کتاب کے متعدد نسخے ہون خارج کر دیجائین، لیکن قلمی کتابین اس وجہ سے ہرگز نہ خارج کیجائین کہ وہ ناقص اور ناتمام ہین، ممکن ہے کہ وہ نہایت عمدہ کتابین ہون اور اسی قدر حصہ کا موجود ہونا غنیمت سمجھا جاوے، ایسی کتابین اکثر کتب خانہ مین اس وقت موجود ہین، اور موجود رہنا چاہئے، ہان جو کتابین عام اور معمولی ہین، وہ ناقص ہون تو خارج کر دیجائین،

دفعہ ۱۳ - اس قسم کی فہرست اور ترتیب کے لئے جو ضروری ہے اور جسکی طرف خدامِ والا کا خیال بھی مائل ہے، ضرور ہے کہ چند مدت کے لئے کوئی لائق اور مستعد عالم شخص مقرر کیا جائے، اور موجودہ اسٹاف اس کی نگرانی مین کام کرے، ایسے بڑے کتب خانہ کے لئے، تھوڑا سا صرف اور بھی کرنا غالبًا ضرور ہے، اور نہایت ضروری ہے،

یہ مراتب مین نے کسی قدر عجلت کی حالت مین عرض کئے ہین، اگر ان امور کی نسبت مجھ سے کوئی زائد آگاہی مقصود ہو گی تو مین نہایت دلی رغبت کے ساتھ، بذریعہ تحریر کے عرض کر سکونگا،

محمد شبلی ۔ نعمانی، عربک پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڑھ،

محررہ ۱۴،۵؍ اکتوبر ۱۸۸۸ء

علامۂ مرحوم کی اکثر تجاویز اصلاحات پر عمل کیا گیا، کتابین زبان، اور فن پر منقسم ہوئین، متعدد مجموعے بھی از سرِ نو مرتب کئے گئے اور سرکار مرحوم نے کتاب خانہ کے لئے نئی عمارت تیار کرائی، چنانچہ ربع صدی کے

بعد مولانا آخری بار رامپور تشریف لائے، اور کتب خانہ دیکھا، تو مندرجہ تحت کیفیت معائنہ بک پر اپنے قلم سے تحریر فرمائی،

(۲)

”مین اس کتب خانہ سے بارہا متمتع ہوا ہون، ہندوستان کے کتب خانون مین اس سے بہتر کیا اس کے برابر بھی کوئی کتب خانہ نہین، مین نے روم و مصر کے کتب خانے بھی دیکھے ہین، لیکن کسی کتب خانہ کو مجموعی حیثیت سے مین نے اس سے افضل تر نہین دیکھا، اہل کاران کتب خانہ کی محنت اور وسعت اطلاع کی داد دینی چاہئے، خصوصاً مہدی علیخان صاحب[1] تو خود ایک زندہ کتب خانہ ہین،“

شبلی نعمانی ۶ر اپریل ۱۹۱۴ء

مکاتیب شبلی

مولانا شبلی مرحوم کے دوستون، عزیزون، شاگردون کے نام خطوط کا مجموعہ جس مین مولانا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی، اور ادبی نکات ہین، یہ درحقیقت مسلمانون کی تیس برس کی تاریخ ہے،

طبع دوم، قیمت جلد اول عہ، جلد دوم ۱۲ر، ضخامت حصہ اول ۲۴۹ صفحے، دویم ۲۶۱ صفحے،

منیجر دار المصنفین اعظم گڈہ

---

[1] مولوی مہدی علیخان مرحوم کتب خانہ کے تحویلدار تھے، فارسی کی تعلیم باضابطہ پائی تھی، اردو مین شعر بھی کہتے تھے، اور حضرت امیر مینائی سے تلمذ تھا، موصوف کو مین نے خود دیکھا تھا، آخر عمر مین ضعف کے باعث سواری مین کتب خانہ آتے جاتے تھے، لیکن حافظہ کا یہ عالم تھا کہ کتاب کا حلیہ سنکر الماری مین سے نکال لاتے تھے، ان کی متعدد تصنیفات کتبخانہ مین موجود ہین، عرشی

ادبیات

تیری آنکھین،

از پروفیسر محمد اکبر منیرؔ ملتان،

تری آنکھون کی رعنائی مین کیا شانِ الٰہی ہو قیامت کی سفیدی ہو قیامت کی سیاہی ہو
شبِ دیجور کی ظلمت ہو نورِ صبحگاہی ہے، غضب ہے ایک جا روم وحبش کی پادشاہی ہو
فرشتے برف کی چادر مین بادل رکھ کے لاتے ہین
تری پلکون کے نیچے بجلیون کو یون چھپاتے ہین
تری آنکھین شبِ تاریک کے روشن ستارے ہین فضائے عالمِ قدسی کے بے پردہ اشارے ہین
تری زلفین تو ہین کالی گھٹا یہ برق پارے ہین نہین، یہ آفتابِ حسن کی کرنون کے آرے ہین
اتر کر دل مین پہلو کو جگر تک چیر جاتے ہین،
محبت کے لیے اک آتشی مندر بناتے ہین،
تری آنکھین بلوری جام ہین جو حکمِ داور سے بھرے جبرئیل نے جنت مین جا کر حوضِ کوثر سے
لگائی ان مین آگ آئینۂ گردون کے جوہر سے ہوئے یہ مست شعلے" اڑ کے ہم آغوش محشر سے
قیامت بھر رہی ہو تیری مستانہ نگاہون مین
پڑی ہے ایک ہلچل سی جہان کی بزمگاہون مین

تری آنکھین کنول کے پھول ہین جو باغِ جنت مین   کبھی مانندِ کشتی تیرتے تھے آبِ رحمت مین،
تبسم بن کے حورین کھیلتی تھین انکی خلوت مین   فرشتے ڈوب جاتے دیکھکر نورِ مسرت مین

بہشتی کشتیان اب حسن کے پانی مین بہتی ہین،
تمنا بن کے روحین عاشقون کی ان مین رہتی ہین

تری آنکھین ہین دو چشمے شرابِ آسمانی کے   ہین رقصان حسن کے آئینے مین جوہر دلستانی کے
شررافشان ہین جلوے انمین حسنِ جاودانی کے   جہانِ پیر کو نغمے سناتے ہین جوانی کے

یہ چشمے حسن کے گلزار کو سیراب کرتے ہین،
محبت کے چمن کو خرم و شاداب کرتے ہین

تری آنکھین شرارِ برق ہین گم کردہ راہونکو   گرا کر برقِ عصمت پھونکدے میرے گناہونکو
نگاہون مین مری ڈال اپنی نورانی نگاہونکو   کہ دیکھون تیرے آئینون مین قدسی بارگاہونکو

مری ہستی محیطِ حسن مین مستور ہوجائے،
لگا کر نور مین غوطہ سراپا نور ہوجائے،

سخنِ ماہرؔ

از مولوی منظور حسین ماہرؔ القادری حیدر آباد دکن

ہر نفس پیغامِ بربادی ہی انسان کے لئے   نبض کی ہر موج ہے نشترِ رگِ جان کے لئے
زندگی دی ہی گئی تھی، کشمکش کے واسطے   دل بنایا ہی گیا تھا، سوزِ پنہان کے لئے
اپنے اندازِ کرم کی، مجھ سے تاویلین نہ کر   یہ بھی اک تقریب تھی جورِ فراوان کے لئے
اے مرے حسنِ عقیدت! اے مرے نورِ یقین   کفر کی بھی اک جھلک تکمیلِ ایمان کے لئے

کچھ نہ پاکر بھی سمجھتا ہے کہ سب کچھ پالیا،   زندگی سب سے بڑا دھوکا ہی انسان کے لئے
پھول، ذرے، کہکشاں، تارے، شفق، قوسِ قزح   نذر لائے ہیں ترے حسنِ فراوان کے لئے

رہ گئی ہے دولتِ ایمان و دین ماؔہر کے پاس
یہ بھی حاضر ہے نگاہِ کفر سامان کے لئے

حسنِ بیان

از شیخ عبد اللطیف صاحب تپشؔ، ایم، اے، لکچرار ایمرسن کالج، ملتان،

مستِ نگہِ نرگسِ مستانہ بنا دے   لبریزِ مئے شوق ہوں پیمانہ بنا دے،
بکھرے ہوئے یہ بال تو دیکھے نہیں جاتے   لیتا ہوں بلائیں تری دیوانہ بنا دے،
دنیا میں پھر آغاز ہے کافرمنشی کا،   اچھا ہے کہ پھر کعبہ کو بتخانہ بنا دے،
محفل کا تری رنگ خدا جانے کہ کیا ہو   تقدیر اگر شمع کو پروانہ بنا دے،
ہونے کو تو سو بار ہو ہنگامۂ محشر   جذباتِ تحیر کو تماشانہ بنا دے،
اک حرفِ تمنا ہو سنا دوں تجھے قاصد   ایسا تو نہیں بات کو افسانہ بنا دے،
لطف آئے جو یہ رنگ کی پرواز کسی دن   آئینہ کو تصویر سے بیگانہ بنا دے،
پھر توبہ کے ٹکڑوں پہ گزر ہو مری ساقی   پھر مجھ کو گدائے درِ میخانہ نہ بنا دے،

اشکِ سرِ مژگاں کو تپشؔ پونچھتے کیوں ہو
ممکن ہے کہ قسمت اسے دردانہ بنا دے

لغاتِ جدیدہ
چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، قیمت عار   منیجر

باب التقریظ والانتقاد

حیات حافظ رحمت خان

از

سید ریاست علی ندوی،

مؤلفہ جناب سید الطاف علی بی اے علیگ بریلوی، ۳۶۸ صفحات، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ جلد
خوبصورت، قیمت :۔ عے ر نظامی پریس بک ڈپو، بدایون،

ہندوستان کی تاریخ مین اٹھارہوین صدی مین تقریباً ایک ہی قسم کے ماحول مین دو شخصیتین دو مخالف سمتون شمال وجنوب مین پیدا ہوئین، ایک حافظ الملک حافظ رحمت خان کی، اور دوسری ٹیپو سلطان کے باپ نواب حیدر علی کی، مؤخر الذکر باپ بیٹون کو انگریزی و فرانسیسی حکومتون سے بیشتر سابقہ رہا، اس لئے ان کے سوانح حیات کے خط و خال خواہ کسی آب و رنگ مین سہی، انگریزی تاریخون مین پھر ان کے توسط سے اردو کی تاریخی ریڈرون مین بہت کچھ نظر آتے ہین، لیکن حافظ رحمت خان کا تعلق زیادہ تر دیسی ریاستون سے رہا، انگریزون سے واسطہ پڑا تو دراصل اس فیصلہ کن جنگ مین جسمین انھون نے شہادت پائی، اس لئے یہ انگریز مورخین کا مستقل موضوع نہ بن سکے، حالانکہ ان کے کارنامے اس لائق تھے کہ انگریز مورخین بھی ان سے کافی اعتنا کرتے کہ انہی کا وجود جب تک قائم رہا، انگریزون کو شمالی ہند مین اودھ سے آگے قدم بڑھانے کی جرأت نہ ہو سکی، حیات "حافظ رحمت خان" کے مصنف شکریہ کے مستحق ہین کہ انھون نے اس تالیف کے ذریعہ نہ صرف حافظ رحمت خان کے مکمل سوانح حیات

جنگی وعمرانی خدمات، بلکہ گویا روہیلکھنڈ کی مکمل تاریخ اختصار، جامعیت، اور اچھی ترتیب، تبویب اور تحشیہ کے ساتھ پیش کی ہے،

حافظ رحمت خان کے حالات دو قسم کے ماخذون مین ملتے ہین، ایک تو اُن فارسی تاریخون مین جو اُن کی مخالف حکومتون کے متوسل یا موافق مصنفین نے لکھی ہین، دوسری وہ کتابین ہین، جو حافظ رحمت خان کے پوتون یا پڑپوتون نے لکھی ہین، اب تک انگریز مصنفین یا بعد کے دوسرے مورخین مؤخر الذکر کتابون کو اس لئے نظر انداز کر دیتے تھے کہ وہ ان کے اہلِ خاندان کی صرف مفاخر ہین، اس لئے ان کے حالات مین تنہا ماخذ اونہی مخالف مصنفین کی کتابین تھین، لیکن ہمارے نوجوان مؤلف نے اس نظریہ کو قبول نہین کیا، اور اپنے ماخذون مین اہلِ خاندان کی یہ کتابین بھی داخل کین، بلکہ انہی کو بڑی حد تک بنیاد و اساس قرار دیا، اور اصول درایت اور واقعات کا ماحول سامنے رکھ کر اُن الزامون کو دور کرنا چاہا، جو مخالف مورخین نے حافظ رحمت خان پر لگائے تھے،

اہلِ خاندان کی کتابون مین سے دو کتابین مبسوط و مفصل تھین، اور انہی دونون کو مؤلف نے خصوصیت سے اپنا ماخذ بنایا ہے، ایک نواب مستجاب خان کی گلستانِ رحمت، اور دوسری سعادت یار خان کی گلِ رحمت، مؤخر الذکر کتاب کا ایک نسخہ ہمارے کتبخانۂ دار المصنفین مین بھی موجود ہے، ہم نے بطور آزمایش اس کتاب کی اُس فصل کو سامنے رکھا، جو مرہٹون سے فیصلہ کن جنگ پانی پت کے حالات مین ہے، اور دوسری طرف سلاطینِ درانیہ کی مشہور تاریخ "تاریخ احمد" مین جنگ پانی پت کے حالات نکالے، تاریخ احمد، مؤلفِ حیاتِ حافظ رحمت خان کے پیشِ نظر نہین رہی ہے، لیکن کٹھیر کے روہیلون سے اس غیر متعلق کتاب سے بھی ان واقعات کی تصدیق ہوتی ہے، جن کا تذکرہ جنگِ پانی پت کے بیان مین "گلِ رحمت" مین آیا ہے، اور جس کا اعتراف حافظ رحمت خان کے دوسرے مخالف مورخین مشکل سے کرتے ہین، مثلاً، نواب عنایت خان (پسر حافظ رحمت خان) کی جنگ مین نمایان خدمات اور درّانی کی یہ مبارک باد "این فتح بتو مبارک باد و رحمتِ خدا بر تو و بر پدر تو"

پھر انھین خطاب وغیرہ سے سرفراز کرنا، یا اسی طرح نواب شجاع الدولہ کے متعلق یہ کہنا کہ "یہی سردار تم مین غیر مانوس رہ جاتا ہے، مین اسے ساتھ لیجاتا ہون، وہان اس کی مملکت سے وسیع مملکت اسے دیدونگا" شاہ درانی کے اس جواب مین "تاریخ احمد" مین ہے:-

"ہمہ سرداران خاموش ماندہ حق بر ضا دادند و حافظ الملک عرض کرد کہ درمیان ما و نواب ہیچ تغایر نیست ایشان اکثر بملک ما می رسند، اگرچہ قبلۂ عالم نواب راہمراہ رکاب بردہ زیادہ ازین سرفراز خواہند فرمود، اما مردم ہندوستان خواہند گفت کہ آخر قوم افاغنہ اتفاق نمودہ یک سردار راکہ باقی ماندہ بود از ہندوستان بدر کردند، بہر کیف رفتن ایشان درحق ما خوب نخواہد شد"

درانی نے جواب دیا:-

(ص ۱۵، ۱۶)

"..... برائے خاطر شما می فرمودیم، قبول نہ کردید، مگر یاد دارید، کہ نتیجۂ این روزی بشما عائد خواہد شد"

شاہ درانی کی پیشینگوئی حرف بحرف پوری اتری، لیکن ان واقعات کا تذکرہ سیر المتاخرین وغیرہ مین موجود نہین، بلکہ سیر المتاخرین مین تو غریب عنایت خان کا نام تک نظر نہ آیا، بلکہ نواب نجیب الدولہ کے پہلو بہ پہلو شجاع الدولہ کے خدمات اور پھر منصبِ وزارتِ عظمیٰ کا ذکر آیا ہے،

اس لئے اگر ان واقعات کی تصدیق "تاریخ احمد" سے نہ ہوتی تو گلِ رحمت وغیرہ کے بیانات کو خاندانی ترفع کی نمود و نمایش پر قدرۃً محمول کیا جاسکتا تھا، اور اس موقع پر یہ امر بھی لائقِ ذکر ہے کہ تاریخ احمد کی تصنیف کا زمانہ سنہ ۱۲۱۳ھ جو گلِ رحمت کے زمانۂ تصنیف سنہ ۱۲۴۹ھ سے پہلے ہے، اس لئے اس کا بھی امکان نہین کہ مؤلف تاریخ احمد نے گلِ رحمت سے واقعات نقل کر دیئے ہون،

تاہم اس کا یہ مقصد نہین کہ گلِ رحمت وغیرہ کی تمام روایتین لائقِ استناد ہین، ایک غیر جانبدار مورخ کو ان کے مطالعہ کے وقت وہ واقعات و روایات علحدہ کر دینے پڑین گے جنھین اہلِ خاندان نے حافظ الملک سے والہانہ عقیدت کے باعث محض خوش عقیدگی سے اُن کی جانب منسوب کر دیئے ہین، کہ ان کتابون کے

مؤلفین تو ان روایات کے اخذ و قبول کرنے پر اس لئے مجبور تھے کہ وہ خاندانی روایتین بار بار اس کثرت سے انکے کانون تک پہنچی تھین، کہ اُن کے نزدیک اُن کا ناقابل اعتماد ٹھہرنا دشوار تھا، لیکن ہمارے زمانہ کے مصنف "حیات حافظ رحمت خان" کو خوش اعتقادی کی ان مشہور عام خاندانی روایتون کو تاریخی استناد کے ساتھ قبول نہ کرنا تھا، وہ ان دونون قسم کی روایتون مین بآسانی تمیز کر سکتے تھے،

اسی طرح اگرچہ ہمارے مصنف نے ایک "غیر جانبدار نقاد مورخ" کے بار بار دعاوی کے ساتھ اپنی کتاب کا آغاز کیا ہے، لیکن نقد و جرح مین مصنف کے دلائل کی کمزوریان اس طرح آشکارا ہوتی مین کہ صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ عمداً اس الزام کو دور کرنے کی کوشش مین ہین، لیکن ایسے مواقع ساری کتاب مین دو تین سے زیادہ نہین،

اسی طرح حافظ الملک کی شاعری کی بحث تشنہ اور محل نظر ہے، اور نہ ان کے لئے شاعری ذریعۂ عزت ہے،

مصنف نے اسی رد و جرح مین حافظ رحمت خان کے مخالف مورخین مین سے سیر المتاخرین کے مؤلف میر غلام حسین کو ان کی کتاب کی ایک عبارت اقتباس کرکے دکھانا چاہا ہے کہ وہ جنگ پٹنہ و بکسر مین انگریزون سے ملے ہوئے تھے، اور شاہ عالم کو انگریزی کیمپ مین پہنچانا چاہتے تھے، حالانکہ مصنف سیر المتاخرین کی اس مقتبس عبارت مین جو کچھ تذکرہ آیا ہے، اس کا تعلق جنگ پٹنہ و بکسر کے بعد کے واقعات سے ہے جب اوسکو دل مین شجاع الدولہ کی طرف سے کھٹک پیدا ہوئی ہے اور اپنے اور اپنے والد کو اس نے شجاع الدولہ کے آیندہ کسی ارادۂ بد سے بچانا چاہا ہے،

ان نظری پہلوؤن سے علٰحدہ ہو کر اگر کتاب مین لغزشین تلاش کیجائین، تو اپنے ماخذون مین بعض کتابون کے مصنفین کے غلط نام لکھ دینے، اور اردو کے عامی الفاظ "قریب المرگ"، "یگانگت"، "دسہ کر" وغیرہ کے استعمال کی شکل مین نظر آسکتی ہین، لیکن ایسی خردہ گیریان، کتاب کے ظاہری و معنوی دونون قسم کے محاسن کے لحاظ سے کسی طرح مناسب نہین، البتہ مصنف کو اُس عہد کی بعض مشہور تاریخی شخصیتون پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لب و لہجہ کو نرم اور ملائم رکھنا تھا، کہ وہ شخصیتین گذر گئین، ان کے نیک و بد اعمال اُن کے ساتھ گئے، ہمارا فرض صرف یہ ہے کہ ان کے نیک و بد کردار کو تمیز کے ساتھ دکھا دین،

بہر حال یہ کتاب کافی محنت، جانفشانی، اور تلاش وتحقیق سے مرتب کیگئی ہے، اور ہم مصنف ہی کے الفاظ مین جو اُس نے "گلستانِ رحمت" کے مصنف کے حق مین استعمال کئے ہین، کہہ سکتے ہین کہ "...... یہ کتاب لکھکر نہ صرف روہیلون کے نامور سردار بلکہ ایک پوری کی پوری قوم کو زندۂ جاوید کردیا" کہ اردو زبان مین یہ روہیلون کی غالبًا سب سے پہلی مکمل تاریخ ہے، جس مین روہیلون کی آمد سے دورِ حاضر تک کے مکمل حالات اس طرح مرتب کر دیئے ہین کہ کہین تشنگی باقی نہین رہتی، اور بلکہ نہ صرف روہیلکھنڈ بلکہ اس عہد کے شمالی ہند کا پورا نقشہ آنکھون مین گھوم جاتا ہے،

کتاب مین حافظ رحمت خان اور اُن سے متعلق متعدد رنگین تصویرین بھی ہین، اور یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ حافظ الملک کے موجودہ اہلِ خاندان نے مصنف کی جانفشانی کی قدر کی، اور کتاب کو نفیس طباعت کے ساتھ شائع کرایا،

کلیات حسن دہلوی،

مرتبہ مولوی مسعود علی محوی بی اے (علیگ) سابق سشن جج سرکار آصفیہ ضخامت مجموعی ۶۲۶ صفحہ مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس، حیدر آباد دکن، قیمت درج نہین،

امیر حسن دہلوی، اور حضرت امیر خسرو باہم معاصر اور تصوف کے ایک ہی سلسلے مین منسلک ہین، لیکن دونون یکسان طور پر خوش قسمت نہین ہین، ریاست حیدر آباد کی فیاضی، اور نواب اسحاق خان مرحوم کے ذوق تصوف سے حضرت امیر خسرو کی متعدد مثنویان نہایت آب وتاب سے شائع ہوچکی ہین، لیکن امیر حسن کے دیوان کے قلمی نسخون سے کیڑون کے سوا اور کسی نے اب تک فائدہ نہین اٹھایا، لیکن مقام مسرت ہے کہ سرزمین حیدر آباد ہی سے اس دیوان کی اشاعت کے سروسامان بھی بہم پہنچے، اور ہز اکسلنسی سر مہاراجہ کشن پرشاد بہادر نے مصارف کا بار اپنے ذمہ لیکر اس دیوان کی طباعت واشاعت کی خدمت مولوی مسعود علی بی اے (علیگ) سابق سشن جج سرکار آصفیہ کے متعلق کی اور ان کی دو ڈھائی سال کی کاوش ومحنت سے اس دیوان کا ایک نہایت عمدہ اڈیشن جس کا نام شاد

ایڈیشن ہے شائع ہوگیا،

حق یہ ہے کہ حضرت حسن دہلوی کا حق بھی اہل دکن ہی پر تھا، انھون نے سرزمین دکن مین وفات پائی، اور وہین اورنگ آباد کے قریب خلد آباد مین وہ خلد نشین مدفون ہین، کتاب کے آغاز مین اونکے مزار کا فوٹو بھی دیا گیا ہے اور ان کے دیوان کی اشاعت کی طرف سر مہاراجہ کشن پرشاد کی توجہ جن اسباب کی بنا پر منذول ہوئی ہے ان مین اس مزار کو بھی دخل ہے، فوٹو کے بعد دو تین صفحون مین سر مہاراجہ کشن پرشاد بالقابہ کی تمہید ہے، جس مین انھون نے اس دیوان کی اشاعت کی طرف اپنی توجہ منذول کرنے کے اسباب بتائے ہین، پھر ۱۰۶ صفحات مین مولوی مسعود علی محوی کا ایک پر مغز دیباچہ ہے، جس مین امیر حسن کے سوانح وشاعری وغیرہ سے بحث کیگئی ہے، اس کے بعد ۵ صفحون مین اس دیباچہ کا ضمیمہ ہے، جس مین اس دیوان کی ترتیب تصحیح وطباعت وغیرہ کا حال درج ہے، ترتیب کی شکل یہ ہے کہ ایک نسخہ کو اصل قرار دیا گیا ہے، اور جو غزلین یا نظمین اصل مین نہ تھین وہ دوسرے دیوانون سے نقل کرکے اس مین داخل کی گئی ہین، لیکن ان دیوانون کی کل تعداد پانچ سے زیادہ نہین، اور سب کے سب حیدر آباد کے کتب خانون سے تعلق رکھتے ہین، اگر فاضل مرتب نے حدود حیدر آباد سے قدم آگے بڑھایا ہوتا تو اور بھی بہت سے نسخے مل سکتے تھے، ایک قلمی نسخہ تو خود دار المصنفین کے کتبخانے مین موجود ہے، اور ایک نہایت عمدہ اور قدیم نسخہ نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شروانی کی لائبریری مین ہے، ان کے علاوہ اگر تلاش کیجاتی تو اور نسخے مل سکتے تھے، ان سب کے بعد اصل دیوان شروع ہو کر ۶۲۳ صفحات مین ختم ہوتا ہے، جس کا بیشتر حصہ تو غزلیات پر مشتمل ہے، ان کے علاوہ اخیر مین قصائد، رباعیات اور مثنویان وغیرہ ہین،

اس دیوان کا دیباچہ فاضل مرتب نے نہایت کاوش اور محنت سے لکھا ہے، سب سے پہلے امیر حسن کے حالات کے متعلق حسب ذیل تاریخون اور تذکرون کی اصل عبارتین نقل کی ہین،

(۱) تاریخ فیروز شاہی،

(۲) سیر الاولیاء مولفہ محمد مبارک العلوی الکرمانی المدعو بامیر خورد،

(۳) سیر العارفین حامد بن فضل اللہ المخاطب بہ جلال،

(۴) تاریخ فرشتہ،

(۵) اخبار الاخیار مولنا شاہ عبدالحق محدث دہلوی،

(۶) تذکرۂ بہارستان شاہ نواز خان،

اس کے بعد ان کے حالات لکھے ہیں، اور جو باتین ان مین قابل تنقید تھین، اور اونہی نے عام طور پر شہرت حاصل کرلی تھی، ان کی تنقید کی ہے، اور اس سے حسب ذیل نتائج نکالے ہین،

(۱) ان کا مولد دلی نہیں بلکہ بدایون ہے،

(۲) یہ واقعہ غلط ہے کہ امیر خسرو ایک نان بائی کی دوکان پر حسن کو دیکھ کر فریفتہ ہوگئے،

اسی قسم کی اور بھی بعض تنقیدی باتین ہین، اور اسی کے ساتھ جن بادشاہون اور سلطنتون سے امیر حسن کو تعلق رہا ہے ان کے متعلق بھی دلچسپ اور مفصل معلومات اس سوانح کا جزو ہین، حالات کے بعد امیر حسن کی شاعری پر مفصل ریویو لکھا ہے، پہلے تو وہ رائین نقل کی ہین جو امیر حسن کے کلام کے متعلق ان کے معاصرین و متاخرین نے قائم کی ہین، اور اسی سلسلے مین وہ اشعار بھی نقل کئے ہیں جو حسن نے اپنے اشعار کے متعلق تعلی و تفاخر کے طور پر کہے ہین، کیونکہ ان سے اپنے کلام کے متعلق خود حسن کی رائے معلوم ہوتی ہے،

اس کے بعد خود اپنی رائے ظاہر کی ہے، اور ان کے کلام کی ۱۴ خصوصیات بتائی ہیں، ان کے منتخب اشعار نقل کئے ہیں، اور سعدی اور امیر خسرو کی ہم طرح غزلون سے ان کا موازنہ کیا ہے، اس طرح ایک علمی چیز علمی قالب مین اہل نظر کے سامنے آگئی ہے، یقین ہے کہ عام طور پر اسکی قدردانی کیجائے گی،

"ع"

مطبوعاتِ جدیدہ

التصریح فی شرح التشریح مع حاشیۃ الجلیلۃ الفخیمۃ، از مولانا محمد عبد الاحد الہ آبادی مرحوم، ۲۳۰ صفحے بڑی تقطیع کاغذ ، لکھائی چھپائی عمدہ قیمت ۴ر، پتہ جناب شیخ عبد الحق وکیل عدالت دیوانی، الہ آباد،

کتاب التصریح، علم ہیئت کی مشہور و متداول کتاب ہے، مولانا عبد الاحد صاحب الہ آبادی نے اس پر حواشی لکھے تھے جو ابھی تک طبع نہین ہوئے تھے، موصوف کے خلف الرشید جناب شیخ عبد الحق صاحب وکیل نے اوسے مدارس کے علماء و طلبہ کیلئے طبع کرایا ہے، متن مین جلی قلم سے التصریح، اور خفی خط مین قدیم عربی کتابون کے طرز پر حواشی ثبت مین، چونکہ عربی خوان کے درس مین یہ کتاب داخل ہے، اور اون کو محشّی کتابون کی تلاش رہتی ہے، اسلئے امید ہے کہ وہ اس نسخہ کی قدر کرین گے،

رسالۃ المعراج، از مولانا سید اشرف صاحب شمسی، ناشر جناب سید جلال ید اللّٰہی تاجر کتب چھتہ بازار حیدر آباد دکن، ۵۲ صفحے، قیمت ۱۲ر

یہ رسالہ معراج نبوی کے تذکرہ مین ہی، معراج کی تفصیل کرکے بتایا ہے، کہ معراج جسمانی بذریعۂ براق ہوئی اور اسی کو مذہبِ حق لکھا ہے، اور آخر مین محالاتِ عقلی کو رد کیا ہے،

خواجۂ ہندوستان، از جناب سید حامد حسین اثر بی اے، وکیل ۳۲ صفحے، قیمت ۲ر، پتہ: نعمت اللہ جنرل مرچنٹ، مدار گیٹ، اجمیر،

اس مین حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے سوانحِ حیات و مناقب و مساعیِ تبلیغِ اسلام نظم مین بیان کیے گئے ہین

نعرۂ اتحاد، اس رسالہ مین جناب میر ولایت علی صاحب نے قرآن مجید کی تعلیمات پیش فرما کر دعوت دی ہی کہ صرف ایمان و عملِ صالح پر استوار ہوکر اسلام کے تمام فرقے متحد ہو جائین، رسالہ مؤلف سے محلہ اعظم پورہ حیدر آباد کے پتہ سے مفت مل سکتا ہی،

مساواتِ اسلامیہ، از جناب شیر محمد صاحب قادری کاکوروی نظیر آباد لکھنؤ، ۱۰ صفحے، قیمت ۲ر

اس رسالہ مین اسلامی مساوات کی تعلیمات پیش کی ہین، اور بتایا ہی کہ اسلام مین نسلی امتیازات کا اعتبار نہین،

القول الجامع فی تحقیق جواز تعدد الجمع والجوامع (عربی) از مولانا عبد الحق صاحب مدنی، مدرس مدرسہ اسلامیہ، مراد آباد، ۶۵ صفحے،

اس رسالہ مین دکھایا گیا ہے، کہ جمعہ کی نماز شہر کی مسجد جامع ہی مین صرف ہونی چاہیے، مسجد کی تنگی یا بُعدِ مسافت کے لحاظ سے ایک سے زیادہ مسجدوں مین جمعہ کی نماز پڑھی جا سکتی ہے، لیکن محلہ محلہ مسجدون مین جمعہ قائم کرنا جائز نہین، رسالہ پر مولانا حسین احمد صاحب و دیگر علماے دیوبند کی تصدیق و تقریظ درج ہین،

خمخانۂ امید، از جناب سید بشارت علی صاحب بشارت، دہلوی، ۴۰ صفحے، قیمت: ۔ ۸ر پتہ جناب ماسٹر سلامت علی صاحب مضطر بیت البشارت، قرول باغ، دہلی،

یہ جناب بشارت دہلوی کی قومی نظمون کا مجموعہ ہے، اسمین بعض نظمین سیرتِ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر ہین، اور اکثر نظمون مین نوجوانانِ اسلام کو اصلاحِ حال کی دعوت دی گئی ہے،

ریاضِ عبقری، از جناب حاجی محمد فاضل صاحب عبقری، بریلوی مرحوم ناشر منشی محمد کامل صاحب کامل پتہ نظامی پریس، قیمت: ۔ عہ ر ۱۴۴ صفحے، لکھائی، چھپائی کاغذ عمدہ،

جناب حاجی محمد فاضل صاحب عبقری بریلی مین اردو کے کہنہ مشق قادر الکلام شاعر تھے، اور آج سے ربع صدی پیشتر کے رسائل مین اونکی غزلین اہتمام کے ساتھ چھپتی تھین، موصوف کا کلام ریاضِ عبقری کے نام سے چھپا ہے، یہ مجموعہ دو حصون پر مشتمل ہے، پہلے حصہ مین غزلیات ہین، اور اس پر جناب آسی چاندپوری کا مقدمہ ہی، دوسرے مین مذہبی، قومی اور سیاسی

نظمیں ہیں، اور اس پر جناب قمر صاحب بدایونی نے مقدمہ تحریر کیا ہے،

عثمانی قاعدہ، از جناب واحدہ خانم، ۴۸ صفحے، پتہ کلیۃ القرآن نرسمراج روڈ بنگلور،

بچون کو قرآن مجید پڑھانے کیلئے یہ قاعدہ مرتب کیا گیا ہے، ابتدا میں اساتذہ کیلئے ہدایتیں درج ہیں،

گلبانگ، از جناب سید محمود اعظم فہمی، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی، ۸۰ صفحے، قیمت ۸ر

یہ جناب فہمی کی قومی و وطنی نظمون کا منتخب مجموعہ ہے نظمیں پرجوش اور ولولہ انگیز ہیں، کتاب میں کہیں کہیں املار کی غلطیاں رہ گئی ہیں، مثلاً "غیض و غضب" صلا۳۲

حدیثِ ادب، از جناب احسان بن دانش صاحب کاندھلوی ناشر ذیشان بک ڈپو، مزنگ لاہور، حجم ۱۹۰ صفحے، قیمت عہر

جناب احسان بن دانش اردو کے نوجوان شعرا میں روشناس ہو چکے ہیں، حدیثِ ادب ان کی غزلون کا مجموعہ ہے، مصنف نے عام طرز کے خلاف اپنے تعارف کے لئے کسی کے سامنے دستِ سوال نہین بڑھایا، بلکہ اپنے تعارف مین خود اپنے کلام کو پیش کیا ہے، جو یقیناً اون تعارف کے مقدمون سے زیادہ اثرانداز ہے، امید ہے کہ موصوف مستقبل مین ایک اچھے شاعر ہون گے، احسان بن دانش اردو شاعری کے "دورِ جدید" کے شاعر ہین، قوافی وغیرہ مین ان اصلاحات کے پابند ہین، جو قدیم شاعری مین دورِ حاضر کے شعرا نے رائج کی ہین،

خاقانیِ ہند، از جناب میان محمد رفیق خاور ایم اے، رفیق منزل، باغبورہ، لاہور، ۲۴۰ صفحے تقطیع چھوٹی، کاغذ لکھائی چھپائی معمولی، **قیمت** عہر

"خاقانیِ ہند" مین ذوق کی شاعری کا ایک مغربی انداز مین مطالعہ کیا گیا ہے، مؤلف کے پیشِ نظر سید عبد اللطیف صاحب کی کتاب "غالب" ہے، "خاقانیِ ہند" کے ابواب بھی تقریباً وہی ہین، اصولِ تنقید، "سوانح حیات" "ماحول اور اس کے اثرات" "ملکاتِ وجدان اور شخصیت" "موازنہ ذوق و غالب" اصولِ تنقید تقریباً سب مغربی ٹکسال مین ڈھالے گئے ہین، مصنف نے اردو شاعری کے تقریباً تمام اصناف کو قابلِ اصلاح قرار دیا ہے، ماحول اور اوس کے اثرات دکھا کر بتایا ہے، کہ ذوق معمولی

گھرانے کے ایک فرد تھے، بازاری مذاق طبیعت پر چھا گیا تھا، بازاری زبان اور محاورات بھی زبان پر چڑھ گئے تھے، پھر امراء کی مصاحبت نے اس کڑوے کریلے پر اور نیم چڑھا دیا، آخر مین نتیجہ یہ نکالا کہ "ذوق غیر فطری شاعر تھے" ہمکو صرف اسقدر کہنا ہے، کہ اس رائے کے اظہار مین شدت برتی گئی ہے، اور ان مین سے بہت سے الزامات صحیح بھی نہین ہین، غزلون مین گو اون کا رنگ خاص نہ ہو، مگر قصائد مین وہ بہرحال "خاقانی ہند" ہین، اور اس لقب کا اون سے چھیننا آسان نہین ہے،

تنقید کا صحیح معیار

از جناب کاظم دہلوی نمبر ۳۲۲۵ گلی شاہ تارا دہلی، ضخامت ۴۰ صفحے کاغذ لکھائی چھپائی معمولی، **قیمت** :- ۴ر

یہ مقامی شاعرانہ نوک جھونک کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جسمین چند مختلف شعراء کے نام بڑھا کر رسالہ مین عمومیت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، رسالہ مین اقبال، جوش، خانصاحب احمد حسین خان، خواجہ حسن نظامی، اکبر حیدرآبادی، اور یگانہ چنگیزی لکھنوی سابق مرزا یاس عظیم آبادی وغیرہ پر تنقیدین ہین، تنقید کی زبان اور لب ولہجہ قابل گرفت ہے اسکو ہم تنقید کا صحیح معیار ہرگز نہین کہہ سکتے،

مین منکر حدیث کیون ہوا؟

۳۰ صفحے، دفتر بلاغ امرتسر،

"خنگو صاحب جو کبھی صوبہ متحدہ کے ایک رسالہ مین اپنی "تحقیقات انیقہ" کی اشاعت فرماتے تھے، کسی خانگی مصلحت سے اب اونھون نے چند سال سے صوبہ متحدہ کو چھوڑ کر صوبہ پنجاب کو اس کام کے لئے منتخب کیا ہے، حق کیلئے بیباکی اور بے خوفی کی یہ بہترین مثال ہے، اسی رسالہ مین موصوف نے "حدیث و تاریخ تدوین حدیث" پر مستشرقانہ وعیسائیانہ تحقیقات سے مرعوب و متاثر ہو کر اعتراضات کئے ہین، اور اون کو "مین منکر حدیث کیون ہوا" کے عنوان سے چھپوایا ہے، خنگو صاحب ایسے حق گو ہین، کہ اون کو اپنے نام کے ظاہر کرنے کی بھی جرأت نہین ہوئی، حالانکہ اس صوبہ کے ہوم ممبر اب نہ نواب صاحب چھتاری ہین، اور نہ نواب بہادر سر مزمل اللہ خان صاحب، یہ اون لوگون کا حال ہے، جو محدثین کرام پر سلاطین وقت سے ڈرنے اور اون کی چاپلوسی مین اسلام کے بگاڑنے کا الزام قائم کرتے ہین، بہرحال ان اعتراضات کے جوابات، بار بار دئے جا چکے ہین، تاہم یہ معترض کے نزدیک وہ "قند مکرر" ہے، جسکو بار با

دہرا کر اپنے علم و فضل کی منادی کرنے مین لطف آتا ہے، حالانکہ اہلِ علم کی نگاہ مین اوس سے اون کی جہالت کا پردہ بار بار فاش ہوتا ہے،

نصرۃ الحدیث از مولانا ابو المآثر حبیب الرحمٰن صاحب صدر مدرس مدرسہ مفتاح العلوم مئو اعظم گڈھ، حجم ۱۳۱ صفحے،

پتہ :- مولوی پیرزادہ محمد بہار الحق قاسمی منزل، دروازہ گلوالی، امرتسر،

یہ اوسی مذکورہ بالا زہر کا تریاق ہے، جو قصۂ زمین برسرِ زمین کے اصول پر امرتسر سے شائع کیا گیا ہے، اس رسالہ مین رسالۂ سابق کے تمام تدلیسات کا پردہ بدلائل چاک کیا گیا ہے، اور تمام دلائل اور بیانات کے تار پود بکھیر کر رکھدیے گئے ہین، ناشر کے پاس ۵ر کے ٹکٹ بھیجنے پر رسالہ ملسکتا ہے،

الارشاد الی سبیل الرشاد، مؤلفہ مولوی پیرزادہ محمد بہار الحق قاسمی منزل دروازہ گلوالی امرتسر،

حجم ۶۰ صفحے، **قیمت** :- ۲ر

یہ رسالہ بریلوی و حنفی مناظرات کے مسائل بشریتِ انبیاء، اور علم غیب نبوی وغیرہ مین ہے جس مین احناف کی طرف سے بریلیون کو جوابات دیے گئے ہین،

جگر و اصغر کے سو سو شعر، مرتبہ جناب محمود علی خان صاحب، **قیمت**، ہر یک ۴ر، پتہ، مکتبہ جامعہ ملیہ، قرول باغ، دہلی،

مکتبہ جامعہ نے ان دونون شعرا کے سو سو شعر منتخب کراکر جیبی تقطیع پر خوش خط و خوش منظر رسالہ کی شکل مین شائع کیا ہے، دونون کے سرورق پر دونون شعرا کی تصویرین ہین، اور اندر مرتب کی طرف سے شعرا کے سوانح، پھر اشعار درج ہین، گو انتخاب کا معاملہ تمامتر ذوقی ہے، تاہم منتخبات اکثر قابلِ انتخاب ہین،

باز کے سو شعر، مرتبہ جناب محمد واجد علی خان جاوید، پتہ :- کاشانۂ باز، بازار گھانسی حیدرآباد دکن،

اوسی طرز پر حیدرآباد کے شاعر جناب محمد تراب علی خان صاحب باز کے سو شعر منتخب کرکے چھاپے گئے ہین، ابتدا مین جناب حکیم الشعرا حضرت امجد حیدرآبادی کا تعارف نامہ پھر جناب باز کی مختصر سرگذشت اور پھر منتخب اشعار ہین،

نوادر، مؤلفہ جناب مرزا محمد عسکری بی اے، حکیم عبد العزیز روڈ لکھنؤ ۲۶۲ صفحات تقطیع چھوٹی قیمت عمر،

یہ لطائف وظرائف کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے، جو عربی فارسی اور انگریزی کے لطائف کے مجموعوں سے مرتب ہوا ہے، کہین کہین مصنف نے اپنے اور اپنے ملنے والون کی دلچسپ روایتین بھی درج کی ہین، ان لطائف وظرائف کو مختلف عنوانون مین تقسیم کیا ہے، مثلاً آنحضرت صلعم صحابہ، ائمہ محدثین، فقہاء، قضاۃ، علماء وغیرہ کے لطائف علٰحدہ علٰحدہ، اسی طرح مختلف ممالک کے شعراء کے لطائف جداگانہ ہین، پھر اسی نوعیت سے شعر کے لطائف، عدالتی لطائف، علمی تعلیمی طبی اور کاروباری لطائف، پھر چورون پرُخورون اور طفیلیون کے لطائف درج ہین، کتاب دل بہلانے کیلئے بجد دلچسپ ہے، اور اچھے اندازِ بیان مین لکھی گئی ہے، ہمارے ہندوستان کے مختلف مشاہیر کے دلچسپ لطائف بھی خوب ہین، آخر مین فہرستِ اسماء منسلک ہے،

چراغ امین، از فکری سلطان پوری، پتہ کنور احمد اعتبار حسین خان ہاری مئو، ڈاکخانہ جگدیش پور ضلع سلطان پور، حجم ۹۶ صفحے، قیمت :- عار

کنور احمد صیانت الزمان صاحب فکری سلطانپوری کے کلام کا یہ مجموعہ ہے، یہ مجموعہ بجائے کسی شخص خاص کے ملک کے تیرہ مشاہیر کے نام معنون ہے، اور غالباً یہ اس مجموعہ کی سب سے پہلی جدت ہے مجموعہ دو حصون مین منقسم ہے، ایک نظمیات جسمین مختلف عنوانات پر نظمین ہین، جیسے اعلان صداقت، صلاح الدین ایوبی، شعرائے لکھنؤ سے خطاب، احساسِ غیرت، اپنی قوم سے خطاب، دوسرا حصہ، غزلیات پر مشتمل ہے، جو ترتیبِ حروفِ تہجی کے عام اصول کے خلاف، بغیر کسی خاص ترتیب کے جمع کئے گئے ہین، آخر مین چند صفحے متفرقات کے ہین، شعر کی زبان صاف اور طرز ادا پسندیدہ ہے، شاعر، سید حسرت موہانی، حضرت جگر، اور اصغر کے طرزِ کلام سے متاثر معلوم ہوتا ہے،

مشاہیر امت، از قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند، پتہ، کتبخانہ مطبع قاسمی، دیوبند ص ۶۴، قیمت :- ۶ر

علامہ ذہبی نے اپنے ایک مکتوب مین جو تاریخ الخلفاء مین درج ہے، مختلف علوم وفنون کے بانی یا

ماہر اکابر اور ممتاز اخلاقی صفات سے متصف صحابۂ کرام کے نام یکجا کئے ہیں، قاری صاحب نے اپنی طالب علمی کے عہد میں ان بزرگوں کے ناموں کو عربی نظم میں پرویا تھا، اب اونھوں نے اپنی اس عربی نظم کی اردو میں شرح لکھی ہے، اور ان دونوں کے مجموعوں کو مشاہیرِ امت کے نام سے چھپوایا ہے، شرح میں ان اشخاص کے مزید حالات جن سے ان کے اوصافِ خاص کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے، لکھے ہیں،

بہاء اللہ اور میرزا، از مولانا ثناء اللہ امرتسری، ۶۰ صفحے، پتہ کتب خانہ ثنائیہ امرتسر، قیمت ۲ر

ایران کے بہاء اللہ اور قادیان کے مرزا غلام احمد کے دعاوی اور دلائل خود انہی کے الفاظ میں دکھا کر یہ ثابت کیا گیا ہے، کہ میرزا صاحب اپنے دعووں اور دلیلوں میں مجتہد نہیں، بلکہ بہاء اللہ کے مقلد ہیں، آخر میں بہائی مذہب کے عقائد لکھے ہیں،

ارکان اسلام، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، ضخامت ۴۴ صفحے، قیمت ۲ر

بچوں کیلئے یہ دینیات کی چوتھی کتاب ہے، اس میں اسلام کے ارکانِ خمسہ، کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی تفصیل ہی، اور بچوں کے فہم کے مطابق ہر ایک کے آسان مسائل لکھے ہیں، زبان صاف اور آسان رکھی گئی ہی، امید ہے بچوں کیلئے یہ کتاب مفید ہو گی، اور وہ اسکو دلچسپی کے ساتھ پڑھیں گے،

افلاس ہند، اور اوس کے متعلقہ معاشیاتی مسائل، تقطیع خورد ضخامت ۱۴۴ صفحے مطبوعہ اسٹار پریس الہ آباد

گجرات کالج بمبئی کے پروفیسر معاشیات جی فنڈلے شیراز ایم اے، نے افلاس ہند اور اوس کے متعلقہ معاشی مسائل پر ایک خاص نقطۂ نظر سے ایک مختصر رسالہ انگریزی میں لکھا تھا، جس کی قدر ہندوستان کے سرکاری حلقوں میں حد سے زیادہ کی گئی، جناب راغب احسن صاحب نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہی، کتاب ایسے مسائل و مباحث پر مشتمل ہی، جنکی اردو داں طبقہ کو سخت ضرورت ہے، یہ مباحث و معلومات گو خاص ترتیب کے ساتھ اور خاص نتائج نکالنے کیلئے مرتب کئے گئے ہیں، تاہم توسیع علم کیلئے اون کا مطالعہ بہر حال مفید ہے،

نوجوان ورتھر کی داستان غم، مترجمہ ریاض الحسن صاحب ایم اے، پتہ، لٹریری سنڈیکیٹ

نمبر ۱ بیلی روڈ، الہ آباد، ص ۱۴۴ صفحے، قیمت عمر

مشہور جرمن فلاسفر اور ادیب و شاعر نے اس نام سے ایک دلچسپ داستانِ حیات لکھی تھی، جو یورپ مین بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی، ریاض الحسن صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہین، کہ اونھون نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے اور ساتھ ہی اس پر ۵۰ صفحون کا ایک مقدمہ لکھا ہے، جسمین گوئٹے کی سوانحِ زندگی، تصنیفات، اور فلسفہ پر تبصرہ کیا ہے، کتاب نہایت دلچسپ، مفید اور انسانی نفسیات کے پوشیدہ اسرار کی ترجمان ہے، ترجمہ مین سلاست و روانی کی کوشش کی گئی ہے، تاہم تعجب ہے کہ زبان کی غلطیان جابجا نظر آتی ہین، شاید مترجم کو اپنے ترجمہ پر نظرِ ثانی کی فرصت نہین ملی،

سوال وجواب تصوراتِ قطبی

از مولوی محمد شریف صاحب مصطفےٰ آبادی سلیمانی پریس بنارس،

قطبی عربی منطق مین ایک مشہور و متداول کتاب ہے، اور عربی مدارس کے کورس مین عموماً داخل ہے، مولوی محمد شریف صاحب نے انھیں طلبہ کی فیض رسانی کے لئے اس کتاب کے حصۂ تصورات کے مسائل کو فارسی زبان مین سوال وجواب کی صورت مین مرتب کیا ہے،

شعر الحکم

جلد دوم از ضامن حسین صاحب نقوی گویا، جہان آبادی، پتہ:- مصنف سے عدالت ججی بریلی سے ملے گی، **قیمت** ۸؍، ۱۱۰ صفحے،

یہ گویا جہان آبادی صاحب کی مختلف نظمون کا دلچسپ مجموعہ ہے، شروع مین مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کے قلم سے چند صفحون کا تعارف نامہ ہے، پھر مصنف کے مختصر دیباچہ کے بعد اصل کتاب کے ابواب ہین، کتاب تین بابون پر منقسم ہے، پہلا غزلون اور رباعیون کا مجموعہ ہے، دوسرا نعت و مناقب کا، اور تیسرا مختلف نظمون کا، گویا کی نظمین نہایت صاف ستھری اور کہین کہین فلسفیانہ رنگ مین ڈوبی ہوئی ہین، رباعیات بھی عموماً صاف اور روان اور شگفتہ ہین، کہین کہین تو کلامِ اکبر کا دھوکا ہوتا ہے، حسرت کا رنگ بھی صاف جھلکتا ہے، امید ہے کہ اردو کے شائقین اسکی قدر کرین گے،

"س"

جلد ۳۴ | ماہ رجب ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۳۴ء | عدد ۵

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۳۲۲-۳۲۴
کیا علم حدیث پر سلطنت کا اثر پڑا ہے؟	مولنا عبد السلام ندوی	۳۲۵-۳۴۲
ملتان سے لکھنؤ،	سید سلیمان ندوی،	۳۴۲-۳۵۰
اختر بہاری مرحوم،	جناب محمد معین الدین دردائی متعلم بی اے مسلم یونیورسٹی	۳۵۱-۳۶۵
اسلامی ہند کی تاریخ،	خان بہادر مولوی محمد حسین خانصاحب سابق ڈپٹی اکونٹنٹ جنرل، گورنمنٹ آف انڈیا و سابق فینانس منسٹر، رامپور،	۳۶۶-۳۶۹
ایران کا جدید ضابطۂ قانون،	"ع ز"	۳۷۰-۳۷۳
کیا سائنس نے ضرورت سے زیادہ ترقی کرلی ہے؟	〃	۳۷۳-۳۷۶
اخبار علمیہ،	〃	۳۷۷-۳۸۰
کلام طاہر،	جناب نواب صفی الدولہ حسام الملک شمس العلماء سید علی حسن خانصاحب طاہر بھوپال ہاؤس لکھنؤ	۳۸۱
خونِ جگر،	جناب جگر مرادآبادی،	۳۸۲
جامِ صہبائی،	جناب عبد السمیع پال صاحب آثر صہبائی وکیل سیالکوٹ،	۳۸۲-۳۸۳
مکالمۂ تدبیر و تقدیر،	جناب مولنا کیفی چریاکوٹی، ہندوستانی اکاڈمی، الہ آباد،	۳۸۳-۳۸۴
"تحفۂ سامی"	"س"	۳۸۵-۳۹۲
مطبوعاتِ جدیدہ،	"ر"	۳۹۳-۴۰۰

شذرات

ہندوستان کی ایک مکمل اسلامی تاریخ کی ترتیب و تدوین کی تحریک معارف کے صفحات مین بار بار پیش کیگئی ہے، آج اسی سلسلہ مین خان بہادر مولوی محمد حسین خانصاحب سابق ڈپٹی اکونٹنٹ گورنمنٹ آف انڈیا (مصنف تزک عبدالرحمانی وغیرہ) کی ایک تحریر شائع کیجارہی ہے، موصوف ہماری زبان کے پرانے صاحب قلم ہین، اور اس ضرورت کے احساس کرنے کا موقع بھی ان کو اچھا خاصہ ملا ہے، دوسرے اکابر کی تحریرین بھی اس باب مین وقتاً فوقتاً موصول ہوتی رہتی ہین اس سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ اس کام کے ضروری ہونے مین کسی شک و شبہہ کی گنجایش نہین،

* * *

۱۹۳۲ء کے معارف (بابت ماہ نومبر و دسمبر) مین پروفیسر شیخ عبدالقادر (پونہ) کی تحریر اسی مسئلہ کے متعلق جب شائع ہوئی تھی تو ہم نے اس مجوزہ تاریخ کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا تھا، اسی کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیا تھا کہ اس کام کو شروع کرنے کے لیے کم از کم پانچہزار روپیے کی ضرورت ہے، ہم کو اس بات کے ظاہر کرنے مین خوشی ہے کہ جناب مولوی محمد حسین خان صاحب نے نہ صرف اس کام کی زبانی تحریک فرمائی ہے، بلکہ وہ اس کام کی مالی امداد مین بھی حصہ لینے کو تیار ہین چنانچہ سر دست پانچسو روپیے اس کام کے لئے عنایت فرمائین گے،

* * *

تاریخ ہند کے سلسلہ مین ہندوستان کے اسلامی تمدن کی تاریخ کا کام تقریباً دو سال سے یہان جاری ہے، اور اُسکے لئے تمام ضروری معلومات فراہم کئے جارہے ہین، ہماری مجلس کے صدر نشین نواب صدر یار جنگ بہادر مولنا حبیب الرحمان خان شیروانی نے ایک سال تک پچاس ۵۰ روپیہ ماہوار کی امداد اسکے لئے منظور فرمائی ہے، ہم اپنے ان دونون قومی محسنون کے شکر گذار ہین، اور اب ہماری نگاہین دوسرے دردمند و علم دوست ارباب ہمم کی طرف اٹھی ہوئی ہین، اور اُن کے حوصلہ افزا

جواب کا انتظار ہے،

* * *

خیال ہے کہ یہ کتاب چودہ جلدون مین لکھی جائے، پہلی جلد آغازِ اسلام سے غزنوی خاندان کے ظہور تک کے واقعات پر مشتمل ہوگی، مولوی سید ابو ظفر صاحب ندوی جو دس پندرہ برس سے تاریخ ہند کا عموماً اور اس دورِ اول کی تاریخ کا خصوصاً محققانہ مطالعہ کر رہے ہین، اس جلد کی ترتیب و تالیف کا کام انجام دینگے،

* * *

اس سال ابھی تک **دار المصنفین** کی طرف سے کوئی نئی کتاب شائع نہ ہو سکی، افکارِ عصریہ بالکل چھپکر تیار ہے، صرف فہرست و لوح اور بعض ضمیمے باقی ہین، مقالاتِ شبلی کا حصۂ چہارم جس مین مولنا شبلی مرحوم کے قلم سے مطبوعہ اور قلمی کتابون پر تبصرے یکجا کئے گئے ہین، نصف سے زیادہ چھپ گیا ہے، ایک اور کتاب موجودہ فرمانروایانِ عرب کی چھپائی بھی ختم کے قریب ہے، اور تاریخ صقلیہ جلد دوم کی کتابت ہو رہی ہے، غالباً یہ آیندہ سال شائع ہو،

* * *

آجکل ہندوستان، مصر، عراق اور کابل کے اسلامی اخبارون اور رسالون مین جاپان مین اشاعتِ اسلام کی خبرین بڑے زور شور سے گشت لگا رہی ہین، بدگمانی کا برا ہو، اگر یہ خبرین جاپان کی اس کوشش کا نتیجہ نہین کہ مسلمانون کی ہمدردی حاصل کرکے اسلامی ملکون کے بازار ہاتھ مین لائے جائین، تو ہم کو ان افواہون سے کم از کم فالِ نیک کی بھنک تو معلوم ہوتی ہے، جاپان مین ہندوستان کے مسلمان تاجرون کا اچھا خاصہ گروہ پہلے سے موجود تھا، پھر بالشویک روس سے بھاگ کر بعض ترکی و تاتاری مسلمان وہان آباد ہوگئے ہین، تازہ واقعہ یہ ہے کہ منچوریا جہان مسلمان رعایا کی خاصی تعداد ہے جاپان کے زیرِ اقتدار باقاعدہ آگیا ہے، اور ادھر جاپانی تاجرون نے اسلامی ملکون کے بازارون کی تلاش مین براہِ راست آمد و رفت شروع کر دی ہے، غرض ان گوناگون تعلقات نے جاپان مین اسلام کی اشاعت کے امکان کو بہت کچھ وسعت دیدی ہے،

* * *

ندوۃ العلماء کے تعلیم یافتہ دوستون مین مولوی محمد شاکر صاحب ندوی (بڑودہ) جاپان مین تجارت کرتے ہین، سنہ ۱۹۳۳ء مین اُن سے بڑودہ مین ملاقات ہوئی تھی، وہ کہتے تھے کہ اس راہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ اسلامی فرقون کے مختلف افراد جو وہان جمع ہین وہ باہم مل جل کر کام کرین، چنانچہ ایک دو سال انکی کوشش سے یہ ہوا کہ عیدین کی نمازین سب مسلمانون نے ایک جگہ مل کر ادا کین،

* * *

ابھی پچھلے ستمبر مین ہم کو جاپان سے ایک مسلمان ہندوستانی فاضل پروفیسر نور الحسن برلاس صاحب کا خط موصول ہوا، موصوف جاپان کے پایہ تخت ٹوکیو کے مدرسۂ السنہ خارجہ (اسکول آف فارن لنگوئجز) مین تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دیتے ہین، وہ لکھتے ہین کہ انکے مدرسہ کے کتبخانہ مین اردو کی معتدبہ کتابین ہین، مولنا شبلی مرحوم کی تمام تصنیفات ہین، لیکن ضرورت یہ ہے کہ انگریزی زبان مین اسلامی لٹریچر وہان فراہم کیا جائے، موصوف لکھتے ہین کہ مسلمانون کو موجودہ موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور اس ملک کو اپنی تبلیغی کوششون کا مرکز بنا لینا چاہئے،

* * *

پروفیسر برلاس صاحب تبلیغ اسلام کا ولولہ رکھتے ہین، اور کبھی کبھی اسلامی مسائل پر وہان انگریزی مین تقریرین کیا کرتے ہین، چنانچہ انھون نے اسلام مین عورتون کی حیثیت پر اورینٹل کلچر سمر کالج، کاروایزوا (KAYVIZAWA) مین بتاریخ ۳ راگست سنہ ۱۹۳۴ء جو انگریزی تقریر کی تھی، اس کا ایک نسخہ ہمارے پاس بھیجا ہے،

* * *

آسٹرین نومسلم محمد اسد صاحب جنکی کتاب "اسلام راہ عبور پر" کا تذکرہ پچھلے معارف مین آچکا ہے، اپنے ایک تازہ خط مین یہ خوشخبری سناتے ہین کہ انھون نے صحیح بخاری کے انگریزی ترجمہ کا کام شروع کر دیا ہے، بخاری کے تیس پارون کو مع عربی متن تیس جزؤن مین ماہوار شائع کرینگے، پہلا جزء وہ غالباً آیندہ دسمبر یا جنوری مین شائع کر دینگے، اُن کا خیال ہے کہ مسلمان نوجوانون کے سامنے "سنت محمدی" کی اصلی تصویر پیش کرنی چاہئے، تاکہ ان مین انکی پیروی کا صحیح جذبہ پیدا ہو سکے، عرفات بکڈپو، قرولباغ دہلی کے پتہ سے اس کی خریداری کی درخواستین بھیجی جائین،

مقالات

کیا علمِ حدیث پر سلطنت کا اثر پڑا ہی؟

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی،

مستشرقینِ یورپ اسلام پر اعتراض کرنے کے لئے ہر تنکے کا سہارا ڈھونڈتے ہین، اس لئے صرف اتنے تعلق سے کہ علم حدیث کی تدوین واشاعت خلفاے بنو امیہ اور خلفاے عباسیہ کے زمانے مین ہوئی، اور بعض ائمہ حدیث مثلاً مثلاً امام زہری خلفاے بنو امیہ کے ہان آمد ورفت رکھتے تھے، اور ہشام بن عبد الملک کے بچون کے معلم ومؤدب تھے، اور خلفاے عباسیہ امام مالک کے قدردان تھے، اونھون نے فنِ حدیث کی بے اعتباری ظاہر کرنے کیلئے یہ خیال قائم کرلیا ہے، کہ روایتِ حدیث پر ان خلفار کا سیاسی اثر پڑا ہے، اور ان کے ملکی مقاصد کے کامیاب بنانے کے لئے بہت سی حدیثون کی روایت کی گئی ہو، اور ان کو سیاسی قالب مین ڈھالا گیا ہو،

لیکن اگر یہ بدگمانی صحیح ہے، تو ہم کو احادیث کے تمام دفتر کا جائزہ لینا چاہئے، کہ حدیثون سے ان خلفار کے سیاسی مقاصد کی تائید ہوسکتی ہے، یا نہین، ؟ سیاسی حیثیت سے خلفاے بنو امیہ کے سب سے بڑے دشمن حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے، اور خلفاے عباسیہ کو حضرت امیر معاویہ سے بغض وعناد تھا، اسلئے اگر محدثین نے روایتِ حدیث مین ان کے سیاسی اغراض کا لحاظ رکھا ہوتا تو حدیث کی کتابین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہ کے مناقب ومثالب سے مملو نظر آتین، اور خلفاے بنو امیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مثالب اور حضرت امیر معاویہ کے مناقب مین محدثین سے بکثرت روایتیں کرواتے، اسیطرح خلفاے عباسیہ امیر معاویہ کے مثالب اور حضرت عباسؓ کے مناقب مین حدیثون کا انبار لگوا دیتے، لیکن

کیا حدیثون کے تمام ذخیرے مین اس قسم کی روایتین موجود ہین، ؟ اگر شاذ و نادر کہین ایسا ہے بھی تو محدثین نے اون کو موضوعات مین داخل کر کے پایۂ اعتبار سے ساقط کر دیا ہی،

اسی طرح سادات، فاطمیین، اور علویین بھی خلافت کے دعویدار تھے، اس لئے اگر محدثین نے سیاسی اغراض کی تکمیل کو اپنا شعار بنایا ہوتا، تو ان کے استحقاق و مناقب مین بھی احادیث کا کافی ذخیرہ نظر آتا، لیکن کیا اس قسم کی حدیثین حدیث کی کتابون مین نظر آتی ہین، ؟ بلکہ اس کے برعکس خود حدیث کی کتابون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کبھی خلفا نے در پردہ اس قسم کی خواہش کا اظہار کیا ہی، تو خود ائمۂ حدیث نے نہایت دلیری سے اون کی تردید کر دی ہی، اور اس سلسلہ مین ہم کو سب سے پہلے امام زہری کا نام نظر آتا ہے، جنھون نے دربار بنو امیہ مین اس جرأت و آزادی سے کام لیا ہی،

چنانچہ صحیح بخاری مین خود امام زہری سے روایت ہے، کہ مجھ سے ولید بن عبد الملک نے کہا، "کیا تم کو یہ روایت پہنچی ہے کہ جن لوگون نے حضرت عائشہ رض پر اتہام لگایا، اون مین علی بھی داخل تھے؛؟ مین نے کہا "نہین" البتہ تمھاری قوم کے دو آدمی یعنی ابو سلمہ بن عبد الرحمن، اور ابوبکر بن عبد الرحمن بن حارث نے مجھ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رض نے اون سے کہا کہ علی اس الزام سے بری تھے، (مسلّماً فی شانہا) خلفاے بنو امیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سب سے بڑے مخالف تھے، اور وہ چاہتے تھے، کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھی واقعۂ افک مین شریک کیا جائے، تاکہ نعوذ باللہ وہ قرآن پاک کے عتاب کے مورد قرار پائین، اس بنا پر اگر امام زہری کچھ بھی مداہنت سے کام لیتے، تو نہایت آسانی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر یہ الزام قائم کر سکتے تھے، لیکن اونھون نے ولید کے اس خیال کی صاف تردید کی،

حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین حدیث کی دوسری کتابون سے اس سے بھی زیادہ صاف اور مصرح روایتین نقل کی ہین، حلیۃ الاولیا ابو نعیم مین زہری کے حال مین ہے، کہ امام زہری کہتے ہین کہ "مین ولید بن عبد الملک کے پاس تھا کہ اوس نے یہ آیت پڑھی، :۔

والذی تولی کبرہ منہم لہ عذاب عظیم   جس نے ان مین سے اس الزام مین بڑا حصہ لیا اسکے لئے بڑا عذاب ہی؛

اور کہا کہ "یہ آیت حضرت علیؓ کی شان مین نازل ہوئی ہو"، مین نے کہا کہ "خدا امیر کی اصلاح کرے، واقعہ یہ نہین ہو مجھ سے عروہ نے خود حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے" اوس نے کہا "کیا روایت کی ہو"؟ مین نے کہا کہ "مجھ سے عروہ نے حضرت عائشہؓ سے یہ روایت کی ہے، کہ یہ آیت عبد اللہ بن ابی ابن سلول کی شان مین نازل ہوئی ہو"،

دوسری رعایت مین امام زہری کہتے ہین، کہ مین ایک رات ولید بن عبد الملک کے پاس تھا، اور وہ چت لیٹا ہوا سورۂ نور کی تلاوت کر رہا تھا جب یہ آیت پڑھی،

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآؤُا بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ۔ جن لوگون نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی وہ تم مین سے ایک گروہ تھا،

یہان تک کہ جب "وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ" تک پہنچا تو اوٹھ بیٹھا، اور کہا کہ "اے ابو بکر کیا یہ علی بن ابی طالب نہین ہین"، مین نے دل مین سوچا کہ اب کیا کہون، اگر کہتا ہون کہ نہین تو ڈر ہے کہ وہ میرے ساتھ برائی سے پیش آئے اور اگر کہتا ہون کہ ہان تو یہ ایک بہت بڑی بات ہو، مین نے کہا کہ خدا نے مجھ کو سچائی پر بھلائی کا خوگر کیا ہے، مین نے کہا کہ "نہین" ولید نے اپنی چھڑی کو تخت پر مار کر کہا تو پھر کون؟ پھر کون؟ اور اوس کو بار بار دہراتا رہا، مین نے کہا کہ "عبد اللہ بن ابی"

صرف اسی قدر نہین بلکہ بعض ناصبیون کو چونکہ یہ معلوم تھا، کہ بنو امیہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مخالف ہین، اس لئے اس جھوٹ کے ذریعہ سے ان کے مقرب بارگاہ بنا چاہتے تھے، لیکن امام زہری نے ولید پر ظاہر کر دیا، کہ حق اس کے خلاف ہو،

ایک روایت مین ہے کہ ہشام بن عبد الملک کا بھی یہی خیال تھا چنانچہ ایک بار سلیمان بن یسار اوسکے پاس آئے تو اوس نے کہا کہ "اے سلیمان

اَلَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ۔ جس نے اس الزام کا بڑا حصہ عائد کیا،

کون ہے"؟ اونھون نے کہا کہ "عبد اللہ بن ابی" بولا "جھوٹ کہتے ہو، وہ علی ہین" اونھون نے کہا کہ امیر المومنین

جو کچھ کہتے ہیں وہی اس کو خوب جانتے ہیں، پھر زہری آئے، تو ان سے بھی یہی سوال کیا، اور اونھوں نے بھی وہی جواب دیا، جو سلیمان بن یسار نے دیا تھا، اوس نے کہا کہ "تم جھوٹ کہتے ہو، وہ علی ہیں،" اونھوں نے کہا کہ "میں جھوٹ کہوں گا؟ ہ تمھارے باپ نہ ہو، اگر آسمان سے ایک منادی پکارے، کہ خدا نے جھوٹ کو حلال کر دیا ہے، تب بھی میں جھوٹ نہ بولوں گا، مجھ سے عروہ، سعید، عبید اللہ اور علقمہ نے حضرت عائشہ رضؓ سے روایت کی ہے، کہ وہ عبد اللہ بن ابی تھا،" اس واقعہ کے اخیر میں ہے کہ ہشام نے کہا کہ "ہم نے اس بڈھے کو غصہ دلا دیا۔"[1]

اب غور کرو کہ تاریخ اسلام میں واقعۂ افک سے بڑا کوئی واقعہ نہیں، خلفاے بنوامیہ اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شامل کرنا اور اوس کے متعلق محدثین کی تائید حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اگر اس قسم کی حدیثوں کے ذریعہ سے امام زہری بھی اون کے تقرب کے خواستگار ہوتے، تو وہ نہایت آسانی سے اون کی تائید کر سکتے تھے، لیکن اونھوں نے خلفاے بنوامیہ کے غیظ و غضب کی کچھ پروا نہ کی، اور حق کو ظاہر کر دیا، بلکہ ہشام کے سامنے اس سختی کے ساتھ تردید کی کہ وہ کہہ اوٹھا، کہ "ہم نے اس بڈھے کو غصہ دلایا" کیا ایسے بزرگ سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اوس نے تقرب حاصل کرنے کیلئے خلفاے بنوامیہ کے سیاسی مقاصد اور ذاتی عقائد کی تائید موضوع یا ضعیف حدیثوں سے کی ہوگی، ؟

اگر روایت حدیث سے اون کا یہ مقصد ہوتا کہ بنوامیہ کا تقرب اور اون کی خوشنودی حاصل کریں، تو ان کے مخالفین یعنی اہل بیت سے ہرگز روایت نہ کرتے، حالانکہ سلسلۂ اسناد میں نسائی کے نزدیک جو چار سلسلے سب سے بہتر ہیں اون میں ایک سلسلہ یہ ہے، الزهری عن علی بن الحسین عن ابیه عن جده[2]، اور اس پورے سلسلے میں اہل بیت کے سوا اور کسی دوسرے راوی کا نام نظر نہیں آتا،

اس سے بھی زیادہ صاف واقعہ حضرت اعمش کوفی کا ہے، جو حجاز میں امام زہری کے ہمسر تسلیم کئے جاتے تھے، ایک بار ہشام بن عبد الملک نے ان کے پاس خط بھیجا کہ حضرت عثمان رضؓ کے مناقب اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ

---

[1] فتح الباری جلد ۵ ص ۳۳۶، ۳۳۷ [2] تہذیب التہذیب ترجمہ زہری،

کے معائب لکھدین، اونھون نے خط کو بکری کے منہ مین ڈالدیا، اور وہ اوسکو چبا گئی، تو قاصد سے کہا کہ جاکر کہدو کہ یہی تمہارا جواب ہے،" قاصد نے کہا کہ اوس نے قسم کھائی ہے، کہ اگر مین جواب نہ لایا، تو وہ مجھے قتل کردیگا، اسلئے بہ ہزار اصرار انھون نے یہ جواب لکھا کہ "اے امیر المومنین اگر حضرت عثمان رضہ مین تمام دنیا کی خوبیان ہون تو وہ تیرے لئے مفید نہین، اور اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ مین تمام دنیا کی برائیان ہون تو وہ تیرے لئے مضر نہین، صرف اپنی ہی ذات کا خیال رکھ"[1] لیکن اگر وہ موضوع یا ضعیف حدیثون سے اوسکی فرمایش کی تعمیل کرنا چاہتے، تو کیا اون کو اس کا سرمایہ نہ مل سکتا،

امرائے بنو امیہ مین حجاج کی سفاکی مشہور ہے، ایک بار اوس کے سامنے حضرت حسین علیہ السلام کا ذکر آیا، تو اوس نے کہا کہ "وہ رسول اللہ صلعم کی ذریات مین داخل نہ تھے،" اس موقع پر یحییٰ بن یعمر بھی موجود تھے، اونھون نے کہا کہ "اے امیر تو جھوٹ کہتا ہے،" حجاج نے کہا کہ "اس پر قرآن سے دلیل لاؤ ورنہ مین تمکو قتل کردونگا،" انھون نے یہ آیت پڑھکر

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَ
اَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهَارُوْنَ
وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ وَزَكَرِيَّا
وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ۔
(انعام-۰۰)

انہی کی نسل مین سے داؤد اور سلیمان اور ایوب
اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون (سب) کو ہم نے
نے راہ راست دکھائی،) اور خلوص دل سے
نیک کام کرنے والون کو ہم ایسے ہی صلے عطا
فرمایا کرتے ہین، اور (اعلیٰ ہذا القیاس) زکریاؑ
اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس

کہا کہ ارشادِ الٰہی کے بموجب، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کے ذریعہ سے آدم کی نسل مین داخل ہین، اسی طرح حضرت حسین علیہ السلام بھی ماں کے توسط سے رسول اللہ صلعم کی ذریات مین داخل تھے، حجاج نے کہا کہ "سچ کہتے ہو، لیکن میری مجلس مین تم نے مجھکو کیون جھٹلایا،" بولے اس خداوندی معاہدے کی وجہ سے،

---

[1] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۲۱۳-۲۱۴

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا
الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَہٗ
فَنَبَذُوْہُ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا
بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا۔

(آل عمران - ۱۹)

اور (اے پیغمبر اہل کتاب کو وہ وقت کیون نہین یاد دلاتے) جب خدا نے اہل کتاب سے قول قرار لیا کہ (یہ کتاب جو تمکو دی گئی ہے،) لوگون سے اوس کا مطلب صاف صاف بیان کر دینا، اور اس کی (کسی بات) کو چھپانا مت، مگر اونھون نے (اس قول کی کچھ بھی پرواہ نہ کی اور) اسکو اپنے پس پشت پھینک دیا، اور اس کے عوض مین تھوڑے سے دام (یعنی دنیاوی فائدے) حاصل کئے،

اس دلیری اور حق گوئی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوس نے ان کو خراسان کی طرف جلا وطن کر دیا[1]، کیا اسی قسم کے راست باز اور حقگو لوگ، خلفاء و امراء کیلئے حدیثین بنایا کرتے تھے،؟

خلفائے بنو امیہ کی طرح امرائے عباسیہ بھی محدثین سے اپنی بعض سیاسی کارروائیون کی تائید کرانا چاہتے تھے، اور اس غرض سے اون کی رائے معلوم کرتے تھے، لیکن اس موقع پر بھی محدثین نے اپنی جان پر کھیل کر حق کا اظہار کیا، اور کسی قسم کی مداہنت سے کام نہین لیا، چنانچہ امام اوزاعی جو شام کے امام تھے، خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہین، کہ جب سفاح کا چچا عبد اللہ بن علی شام مین آیا، تو بنو امیہ کو خاک و خون مین ملا کر تخت پر بیٹھا، اور ایک دربار کیا، جسمین انتہائی جاہ و جلال کا اظہار کیا گیا تھا، اس دربار مین مجھکو بلایا، اور جب مین دروازے پر پہنچا، تو مجھکو سواری سے اوتار لیا گیا، اور دو آدمیون نے میرے بازو پکڑ کر ایک ایسے مقام پر کھڑا کر دیا، جہان سے وہ میرے کلام کو سُن سکے، اس کے بعد مجھ سے دریافت کیا کہ عبد الرحمٰن بن عمرو الاوزاعی تمھارا ہی نام ہے،؟ مین نے کہا ہان خدا امیر کی اصلاح کرے،، اوس نے کہا کہ "بنو امیہ کی خونریزی کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے"؟ مین نے کہا کہ "تمھارے اور اون کے درمیان چونکہ معاہدہ تھا، اسلئے تمھارے لئے زیبا تھا، کہ اوس کو پورا کرتے،" اوس نے کہا

---

[1] سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۶ ص ۱۷۲،

ہم کو اور اون کو چھوڑ دو، ہمارے اور اون کے درمیان کوئی معاہدہ نہ تھا" اس وقت میرا دل مضطرب ہوگیا، اور مین نے جان دینا پسند نہین کیا، لیکن قیامت کے دن خدا کے خوف سے یہ خوف جاتا رہا، اسلئے مین نے صاف صاف کہدیا، کہ اون کا خون تمپر حرام تھا، وہ اس پر اسقدر برہم ہوا کہ آنکھین نکل آئین، اور گردن کی رگین پھول گئین، اور کہا کہ "خدا تمپر رحم کرے تم نے ایسا کیونکر کہا" مین نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہی کہ کسی مسلمان کا خون اسوقت تک جائز نہین جب تک تین حالتون مین سے ایک حالت نہ پیش آئے، یا تو وہ اس حالت مین زنا کرے کہ اوسکی شادی ہوچکی ہو، یا قاتل ہو، یا مرتد ہوجائے، اوس نے کہا "کیا ہماری حکومت دینی نہین؟" مین نے کہا کیونکر بولا "کیا رسول اللہ صلعم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کیلئے وصیت نہین کی تھی"؟ مین نے کہا کہ "اگر وصیت کی ہوتی، تو دونون حکم فیصلہ نہ کرتے" اس پر وہ چپ تو ہوگیا، لیکن غصے مین بھرا ہوا تھا، اب مجھے یقین ہوگیا کہ میرا سر میرے قدمون پر گرا چاہتا ہے، لیکن اوس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ان کو نکال دو، مین وہان سے نکل کر تھوڑی دور آیا، تو میرے پاس ایک سوار آیا مین نے خیال کیا کہ وہ میرا سر کاٹنے کیلئے آیا ہی، اسلئے مین سواری سے اوترا کہ دو رکعت نماز پڑھلون، اوس نے سلام کیا اور کہا کہ امیر نے تمھارے پاس اسقدر دینار بھیجے ہین، لیکن گھر پہنچنے سے پہلے ہی انکو مستحقین پر تقسیم کردیا[1]، کیا جنلوگون نے ایسے خطرناک موقع پر استقامت سے کام لیا، وہ خلفا کی خواہش کے مطابق حدیثین وضع کرسکتے تھے؟

امام مالک اگر خلفائے عباسیہ کی خواہش کے مطابق مسائل کی تشریح و تاویل کرتے، تو طلاقِ جبری کے عدم اعتبار کا فتوی نہ دیتے، جس سے منصور کی جبری بیعت ناجائز ثابت ہوتی تھی، منصور نے ان سے اس قسم کی خواہش بھی کی، لیکن وہ اس سے باز نہ آئے، اور اس پر اون کو تعزیر دیگئی، تو کیا جو شخص اظہارِ حق کیلئے اس قسم کی تکلیف برداشت کرسکتا ہے، اوس نے خلفا کی خواہش کے مطابق مسائل کی توضیح و تشریح کی ہوگی،

خود ان خلفا اور سلاطین نے اگر کچھ چاہا بھی تو یہی کہ اون کے خاندان کی حکومت کا حق مرجح سمجھا جائے، یا انکو

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۶۲، ۱۶۳

مظالم پر پردہ پڑجائے، حاشا وکلا خود انھون نے بھی اسکی ہمت نہ کی، اور نہ کر سکتے تھے، کہ سیرۃ نبوی کے واقعات یا احکامِ اسلامی مین ان کے لئے تغیر وتبدل کر دیا جائے،

لیکن اگر فقہاء و محدثین پر خلفاء کا کچھ بھی مذہبی و سیاسی اثر ہوتا، تو کم از کم اپنے زمانے کی ان شورشون اور تحریکون مین نہ شریک ہوتے، جو ساداتِ کرام اور دوسرے حضرات نے اون کے ساتھ کین، لیکن متعدد فقہاء و محدثین نے خلفاء کے مقابل مین اون لوگون کا ساتھ دیا اور اس جرم مین سخت سزائین برداشت کین، چنانچہ عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث بن قیس نے جب عبدالملک بن مروان کے خلاف بغاوت کی، تو حضرت سعید بن جبیر نے جو اس زمانہ کے مشہور تابعی اور محدث تھے، اون کا ساتھ دیا، اور اس جرم مین اس آزادی کے ساتھ جان دی، کہ اونکے قتل کا واقعہ تاریخِ اسلام کا ایک مشہور اور مؤثر واقعہ بن گیا،

سنہ ۱۴۵ھ مین سادات مین سے محمد نفس ذکیہ نے مدینہ منورہ مین منصور کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا، تو بڑے بڑے پیشوایانِ مذہبی یہان تک کہ امام مالکؒ نے اون کی تائید کی، اور فتویٰ دیدیا کہ منصور نے جبراً بیعت لی، خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے، اون کے قتل کے بعد اون کے بھائی ابراہیم نے علم بلند کیا تو علماء و فقہائے عموماً اون کا ساتھ دیا، امام ابوحنیفہ علانیہ اون کے طرفدار تھے، اور شرکتِ جنگ کے سوا ہر طریقے سے اون کی مدد کی، اور اسی سلسلے مین قید کی سزا برداشت کی،

بعض کم درجہ کے لوگون نے دنیوی اغراض سے خلفاء کی خوشنودی کے لئے بے شبہہ دو ایک حدیثین بنائین، لیکن اسی وقت ان کی تردید کر دی گئی، بلکہ خود خلفاء نے ان کی تکذیب کی اور ایسے لوگ ہمیشہ کیلئے بے اعتبار اور متروک الحدیث قرار دئے گئے،

مثلاً ہارون رشید جب مدینہ مین آیا تو یہ ہمت نہین پڑی کہ قبا و کمر بند پہنکر رسول اللہ صلعم کے منبر پر چڑھ جائے، اس پر ابو البختری نے جو اس عہد مین قاضی تھا حضرت جعفر بن محمد صادق کی سند سے یہ روایت کی کہ حضرت جبریل ؑ رسول اللہ صلعم کی خدمت مین قبا و کمر بند اور خنجر لگائے ہوئے آئے، ایک شاعر نے جس کا نام معافی تمیمی تھا، چند

اشعار مین اس روایت کی تکذیب کی، اور یحییٰ بن معین نے جبکہ وہ اس سند سے اپنے حلقۂ درس مین اس حدیث کی روایت کر رہا تھا، علی الاعلان کہا کہ "اے خدا کے دشمن تو رسول اللہ کی طرف بالکل جھوٹ اس حدیث کو منسوب کرتا ہے"، اس پر پولیس نے اون کو پکڑا، تو اونھون نے کہا کہ یہ کہتا ہے کہ "خدا کے رسول یعنی جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلعم کی خدمت مین قبا پہنے ہوئے حاضر ہوئے"۔ اون لوگون نے کہا، کہ "یہ جھوٹا قاضی ہے" اور اون کو چھوڑ دیا[۵۱]

ہارون رشید کو کبوتر بازی کا بڑا شوق تھا کسی نے اوسکی خدمت مین کچھ کبوتر ہدیۃً بھیجے، اس موقع پر ابو البختری بھی موجود تھا، اوس نے حضرت ابوہریرہ رضہ کی سند سے یہ روایت کی،

لا سبق الا فی خف او حافر او جناح

اونٹون، گھوڑون، اور چڑیون کے اوڑانے کیلئے بازی لگانا ناجائز نہین،

اصل روایت مین جناح کا لفظ نہین ہے لیکن اوس نے ہارون رشید کی خوشنودی کیلئے اس لفظ کو بڑھا دیا، اور ہارون رشید نے اس پر اوس کو ایک بڑا صلہ بھی دیا لیکن جب وہ چلا گیا، تو اوس نے خود کہا، کہ "خدا کی قسم مجھکو معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلعم پر جھوٹ بولا گیا ہے"، اور کبوترون کو ذبح کر دیا، اس پر لوگون نے کہا کہ "کبوترون کا کیا گناہ تھا"؟ بولا کہ "انھی کی وجہ سے رسول اللہ صلعم پر جھوٹ بولا گیا ہے" اب علما نے ابو البختری کی اس موضوع حدیث اور دوسری موضوع حدیثون کی بنا پر اوسکو بے اعتبار اور متروک الحدیث قرار دیا،

ایک روایت مین ہے کہ خلیفہ مہدی کبوتر اوڑا رہا تھا، اور اس موقع پر غیاث بن میمون نے اس حدیث کی روایت کی[۵۳] لیکن امام احمد بن حنبل سے سوال کیا گیا کہ "آپ کے علم مین اور بھی کسی نے اس حدیث کی روایت کی ہے"؟ بولے "صرف اس جھوٹے ابو البختری نے اوسکو روایت کیا ہے"؟[۵۴]

اسی بنا پر محدثین نے تقرب سلطانی کو ہمیشہ ناپسند کیا اور اوسکو وضع حدیث کا ایک سبب قرار دیا،

---

[۵۱] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۸۲، [۵۲] الحطہ صفحہ ۵۱، [۵۳] ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۸۲،

[۵۴] تذکرۃ الموضوعات، ص،،

اصل یہ ہے کہ خلفار و سلاطین کی خوشنودی مزاج کیلئے اگر حدیثین وضع کی جائین، تو اون کا مقصد حب جاہ و حب مال کے سوا اور کچھ نہین ہوسکتا تھا، اور محدثین چونکہ نہایت فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، اسلئے اگر وہ اس قسم کی مداہنت سے مالی فائدہ اوٹھانا چاہتے، تو نہایت آسانی سے اوٹھا سکتے تھے، لیکن محدثین کے استغنا و قناعت نے کبھی اون کو خلفار و سلاطین کے سامنے دامن پھیلانے نہین دیا بلکہ خود خلفار و امرار نے اون کے سامنے عطیے پیش کئے، لیکن اونھون نے اون کے قبول کرنے سے انکار کردیا،

چنانچہ ایک بار سفاح نے امام مالک کے استاد ربیعۃ الرائے کو کچھ مال دینا چاہا، لیکن اونھون نے اوسکے قبول کرنے سے انکار کردیا،[1]

جعفر بن یحیٰی برمکی کی فیاضیون نے تمام دنیا کو اپنا غلام بنا لیا تھا، لیکن صرف محدثین نے اوسکی فیاضی سے فائدہ اوٹھانا پسند نہین کیا، چنانچہ ایک بار اوس نے عیسیٰ بن یونس کو ایک لاکھ درہم دینا چاہے، لیکن اونھون نے یہ کہکر واپس کردیا کہ کہین اہل علم یہ نہ کہین کہ مین نے حدیث کی قیمت لی، مامون نے بھی اون کو دو ہزار کی رقم دینا چاہی، لیکن اونھون نے انکار کردیا،[2]

ایک بار خلیفہ مکتفی باللہ نے امام محمد بن جریر طبری سے ایک کتاب لکھوائی، اور اس پر انکو صلہ دلوایا لیکن اونھون نے اوس کے قبول کرنے سے انکار کردیا، اس پر لوگون نے کہا کہ ضروریات کیلئے کچھ تو چاہیے بولے "مین امیرالمومنین سے درخواست کرون گا، کہ جمعہ کے دن سوال کرنے کی ممانعت کردین" اسی طرح اون سے ایک وزیر نے بھی فقہ مین ایک کتاب لکھوائی، اور اوس کے صلہ مین ایک ہزار دینار دیے، لیکن انھون نے اون کو واپس کردیا،[3]

ایک بار ابوسعید بغدادی نے ابوالفتح محمد بن علی البطیری سے دس دینار قرض لئے اتفاق سے وہ سلطان مسعود بن محمد کے پاس گئے، اور اس کا ذکر کیا، اوس نے اون کے ذریعہ سے پانچسو دینار ان کی خدمت

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۴۲، [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۵۵، ۲۵۶ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۲۷۸،

مین بھیجے، وہ نہایت مسرت کے ساتھ اون کے پاس لائے، لیکن اونھون نے اون کے لینے سے انکار کر دیا،[1]

ایک بار امیر یمن نے طاؤس بن کیسان کی خدمت مین پانچسو دینار بھیجے، لیکن اونھون نے قبول نہین کیا،[2]

ایک بار خلیفہ معتضد نے حافظ حربی کی خدمت مین دس ہزار کی رقم بھیجی، اونھون نے واپس کر دی، پھر بھیجی، پھر واپس کر دی،[3]

حضرت ابوہریرہؓ کے داماد حضرت سعید بن مسیب دور بنو امیہ کے سب سے بڑے محدث ہین، وہ بادشاہون کے عطیے کو قبول نہین کرتے تھے، بلکہ اون کے پاس صرف چار سو دینار تھے، جن سے تجارت کرتے تھے، ایک بار بنو امیہ کی طرف سے ان کی خدمت مین ۳۰ ہزار درہم پیش کئے گئے، لیکن اونھون نے کہا کہ مجھکو نہ بنو امیہ کی ضرورت ہے، نہ مال وزر کی، مین خدا کے سامنے جاؤن گا، تو وہ میرا اور اون کا انصاف کرے گا،[4]

اس بے نیازی نے اون کو اس قدر دلیر بنا دیا تھا کہ ایک بار بنو امیہ کا قاصد جا رہا تھا، اونھون نے اوس سے پوچھا کہ "تم بنو مروان کے قاصد ہو"؟ اوس نے کہا "ہان" بولے "اون کو کس حال مین چھوڑا ہے" اوس نے کہا "اچھی حالت مین" بولے "تم نے ان کو اس حالت مین چھوڑا ہے، کہ وہ آدمیون کو بھوکا رکھتے ہین، اور کتون کا پیٹ بھرتے ہین" مطلب بن سائب جو اس واقعہ کے راوی ہین، وہ اس موقع پر موجود تھے، اس واقعہ کو سن کر قاصد ناراض ہوا، تو اونھون نے اوسکو منایا، جب وہ چلا گیا، تو حضرت سعید بن مسیب سے کہا "خدا آپ کی مغفرت کرے اپنی جان دینا چاہتے ہین"؟ بگڑ کر بولے "چپ رہو خدا کی قسم جب تک مین خدا کے حقوق ادا کرتا ہونگا، وہ میرا ساتھ نہ چھوڑے گا،[5] کیا اس قسم کے بے نیاز و بے باک لوگون سے یہ توقع کی جا سکتی ہے، کہ انھون نے بنو امیہ کے تقرب یا خوف سے اون کے سیاسی مقاصد کی تائید احادیث سے کی ہوگی،

امام ابو حنیفہ بھی تجارت پر زندگی بسر کرتے تھے، اور سلاطین کے عطیے نہین قبول کرتے تھے،[6]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۱۸، [2] تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۸۰، [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ثانی ص ۱۹۲، [4] ابن خلکان جلد ۱ ص ۲۰۰، [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۷، ۴۸، [6] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۵۱،

اسلام مین معن بن زائدہ ایک مشہور فیاض گذرا ہے، حضرت سفیان بن عیینہ اوس کے پاس آئے اور اوسکو نصیحت کی، اور یہ نصیحت صرف اون کی بے نیازی کا نتیجہ تھی، کیونکہ

لم یکن سفیان تلطخ بعد　　اب تک سفیان نے اون کے عطیون سے اپنے
بجوائزہم[1]　　آپ کو آلودہ نہین کیا تھا،

حافظ تیمی اگرچہ نہایت تنگدست تھے، لیکن سلاطین کے دربار مین نہین جاتے تھے، جسکی وجہ یہ تھی کہ اونھون نے حرص و طمع سے اپنے دل کو خالی کر دیا تھا، اگر کوئی شخص اون کو کل دنیا دیدیتا تب بھی اون کے نزدیک اوسکی کچھ قیمت نہ ہوتی،[2]

محدّث ابو العلار ہمدانی نہ ظالمون کا مال لینا پسند کرتے تھے، نہ اون کے مدرسے یا خانقاہ مین درس دیتے تھے، بلکہ اپنے گھر مین پڑھاتے تھے، سلاطین کے دربار مین جانے سے اجتناب کرتے تھے، اور اظہار حق مین نہایت بے باک تھے،[3]

حضرت سالم بن عبد اللہ ثقات تابعین مین تھے، ایک بار سلیمان بن عبد الملک نے اون کو خانۂ کعبہ مین دیکھا اور کہا کہ مجھ سے اپنی ضروریات طلب کیجیے، بولے "خدا کے گھر مین خدا کے سوا کسی اور سے نہین مانگتا"[4]

حضرت عمر بن عبد العزیز اون خلفا مین تھے، جن کے دربار مین جانا علما و محدثین کے نزدیک ناجائز نہ تھا، علم حدیث کی تدوین بھی اونہی کے حکم سے ہوئی، اور اونھون نے علم حدیث کے طلبہ کیلیے وظائف بھی مقرر کئے تھے، تاکہ وہ علم حدیث کے درس و تدریس مین فراغت و اطمینان کے ساتھ مشغول رہ سکین، محدثین کو انکے عطیہ کے قبول کرنے سے انکار بھی نہ تھا لیکن وہ اسکو روایت حدیث کی قیمت نہین سمجھتے تھے، اور نہ روایت حدیث پر اس کا کوئی اثر پڑنے دیتے تھے، چنانچہ ایک بار قاسم بن مخیمرہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت مین حاضر ہوئے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۹ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۴۷، [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۲۰، [4] ابن خلکان جلد ۱ ص ۱۹۸،

اون پر ستر دینار کا قرض تھا انھون نے اون کی جانب سے ادا کر دیا، سواری کیلئے ایک خچر دیا، اور ۵۰ (دینار یا درہم) وظیفہ مقرر کر دیا، اونھون نے کہا کہ آپنے مجھکو تجارت سے بے نیاز کر دیا، اس کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیز نے اون سے ایک حدیث پوچھی، تو بولے کہ "اے امیر المومنین مجھے معاف فرمائیے"، راوی کا بیان ہو کہ انھون نے اس طریقہ سے حدیث کا روایت کرنا پسند نہین کیا،[1]

ایک بار امیر طاہر نے محمد بن رافع کی خدمت مین پانچ ہزار کی رقم بھیجی، لیکن اونھون نے واپس کر دی،[2]

محدثین کے اس تورّع و بے نیازی نے

ا۔ علم حدیث کو کسی قسم کے دنیوی اثر سے متاثر نہ ہونے دیا، حافظ ابراہیم بن طہمان کو بیت المال سے ماہوار وظیفہ ملتا تھا، ایک بار ان سے خلیفہ (غالبًا مہدی) کی مجلس مین کوئی مسئلہ پوچھا گیا، اونھون نے کہا کہ مین نہین جانتا" لوگون نے کہا کہ آپ ہر مہینہ مین اسقدر وظیفہ لیتے ہین، اور ایسے مسئلہ کا بھی صحیح جواب نہین دیسکتے" بولے "مین وظیفہ صرف اس غرض سے لیتا ہون کہ صحیح مسئلہ بتا سکون، اگر غیر صحیح مسئلہ پر وظیفہ لیتا تو ابتک بیت المال کا کل سرمایہ فنا ہو چکا ہوتا"،[3]

ایک بار قاضی معاذ بن معاذ نے حافظ عفان بن مسلم کو دس ہزار اشرفیان اس غرض سے دینا چاہین کہ وہ ایک شخص پر جرح و تعدیل نہ کرین، اونھون نے یہ کہکر اون کے لینے سے انکار کر دیا کہ مین کسی حق کو باطل نہین کر سکتا،[4]

یہی وجہ ہے کہ محدثین امراء و سلاطین کے سامنے حدیث بیان کرنا پسند نہین کرتے تھے،

ایک بار دلف بن الامیر ابی دلف خدم و حشم کے ساتھ قبیصہ بن عقبہ کے یہان آیا، اور دروازہ پر ٹھہر گیا، انھون نے گھر سے نکلنے مین دیر کی تو ان خدام نے کہا کہ ملک الجبل کا بیٹا دروازہ پر کھڑا ہے، اور آپ نہین نکلتے، اونھون

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۰۹، [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۹۳، [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۹۲ [4] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۴۸

نے اس دنیوی اثر کو قبول نہین کیا، اور تہ بند کے ایک کونے مین روٹی کا ایک ٹکڑا لیکر نکلے اور کہا کہ "جو شخص اس پر قانع ہے، اوس کو ملک الجبل کے بیٹے سے کیا غرض؟ خدا کی قسم مین اوس کے سامنے حدیث نہ بیان کرون گا"[۱]

ایک بار ایک ہاشمی ابن مبارک کے پاس حدیث سُننے کیلئے آیا، اونھون نے انکار کیا، وہ واپس چلا تو اٹھے اور رکاب تھام کر اوسکو سوار کرایا، ہاشمی نے کہا کہ "آپ میرے سامنے حدیث بیان کرنا تو پسند نہین کرتے، اور میرا رکاب تھامتے ہین"، بولے "مین آپ کے سامنے خود تو ذلیل ہو سکتا ہون، لیکن آپ کیلئے حدیث کو ذلیل نہین کر سکتا"[۲]

اگر محدثین خلفاء و سلاطین کے دربار مین کوئی حدیث بیان بھی کرتے تو خوشنودی کے بجائے اوس سے درپردہ خود انکی اصلاح و موعظت مقصود ہوتی، ایک بار ابو جعفر منصور نے عبد اللہ بن طاؤس اور امام مالک کو بلایا، جب دونون بزرگ دربار مین پہنچے تو اوس نے طاؤس سے کہا کہ "اپنے والد سے کوئی حدیث روایت کرو"، اون کو خلیفہ کی بے اعتدالیون پر تنبیہ کا موقع ملا، اور یہ حدیث انتخاب کرکے سنائی،

حَدَّثَنَا اَنَّ اَشَدَّ النَّاس عذابا	میرے باپ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہو
یوم القیامة رجل اشرکه الله	کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب
تعالے فی سلطانه فادخل	اوس شخص پر ہوگا، جسکو خدا نے اپنی حکومت مین
علیه الجور	شریک کیا پھر اوس نے ظالمانہ حکومت کی،

امام مالک اس مقصد کو سمجھ گئے، اور اون کو طاؤس کے قتل کا پورا یقین ہوگیا، یہانتک کہ اونھون نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے کہ مبادا اون کے خون کی چھینٹین اون کے کپڑون پر نہ پڑ جائین، پھر منصور نے طاؤس سے تین بار کہا کہ "مجھکو یہ دوات دیدو"، لیکن اونھون نے اس حکم کی تعمیل نہین کی، منصور نے وجہ پوچھی تو بولے،

---

[۱] تذکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۲۴۲، [۲] تذکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۲۵۲،

مجھے ڈر ہے، کہ تم کوئی گناہ کی بات نہ لکھو، اور مین اوسمین شریک ہوجاؤن" منصور نے یہ سنکر کہا کہ "میرے پاس سے دونون اوٹھ جاؤ" طاؤس نے کہا کہ ہم یہی چاہتے تھے،[۱]

۲- اس بے نیازی سے محدثین مین حق گوئی کا مادہ پیدا ہوا، اور انھون نے نہایت جرأت و بیباکی سے خلفار کے ظلم وجور کا پردہ فاش کیا، اور خلافِ شریعت باتون پر روک ٹوک کی،

چنانچہ ایک بار محدث ابن ابی ذئب خلیفہ منصور کے پاس آئے، اور کہا کہ "تمھارے دروازے پر علانیہ ظلم ہورہا ہے" امام احمد ابن حنبل کہتے ہین، کہ وہ امام مالک سے زیادہ متورع اور حقگو تھے، کہ انھون نے ابوجعفر منصور کے سامنے بیباکانہ یہ کلمات کہے حالانکہ ابوجعفر ابوجعفر تھا،[۲]

ایک بار امین نے ایک ایسا فقرہ کہدیا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا، کہ وہ مسئلہ خلقِ قرآن کا قائل ہے، حافظ اسمٰعیل بن علیہ نے اس پر اوسکو برا بھلا کہا اور اوس پر حملہ کرنا چاہا-[۳]

خلیفہ مامون الرشید مسئلہ خلق قرآن کا قائل تھا، لیکن یزید بن ہارون کا خوف اوس کو اسکے اظہار کی اجازت نہین دیتا تھا، وہ خود کہتا تھا کہ "اگر یزید بن ہارون نہ ہوتے، تو مین اس مسئلہ کا علانیہ اظہار کرتا" لوگون نے کہا کہ "یزید کون شخص ہے جس کا خوف ہے" بولا "اگر مین اس کا اعلان کرون تو وہ اسکی تردید کرین گے اور ایک فتنہ اوٹھ کھڑا ہوگا"[۴]

یہ حقگوئی محدثین کی عام اخلاقی خصوصیت تھی، اور اس مقدس گروہ مین اگر کوئی شخص اس اخلاقی روش سے ہٹ جاتا تھا تو یہ اوس کے لئے ننگ و عار کا موجب ہوتا تھا، علامہ ذہبی حافظ ابو بکر محمد اشبیلی کے تذکرے مین لکھتے ہین:-

تعلق باذیال الملك ولم یجر جری	اونھون نے بادشاہ کا دامن پکڑا، اور تمام
العلماء فی مجاهرة السلاطین	علمار کی طرح علانیہ بادشاہون کے سامنے نطہا

---

[۱] ابن خلکان جلد ۱ ص ۲۳۳، [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۷۳، [۳] طبقات الحفاظ جلد ۱ ص ۲۹۵، [۴] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۹۲

وَحَوبَهم بل داهن[1] حق نہین کیا بلکہ اس مین مداہنت کی،

۲۔ اس بے نیازی کی وجہ سے سلاطین کے درباروں مین جانا، اور روایتِ حدیث کو ذریعۂ معاش بنانا معیوب قرار پایا، چنانچہ ایک بار امام ابواسحاق فزاری دمشق مین آئے، اور لوگ اون سے حدیث سننے کیلئے جمع ہوئے، تو اونھون نے کہلا بھیجا کہ جو شخص قدری ہے، جو شخص فلان کی رائے کو مانتا ہے، اور جو شخص بادشاہ کے دربار مین جاتا ہو، وہ ہماری مجلس مین نہ آئے[2] عمر بن حاجب نے محدث بکری کی تضعیف جن وجوہ کی بنا پر کی ہے اون مین ایک یہ ہو کہ وہ امراء کے یہان آتے جاتے تھے[3]

علی بن عبد العزیز چونکہ محتاج تھے، اسلئے وہ شاگردون سے مالی فائدہ اوٹھاتے تھے، اور لوگون کی لعنت ملامت سہتے تھے، نسائی نے اسی عیب کی بنا پر اون کو ناپسند کیا ہے[4]

ابو یعلیٰ اور حسن بن سفیان دونون بڑے پایہ کے محدث تھے، لیکن ابوعمرو الجبری نے ابو یعلیٰ کو حسن بن سفیان پر ترجیح دی، تو لوگون نے کہا کہ "ترجیح کی کیا وجہ ہے، ؟ حالانکہ حسن کا مسند بڑا اور اون کے شیوخ اعلیٰ درجہ کے ہین"، اونھون نے کہا ابو یعلیٰ خالِصَةً لِوجہ اللہ حدیث بیان کرتے تھے، اور حسن نے اوسکو کسبِ معاش کا ذریعہ بنالیا تھا[5]

حارث بن محمد چونکہ نہایت تنگدست اور کثیر العیال تھے، اسلئے اون کو مجبوراً روایتِ حدیث پر مالی معاوضہ لینا پڑتا تھا، اسلئے دار قطنی نے اون کی توثیق کی تو ان الفاظ مین ان کی مجبوری کا اظہار کیا،

اما اخذ الدّراهم على الرّواية	لیکن روایت پر وہ اسلئے درہم لیتے تھے، کہ وہ
فکان فقیراً کثیر البنات[6]	محتاج تھے، اور ان کے بہت سی لڑکیان تھین،

غرض علم حدیث پر جو دنیوی اثرات پڑ سکتے تھے، محدثین کی قناعت، بے نیازی اور حقگوئی نے اون کے

---

[1] تذکرة الحفاظ جلد ۴ ص ۹۱، [2] تذکرة الحفاظ جلد ۱ ص ۲۴۸، ۲۴۹، [3] تذکرة الحفاظ جلد ۴ ص ۲۳۶، [4] تذکرة الحفاظ جلد ۲ ص ۱۹۶، [5] تذکرة الحفاظ جلد ۲ ص ۲۷۵، [6] تذکرة الحفاظ جلد ۲ ص ۱۹۳،

تمام دروازے بند کر دیے تھے، یہ سچ ہے کہ بعض محدثین سلاطین و امراء سے تعلقات رکھتے تھے، چنانچہ امام مطرف بن عبد اللہ عمدہ کپڑے پہنتے تھے، گھوڑے پر سوار ہوتے تھے، اور بادشاہ کے دربار مین آتے جاتے تھے[1]، حضرت ابراہیم نخعی امراء کے یہان جاتے تھے، اور اون سے صلے کے خواستگار ہوتے تھے، اور ان کے پاس ہدیہ بھیجتے تھے[2]، امام زہری کا تعلق عبد الملک بن مروان اور ہشام بن عبد الملک کے دربار سے تھا، اور دونون نے اون کا قرض ادا کیا تھا[3]، لیکن اسکی وجہ یہ تھی کہ بعض محدثین کے نزدیک بادشاہون سے تعلقات کا قائم رکھنا اسلئے مستحسن تھا کہ وہ اون کی رہبری کر سکین، حافظ ابن عبد البر جامع بیان العلم مین لکھتے ہین:-

> عادل و فاضل بادشاہون کے دربارون مین جانا، اون کا دیکھنا، اور نیک کامون مین ان کو مدد دینا سب سے بڑا نیکی کا کام ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز کی صحبت مین بڑے بڑے علماء مثلاً عروہ بن زبیر اور اون کے طبقے کے لوگ، اور ابن شہاب اور اون کے طبقے کے لوگ رہتے تھے، ابن شہاب (زہری) عبد الملک سے اور اس کے بعد اوس کے بیٹون سے تعلقات رکھتے تھے، اور شعبی، قبیصہ بن ذویب، رجاء بن حیوۃ الکندی، مالک بن انس، اوزاعی، شافعی، اور علما کی ایک جماعت جن کے ذکر مین طوالت ہے، بادشاہون سے تعلقات رکھتی تھی، اگر عالم کبھی ضرورت کیلئے بادشاہ کے پاس جائے اور اچھی بات کہے، اور علمی گفتگو کرے، تو یہ اچھا ہے، اور اس مین اس کے لئے موت کے بعد خدا کی خوشنودی ہے، لیکن بادشاہون کی مجلسون مین فتنے غالب ہوتے ہین، اور اون سے بچنے کے یہ معنی ہین، کہ جو کچھ ان مجلسون مین ہو، اوسکو ترک کر دیا جائے، اس باب مین جو رسول اللہ صلعم کا یہ قول گذر چکا ہے کہ جس نے انکار کیا وہ بچ گیا، لیکن جس نے اوس کو پسند کیا، اور اوس کی متابعت کی خدا نے اسکو دُتکار دیا، تمھارے لئے کافی ہے[4]،

غرض جو علما و محدثین سلاطین کے دربارون سے تعلق رکھتے بھی تھے، تو وہ صرف اسلئے کہ اون کو نیک کامون مین مدد دین، اور نیک کامون مین ان کی مدد حاصل کرین، چنانچہ اون کے تمام سوانح زندگی سے اس

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۵۶، [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۶۲، [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۹۶، [4] جامع بیان العلم ص۳۳،

واقعہ کی تائید ہوتی ہے، ابن شہاب زہری ہی کا یہ اثر تھا، کہ بنو مروان علانیہ حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی منقصت کی جرأت نہ کر سکے، اور حضرت رجاء بن الحیوۃ ہی کا یہ فیضان تھا کہ خلاف امید حضرت عمر بن عبد العزیز جیسا خلیفہ بنو امیہ کی مسند پر بیٹھا، اس مسند نشینی کا واقعہ جو نہایت مؤثر ہے، اور جس سے ہمارے قول کی مزید تائید ہوتی ہو، یہ ہے کہ سلیمان بن عبد الملک نے پہلے ایک وصیت نامہ کے ذریعہ سے اپنے نابالغ لڑکے ایوب کو ولی عہد بنانا چاہا تھا، لیکن رجاء بن الحیوۃ نے اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ خلیفہ کا قابل یادگار کارنامہ یہ ہے کہ وہ ایک صالح شخص کو اپنا جانشین بنائے، چنانچہ دو ایک روز کے بعد اوس نے اس وصیت نامہ کو چاک کر دیا، اور رجاء بن الحیوۃ سے داؤد بن سلیمان کے متعلق رائے دریافت کی، داؤد اس وقت قسطنطنیہ مین تھے، رجاء نے کہا کہ آپ کو کیا معلوم ہے، کہ وہ اسوقت زندہ ہین یا مر گئے، پھر سلیمان نے حضرت عمر بن عبد العزیز کا نام لیا تو رجاء نے کہا کہ وہ نہایت برگزیدہ مسلمان ہین، سلیمان نے کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہو لیکن اگر مین اون کو خلیفہ مقرر کر دون، اور عبد الملک کی اولاد کا بالکل لحاظ نہ رکھون، تو ایک فتنہ اٹھ کھڑا ہوگا، اور جب تک مین ان مین کسی کو ان کے بعد ولی عہد نہ بنا لون، لوگ اون کی خلافت تسلیم نہ کرین گے، اسلئے یزید بن عبد الملک کو اُنکے بعد ولی عہد بناتا ہون، رجاء نے بھی اس سے اتفاق کیا، چنانچہ سلیمان نے عہد نامۂ خلافت لکھا، اور رجاء بن حیوۃ نے نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ گمنام طریقہ پر بیعت کی تکمیل کی، معاہدۂ بیعت کے مکمل ہو جانے پر وصیت نامہ کا مضمون پڑھکر سنایا تو ہشام بن عبد الملک نے مخالفت کی، لیکن رجاء بن حیوۃ نے اوسکو قتل کی دھمکی دی، اور حضرت عمر بن عبد العزیز کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر کھڑا کر دیا، اس محدث کی اس جرأت نے دنیائے اسلام مین جو انقلاب پیدا کیا اوس کی مدح و ستایش مین آج تک ہماری زبانین رطب اللسان ہین،

خطبات مدراس

سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ خطبے (لکچرز) جنمیں نہایت موثر الفاظ میں تاریخی دلائل کے ساتھ آنحضرت صلعم کی سیرۃ مبارکہ اور آپ کی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا گیا ہو ضخامت ۱۵۰ صفحے قیمت: عہ

ملتان سے لکھنؤ

استدراک چمن اور کوئٹہ کے بیچ مین جو کوہستانی سلسلہ حائل ہے، اور جس کو عرض مین قطع کر کے چمن سے کوئٹہ پہنچتے ہین، ہمارے رفیق غلام رسول خان نے بتایا کہ اس کا نام خوجک ہی، اور جس درہ سے نکل کر یہ انگریزی سڑک نکالی گئی ہی اسکو درہ خوجک کہتے ہین، یہ راستہ جسقدر پرپیچ ہے، اس کی کیفیت تو بیان کرچکا ہون، خان صاحب نے جب اس کا نام خوجک بتایا، تو مین نے عرض کی کہ اس سے بہتر تو اس کا نام گنجلک ہی، اس کی بلندی تقریبًا سات ہزار فیٹ اور درہ کی لمبائی تقریبًا بیس میل ہے،

رکنِ عالم ملتان مین حضرت شیخ الاسلام زکریا ملتانی کے مزار پر ہم نے آپ کو چھوڑا تھا، وہان سے اوس کے دوسرے دروازے سے ہم نکلے، تو موٹر سڑک پر ادھر ہی کھڑی ملی، سامنے ہی بسمت مغرب حضرت شیخ الاسلام کے پوتے حضرت رکن الدین رکنِ عالم المتوفی ۷۳۵ھ کے مزار کا گنبد نظر آیا، لیکن دل مین کشش نہین ہوئی، اس لئے وہان تک جا نہ سکا،

سلطان محمد تغلق کے دربار مین حضرت رکن عالم کا بڑا اعزاز تھا، ابن بطوطہ ہندوستان انھین بزرگ کے عہد مین آیا ہے، حضرت برہان الدین اسکندری نے ابن بطوطہ کو اسکندریہ کے قیام کے زمانہ مین جن تین مشہور بزرگون کی زیارت کی خوشخبری سنائی تھی، اون مین سے ایک یہ بھی تھے، ابن بطوطہ ملتان مین انھین کی خانقاہ مین جو شہر سے باہر تھی حاکم وقت کی اجازت سے ٹھہرا تھا،

حضرت رکن عالم کا یہ روضہ سلطان محمد تغلق نے بنوایا تھا، دیکھنے والون کا بیان ہے، کہ اس کی عمارت نہایت خوبصورت ہی، اور اس مین نقاشی کا کام نہایت عمدہ ہے، اس مزار پر چند دیہات وقف ہین، اور اوس کے متولی بھی

شیخ مرید حسین صاحب ہین،

مزار شمس تبریز شمس تبریز کے نام سے تو حضرت مولانا جلال الدین رومی کے مرشد مشہور ہین جن کی طرف دیوان شمس تبریز منسوب ہی، ملتان مین ایک مزار اسی نام سے مشہور ہے، اہل تاریخ کے نزدیک اتنا تو مسلم ہو کہ یہ وہ شمس تبریز نہین جو لینا رومی کے پیر تھے، مگر پھر یہ کون تھے، اس کے جواب مین یہ قیاس کیا جاتا ہو کہ یہ اسماعیلی مذہب کے کوئی داعی تھے، ایک مختصر صحن اور برآمدہ کے بعد ایک کوٹھری مین ان کا مزار ہے، مزار پر گنبد بنا ہے، دیوارون پر چینی کا کام ہے جس وقت مین وہان پہنچا، کچھ لوگون کو باہر قرآن پڑھتے دیکھا، دل نے کشش نہ پائی جلد واپس آگیا،

ان کی نسبت مقامی اطلاع یہ ہے، کہ ان کا نام شمس الدین تھا، ۱۱۴۳ء (۵۳۸ھ) مین بمقام سبزوار پیدا ہوئے، اپنے مرشد کے حکم سے ملتان تشریف لائے، مشہور ہے کہ یہ حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا کے ہمعصر تھے حضرت کے اشارہ پر اہل ملتان نے ان سے مقاطعہ کرلیا تھا، یہان تک کہ کسی نے ان کو پکانے کیلئے آگ بھی نہین دی، اونھون نے ناچار اپنی یہ کرامت دکھائی، کہ دریا سے مچھلی اٹھا کر آفتاب کے سامنے کیا، اور کہا کہ اے آفتاب تو میرا ہمنام شمس ہی، قریب آجا کہ مچھلی بھون لون، آفتاب قریب آگیا، اور مچھلی بھن گئی، کہتے ہین کہ ملتان مین گرمی اسی وقت سے زیادہ ہوگئی ہے،

۱۲۶۴ء (۶۶۳ھ) ان کی تاریخ وفات بتائی جاتی ہے، اور کہا جاتا ہو کہ ۱۳۳۰ء مین ان کے پوتے نے یہ عمارت تیار کرائی ہو، اس کے متولی شیعہ ہوتے ہین، موجودہ متولی وسجادہ نشین سید ضمیر حسن شاہ صاحب ہین،

عیدگاہ اس وقت ملتان کی سب سے یادگار عمارت عیدگاہ کی مسجد ہے، یہ شہر سے شمال ومشرق سمت مین ایک میل کی مسافت پر واقع ہے، دروازہ بجائے پورب رخ کے ایک بازو پر ہے، اس سے داخلہ کے وقت مسجد کی پوری شان ظاہر نہین ہوتی، دروازہ سے داخل ہوتے ہی بائین بازو پر مسجد کی عمارت ملے گی، صحن بہت وسیع ہے، اندازہ ہو کہ اسمین ایک ہزار آدمی آسکتے ہون گے، مسجد کا دالان خاصہ لمبا ہو، اوپر گنبد اور مینار ہین، دیوارون پر کاشی کا نہایت عمدہ کام ہے، پروفیسر اکبر صاحب منیر نے جو ایران وعراق کی سیاحت کرچکے ہین، اور اسوقت میرے ساتھ تھے، کہا

کہ یہ کام ایران کے سوا اور کہین مین نے نہین دیکھا، اس مسجد کو نواب عبدالصمد خان صوبہ دار لاہور و ناظم ملتان نے بنوایا تھا، ۱۷۳۵ء مین یہ تکمیل کو پہنچی تھی،

نواب عبدالصمد خان کا خطاب سیف الدولہ دلیر جنگ تھا، اور اسی لقب سے ماٰثر الامرا مین ان کا تذکرہ ہے، سلطان محمد فرخ سیر کے عہد مین پنجاب مین صوبہ دار مقرر ہوئے، اس زمانہ مین یہان سکھون کی بڑی شورش تھی، عبدالصمد خان نے اپنے زمانہ مین ان کے اصل مرکز کا کامیاب محاصرہ کیا، اور اون کے سردارون کو قید کرکے دلّی بھیجا، بعد مین یہ ملتان کے ناظم مقرر ہوئے، اور ۱۱۵۰ھ مین وفات پائی،

۱۸۱۸ء مین سکھون نے ملتان کو فتح کیا، کہتے ہین کہ اُن کے زمانہ مین یہ جامع مسجد اصطبل کے کام مین لائی جاتی رہی، ۱۸۴۸ء مین مسٹر اگینو اور انڈرسن جو ریاست لاہور کے انگریز ریزیڈنٹ کے نمایندہ ہو کر دیوان مولراج کو ملتان کی نظامت سے معزول کرنے آئے آتھے، یہین فروکش ہوئے تھے، اور یہین مولراج کے سکھ افسرون کے ہاتھون سے قتل ہوئے تھے، عمارت کے بائین طرف کے آخری منارہ پر انگریزی زبان مین حسب ذیل کتبہ ہے،

"یہان ۲۰ راپریل ۱۸۴۸ء کو پیٹرک وان اگینو بنگال سول سروس، اور لفٹنٹ ولیم انڈرسن سکینڈ بمبئی فیوزلیئر جو لاہور کے اسسٹنٹ ریزیڈنٹ تھے، نہایت بیرحمی سے قتل کئے گئے،"

اس واقعہ کے بعد لڑائی پیش آئی، جنگ کے بعد جب امن ہوا، تو انگریزون نے یہان ڈپٹی کمشنر کی کچہری قائم کی، ۱۸۹۱ء مین مسلمانون کی درخواست پر اون کو واپس ملی، اسوقت یہ نہایت خستہ حالت مین تھی، مسلمانون نے عام چندہ سے اسکی مرمت کرائی، اسوقت یہ مقامی انجمن اسلامیہ کے زیر نظم ہے، زمین کے چند ٹکڑے اس پر وقف ہین، جنکی اسی قدر آمدنی ہے کہ اس سے چوکیدار کی تنخواہ نکل آتی ہے، ضرورت ہے کہ اہل شہر اپنی اس تاریخی مسجد کی بقا و ترقی کی طرف توجہ فرمائین،

مسجد علی محمد خان، دلی کی مرکزی حکومت مین جب ضعف ہوا، تو پنجاب اور سندھ کے قطعہ قطعہ مین افغان سردارون

اور سکھ مثل[1] وارون (جتھہ دارون) نے اپنی چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستین قائم کرلی تھین، راجہ رنجیت سنگھ نے جو خود ایک مثل وار (جتھہ دار) کا بیٹا تھا، رفتہ رفتہ ان تمام سکھ جتھون کو توڑ کر ایک مرکزی سکھ ریاست قائم کرلی، اس مرکزیت سے طاقتور ہوکر اوس نے ایک ایک اسلامی ریاست کو فتح کرنا شروع کیا، اس زمانہ کی یادگار صرف بہاولپور کی اسلامی ریاست رہ گئی ہے، اس زمانہ مین ملتان مین بھی ایک اسلامی ریاست قائم تھی، جس کا بانی درانی سلسلہ کا سدوزئی افغان تھا، نواب علی محمد خان، شجاع خان، اور مظفر خان بہادر صفدر جنگ اس خاندان کے مشہور افراد ہین، رنجیت سنگھ نے اسی خاندان سے اس ملک کو فتح کرکے دیوان مول راج کے باپ کے حوالہ کیا، دیوان مولراج سے ۱۸۴۹ء مین انگریزون نے چھینا،

اس سدوزئی افغانی ریاست کی یادگار یہ مسجد ہے، ۱۱۶۰ھ مین بنائی گئی تھی، سکھون کے زمانہ مین یہان سکھ ناظم ملتان کی کچہری ہوتی تھی، اور اس کے اندر سکھون کی مذہبی کتاب گرنتھ صاحب کو رکھا گیا تھا، انگریزون کے قبضہ کے بعد یہ مسلمانون کو واپس دی گئی، مسجد کے متعلق چند دوکانین ہین جنکی آمدنی سے مسجد کا خرچ پورا ہوتا ہے،

باغ عام وخاص دہلی دروازہ کے باہر خانقاہ شمس تبریز کے جنوب مین واقع ہے، کہتے ہین کہ یہان شاہزادہ مراد بن شاہجہان بادشاہ عام لوگون کی عرضیان سننے کیلئے اجلاس کرتا تھا، اور اسکا دربار خاص بھی یہین لگتا تھا اسلئے باغ عام وخاص کے نام سے مشہور ہوا، سکھون کے عہد مین مولراج کا باپ ساون مل، جو رنجیت سنگھ کیطرف سے یہانکا دیوان وصوبہ دار مقرر ہوا تھا، اسمین اجلاس کرتا تھا،

یہان اس شاہی باغ کے علاوہ ایک حضوری باغ ہے جسمین ایک عمارت ابتک قائم ہے، اسکو بھی شہزادہ مراد نے بنوایا تھا،

پرانا قلعہ یہ قلعہ ایک بلند اور وسیع ٹیلہ پر واقع ہے، جب یہ آباد تھا، تو اس کا رقبہ سوا میل کا تھا، اس کے ایک طرف دریائے راوی بہتا تھا، قلعہ مین ہندوؤن اور مسلمانون کی عبادتگاہون کے نشان اب تک باقی ہین، چونکہ یہ جگہ بہت بلند ہے، شام کے وقت ٹھنڈی ہوا کے جھونکے یہان بہت آتے ہین، اسلئے اہل شہر یہان سرشام ہوا خوری کیلئے بکثرت آتے رہتے ہین، یہان سے کھڑے ہوکر دیکھئے، تو سارا شہر نظر کے سامنے ہوگا،

اس وقت یہ قلعہ تودۂ خاک ہے، صرف ایک وسیع ہال اپنی حالت پر آجتک کھڑا ہے، یونیورسٹی نے اپنے

---

[1] سکھون نے اپنے جتھہ دارون کیلئے یہ اصطلاح قائم کی تھی، "س"

سالانہ امتحان کے لئے اسی بدحال ہال کو پسند کیا ہے، اس میں یونیورسٹی کی طرف سے لڑکون کا سالانہ امتحان ہوتا ہو،

قلعہ کے بیچ مین مسٹر اگنیو اور انڈرسن صاحبان کے دردناک قتل کی یادگار مین پچاس فیٹ لمبا مینار کھڑا کیا گیا ہے،

جامع مسجد یہان جامع مسجد بھی ہی، اندر جانے کا اتفاق نہین ہوا، مولانا اشفاق علی صاحب فاضل دیوبند جو اس کے خطیب و امام ہین، میرے ساتھ تھے، مغرب کا وقت قریب تھا، درگاہ شیخ اسلام بہاء الحق سے واپس ہوتے ہوئے موصوف یہان اتر گئے، یہ جامع مسجد ایک انتظامی مجلس کے زیر نگرانی ہے، اور جناب سید میر حسن صاحب اسکے متولی ہین

ملتان چھاونی ملتان دو حصون مین منقسم ہی، ایک پرانا شہر ملتان ہی، اور دوسرا نیا ہے، جسکو ملتان صدر یا ملتان چھاونی کہتے ہین، جو انگریزی فوجی کیمپ یا کنٹونمنٹ ہے، یہان کی آبادی اچھی خاصی ہی، بنگلے اور کوٹھیان بکثرت ہین، مسلمانون کی آبادی بھی خاصی ہے، یہان کے قومی رہبر و کارکن سید میر حسن صاحب ہین جو گو آنکھون سے معذور اور ضعیف ہو چکے ہین، تاہم یہان کے معتمد علیہ وہی ہین، ان کے صاحبزادہ سید عبد الغنی صاحب بی اے یہان گورنمنٹ اسکول مین ہیڈ ماسٹر ہین، اور قومی کامون مین اپنے والد ماجد ہی کی طرح سرگرم ہین،

سید میر حسن صاحب اور دوسرے مسلمانون کی کوشش سے ۱۹۱۱ء مین یہان محمڈن ہال کے نام سے ایک عمارت تیار ہوئی، اور ایک انجمن نصرة الاسلام قائم ہوئی، اس کے ماتحت ایک اسکول اور ایک لائبریری کا افتتاح ہوا جس کا نام محمڈن لائبریری ہوا، میرا رسم تعارف اس اسکول اور اس لائبریری، اور اسی کے ساتھ اس لائبریری کے روح رواں سید میر حسن صاحب سے اسی زمانہ سے ہے، یہ انجمن جب قائم ہوئی تو مین نے سید صاحب کی طلب پر اپنے حقیقی برادر زادہ مولوی سید ابو ظفر صاحب ندوی کو جو اسی زمانہ مین تعلیم سے فارغ ہوئے تھے، یہان بھیجا تھا، اور انھین کی کوشش اور مشورہ سے اس لائبریری نے جنم لیا تھا، اس کے بعد مولوی سید عبد الباری صاحب ندوہ چھوڑ کر لکھنؤ سے سند فضیلت کے بجائے، ہیوٹ انجینیرنگ اسکول کی سند لیکر یہان وارد ہوئے، اور ۱۹۱۵ء مین اس لائبریری کے سکرٹری منتخب ہوئے، اسی وقت سے آج تک وہ اسی حیثیت سے اسکی خدمت انجام دے رہے ہین،

محمڈن لائبریری لائبریری کی عمارت اچھی اور بڑی ہے، احاطہ بھی وسیع ہے، اور سبزون اور پھولون سے بارونق ہے،

سنہ ۱۹۱۵ء مین عاریت کی چند کتابون کے سوا اس مین کچھ نہ تھا، سکرٹری صاحب کی کوشش سے اس مین سال بہ سال اضافہ ہوتا رہا، یہان تک کہ اب اسمین پانچہزار کتابون کے قریب ہے، اردو کی تمام اچھی کتابین، اور اردو کے مشہور مصنفین کی تمام تصنیفات یہان موجود ہین، فارسی اور عربی کی بھی کچھ کتابین ہین، کسیقدر انگریزی کا بھی سرمایہ ہے، کتابون کی فن وار تعداد حسب ذیل ہی،

مذہب و دینیات	۳۵۰
تاریخ و سوانح	۵۰۰
ناول اور افسانے	۲۱۱۰
جغرافیہ اور سفرنامے	۳۰
علمی و ادبی	۳۷۰
متفرقات	
کتب فارسی و عربی	۳۵۰
کتب انگریزی	۴۴۰

قابل ذکر نئے اور پرانے علمی رسائل کی جلدین بھی موجود ہین، اور وہ اس شمار مین شامل نہین، روزانہ اخبارات اور ماہوار علمی رسالے بھی آتے ہین، یہ کتابین دس الماریون مین قرینہ سے سجائی گئی ہین،

ملتانی زبان ملتان کی ایک خاص زبان بھی ہے، جو پنجابی اور سندھی سے الگ ہے، ملتان کا علاقہ پنجاب اور سندھ کے بیچ مین واقع ہے، اس لئے اس زبان کو ان دونون کے بیچ کی کڑی سمجھ لیجئے،

روانگی ملتان مین میرا قیام تین روز رہا، جن مین سے ایک آدھ دن علالت مین بھی گذرا، چوتھے روز روانگی کا سامان ہوا، ۱۱ بجے کے قریب ٹرین جاتی ہے، اسی پر سوار ہوا، احباب اسٹیشن تک پہنچانے آئے، گاڑی چلی تو پھر وہی ریگستان کا منظر تھا، مگر جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے پنجاب کا سرسبز علاقہ آنے لگا، مغرب کے بعد لاہور آیا، پہلے خیال تھا کہ ایک دو دن لاہور بھی ٹہرون مگر ملتان مین زیادہ ٹھہر جانے کے سبب سے یہان کے قیام کو ملتوی کیا،

لکھنؤ راستہ مین کوئی قابل ذکر بات پیش نہین آئی، لکھنؤ مین برادر عزیز و محب صمیم مولانا مسعود علی صاحب ندوی، دار العلوم مین تعمیر مسجد کے سلسلہ مین مقیم تھے، ان کو تار کے ذریعہ اپنی آمد کی اطلاع دیدی تھی، دوسرے دن دوپہر کے قریب گاڑی لکھنؤ پہنچی، اسٹیشن پر مولانا مسعود علی صاحب اور ندوہ کے احباب و اعزہ موجود تھے، اتر کر دار العلوم ندوہ کے اس خستی زمین آیا، جو وہان کی مسجد کی تعمیر کے سلسلہ مین مسجد کے سامنے نہایت سلیقہ سے تیار ہوا تھا، اور جس کو مولانا نے اپنی صفائی اور خوش سلیقگی سے ایسا بنا دیا تھا کہ کوٹھیون اور بنگلون والے آ آکر اس پر رشک کرتے تھے،

مسجد کی تعمیر جاری تھی، مزدورون اور معمارون کا ہنگامہ برپا تھا، ایک طرف آہنی جنگلون کے لئے لوہارون کا کام جاری تھا، دوسری طرف ربڑ کی لمبی نلکیون کے ذریعہ ہر طرف مصنوعی نہر جاری تھی، ندوہ کے اعزازی کارکن تعمیر کے امور متعلقہ کی انجام دہی کی غرض سے مولانا کے گرد و پیش حلقہ زن تھے، دار العلوم کے طلبۂ افغانستان کے حالات اور اپنے افغان بھائیون کی ترقیون کی روداد سننے کو آتے رہے، قندھار کے انار، اور انگور جو ساتھ آئے تھے وہ ان عزیزون کو تحفہ کے طور پر ملے، یون ہی دن گذر گیا، اور رات آئی، ۷ نومبر کی صبح تھی، افغانستان کی سفر کی مستی کا خمار ہنوز چھایا ہوا تھا،

نادر شاہ کی شہادت کہ یک بیک صبح کو ایک دوست نے آکر اطلاع دی کہ شاہ افغان نادر خان نے شہادت پائی، یہ ایسی خبر تھی کہ جس کے ماننے کو دل تیار نہ ہوا، ندوہ کے بعض عزیزون کو سائیکل پر اخبارات کے دفتر مین بھیجا، دس بجے کے قریب خبر یقین کے درجہ کو پہنچ گئی، اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مین نے پچھلے چند ہفتے ایسے تماشے کی سیر مین گذارے جس کا خاتمہ ٹریجڈی پر ہوا،

مسافر از ڈاکٹر اقبال کیا عجیب اتفاق ہے، آج ۸ر اکتوبر ۱۹۳۴ء کو جب اس داستانِ سفر کی آخری سطر سے مین نے فراغت پائی ہے، ڈاک کے قاصد نے ڈاکٹر سر محمد اقبال کی تالیف "مسافر" ہاتھ مین دی، یہ افغانستان کی چند روزہ سیاحت پر موصوف کے شاعرانہ جذبات کا مجموعہ ہے، جو ابھی شائع ہوا ہے، فارسی زبان مین خیبر و سرحد و کابل و غزنین و قندھار کے عبرت انگیز مناظر و مقابر پر شاعر کے آنسو ہین، اور بابر، سلطان محمود، حکیم سنائی، اور احمد شاہ درانی کی خاموش تربتون کی زبانِ حال سے سوال و جواب ہین، مسافر کا آغاز نادر شاہ شہید کے مناقب سے اور اختتام شاہ محمد ظاہر خان سے اظہارِ توقعات پر ہے، لکھتا ہے،

خطاب بہ شاہ ظاہر خان

اے قبائے بادشاہی بر تو راست سایۂ تو خاکِ ما را کیمیا است

از تو اے سرمایۂ فتح و ظفر تختِ احمد شاہ را شانے دگر،

حرفِ شوق آوردہ ام از من پذیر، از فقیرے رمزِ سلطانی بگیر،
ہر کہ خود را صاحبِ امروز کرد گردِ او گردد سپہرِ گردگرد،
دو جہانِ رنگ و بو را آبروست دوش ازو، امروز ازو، فردا ازوست
مردِ حق سرمایۂ روز و شب است زانکہ او تقدیرِ خود را کوکب است
سرگذشتِ آلِ عثمان را نگر از فریبِ غربیان خونین جگر
ذکر و فکرِ نادری در خونِ تست قاہری با دلبری در خونِ تست
اے فروغِ دیدۂ برنا و پیر، سرِّ کار از ہاشم و محمود گیر،
ہم ازان مردے کہ اندر کوہ و دشت حق ز تیغِ او بلند آوازہ گشت،
روزہا شب ہا تپیدن می توان عصرِ دیگر آفریدن می توان،
صد جہانِ باقیست در قرآں ہنوز اندر آیاتش یکے خود را بسوز

باز افغان را از و سوزے بدہ
عصر او را صبحِ نوروزے بدہ

(مسافر)

سفرنامۂ روم و مصر و شام

۱۸۹۲ء مین علامہ شبلی نے جو سفر کیا تھا، اس کے حالات، واقعات، یہ سفرنامہ بہت مقبول ہو چکا ہے، اردو مین ممالک اسلامیہ کا یہ پہلا سفرنامہ ہے، جس مین ٹرکی مصر اور شام کے علمی و تعلیمی، تمدنی، کیفیات اور مسلمانون کی موجودہ حالت کی تصویر کھینچی ہے، اب معارف پریس نے اوسکو پھر سے نہایت اہتمام اور توجہ کیساتھ شائع کیا ہے، ضخامت ۲۴۲ صفحے، قیمت :- عار

منیجر

احقر بہاری مرحوم

از محمد معین الدین صاحب دردائی متعلم بی اے، (آنرز) مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ،

بہار کی سرزمین جس قدر مردم خیز ہے، اسی قدر مردم خوار بھی ہے، خدا جانے کیا بات ہے کہ وہان کے لوگون کو شہرت طلبی سے شرم آتی ہے، اہل وطن بھی قدرشناسی نہین کرتے، اس لئے یہان کے اچھے اچھے جوہر قابل ببلبہ کی طرح اُبھرتے اور دب جاتے ہین، اگر بہار کے کچھ لوگون کے نام زندہ ہین، تو یہ وہی ہین جنکا آوازۂ کمال دوسرے صوبون تک پہنچا، اور وہان کے لوگون نے قدرشناسی کرکے ان کو شہرت بخشی، بہار کے اُن گمنام اہلِ کمال مین ایک احقر بہاری مرحوم ہین، یہ بہار کے ایک پرانے کہنہ مشق استادِ سخن تھے، شعروشاعری کے بڑے بڑے معرکے طے کئے تھے، پچاس ساٹھ برس کے ریاض مین دیوان یادگار چھوڑا، ذیل کے صفحات مین ناظرین کو اسی گمنام صاحب کمال سے روشناس کرنا ہے،

مختصر حالات بشارت حسین نام، احقر تخلص، ضلع عظیم آباد (پٹنہ) کے ایک گاؤن بڑاڈیہ مین پیدا ہوئے، سالِ ولادت سنہ ۱۲۶۷ھ ہے، اُن کے والد ماجد شیخ اکبر حسین اس قریہ کے ایک ممتاز متمول اور ذی عزت رئیس تھے، وہ وہین پیدا ہوئے، اور اپنی تمام زندگی وہین گذار دی،

احقر مرحوم کی ابتدائی تعلیم اسی گاؤن ہی مین ہوئی، فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابین وہان پڑھ کر اُن کے والد نے تعلیم کی غرض سے سنہ ۱۲۸۰ھ مین اُن کو پٹنہ بھیجا، مولوی خدا بخش صاحب جو اس وقت کے ایک لائق عالم تھے ان کی تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے، کچھ عرصہ ان کے زیر تعلیم رہنے کے بعد وہ بہار چلے آئے اور یہین متعدد علما کے زیر سایہ علم کی خوشہ چینی کرتے رہے، با این ہمہ ان مین عربی کی کوئی ایسی اچھی لیاقت نہ تھی، لیکن فارسی اچھی جانتے تھے،

سنہ ۱۲۹۵ھ مین ان کا نکاح قصبہ بہار شریف کے شیرپور محلہ مین میر حیدر حسین صاحب کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوا، اس کے بعد انھون نے بڑاڈیہ چھوڑ کر محلہ شیرپور ہی کی بود و باش اختیار کرلی،

اختر مرحوم فطری شاعر تھے اور برجستہ کلام موزون فرماتے، یون تو بچپن ہی سے انکو شاعری کا شوق تھا لیکن اٹھارہ انیس برس کے سن مین ان کی شاعری اس زمانہ کے مشہور شعرا کے حلقہ مین عزت اور قدر کی نظر سے دیکھی جانے لگی تھی،

لکھنؤ کا قیام شاعری کے بڑھتے ہوئے ذوق نے ان کو بہار مین بیٹھنے نہ دیا، سنہ ۱۳۰۳ھ مین وہ لکھنؤ گئے، وہان کی ادبی دلچسپیون نے انھین بہت محظوظ کیا، اور وہان کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اس سے وہ کسی طرح جدا نہین ہونا چاہتے تھے، لیکن گھر کے تعلقات نے واپسی پر مجبور کیا، اور انھین لکھنؤ چھوڑنا پڑا، لکھنؤ چھوڑنے کا جو صدمہ اُن کے دل کو پہنچا وہ اُن کی اس رباعی سے ظاہر ہے،

وہ عہدِ شباب وہ جوانی میری
وہ بزمِ سخن وہ شعر خوانی میری
وہ اہلِ ہنر وہ لکھنؤ کے جلسے
افسانۂ خواب ہے کہانی میری

آزل لکھنوی سے تلمذ لکھنؤ کے زمانۂ قیام مین وہ آزل لکھنوی سے اصلاح لیا کرتے تھے، اور انھین سے اُن کا رشتۂ تلمذ تھا، چنانچہ ایک شعر مین وہ اپنے لائق استاد پر اس طرح فخر کرتے ہین،

سب جانتے ہین اختر شاگرد ہون آزل کا
استاد مانتے ہین اردو زبان والے

اختر کا سلسلۂ تلمذ یہ ہے:- اختر- آزل، صبا، آتش، مصحفی، . . . . . .

اختر مرحوم کو آتش کے اتباع کا بڑا شوق تھا، اور انھین ان کو کد تھی، لکھتے ہین ؎

اور دمین لذت خاک نہین آمد کا مزا ہے اختر
وہ چال نہ چل جو لوگ کہین آتش کے چلن کو چھوڑ دیا

دکن کا سفر اختر مرحوم ایک دفعہ حیدرآباد دکن بھی گئے، وہان دربار مین بھی ان کو باریابی حاصل ہوئی اور قدردانِ سخن کی نظرون مین وہ کافی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے گئے، ریاست مین ایک اچھی جگہ بھی دیگئی، لیکن کسی وجہ سے ناپسند کیا، اور وہان سے چلے آئے، تاہم ان کو دکن کی یاد آتی رہی، کہتے ہین،

فرقت سے آپکی ہمین غربت وطن مین ہے
یان کالبد ہے، روح ہماری دکن مین ہے

کانپور مین قیام اور ترکِ شاعری حیدرآباد سے واپس آنے کے بعد وہ زیادہ تر کانپور مین رہنے لگے، اُن کے اسی زمانہ

قیام مین مسجد کانپور کے شہید ہونے کا ہنگامہ برپا ہوا، جس مین بے گناہ مسلمانون کی خونریزی اور قید و بند کے مناظر اون کی نگاہون کے سامنے گذرے، اُن کی اسلامی حمیت جوش مین آئی، اور بلا خوف و خطر حکومت کے بے جا تشدد کے اظہار مین ستر بند کا ایک مسدس لکھ کر عام جلسہ مین سنایا، جس کا حاضرین پر بے حد اثر ہوا، آخر حکومت کی جانب سے وہ مسدس ضبط کیا گیا، اور ہمیشہ کے لئے وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا، اس مسدس کے لکھنے پر وہ بغاوت کے الزام مین گرفتار کئے گئے، اور مقدمہ چلایا گیا، اس مقدمہ سے تو خیر کسی طرح رہائی ہوگئی، لیکن یہ حکم برقرار رہا کہ وہ آیندہ کسی جلسہ مین کوئی نظم نہ پڑھین، احقر مرحوم اس واقعہ کے بعد کانپور سے چلے آئے، اس کے بعد ہی ان کے نوجوان ہونہار صاحبزادہ ناظم مرحوم کا عالمِ شباب مین انتقال ہوگیا، اس حادثہ کا اُن کے دل پر بڑا گہرا اثر ہوا، اور آخر شاعری کے تفریحی مشاغل سے بالکل کنارہ کش ہوگئے، اُن کی آخری غزل یہ ہے۔

احقر سے جو پوچھا کیون تمنے اب شغلِ سخن کو چھوڑ دیا
بولے کہ گیا جب موسمِ گل، بلبل نے چمن کو چھوڑ دیا

سفر حج احقر مرحوم نے اپنی زندگی مین دو بار حج کیا تھا، ایک مرتبہ کمسنی مین اپنے برادر معظم کے ساتھ اور دوسری مرتبہ جوانی مین، چنانچہ اس رباعی مین اسی کی طرف اشارہ ہے، ؎

کس جا نہ تمھین حضور ہم نے دیکھا
ایمن گئے کوہ طور ہم نے دیکھا
لیکن نہ ملا پتہ یہ قسمت اپنی
ڈھونڈھا تمھین، دور دور ہمنے دیکھا

وفات پچاس ساٹھ برس کی شاعری کے بعد بہتر برس کی عمر مین احقر مرحوم نے ۱۳۴۵ھ دسوین رمضان المبارک کو شہر پٹنہ محلہ سلطان گنج مین انتقال کیا، اور وہین سپرد خاک کئے گئے،

کلام کا نمونہ

چلے ہو گھر سے جو بن سنور کر بتاؤ صحبت کہان رہیگی
تو ہنس کے بولے تمھین غرض کیا جہان رہیگی وہان رہیگی
بقا ہے ذاتِ خدا کو تنہا فنا ہے ہر چیز کو جہان مین
نہ یہ رہیگی نہ وہ رہیگی وہی رہیگی جہان رہیگی،
بجا نہین ہماری پیری مین فکرِ عقبیٰ
بھٹکتے ہین جب مسافر منزل کو ڈھونڈتے ہین

وحشت تو لیگئی تھی جنون نے خاک بن مین
مٹی ہماری لائی پھر گھیر کر وطن مین
کھلنے نہ پائے پردہ مجھ زار و ناتوان کا
یارو لپیٹ دینا اچھی طرح کفن مین

شیشۂ دل غیر کے لائق نہین
اس مرقع مین تری تصویر ہو
کثرتِ عصیان نہین وجہِ نجات
جرم بیحد ہو تو کیا تعزیر ہو

وصل مین تم کیا تمھاری ہان مین کیا
آج موقع پر ابھی ڈر جائین کیا
عمر کاٹی بتکدہ مین بیٹھکر
اُٹھکے اب پیری مین کعبہ جائین کیا

جوہر تو ہے پہ قدرِ گہر کب وطن مین ہے
نے آبروِ عقیق یمانی یمن مین ہے
دونون کا حال ایک ہے اس گل کے ہجر مین
پہلو مین دل ہے بلبلِ نالان چمن مین ہے

پھنکا جاتا ہون مثلِ طور دل سینہ مین جلتا ہے
یہ کس کے منھ سے کلمہ لن ترانی کا نکلتا ہے
نہ کہنا پھر کہ کیسا دل مرا بیچین کر ڈالا
جگر کو تھام لو نالہ مرے منھ سے نکلتا ہے
طلب کرتے ہین وقتِ نزع اے جان اسلئے تمکو
کہ تم بھی دیکھ لو عاشق کا کیونکر دم نکلتا ہے
چلا جاتا ہے یہ کہکر مرے رونے پہ وہ ظالم
یہ طفلِ اشک ہر ہر بات پر یون ہی مچلتا ہے

ہوتا ہے آرزو سے فقط آدمی ذلیل
حاصل ہو مدعا جو کوئی مدعا نہ ہو
لے تو چلے ہین دابکے ہم بھی بغل مین دل
دھڑکا ہے یہ پسند بھی ہو ان کو یا نہ ہو
قصہ فضول حجت و تکرار نا روا
دل پھیر دین حضور اگر کام کا نہ ہو
ہم جانتے ہین لطفِ شبِ انتظار کا
وعدہ بھی وہ کرین تو الٰہی وفا نہ ہو
پیشِ خدا بیان کرین سب بتون کا حال
روزِ جزا کسی کا اگر سامنا نہ ہو

کیون نہ ہو سوزِ جگر اشکِ روان سے زائل
خاصیت آگ بجھانے کی ہے ہر پانی مین
مینھ برستے ہین جو یاد آتا ہے وہ گل اختر
اور ہوتے ہین مرے داغِ جگر پانی مین

حرم کا زاہدون کو دردِ سر ہو   جبین میری ہو تیرا سنگِ در ہو
ٹھہر اے موت جلدی کیا پڑی ہو   مہیا کچھ تو سامانِ سفر ہو
بہت عاصی سہی رندِ سیہ کار   مگر اے واعظو تم بھی بشر ہو
اٹھاؤ سر ذرا آنکھین ملاؤ   اجی کھوئے ہوئے کیوں اسقدر ہو
ہمارے سامنے احقر تعلّی   تمھین ہم جانتے ہین جس قدر ہو

حاصل اتنا تو ہوا خوگرِ حرماں ہوکر   سختیاں ہم پہ گذرنے لگین آسان ہوکر
کیا ملا مائلِ حسنِ رُخِ خوباں ہوکر   رہ گئے کوچۂ کاکل مین پریشان ہوکر
اُن سے بھی اپنا شباب اب نہین دیکھا جاتا   آئینہ ہاتھ سے رکھدیتے ہین حیران ہوکر
سچ کہا حضرتِ منصور نے یا جھوٹ کہا   آدمی دیکھ لے محوِ رخِ جانان ہوکر
بندۂ دیر کو ترغیبِ حرم دیتے ہو   واعظو شرک سکھاتے ہو مسلمان ہوکر
طعن ہم رندون پر اے زاہدِ مغرور نکر   ہوش رہتا نہیں مستِ مئے عرفان ہوکر
نفسِ امارہ کو کر زور سے زیر اے احقر   مور ناچیز سے دبتا ہے سلیمان ہوکر

دل کی آشفتگی تو کیا جانے   ایسی باتین تری بلا جانے
دیکھ لے اسکو جسکا جی چاہے   شرط یہ ہے کہ دیکھنا جانے
باوفا لوگ جانتے ہین مجھے   اری او بیوفا تو کیا جانے
بے خبر ہو جو خانۂ دل سے   کعبۂ و دیر کو وہ کیا جانے
قصۂ زلف پوچھئے تو کہوں   اور باتین مری بلا جانے
نہ رہا لطفِ زندگی احقر   اب مین جیتا ہون کیون خدا جانے

جو یہ کمسن سمندِ ناز کو مہمیز کرتے ہین   ہمیں پامال کیا کیا سبزۂ نوخیز کرتے ہین

ہنسی آتی ہے ہم کو واہ رے بیماریِ الفت
مرض بڑھتا ہے اتنا جس قدر پرہیز کرتے ہین

لگے آگ اس شفق کو رات گذری یار جاتا ہے
ہم اب جامِ صبوحی اشک سے لبریز کرتے ہین

قیامت ہے یہ سرمہ اور بھی ان خوش نگاہون کا
جلا کر سنگ چھریون کو یہ ظالم تیز کرتے ہین

ثنائے ابروئے خمدار مین لکھتے ہین شعر احقر
طبیعت کند جب ہوتی ہے یون ہم تیز کرتے ہین

کلام پر رائے احقر کے کلام کو چار حصون مین تقسیم کیا جاسکتا ہے، (۱) اردو غزلیات، (۲) رباعیات (۳) واسوخت (۴) فارسی کلام،

غزلیات ہمارے پرانے شاعرون کی طرح احقر کے کلام کا بھی بڑا ذخیرہ غزلیات پر مشتمل ہے، ان کے سوانح زندگی سے آشکارا ہے کہ وہ لکھنؤ کے دلدادہ تھے، وہ طرز شاعری مین بھی بالکل لکھنؤ کے پیرو اور مقلد تھے، زبان کی صحت کا خیال، محاورہ اور روزمرہ کا لحاظ، لفظی صناعی، مشکل ردیفون مین سخن آرائی، سب کچھ لکھنؤ کے طرز پر ہے، تاہم میر کے طرز سخن کو بھی ہاتھ سے جانے دینا نہین چاہتے، اور غالباً یہی ان کی بڑی خصوصیت ہے، ملاحظہ ہو،

احقر سے جو پوچھا کیون تم نے اب شغلِ سخن کو چھوڑ دیا
بولے کہ گیا جب موسمِ گل بلبل نے چمن کو چھوڑ دیا

دل پھنسکے کسی کی زلفون مین کس طرح الٰہی چھوٹ گیا
معلوم نہین کیا پیچ پڑا کالے نے جو من کو چھوڑ دیا

آتے ہین عجب انداز سے وہ ڈالے ہوئے رُخ پر بالون کو
زلفین جو ہٹین اک شور ہوا سورج نے گہن کو چھوڑ دیا

اب آنکھ کسی پر کیا ڈالین نظرون مین کوئی جچتا ہی نہین
آنکھون پہ ترے صدقہ کرکے جنگل مین ہرن کو چھوڑ دیا

چونکے نہ کسی دن خواب سے ہم غفلت مین بسر کی عمر اپنی
اے وائے غضب کب آنکھ کھلی جب روح نے تن کو چھوڑ دیا

تھے آسرے جتنے ٹوٹ گئے یارانِ وطن سب چھوٹ گئے
اے وادیِ غربت تو نے سنا کیون ہم نے وطن کو چھوڑ دیا

آورد مین لذت خاک نہین آمد کا مزا ہے اے احقر
وہ چال نہ چل جو لوگ کہین آتش کے چلن کو چھوڑ دیا

احقر کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گو اُن کی شاعری کا زیادہ حصہ گل وبلبل کے افسانون سے بھرا ہوا ہے

پھر بھی تصوف کے آب و نمک سے ان کی شاعری خالی نہین، ؎

یہ عشق کی ہے سرکار احقر غصہ بھی یہان ہے پیار بھی ہے
ہر زخم جگر کے پھائے مین کافور بھی ہے زنگار بھی ہے

کیا مٹی مین ملایا ہے تونے کیا بات ہے اس مین ای ساقی
جو رند ہے اس میخانے کا مدہوش بھی ہے ہشیار بھی ہے

یہ راز کی باتین ہین اس کو سمجھے تو کوئی کیونکر سمجھے
انسان ہے پتلا حیرت کا مجبور بھی ہے مختار بھی ہے

حیران ہین تیرے مذہب سے سب گبر و مسلمان اے احقر
اے واہ رے تو سبحان اللہ تسبیح بھی ہے زنار بھی ہے

ایک شعر مین وحدت شہود کا مسئلہ بیان کیا ہے، ؎

نقطۂ صنعت صانع مری نگاہ مین ہے
عیان گلون مین ہے کانٹون مین ہے گیاہ مین ہے

دنیا کی بے ثباتی، ؎

احقر مسافرانہ بسر کر رہے ہین ہم
دنیا مین کیا لگائین دل اپنا سرا تو ہے

جناب داغ آسمان کو اس طرح دھمکاتے ہین،

کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہین
اگر نہ آگ لگا دون تو داغ نام نہین

اسی مضمون کو حضرت احقر اس طرح ادا کرتے ہین،

چار نالون مین ابھی ڈھا دون تجھے
اے فلک تیری بھی کچھ بنیاد ہے

جناب جلیل اپنی توبہ شکنی کا سبب کالی گھٹا کو ٹھہرا کر خود کو بے قصور ثابت کرنے کی اس طرح کوشش کرتے ہین

توبہ تو کر چکا تھا مگر کیا کہون جلیل
کالی گھٹا کو دیکھ کے نیت بدل گئی

مگر اس احقر شاعر کو بھی دیکھئے کہ وہ اپنی توبہ شکنی کا عذر کس طرح پیش کرتا ہے،

توبہ تو کی تھی واعظا تجھ سے مگر کہون مین کیا
آج ذری سی پی گیا ابر بہار دیکھکر

حضرت امیر نے ایک شعر مین اپنی نازک دماغی اس طرح دکھائی ہے،

دوزخ مجھے قبول ہے اے منکر و نکیر
لیکن نہین دماغ سوال و جواب کا

لیکن احقر بھی کچھ کم "بددماغ" نہین، وہ اپنے سنگدل معشوق کے فیصلہ پر رضامندی ظاہر کرتے ہین، لیکن سوال و جواب اور بحث کرنے کے لئے تیار نہین،

اس بُت سے کون بحث حضورِ خدا کرے
احقر اسی پہ چھوڑ دو جو فیصلہ کرے

بیگانگیِ خلق سے تنگ آکر غالب نے اپنے کو اس طرح سمجھایا ہے،

بیگانگیِ خلق سے بیدل نہ ہو غالب
کوئی نہین تیرا تو مری جان خدا ہے

لیکن احقر بیگانگیِ خلق کی پرواہی نہین کرتا، اگر کوئی اس سے بے وفائی کرتا ہے تو یہ بجائے رنجیدہ خاطر ہونے کے خود بھی منھ پھیر لیتا ہے،

دنیا نے مجھ سے پھیر لی آنکھین تو کیا ہوا
کچھ غم نہین ہے کوئی نہین ہے خدا تو ہے

"عشقِ بتان" سے پچھتاکر جناب مومن اپنی شرمندگی اور ندامت کا اظہار اس طرح کرتے ہین، ؎

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتان مین مومن
آخری وقت مین کیا خاک مسلمان ہونگے

لیکن ذرا احقر کی شرمندگی کو دیکھئے،

خدا کے سامنے ہم جائین کیونکر
بتون پر عمر بھر شیدا رہے ہین

جناب مومن کے شعر مین افسوس کے ساتھ غصہ بھی ملا ہوا ہے، لیکن احقر کے اس شعر مین ایسی عاجزی ندامت، یاس، اور حسرت پائی جاتی ہے کہ انسان پڑھکر متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا،

غالب کا ایک بہت مشہور شعر ہے

غالب ہمین نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے
بیٹھے ہین ہم تہیۂ طوفان کئے ہوئے

احقر کے "طوفانِ آب" کا منظر یہ ہے،

رو رو کے ہجر یار مین طوفان اٹھاؤنگا
بیٹھا ہون آج ساتھ لے چشمِ تر کو مین

جناب ریاض کا شعر ہے،

بڑے صاف ظاہر بڑے پاک باطن   ریاض آپ کو کچھ ہمین جانتے ہین،

ہمین کوئی کلام نہین کہ شعر اپنی سادگی، برجستگی، اور طرز بیان کے اعتبار سے آپ اپنی نظیر ہے، اختر کا شعر بھی اس سے کم نہین،

ہمارے سامنے اختر تعلّی   تمھین ہم جانتے ہین جس قدر ہو

واعظون اور شاعرون مین ہمیشہ سے لاگ چلی آتی ہے، لیکن اختر کے طرز بیان مین کچھ ایسی لذت ہے کہ اُن کی مذمت مین تلخی نہین پائی جاتی،

دیکھو اختر سے نہ اُلجھو واعظو   تم ہو دیوانے تو یہ مجذوب ہے

دوسری جگہ غریب زاہد کو باتون مین کیسا لیا ہے،

زاہد سے اور تجھ سے اختر ملاپ کیسا   کیسی ذلیل تیری اوقات ہوگئی ہے

رعایت لفظی جو فن شاعری مین ایک قابل قدر چیز سمجھی جاتی ہے، اختر کے یہان بھی کثرت سے ملتی ہے، چنانچہ اُن کی ایک غزل "صنعت مرصع" مین ہے،

مجھ کو فگار دیکھکر، حالت زار دیکھ کر   رو دیا یار دیکھ کر، آگیا پیار دیکھکر
ہجر کی رات الامان ظلمت گور تھی عیان   قبر کا بھر گیا سمان، یہ شب تار دیکھکر
مین ہون بلا کا سخت جان، آپکی نازکی عیان   دوہری نہ ہون کلائیان کیجیے وار دیکھکر
توبہ تو کی تھی واعظا، تجھ سے مگر کہون مین کیا   آج ذری سی پی گیا، ابر بہار دیکھکر

اختر مرحوم شعرائے لکھنو کی پیروی مین سخت زمین مین اکثر غزل کہتے اور اس بارہ مین ان کو کسی حد تک اصرار معلوم ہوتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اُن کی اکثر غزلین سنگلاخ زمینون مین ملینگی، مشکل ردیفون کو نباہنا اُن کا خاص کمال ہے، "دھوپ" پر ان کی طبع آزمائی ملاحظہ ہو، حق یہ ہے کہ خوب نباہا ہے، اور یہ نہ صرف کوہ کندن وکاہ برآوردن ہے، بلکہ اس غزل کے بعض بعض شعر اپنی بلندی خیال اور جدت مضمون کے لحاظ سے

قابلِ داد ہین،

کب دشمنِ رندانِ قدح نوش ہوئی دھوپ جب آئی گھٹا جھوم کے روپوش ہوئی دھوپ
ٹھہرا نہ کوئی عکس رخِ یار کے آگے خورشید چھپا شرم سے روپوش ہوئی دھوپ
اے ابرِ کرم یاد جو آئی تری رحمت میدانِ قیامت کی فراموش ہوئی دھوپ
وہ آئے دمِ صبح لبِ بام، چھپا مہر دن بھر کے بکھیڑون سے سبکدوش ہوئی دھوپ
پیری مین نہین جامِ صبوحی کا مزا کچھ،
احقر سبب توبۂ مے نوش ہوئی دھوپ

روزانہ کی بول چال مین شعر کہنا جتنا دشوار ہے، اتنا ہی شاعری کا کمال بھی ہے، اور جناب احقر کی خصوصیاتِ کلام مین جو چیز سب سے زیادہ نمایان ہے وہ یقیناً روزمرہ کا استعمال ہے، وہ شعر اس طرح لکھتے ہین، جیسے کوئی شخص گفتگو کر رہا ہو، یہان ان کے کلام سے چند غزلین پیش کیجاتی ہین،

مے سے انکار کوئی بات ہے یہ پیجئے پیجئے برسات ہے یہ
شوق سے لیجئے دل حاضر ہے آپ سے عذر کوئی بات ہے یہ
بھیجئے خلد مین یا دوزخ مین آپ راضی ہون بڑی بات ہے یہ
ہوسِ خلد ہے طاعتِ زاہد بات بس قبلۂ حاجات ہے یہ

ایک دل ہے مانگنے والے ہزار کس مصیبت مین ہماری جان ہے
یہ نصیحت اور یہ عہدِ شباب تو بھی اے ناصح بڑا نادان ہے
دیکھ لو بیمارِ غم کو دیکھ لو کوئی دن کا اور یہ مہمان ہے
بخش دو احقر کو اے بندہ نواز
ہو گئی اس سے خطا، انسان ہے

گالیان سُن کے چپ رہون کب تک
میرے منھ مین زبان ہے کہ نہین
خانۂ دل مین کیون نہین آتے
یہ تمھارا مکان ہے کہ نہین
ہو کرم غیر پر مرے آگے
یہ ستم مہربان ہے کہ نہین
ان بتون کو خدا سے کیا نسبت
وہ یقین یہ گمان ہے کہ نہین

لکھنؤ کے ذوق اور میر صاحب کے میخانہ کی جرعہ نوشی ملاحظہ ہو،

کچھ بات ہی ایسی ہے جس سے دم بھر بھی اُنھے آرام نہین
اب حال تو یہ ہے احقر کا گر صبح رہا تو شام نہین
کر طعن نہ مجھپر اے واعظ نادان یہ اچھا کام نہین
پہنچیگی کبھی تو آہ مری کچھ عرش بتون کا نام نہین
دل خانۂ شادی تھا میرا آباد تھی اک دن یہ بستی
اب دیکھئے کیا ہو سینہ کو اس گھر مین خوشی کا نام نہین
قربان کرون کیا چیز یہ، ہو دل جو پسند اے جان تمھین
مفلس کا سمجھ لو مال اسکو کیا دام اسکا کچھ دام نہین
ہین عاشق زلف روئے صنم بس عشق ہمارا مذہب ہے،
اب رہتے ہین ہم جس منزل مین وان کفر نہین اسلام نہین
یہ کافر و مومن دیر و حرم اسرار ہین اس کی حکمت کے
جو واقف ہو وہ واقف ہو ہین خاص یہ باتین عام نہین
آتی ہین صدائین کانون مین دن رات یہی کہتا ہو کوئی
چلنے کے لئے طیار رہو رہنے کا یہان کچھ کام نہین
گھبرائے جو بندے محشر مین رحمت نے صدائین دین بڑھکر
لکھے سے ملا کر دیکھا ہے تم لوگون پر کچھ الزام نہین
پوچھے جو کوئی احوال مرا کچھ بیچ کی حالت کہہ گذرون
ایسا ہی فسانہ ہے جسکا آغاز نہین انجام نہین
کیا دور ہے کیسی گردش ہے اے چرخ کہن یہ بدعت نو
اغیار کو بخشے خم ساقی یارون کے لئے اک جام نہین
اے چرخ ستمگر خوب ہمین رسوائے زمانہ تو کر لے
ہم عشق کے بندے ہین ہم کو اندیشۂ ننگ و نام نہین

دن آگئے مرنے کے لیکن دل مین ہے ہوسنا کی ابتک
اندھیر یہ کیسا ہے احقر کچھ فکر چراغ شام نہین

رباعیات احقر نے رباعیان بھی بہت کہی ہین، سب کو معلوم ہے کہ رباعی کا کمال یہ ہے کہ چارون مصرعون کے

کوزہ مین، وسیع و عمیق معانی کا دریا بند کر دیا جائے، اور طرز ادا ایسا ہو کہ سننے والا متأثر ہوئے بغیر نہ رہے،

اخلاصِ عمل کے متعلق اکثر شعرا نے بہت کچھ کہا ہے، اور بہت خوب کہا ہے، لیکن اختر کا انداز ملاحظہ ہو:-

یون لاکھ زبان پر ہو جاری توبہ　　ہو کام تو کام کی ہے ساری توبہ
اخلاص اگر نہین تو طاعت بے سود　　بگڑی کو بنائے کیا ہماری توبہ

اختلافِ مذاہب کی صوفیانہ حقیقت یون واضح کرتے ہین،

گیسو ترے ہین روئے زیبا تیرا　　کعبہ ترا صنم، کلیسا تیرا
کچھ مومن و برہمن جو سوچین اختر　　ہو جائے دلون سے دور میرا تیرا

"جوانی دیوانی" کس کی نہین ہوتی، اس وادی سے اختر بھی گذرے تھے، شباب نے جہان گم کردہ راہ کیا تھا، پیری نے واماندہ راہ کر دیا ہے، لیکن جوانی کی یاد اس عہد مین بھی جوش و ولولہ سے خالی نہین، کس مزہ سے کہتے ہین، سب کچھ کہدیا اور کچھ نہین کہا،

اختر! عہدِ شباب! توبہ توبہ　　وہ ضبط! وہ اضطراب! توبہ توبہ
کچھ ہم سے نہ پوچھئے جوانی کا حال　　توبہ توبہ! جناب توبہ توبہ

ان سیہ کاریون کے بعد طلبِ مغفرت بھی شعراء کا عام مضمون ہے، اختر کی طلبِ عفو کا رنگ یہ ہے،

اختر اُف رے سیاہ کاری تیری　　بے جا نہین یار! بے قراری تیری
ہو طالبِ عفو دیکھ مایوس نہ ہو　　سُن لے شاید جناب باری تیری

ایک رباعی مین اپنے خالق سے تقسیم و تقدیر کا گلہ اس پیرایہ مین کرتے ہین،

گل رویون کو عیش باغ بخشا تونے　　مجھ کو دلِ داغ داغ بخشا تونے
کیا ضد تھی کہ پھونکنے کو گھر بار مرا　　جلتا ہوا اک چراغ بخشا تونے

شراب رباعیات کا خاص مضمون ہے، اختر کے میخانۂ سخن مین دیکھئے کہ یہ شراب کس کس رنگ مین آئی ہے،

کیونکر رہے غم سے میرا سینہ خالی   گھنگور گھٹا ہو اور مینا خالی
ساقی اک جام، میکدہ کا صدقہ   برسات کا جاتا ہے مہینا خالی

لا مجھ کو شرابِ ناب ساقی دیدے   اس ابر مین آفتاب ساقی دیدے
کل روزِ حساب خیر دینگے حساب   لے آج تو بے حساب ساقی دیدے

عاشقانہ رنگ کی رباعیون کا انداز یہ ہے،

ہے ہے اسی دردِ سر نے مارا مجھ کو   کافر تری نظر نے مارا مجھ کو
موت آگئی عشقِ زلف و رخ مین احقر   آخر شام و سحر نے مارا مجھ کو

اپنے محبوب کے زلف و رخ کو شام و سحر سے تشبیہ دینا مشہور عام ہے، لیکن اس شام و سحر کی تشبیہ اور ابہام سے موت کا ثبوت بہم پہنچانا شاعرانہ جدت ہے،

شاعری کی ایک مقبول صنف منظر کشی بھی ہے، احقر کے کلام مین اس کی مثالین کم ملتی ہین، تاہم ایک رباعی مین موسم بہار کا منظر کس دلکش طریقہ سے کھینچا ہے،

کیا بن کے نئی دُلہن بہار آئی ہے   پھولون کا گلے مین دیکے ہار آئی ہے
غنچے کیا کیا چٹک رہے ہین احقر   جوبن یہ صبا جو ہاتھ مار آئی ہے

شراب کے متعلق اُن کی ایک رباعی ہے، اور واقعی خوب ہے اور کیا عجب کہ یہ وہی رباعی ہو جس کو کہ انھون نے حیدرآباد کے کسی بزمِ مشاعرہ مین پڑھ کر حضرت برتر جیسے ممتاز شاعر سے خراجِ تحسین وصول کیا تھا، رباعی یہ ہے ؎

کیا بزم مین بے حجاب آئی ہے   بدلی ہے تو بن کے آفتاب آئی ہے
انگور مین چھپ رہی تھی ظالم جا کر،   اب کھنچکے میرے سامنے شراب آئی ہے

توریثن واسوخت اُن کے کلام مین ایک چیز جو آج سے پچیس سال قبل یقیناً بڑی انوکھی ہو گی،

"یورشین واسوخت"[1] ہے، جس مین اردو زبان مین انگریزی الفاظ کھپائے ہین، احقر جیسے پیرانہ سال اور کہنہ خیال شاعر کے لئے نظم مین انگریزی کے پورے پورے لفظ کو اس بے تکلفی اور استادی سے کھپا دینا کہ انگریزی اور اردو کے اندر کوئی فرق نہ معلوم ہو اعجاز ہے، شاعر نے ہر ایک شعر مین انگریزی کے ایک دو لفظ کو ایسے عمدہ موقع اور محل پر استعمال کیا ہے، کہ اس سے شاعر کے متعلق بجا طور پر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ وہ نہ صرف فن شاعری کا ایک باکمال استاد ہے بلکہ انگریزی زبان پر بھی قدرت تام رکھتا ہے، اس واسوخت کے سلسلہ مین ایک دلچسپ نقل بیان کیجاتی ہے، ایک روز احقر کے ایک گریجویٹ دوست ملنے آئے، سلسلۂ گفتگو مین انگریزی کا کوئی لفظ احقر کے صحیح ادا نہ کرنے پر اُن کے ایک دوست کو ہنسی آگئی، احقر کو اسکا بڑا صدمہ ہوا، اور اسی وقت سے انگریزی پڑھنی شروع کردی، اور تھوڑے ہی عرصہ مین انگریزی زبان پر کامل عبور حاصل کر لیا، یہ "یورشین واسوخت" انکی اسی کوشش کا ایک کرشمہ ہے، یہان اس کے تین شعر نقل کئے جاتے ہین، ؎

نیم سے عشق کے مین تو کبھی آگاہ نہ تھی　　خبرِ شادی و سورو مجھے واللہ نہ تھی
نام　غم
لَو ہے کیا چیز، فکشن کسے کہتے ہین بشر　　بلوڈ ورڈ ہے کیا، کہتے ہین کس شی کو لوَر
عشق　معشوق　لفظ　عاشق
سرپرائز مجھے اس بات کا ہے حد سے سوا　　ایک ہی لُک مین مرا ہارٹ یہ پاور نہ رہا
حیرت　نظر　دل　قابو

فارسی کلام اُن کے فارسی کے کلام کا بہت کم ذخیرہ ہے، مگر جو کچھ ہے اس سے اُن کی فارسی پر قادر الکلامی کا پتہ چلتا ہے، یہان اُن کی صرف ایک فارسی نعت ہدیۂ ناظرین ہے،

اے اوّلِ پیشینیان اے آخرِ پیغمبران　　ہستی عجب سرِّ نہان گاہے چنین گاہے چنان
صد جان چو من قربان ترا، روحی فداک اے خوش ادا　　نازیست این با معجزہ دل می بری از بیدلان
محمود و احمد نام تو، عرشِ معلّٰی بامِ تو　　مستیم ما از جامِ تو اے ساقیِ کوثر نشان

---

[1] امید ہے کہ یہ "یورشین واسوخت" جو اس وقت تک غیر مطبوعہ ہے، عنقریب اُن کے مجموعۂ کلام کے ساتھ شائع ہوکر ہدیۂ ناظرین ہو،

در جسم چون جان آمدی با درد و درمان آمدی   خورشید تابان آمدی کردی زمین را آسمان
تا کے المنا کم کنی، از رنج و غم پا کم کنی   سربستہ فترا کم کنی اے شہسوارِ لامکان
خورشید از رویت خجل مویت کمندِ مرغِ دل   خویت بہ قرآن متصل اے پیشواے مرسلان
تو جانِ پاکان آمدی، محبوبِ سبحان آمدی   با عہد و پیمان آمدی، پشت و پناہِ امتان

اے احقرِ اندوہگین، تا چند باشی این چنین
یا صبر کن از نازنین، یا جان بدہ بر آستان

گلِ رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ، اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو مین شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس مین آبِ حیات کی غلطیون کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۰ صفحے، قیمت صہ

خیام

خیام کے سوانح، تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیاتِ خیام پر مفصل مباحث اور آخر مین خیام کے چھ عربی و فارسی رسالون کا ضمیمہ اور اسکے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل، مکمل اور حتی المقدور محققانہ، یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے،

ضخامت ۵۲۰ صفحات، کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ،

قیمت :- غیر مجلد عہ، مجلد للعہ

"منیجر"

اسلامی ہند کی تاریخ،

از

خان بہادر مولوی محمد حسین خانصاحب سابق ڈپٹی اکونٹنٹ جنرل گورنمنٹ آف انڈیا، وسابق فینانس منسٹر ٹونک

مخدومی و مکرمی جناب مولٰنا سید سلیمان صاحب دام فیوضکم،

سلام مسنون، جو اسلامی خدمت جناب والا و دیگر بزرگان مجلس **دار المصنفین** اپنی بے مثل و گران پایہ تصنیفات و تالیفات کے ذریعہ سے کر رہے ہین وہ محتاج تشریح نہین، خداوند کریم آپ صاحبون کو جزاے خیر و اجر عظیم عطا فرمائے اور مسلمان ان سے کما حقہ مستفید ہون، آمین،

عرصہ ہوا کہ دہلی مین محبی و محترمی مولنا محمد علی مرحوم کی زندگی مین اُن کے مکان پر اور دو ایک مرتبہ مشفق مکرم ڈاکٹر انصاری صاحب کے دولتخانہ پر جناب کی خدمت مین نیاز حاصل ہوا تھا، لیکن کبھی مفصل گفتگو کا موقعہ نہ ملا، اُس زمانہ مین نیازمند گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمہ محاسبی مین ڈپٹی اکاونٹنٹ جنرل تھا، مدت سے یہ خیال تھا کہ جناب کی خدمت مین ایک ضروری قابل لحاظ امر کے بارہ مین تصدیع دون، لیکن مکروہات زمانہ نے اس کی اجازت نہ دی، اب چونکہ کسی قدر آزادی اور وقت ملا ہے، اس لئے آج اس دیرینہ آرزو کو پورا کر رہا ہون،

ایک زمانۂ دراز سے میری راے ہے کہ ہندوستان کی اسلامی حکمرانی کی تاریخ جیسی کہ چاہئے ابھی تک بالکل نہین لکھی گئی ہے، اور اس کی ذمہ داری مسلمانون پر ہے، سید امیر علی مرحوم جب کلکتہ ہائی کورٹ کے جج تھے اور ان کی "ہسٹری آف سار اسنز"، شائع ہوئی تھی تو ایک جھلک اس کمی کے پورے ہونے کی بھی بعض اسلامی حلقون مین چند روز کے لئے محسوس ہوئی تھی اور خیال تھا کہ صاحب موصوف اس طرف توجہ کرین گے، لیکن کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوا، یہ وہ زمانہ تھا کہ اس وقت کے

سیاسی ماحول کی جو کیفیت تھی اس کے ماتحت اس قسم کی کوشش گورنمنٹ کے مفاد و مصالح کے خلاف سمجھی جاتی تھی، اور اسکی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ سرکاری مدارس کے نصابِ تاریخ مین ابتدائی جماعتون ہی سے جس وضع کی کتابین داخل تھین، اور اب بھی ہین، انھین دیکھتے ہوے عام خیال تھا کہ اسلامی فرمانروائی کی بے لوث اور تعصب سے خالی تاریخ گورنمنٹ کے اکثر افراد کی نظرون مین پسندیدگی کے ساتھ نہ دیکھی جائیگی،

لیکن کون کہہ سکتا تھا کہ تھوڑے عرصہ کے بعد اس ملک کی فضا اس قدر بدل جائیگی کہ بیشتر جن باتون کا دل مین خیال تک آنا جرم کی تعریف مین آسکتا تھا، اس سے کہین بڑھ کر اخبارون مین بلکہ دو بدو کونسلون وغیرہ مین بلا تکلف اظہار کیا جائیگا، جو فسانے مسلمانون کے گذشتہ مفروضہ مظالم اور برائیون کے فخریہ طور پر نہایت بیباکی کے ساتھ یوروپین اہلِ قلم بآوازِ دہل دنیا کو سنانے کے عادی تھے اُن پر یورپ کی گذشتہ جنگ عظیم نے پانی پھیر دیا، اور اب بہت کم ذکر کتب خانۂ اسکندریہ کے ضائع ہونے اور کلکتہ کے بلیک ہول کا سننے مین آتا ہے، مگر جو گہرا اثر اس قسم کی زہر افشانی اس ملک کے ایک بہت بڑے حصۂ آبادی پر کر چکی ہے، اس کے زائل ہونے مین مشکلات حائل ہین، اور مدت مدید درکار ہے، اور اسکی اصل وجہ کافی غور و خوض کے بعد میری ناچیز رائے مین یہ ہے کہ ہندوستان کے اسلامی عہد کی ایسی جامع و مکمل تاریخ جو صحیح معنون مین تاریخ ہو موجود نہین ہے اور اس کمی کو پورا کرنے کی سخت ضرورت ہے، مسلمانون کے ذمہ یہ ایک ایسا فرض ہے کہ اسے ادا کئے بغیر وہ درحقیقت قابلِ الزام ہین،

یہ امر قابلِ غور ہے کہ ہندوستانی اسکولون مین بچون کی چھوٹی عمر سے کس قسم کی تاریخ پڑھائی جاتی ہے مجھپر جو اثر نصابِ تاریخ کا ہوا وہ تو یہ ہے کہ بارہ تیرہ سال کی عمر مین جب راجہ شیو پرشاد کی تاریخ ہندوستان اسکول مین پڑھتا تھا تو مجھے ہندو ہم جماعت طالب علمون کے سامنے مسلمان بادشاہون کے حالات پڑھکر نہایت شرم آتی تھی اور آنکھ نیچی کرنی پڑتی تھی وہ کیفیت مین اب تک نہین بھولا ہون، اس کے بعد جب انٹرنس مین سر ولیم ہنٹر کی مختصر تاریخ ہند پڑھنے کی نوبت آئی تو اس کے بعض حصے اب تک دل پر نقش فی الحجر ہین، مثال کے طور پر صرف ان چند فقرون کا ذکر کافی ہوگا، جو اب تک مجھے بخوبی یاد ہین اور آیندہ اُن کے دل سے محو ہونے کی امید بھی نہین ہے، یہ

حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی شان مین لکھے گئے تھے، اور ان کا مفہوم حسب ذیل ہے،

> "اورنگزیب ایک اچھا فرمانروا ہوتا اگر قید کرنے کے لئے اس کا باپ نہ ہوتا، قتل کرنے کو بھائی نہ ہوتے اور ظلم کرنے کے واسطے ہندو رعایا نہ ہوتی "

انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ نمونہ ہے اُن زہریلی تحریرون کا جو مسلمان بادشاہون کے متعلق عام طور پر طالبعلم مدارس مین پڑھتے ہین، اور جس صورت مین کہ مسلمان لڑکے اُن سے بے انتہا متأثر ہوتے ہین تو ظاہر ہے کہ ہندو طالبعلمون پر کیا کچھ اثر نہ ہوتا ہوگا اور قدرۃً ہونا بھی چاہئے، برخلاف اس کے کیا کوئی ایسی مثال پیش کیجا سکتی ہے، کہ جہان اس طرح نفرت انگیز خیالات ظاہر کئے گئے ہین، کبھی کسی کتاب مین حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد فرامین سے کسی ایک کا بھی ذکر خیر کیا گیا ہو جس کے ذریعہ سے بنارس کے مندرون اور پانڈون کے مصارف کے لئے مرحوم نے جاگیرین عطا فرمائین اور جنمین سے بعض اب تک باقی ہین،

جس قوم کے نونہالون کی تعلیم کی بنیاد اس طریقہ سے رکھی گئی ہو، آگے چل کر اُن کے خیالات مسلمان بادشاہون اور اُن کی حکومت کے متعلق کیسے ہونگے کیا اس بارہ مین کسی تفصیل کی ضرورت ہے؛ جس قدر آتش غیظ و غضب اور انتقامی جذبات طبیعتون مین نہ بھڑکین کم ہین، اور کس کے مقابلہ مین یہ عملی جامہ پہن سکتے ہین؛ صرف موجودہ زمانہ کے مسلمانون کے مقابلہ مین، ادھر کچھ عرصہ سے ہندو مسلمانون کے اختلافات کے اسباب اور اُن کے رفع کرنے کے مسئلہ پر مختلف پہلوؤن سے تحریری و تقریری مباحث ہوا کرتے ہین، پبلک کے سربرآوردہ حضرات اور نیز حکومت کے بڑے بڑے افراد ان مین حصہ لیتے ہین، "دلون مین تبدیلی" پیدا کرنے کی اصرار کے ساتھ ہدایت اور تلقین کیجاتی ہے، لیکن اصل مرض کی تشخیص اور اُس کے زبان پر لانے کی کوئی ہمت نہین کرتا، جو زہریلا مادہ گھٹی کے ساتھ ہی جزو غذا قرار دیا گیا ہو وہ آئندہ اپنا اثر بد کیون نہ دکھلائے، اور جب تک اس کے ازالہ کی فکر نہ کیجائے تمام تقریرین اور تحریرین میرے نزدیک فضول ہین، گورنمنٹ پر جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کی پالسی ہے کہ رعایا مین افتراق پیدا کر کے حکومت کرے وہ غلط سہی لیکن اس سے انکار نہین ہو سکتا کہ جو طریقہ تعلیم ہندوستان مین

جاری کیا گیا اس سے جو نتائج برآمد ہوئے وہ اس پالسی کی بہ نسبت کہین زیادہ دیرپا اور مؤثر ثابت ہوئے ہین،

اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، لیکن جو کچھ اوپر عرض کیا گیا ہے اس سے واضح ہوگا کہ میری رائے مین جب تک اسلامی عہد کی سچی تاریخ نہ لکھی جائیگی اور جس حال مین مسلمانون نے ہندوستان کو پایا اور اُس کی تعلیمی، زرعی، اقتصادی، معاشرتی اور عام طور پر تمدنی ترقی کے لئے جو کچھ نہایت جانفشانی و بے تعصبی کے ساتھ کیا اس کے مشرح اور صحیح حالات نہ لکھے جائین گے موجودہ مرض کا علاج نہین ہو سکتا، فارسی سے تو برادرانِ وطن کو تعلق ہی نہین رہا، اس لئے جو ذخیرۂ معلومات اس زبان مین اس بارہ مین موجود ہے، اس سے استفادہ ناممکن ہے، اردو سے بھی نفرت روبہ ترقی ہے، تاہم مسلمانون کا فرض ہے کہ جس طرح ہو سکے ابتدأً اردو ہی مین اس کمی کو پورا کیا جائے، یہ ایک نہایت مہتم بالشان اور بیحد مشکل کام ہے، اور ایک یا دو شخصون کے کرنے کا نہین ہے، اس کے لئے ایک باقاعدہ جماعت نہایت قابل و لائق بزرگون کی مقرر کی جائے، اور میری رائے مین مجلس دار المصنفین سے بہتر و موزون حضرات اس اہم کام کے لئے نہین مل سکتے، اگر جناب والا کو میرے ساتھ اتفاق ہو تو ایک خاکہ دستور العمل کا تیار کر لیا جائے، سات سو سال کے زمانہ کو باعتبار شاہی خاندانون کے تقسیم کر کے یا جس طرح زیادہ مناسب و موزون ہو جناب کی نگرانی مین کام کیا جائے، دستور العمل کے ساتھ ہی مالی ضروریات کا بھی اندازہ کر لیا جائے تاکہ دولتمند حضرات سے امداد کی درخواست کیجائے اور کام شروع ہو سکے،

اس عظیم الشان تصنیف کا انگریزی ترجمہ بھی اشد ضروری ہوگا، لیکن اسکا انتظام بعد کو ہوگا، مگر ایک مختصر انتخاب سید امیر علی مرحوم کی "ہسٹری آف سارا سنز" کی وضع کا جس کے بعض حصے اسکولون مین اور بعض کالجون مین داخل نصاب ہو سکین، ساتھ ساتھ تیار ہو سکے تو انسب و اولیٰ ہے، بہرحال یہ تفصیلی معاملات ہین جنکا تصفیہ آپ صاحبون کی رائے پر منحصر ہے، امید ہے کہ اس تجویز پر جناب غور فرما کر اپنے بیش بہا خیالات سے خاکسار کو مشرف فرمائین گے

اگر جناب اس عریضہ کو معارف میں شائع فرمانا چاہیں تو مجھے عذر نہ ہوگا:- والسلام

احقر

(خان بہادر منشی) محمد حسن خان صاحب

سابق فائنانس منسٹر رام پور

تلخیص و تبصرہ

ایران کا جدید ضابطۂ قانون،

دیگر اسلامی ممالک کیطرح ایران مین بھی قانون کی کتابین پہلے عربی زبان مین ہوتی تھین اور مجتہدین اُن کا فیصلہ کرتے تھے، مگر اب یہ اختیار وہان کی مجلسِ دستور (پارلیمنٹ) کو حاصل ہوگیا ہے، اور ان اختیارات کا دائرہ روز بروز زیادہ وسیع ہوتا جاتا ہے، اب قانون کی نئی کتابین فارسی زبان مین شائع ہوئی ہین اور رسالون کی شکل مین انکی اشاعت کثرت سے کی گئی ہے، حکومت کا ہر شعبہ اپنا علٰحدہ ضابطۂ قانون رکھتا ہے، پارلیمنٹ کو قانون وضع کرنے کا اختیار برابر زیادہ حاصل ہوتا جارہا ہے، مردم شماری، دستاویزون کے اندراج، اور سرکاری دفترون مین نکاحون کے درج کرنے کے لئے حکومت کی طرف سے علٰحدہ علٰحدہ محکمے قائم کردیئے گئے ہین، سرکاری ضابطۂ قانون کا خلاصہ چار جلدون مین شائع ہوگیا ہے، قانونِ عامہ کی کتاب مین جائداد، وصیت نامہ، کاروباری شرکت، عدالتی مقدمات، خاص حالات مین ان مقدمات کے فیصلہ کے طریقے ثالثی کے ذریعہ مقدمات کے فیصل کرنے کے طریقے، ضمانت کا قانون، شہریت کا قانون، فوجداری کا قانون و ضابطہ، یہ سب قوانین مرتب اور مختصر طور پر بیان کردیئے گئے ہین،

غیر ملکی رعایا کے متعلق پہلے یہ قانون تھا کہ وزارت خارجہ کے ارکان تمام بڑے بڑے شہرون اور اہم سرحدی مقامات پر بھیج دیئے جاتے تھے تاکہ ان لوگون کے ملکی قوانین کے مطابق اُن کے نزاعات کا فیصلہ کرین، لیکن اب یہ صورت نہین ہے اور ایران کی تمام رعایا، ملکی اور غیر ملکی دونون، قوانین ایران کی پابند ہے، علاوہ اس شکل کے کہ حکومت خود بعض حالات مین انھین کسی قانون کی پابندی سے مستثنیٰ کردے، چنانچہ وہ غیر منقولہ جائدادین جو غیر ملکی رعایا حاصل کرچکی ہے یا حاصل کررہی ہو ہر حال مین ایرانی قانون کے تابع رکھی گئی ہین، لیکن ذاتی معاملات اور حقوقِ شہریت مین مثلاً وہ حقوق جو عہد نامہ کی

شرائط کے مطابق تسلیم کئے جاچکے ہین، ایران کی غیر ملکی رعایا اپنے ہی ملکون کے قانون کی تابع اور پابند رہیگی، دستورِ حکومت کی جدید ترمیمات مین درج ہے کہ ایران کی غیر ملکی رعایا کی جان و مال محفوظ ہے علاوہ اُن صورتون کے جنکی تصریح قانون مین کردی گئی ہے، یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ جرائم اور اہم قصورون کے علاوہ اور کسی حالت مین کوئی شخص دفعۃً گرفتار نہین ہوسکتا جب تک کہ اس کی گرفتاری محکمۂ قضا کے صدر کے تحریری حکم سے عمل مین نہ لائی جائے اور ایسی حالت مین بھی اس شخص کے خلاف جو الزام ہے وہ اسے فوراً سنا دیا جائیگا یا زیادہ سے زیادہ چوبیس گھنٹہ کے اندر، اسی طرح قانون کے واضح حکم کے بغیر کسی مکان مین جبری داخلہ بھی نہین ہوسکتا، ایسے قانون بھی وضع ہوگئے ہین جن کے رو سے غیر ملکی رعایا ایرانی قومیت کے حقوق حاصل کرسکتی ہے اور اگر چاہے تو اپنی جدید قومیت سے پھر آزاد ہوسکتی ہے،

ایرانی حکومت کا مذہب جعفریہ اثنا عشریہ ہے اور شاہ ایران کو اس مذہب کا پیرو ہونا ضروری ہے، کوئی شخص وزیر حکومت نہین ہوسکتا جب تک مسلمان نہ ہو، ایرانی باشندہ نہ ہو اور ایرانی رعایا نہ ہو، فاسد عقیدہ کے لوگون کو نہ رائے (ووٹ) دینے کا حق حاصل ہے اور نہ منتخب ہونے کا، البتہ عیسائی، زرتشتی اور یہودی مذہب کا ایک ایک نمایندہ منتخب ہوسکتا ہے لیکن اُسے بھی اپنے مذہب کے عقائد کا صحیح طور پر پابند ہونا چاہئے، حکومت کے بعض ملازمون مثلاً اُن عمال کو جو دستاویزون کو درج کرتے ہین اور حکامِ عدالت کو مذہب اسلام کا پابند ہونا چاہئے،

جدید قوانین مین علوم قدیمہ و جدیدہ اور صنعت و حرفت کی تعلیم کی پوری آزادی ہے، علاوہ اس صورت کے جہان قانون نے صریحی طور پر ممانعت کردی ہو، تمام مدرسے خواہ وہ حکومت کے روپیہ سے قائم ہون خواہ قوم کے چندہ سے محکمۂ تعلیمات کے ضابطہ کے مطابق اُسی کے زیر نگرانی ہونے چاہئین، محکمۂ تعلیمات سے متعلق جو ضابطہ مرتب کیا گیا ہے اس کی بعض دفعات حسب ذیل ہین:-

(۲) مدارس و مکاتب کا نصاب تعلیم محکمۂ تعلیمات عامہ کیطرف سے مقرر کیا جائیگا، اور ان مین دماغی، صنعتی اور جسمانی تعلیم کا انتظام ضروری ہوگا

(۷) غیر مسلم فرقون کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ سرکاری مدرسون مین اپنے مذہب کی تعلیم کا مطالبہ کرین، اسی طرح وہ شریعت اسلام کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھی مجبور نہین کئے جائین گے،

(۱۰) جو کوئی غیر سرکاری مدرسہ کھولے اُسے مندرجۂ ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے :-

۱- افسر مدرس کی عمر تیس سال سے کم نہ ہو،

۲- مدرسہ کی عمارت مین حفظانِ صحت کی اُن تمام باتون کی پابندی کیگئی ہو جو محکمۂ تعلیمات کیطرف سے ضروری قرار دیگئی ہین،

۳- ابتدائی مدرسہ مین افسر مدرس کے پاس مڈل اسکول کا سرٹفکٹ ہونا چاہیے اور مڈل اسکول مین ہائی اسکول کا،

۴- افسر مدرس اپنے عقیدہ یا اخلاق کی خرابی کے لیے بدنام نہ ہو اور نہ کسی جرم مین مبتلا ہو، اسی طرح جن اساتذہ کو وہ منتخب کرتا ہے وہ بھی مذکورۂ بالا شرائط کے پابند ہون اور اس کے علاوہ محکمۂ تعلیمات کا سرکاری سرٹفکٹ بھی رکھتے ہون،

(۴۱) محکمۂ تعلیمات ایسی تمام کتابون کی تعلیم ممنوع قرار دیگا جو اخلاق یا مذہب کے خلاف ہین اور ایسی کتابین کسی مدرسہ مین پڑھائی نہین جاسکتین،

(۴۸) جسمانی سزا تمام مدارس و مکاتب مین ممنوع ہے،

جدید دستور مین تمام مطبوعات کو جو گمراہ کن اور مضرت رسان نہ ہون پوری آزادی حاصل ہے، اگر کوئی ایسی چیز شائع ہو جس سے قانونِ مطبوعات کی خلاف ورزی ہوتی ہو تو ناشر اور مصنف دونون اس قانون کے مطابق سزا کے مستحق ہین لیکن اگر مصنف کوئی مشہور شخص اور ایران کا باشندہ ہے تو ناشر و طابع ذمہ دار نہ ٹھہرائے جائین گے، مصنفون، مدیرون اور مطبعون کے مالکون کے لئے ضروری ہے کہ جب کبھی وہ اسلام کے اصول یا فروع کی نسبت کوئی چیز شائع کرنا چاہین تو پہلے دو فقیہون سے اس کے جائز اور مفید ہونے کی سند نیز محکمۂ تعلیمات کی اجازت تحریری طور پر حاصل کرلین، اگر مذکورۂ بالا اشخاص ان شرائط کی پابندی نہ کرین تو وکیل سرکار کا فرض ہے کہ اس معاملہ کو اس حاکم کے سامنے پیش کرے جو قوانینِ حکومت کا نگران ہے یا کسی عادل مجتہد کے سامنے لائے اور جب ملزم کا جرم ثابت ہوجائے تو شائع شدہ صفحات پر قبضہ کرلیا جائے اور مصنف، طابع، اور ناشر کو قانونی سزائین دیجائین، محکمۂ تعلیم اور محکمۂ پولیس کے افسرون کو حق حاصل ہے کہ مندرجۂ ذیل صورتون مین اخبارون یا کتابون کو ضبط کرلین :-

۱- اگر وہ اخبار یا کتابین اسلام کے خلاف ہین،

۲ - اگر وہ اخبار یا کتابین حکومت کی عزت کو بدنام کرتی ہین،

۳ - اگر ان اخبارون یا کتابون سے کوئی ایسا راز جو فوج کی نقل و حرکت یا دوسرے فوجی معاملات سے تعلق رکھتا ہے افشا ہوتا ہو،

۴ - اگر کسی مضمون سے عوام مین ہلچل اور امنِ عامہ مین خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہو،

۵ - اگر کسی کتاب یا اخبار مین حکومت کے احکام کی مخالفت کی دعوت دیجائے،

۶ - اگر کسی اخبار مین کوئی فحش یا گندی روئداد شائع کی گئی ہو،

عام جلسون کے متعلق قانون یہ ہے کہ اگر اُن سے کوئی ہلچل اور خلفشار پیدا نہ ہو تو مملکت کے ہر حصہ مین قائم کئے جا سکتے ہین، لیکن جو لوگ جلسون مین شریک ہون انھین مسلح ہو کر آنا ممنوع ہے اور انھین اُن ضابطون کا پابند ہونا پڑے گا جو قانون نے مقرر کر دیئے ہین،

(م - و - ۱۰ - ۴۴) "ع ز"

کیا سائنس نے ضرورت سے زیادہ ترقی کرلی ہے؟

جب سے مشہور بشپ آرتھر برونز نے سائنس کے ماہرین کی مجلس مین یہ نظریہ بدلائل پیش کیا ہے کہ چونکہ سائنس کی موجودہ ترقیون سے ملک مین بے روزگاری بڑھتی جاتی ہے، اس لئے کم سے کم دس سال کے لئے سائنس کی ترقیون کا سلسلہ روک دینا چاہئے، اُس وقت سے یہ سائنس کے ماہرین کے درمیان غور و فکر کا ایک مستقل موضوع قرار پا گیا ہے، اور سائنس کے علماء کی جوابی تحریرین چھپتی رہتی ہین، گذشتہ ماہ مئی مین انہی صفحات مین "کیا سائنس سے بے روزگاری بڑھ رہی ہے" کے عنوان سے ایک تلخیص شائع کیگئی تھی، جس مین امریکہ کے ممتاز سائنس دانون کی ایک جماعت کے خیالات کی ترجمانی تھی، اس مین انھون نے آخری طور اسی سوال کا جواب دینے کی کوشش کی تھی کہ کیا دنیا کی موجودہ دشواریان حقیقۃً سائنس کی حد سے زیادہ تیز رفتاری کا نتیجہ ہین؟ ان سائنس دانون نے اس سوال کا جواب بالکل نفی مین دیا تھا، اور یہ بتایا تھا کہ اگرچہ سائنس نے ایسی مشینین ایجاد

کردی ہین جن سے دستکارون کی تعداد کم ہوگئی ہے، تاہم اس نے جدید صنعتون کی ایجاد سے بے شمار آدمیون کے لئے روزگار بھی فراہم کردیا ہے، لیکن باوجود اس انکار اور دلیل کے یہ مسئلہ ایک مختتم فیصلہ کا محتاج رہ گیا، اور برطانوی انجمن ترقی سائنس کے اجلاس مین جو امسال ابرڈین (اسکاٹ لینڈ) مین منعقد ہوا تھا پھر اس پر کافی بحث کی گئی، اس بحث مین نمایان حصہ برطانیہ کے مشہور سائنس دان سر جیمس جانس (SIR JAMES JEANS) صدر انجمن مذکور، اور سر جوسیا اسٹیمپ (JOSIAH STAMP) مشہور فاضل معاشیات نے لیا، سر جوسیا نے اس مسئلہ پر بحث کرتے وقت صرف برطانیہ عظمی کو پیش نظر رکھا اور کہا کہ برطانیہ کی آبادی آیندہ دس سال کے اندر رک جائے گی جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ نو ایجاد مشینون کے جاری ہونے سے جو مسائل پیدا ہوگئے ہین وہ اور زیادہ پیچیدہ ہوجائین گے، موصوف کو حیرت ہے کہ اہل سائنس اختراعات و اکتشافات کے لئے اس قدر پرجوش نظر آرہے ہین، اُن کے خیال مین یہ چیزین خوف کی ہین، کیونکہ ان سے ملک کا اقتصادی توازن مشکل سے قائم رہ سکے گا، وہ تمام علماے سائنس کو یہ بتانا چاہتے ہین کہ اپنی ایجادون کو جاری کرتے وقت انھون نے وقت کے حالات کا بالکل لحاظ نہین رکھا اور اپنے جوش مین بہت آگے بڑھ گئے، موجودہ اقتصادی دشواریان سائنس کی اسی سرعتِ رفتار کا نتیجہ ہین، ان دشواریون کے رفع کرنے کی شکل صرف یہ تھی کہ اہل سائنس اگر ایک طرف ایسی مشینین ایجاد کرتے تھے جن سے دستکارون کی تعداد مین تخفیف ہوجاتی تھی تو دوسری طرف ایسی صنعتین بھی ایجاد کرتے جن سے بے کارون کو روزگار فراہم ہوسکتا،

سر جیمس، صدر انجمن نے اپنے خطبۂ صدارت مین اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ اکثر اشخاص موجودہ قومی مصائب کو جنمین بے روزگاری اور خطرۂ جنگ کا بھی شمار ہے سائنس کی تیز رفتاری کا نتیجہ قرار دیتے ہین، لیکن اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ الزام صحیح ہے تو سوال یہ ہے کہ ہمارے لئے چارہ ہی کیا ہے، کیونکہ جو ملک سائنس کی رفتار ترقی کو روک دیگا وہ جلد اپنی صنعت و حرفت، اپنی معاشی حیثیت، اپنی بحری اور فوجی طاقت، اور اپنے کلچر مین بھی پیچھے ہوجائے گا، موصوف کی رائے مین موجودہ دشواریون کا اصلی سبب سائنس نہین بلکہ خود انسانی فطرت ہے، انسانی

فطرت مین بہت آہستہ آہستہ تبدیلی واقع ہوتی ہے، برخلاف اس کے علوم و فنون تیزی کیساتھ ترقی کرتے جاتے ہین، یہی وجہ ہے کہ ایسکائلس (AESCHYLUS) اور سوفوکلیز (SOPHOCLES) کے ڈرامے اب بھی ہمارے دلون مین گرمی اور سنسنی پیدا کردیتے ہین، لیکن ارسٹارکس (ARISTORCHUS اور ٹولیمی (PTOLEMY) کی سائنٹفک تصنیفات مردہ ہوچکی ہین اور محض تاریخی عجائبات کی حیثیت مین باقی رہ گئی ہین، سائنٹفک معلومات ایک پشت سے دوسری پشت کو منتقل ہوتی رہتی ہین، لیکن فطرت انسانی کی خصوصیات اس قدر جلد نہین بدلتین،

یہ صحیح ہے کہ نئی سائنٹفک مشینون کی ایجاد سے کچھ لوگ عارضی طور پر بے روزگار ہوجاتے ہین، لیکن سائنس اس کی تلافی بھی پوری طرح کردیتی ہے، یہ مشینین غریب مزدور کو روح فرسا مشقتون سے آزاد کردیتی ہین اور اس کیلئے فرصت اور تفریح کے زیادہ اوقات مہیا کردیتی ہین، سائنٹفک ایجادین عوام کی آسایش، تفریح، صحت اور دولت مین اضافہ کرتی رہتی ہین، علاوہ برین ان ایجادون کے ذریعہ سائنس جتنے آدمیون کو بادی النظر مین بے روزگار کردیتی ہے اُن سے زیادہ آدمیون کے لئے جدید صنعتون مین روزگار کے وسائل فراہم کردیتی ہے، مثال کے طور پر سر جیمس نے فراڈے (FARADAY) کی دریافت برقی مقناطیسی امالہ (ELECTRO-MAGNETIC INDUCTION) اور میکسول (MAXWELL) کی اس تحقیق کا ذکر کیا جو ہرٹزین موجون (HERTZIANWAVES) سے متعلق ہے، اور بتایا کہ دریافت و تحقیق دور حاضر کی برقی ریڈیو کی صنعتون کی بنیادین ہین جنسے لاکھون آدمی آج اپنی روزی حاصل کر رہے ہین، سائنٹفک ایجادون کی قدر و افادہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ صرف ایک سائنس دان اڈیسن (EDISON) کے معاشی کارنامون کی قیمت کا تخمینہ تین ارب پونڈ کیا جاتا ہے،

سر جوسیا کی اس تجویز کے جواب مین کہ سائنٹفک ایجادون اور نئی صنعتون کے درمیان جن سے بیکارون کے لئے روزگار فراہم ہوسکے توازن ہونا چاہئے، سر جیمس نے فرمایا کہ ایسا توازن عملاً ایک حد تک ناممکن ہے

کیونکہ کوئی سائنس دان ابتداءً خود بھی نہیں جانتا کہ اس کی تحقیق و ایجاد سے محض ایک ایسی مشین تیار ہو جائے گی، جسمین کام کرنے والون کی تعداد کم ہو جائے گی یا اس سے کوئی نئی صنعت بھی پیدا ہو سکیگی جو بے روزگارون کیلئے روزگار مہیا کردیگی، سائنس دان صرف اتنا جانتا ہے کہ اگر سائنس کی ترقی بالکل روک دی جائے تو قوم کے لئے بجز اس کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا کہ آبادی کو بڑھتا ہوا دیکھے اور اس کے خطرات سے اسی طرح کانپے جس طرح قحط، دبا، اور جنگ کے خطرات سے کانپتی تھی، اور پھر ملک اور اس کی آبادی کے درمیان، توازن قائم کرنے کے لئے ان چیزون کا آنا لازمی ہو جائے گا،

سرجمیس کے نزدیک ان خطرات سے محفوظ رہنے کی اگر کوئی صورت ہے تو یہی کہ سائنس کو اور ترقی دیجائے نہ یہ کہ اس مین تخفیف کی جائے،

(لٹریری ڈائجسٹ)

"ع ز"

ارض القرآن

حصۂ اول:- عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد و ثمود و سبا۔ اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، طبع دوم، ضخامت ۲۲۴ صفحے، قیمت عہ،

حصۂ دوم:-

قرآن مجید کے اندر جن قومون کا ذکر ہے، ان مین سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس، اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان، اور مذہب پر تفصیلی مباحث،

ضخامت ۲۴۰ صفحے، قیمت ۱۲ر، طبع دوم

"منیجر"

اخبارِ علمیہ

بجلی کی کڑک

بجلی اور اس کی کڑک کے اسباب معلوم کرنے کی طرف سائنس دانون نے صرف ایک صدی سے توجہ کی ہے، تقریبًا سو برس ہوئے جب انھین پہلی بار معلوم ہوا کہ بجلی ایک برقی شرارہ ہے اور کڑک وہ آواز ہے جو اُس شرارہ سے پیدا ہوتی ہے، اس وقت کے ناقص معلومات سے جو نظریے قائم کرلئے گئے تھے وہ آج عجیب وغریب معلوم ہوتے ہین، لیکن آج بھی کڑک اور گرج سے متعلق بہتیری باتین حل ہونے سے رہ گئی ہین اور اہل سائنس انھین محض ناقص طور پر سمجھ سکے ہین، یہ دریافت نسبتًہ حال کی ہے کہ کسی معمولی طوفان مین برق کی جو مقدار اکٹھا ہوتی ہے وہ اُس مقدار سے بہت کم ہے جو پہلے خیال کیجاتی تھی، برق کی واقعی مقدار جو کسی طوفان مین اکٹھا ہوتی ہے عمومًا اُس مقدار سے کچھ ہی زیادہ ہوتی ہے، جو کسی برقی لیمپ سے ایک منٹ مین نکلتی ہے البتہ یہ مقدار حد درجہ تیزی اور قوت کے ساتھ خارج ہوتی ہے، بجلی کی چمک تقریبًا پانچ ارب وولٹ (Volta) کے دباؤ سے خارج ہوتی ہے، جس مین عمومًا ایک سکنڈ کے ہزارویں حصہ کی مدت صرف ہوتی ہے، وہ طوفان جنین بجلی کی کڑک اور گرج ہوتی ہے کم سے کم چار قسم کے ہوتے ہین اور وہ سب زیادہ تر ٹمپریچر کے اختلاف اور مختلف بلندیون پر کرۂ ہوائی کے دباؤ سے پیدا ہوتے ہین، چمک اور کڑک کی نسبت جدید تحقیق یہ ہے کہ بادل برق سے بھر جاتے ہین، بعض اس کے ایجابی بار (Positive Charge) سے اور بعض سلبی بار (Negative charge) سے، پھر بادلون مین ایک دوسرے کی طرف خروج (Discharge) واقع ہوتا ہے، اس وقت برقی رو بادلون کی درمیانی فضا مین دوڑ پڑتی ہے، اور اُسی وقت

چمک دکھائی دیتی ہے، اس چمک سے ہوا مین ایک سخت حرکت پیدا ہوتی ہے اور جس طرح کسی کوڑے کو ہوا مین تیزی کیساتھ حرکت دینے سے ایک آواز نکلتی ہے ٹھیک اسی طرح کڑک اور گرج کی آواز بھی پیدا ہوتی ہے، پہلی کڑک کی بازگشت جب بادلون مین پھیلتی ہے تو اس سے پوری گھڑگھڑاہٹ سنائی دیتی ہے، بجلی کا خروج اکثر اوقات بادل سے بادل ہی کی طرف ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی بجلی بادل سے زمین کیطرف بھی آجاتی ہے، بجلی قریب ترین راستہ سے زمین تک پہنچتی ہے، اسی لئے بلند عمارتون پر اس کی زد کا خطرہ رہتا ہے،

جزیرۂ ایسٹر کے آثار قدیمہ،

بحرالکاہل کے جنوبی حصہ مین ایک چھوٹا سا جزیرہ ایسٹر (Easter) نامی ہے، اسے سب سے پہلے ایک ڈچ امیرالبحر روگیوین (Roggeveen) نے ۶ر اپریل ۱۷۲۲ء کو دریافت کیا تھا، اور چونکہ وہ روز ایسٹر کا تھا اس لئے جزیرہ کا نام بھی ایسٹر پڑگیا، اس جزیرہ مین عنقریب سائنس دانون کی ایک بڑی جماعت جانے والی ہے جو وہان کی قدیم اور نامعلوم تہذیب کی تلاش و تحقیق کرے گی، جزیرہ کے آثار قدیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہان کے باشندے بت تراشی کے فن مین خاص امتیاز رکھتے تھے، دوسو برس سے علماے انسانیات و آثار قدیمہ اس جزیرہ کو اپنی توجہ کا مرکز بنائے ہوئے ہین، لیکن اس وقت تک انھین پوری کامیابی حاصل نہین ہوئی، اب یہ نئی جماعت پھر اسی مقصد کے لئے وہان پہنچنے والی ہے، جزیرہ کا رقبہ صرف ۴۵ مربع میل ہے، اور اسکی شکل مثلث نما ہے، اس کے ہر زاویہ پر کوہ آتش فشان کا ایک دہانہ ہے جو اب خاموش ہے، وہان کی سب سے زیادہ نمایان چیزین پتھر کی بڑی بڑی لاٹین ہین جنھین "Megaliths" کہتے ہین، یہ تین قسم کی ہین اور سب بہت لمبی چوڑی ہین، جزیرہ کے بلند مقامات نیز اُن جگہون پر جہان سے سمندر اچھی طرح دکھائی دیتا ہے، بڑے بڑے چبوترے بنے ہوئے ہین، ان کو "آہو" ([illegible]) کہتے ہین، اب تک ایک سو چبوترے پائے گئے ہین، اُن مین سے سب سے بڑے چبوترے کی لمبائی اس وقت ڈیڑھ سو فٹ ہے، لیکن پہلے ساڑھے چار سو فٹ تھی، چبوترون سے متصل زمین مین دھنسی ہوئی سنگی چہار دیواریان ہین، اُن کی دیوارون پر کچھ تصویرین مختلف رنگون مین بنی ہوئی ہین، اور کچھ پتھرون

ہی مین تراشی ہوئی ہین، جزیرہ کی سب سے زیادہ عجیب چیزین انسانی مجسّمے ہین جو بہت بڑے بڑے پتھرون کو تراش کر بنائے گئے ہین، ان مجسمون کے کان اور ناکین خصوصیت کیساتھ بہت بڑی بنائی گئی ہین، ایسے چھ سو مجسمے دریافت کئے گئے ہین، سب سے بڑا ستر فٹ لمبا ہے، لیکن وہ اب تک نامکمل پڑا ہوا ہے، سب مجسمے گرے ہوئے ہین یا زمین مین کسی حد تک دھنسے ہوئے ہین، لیکن جب وہ جزیرہ پہلی بار دریافت ہوا تھا اس وقت بہتیرے مجسمے ساحل کے کنارے سمندر کی طرف پشت کئے ہوئے کھڑے تھے، ان مجسمون کی اوسط لمبان تیس سے چالیس فٹ تھی اور وزن تقریبًا پچاس ٹن تھا،

مارکونی اور عقیدۂ ایمان،

اٹلی کے مشہور عالم سائنس دان مارکونی نے وینس کی ایک علمی انجمن مین جسمین آٹھ نوبل انعام پانے والے ممتاز اشخاص بحیثیت سامعین کے شریک تھے، رازِ حیات کے مسئلہ پر تقریر کرتے ہوے فرمایا کہ "یہ مسئلہ اُن تمام مسائل مین جو ذہنِ انسانی کے سامنے آئے ہین سب سے زیادہ مستقل اور اہم ہے . . . . اور اسے حل کرنے مین سائنس کی معذوری قطعی طور پر ثابت ہے، اگر ایمان کا عقیدہ نہ ہوتا تو یہ مسئلہ حقیقۃً نہایت ہی ہراسان کر دینے والا ہوتا"، موصوف نے اعتراف کیا کہ علماے سائنس جہانتک کائنات کا راز دریافت کر سکے ہین، انھون نے یہی پایا ہے کہ اسرار و رموز کا ایک لامتناہی سمندر اب بھی سامنے ہے،

ریڈیم کی شفابخشی،

ریڈیم مین زخم کو مندمل کر دینے کی قوت بالکل اتفاقی طور پر دریافت ہوگئی، ایک پروفیسر صاحب ایک ٹیوب مین تھوڑا سا ریڈیم بند کر کے اپنی جیب مین رکھے ہوئے تھے، تین ہفتے کے بعد انھون نے دیکھا کہ جیب کے پاس جلد کا ایک حصہ بری طرح سے جل گیا ہے، اسی وقت اُن کے ذہن مین یہ خیال گذرا کہ سرطان کو جلانے مین ریڈیم کاسٹک سے زیادہ کارآمد ہوگا، چنانچہ اس کا تجربہ کیا گیا، اور یہ تجربہ نہایت کامیاب ثابت ہوا،

لکنت کا ایک سبب

ڈاکٹر نائٹ ڈنلپ (امریکہ) نے رسالہ "سائنس" مین اپنا تجربہ بیان کیا ہے کہ بچون کو اگر معقول غذا نہ دیجائے، خصوصاً ان کی غذا مین اگر گوشت کی کمی ہو تو وہ آگے چل کر لکنت کے شکار ہو سکتے ہین، بڑون مین جو لوگ لکنت کرتے ہین اُن کی نسبت دیکھا گیا ہے کہ وہ اکثر ترکاری زیادہ کھاتے ہین اور گوشت کم،

یہود کے بعض اعداد و شمار

اس وقت یہود کی سب سے بڑی تعداد ممالک متحدہ امریکہ مین ہے جہان ان کا شمار (۳۸۰۰۰۰۰) ہے، پولینڈ مین ان کی تعداد (۲۸۰۰۰۰۰) اور برطانیہ عظمیٰ اور آئرلینڈ مین (۳۰۰۰۰۰) ہے،

سینما دیکھنے والون کی تعداد

برطانیہ عظمیٰ مین ہر ہفتہ دو کرور سے زایدہ آدمی سینما دیکھنے جاتے ہین، تمام دنیا کے سینما دیکھنے والون کی ہفتہ وار تعداد کا اوسط چودہ کرور ہے،

اپنی قسم کی تنہا ریلوے،

چالیس ٹرینین جنہین نہ ڈرائیور ہوتے ہین نہ گارڈ، لندن کی سڑکون کے نیچے ہر گھنٹہ چلا کرتی ہین، یہ ٹرینین ڈاکخانہ کی ہین، اور ان مین صرف خطوط اور پارسل بھرے ہوتے ہین، یہ سڑک کی سطح سے اسی میل نیچے تقریباً سات میل لمبی سرنگ مین چلتی ہین اور ہر روز تیس ہزار سے زاید ڈاک کے تھیلے لے جاتی ہین، یہ ریلوے اپنی قسم کی تنہا ریلوے ہے،

برطانیہ مین نئی کتابون کی اشاعت

برطانیہ مین نئی کتابون کی اشاعت کا سالانہ اوسط چودہ ہزار سے کچھ زائد ہے،

"ع ز"

ادبیات

کلامِ طاہر

از جناب نواب صفی الدولہ حسام الملک شمس العلماء سید علی حسن خانصاحب طاہر بھوپال ہوس لکھنؤ،

چشمِ خونابہ فشان سوختہ جانم دادند
فرصت از کشمکشِ ہر دو جہانم دادند
بالبِ لعلِ کسے ذوقِ نہانم دادند
شعلۂ آتشِ خاموش بجانم دادند
دل ربودند و غمِ عشق بجانم دادند
انچہ بردند زمن خوشتر ازانم دادند
مستیِ حسنِ ازل بود ز ساقی ہوسم
جرعہ از بادۂ قدسی نفسانم دادند
خار در پیرہنِ ناز مبادا بخلد
بہ نہان ہمچو لبِ زخم فغانم دادند
در تنم جان نگہ ہوش ربائے تو دمید
زہر می خواستم آبِ حیوانم دادند
در و دیوار برقص آید و صوفی در وجد
نغمۂ ولولہ انگیز فغانم دادند
یادِ نورِ رخِ او بود بہ شبہائے فراق
لیلۃ القدر بماہِ رمضانم دادند
دفترِ کون و مکان قابلِ افہام نبود
فہم رمزِ نگہِ پیرِ مغانم دادند
بیخودی تا نہ شود پردہ درِ رازِ غمش
دلِ خود رفتہ و آشفتہ بیانم دادند

دردِ سر بود خمارِ مئے عشرت طاہر
از سرورِ غمِ او رطلِ گرانم دادند

خونِ جگر

ازجناب جگر مرادآبادی

ایک ناتمام غزل

تم اس دلِ وحشی کی اداؤن پہ نجانا اپنا نہ رہا جو وہ کسی کا نہ رہے گا،
اے عشق یہی ہے، جو تنک بخشیِ ساقی کیا حسن بھی سیرابِ تمنا نہ رہے گا
مٹجائے گی جس دن مرے سجدون کی حقیقت تیرا بھی کوئی نقشِ کفِ پا نہ رہے گا
اللہ یہ ساون کی گھٹائین یہ ہوائین کیا آج بھی شغلِ مے و مینا نہ رہے گا
وہ لاکھ مٹاتے رہین دنیائے تمنا کہتے ہین جسے دل کبھی تنہا نہ رہے گا،
مانا لبِ نازک کو وہ تکلیف نہ دینگے آنکھون سے بھی کیا کوئی اشارا نہ رہے گا
اس دل کو بتایا تو ہے شایستۂ حرمان کہتے ہین انھین یہ بھی گوارا نہ رہے گا

جامِ صہبائی

ازجناب عبدالسمیع صاحب پال اثر صہبائی وکیل، سیالکوٹ

جب ہمتِ اہلِ دل سنبھل جاتی ہے تقدیر سے تدبیر کی چل جاتی ہے،
گر صدقِ طلب ہو، اور شمشیرِ عمل تقدیر بھی اے دوست بدل جاتی ہے،

ایسا ہی رہے گا، اور ایسا ہی رہ، دل گرمِ تلاش و ناشکیبا ہی رہ؟
وہ کیا ہوا، یہ کیا ہوا، یون کیون نہ ہوا رہ رہ کے یہ دردِ دل مین اٹھتا ہی رہ

دل گنجِ جمال، جسم ویرانہ ہے، اجڑے ہوئے میکدہ مین پیمانہ ہے،
یہ دل نہین میرے آب و گِل کے اندر زندان مین اسیر کوئی دیوانہ ہے،

جب آئینہ دل کا روبرو ہوتا ہے، جلوہ تیرا ہی ہو بہو ہوتا ہے،
یون غرقِ مئے جمال ہو جاتا ہون مین ہوتا کہان ہون تو ہی تو ہوتا ہے،

مکالمۂ تدبیر و تقدیر

ازجناب مولانا کیفی چریاکوٹی، ہندوستانی اکاڈیمی الٰہ آباد

تدبیر:-

ایک دن تدبیر نے تقدیر سے ہنس کر کہا کائناتِ دہر مین کوئی نہین میرے سوا
علت و اسباب مین ہے میری قدرت کی نمو اور ہستی کی یہ دونون ابتدا اور انتہا
قوتِ ایجاد کیا ہے، ؟ میرے منشا کا وجود عالمِ تخلیق کیا ہے ؟ اک اشارہ ہے مرا
جب اشارے سے مرے ہوجاتی ہین چیزین بہم اک نئی شے ان سے ہوجاتی ہی خود جلوہ نما
آبِ صافی سے ملاتی ہون شکر سے جس گھڑی اس سے شربت روح پرور رنگ لاتا ہی جدا
تاج و تختِ سلطنت بھی ہے مرا دستِ کرم جنگ مین ہے نام میرا فتح و نصرت کا لوا
الغرض ہر چیز مین دنیا کی ہے میرا ہی رنگ عالمِ اسباب کا مجھ سے ہے کل نشو و نما،
صاف مین کہتی ہون منہ پر سننے والے سُن رکھین جس نے منہ پھیرا ہے مجھ سے وہ تباہی مین پڑا
رہبری میری رسائی منزلِ مقصد کی ہے اور جو پیرو مین تیرے ہین وہ بزدل برملا
دیکھ لے قرآن، "مدبر" نام ذاتِ حق کا ہو حکم میرا مانتی ہے قلبِ صالح کی رضا،

تقدیر:-

سُن چکی تقدیر جب تدبیر کا لاف و گزاف ہنس کے یہ کہنے لگی "اے خود پسند و خود نما!
تو نے سمجھا ہی نہین ہے، آجتک رازِ وجود ہر حجاب کا نام نادانی سے سونا رکھ لیا

تیری چشمِ ظاہری باطن کی تہ میں کور ہے
ظاہری اسباب کے امراض میں ہو مبتلا
نام شربت جس کا رکھا تو نے اے غفلت شعار
اسمیں جو تاثیر ہے، میری ہے وہ جود و عطا
دل میں جو ٹھنڈک پہنچتی ہے وہ میرا فیض ہے
جانِ شیریں کے لئے بن جائے ورنہ سنکھیا
ہے مری محتاج وہ ترکیب جس کا نام ہے
حکم سے میرے مرکب میں ہے تاثیر و جلا
تو نے کیا دیکھا نہیں اکثر مریضوں کیلئے
وہ قضا بنتی ہے جس کا نام رکھتے ہیں دوا
اس کے آگے اور سن تو اپنے گوشِ ہوش سے
تو عمل انسان کا ہے، اور میں حکمِ خدا
بندۂ ایمان ہیں جو رہتے ہیں میرے کاربند
بوالہوس کہتے ہیں جن کو تو ہے ان کا مدعا
تو نے جنگِ بدر میں دیکھی نہیں قوت مری
چند جانبازوں نے ملکِ کفر میں کیا کر دیا
کفر کی جانب تھا سب کچھ ساز و سامانِ وجود
اور ادھر اسلام کی جانب فقط نامِ خدا
تو کہاں تھی اوس گھڑی دنیا میں اے عالم فریب
کفر کی لاشوں سے جب میدان سارا بھر گیا

ایک اندھا جا رہا تھا جب شبِ تاریک میں
پاؤں کی ٹھوکر لگی اس کو خزانہ مل گیا،
یہ عمل میرا تھا اس کی رہنمائی میں نے کی
تو نے اس کی کیا مدد کی تھی مجھے نادان بتا
میں ادھر حکمِ خدا ہوں، اُس طرف قولِ رسول
کون ٹھہرا ہے مطاعِ دو جہان ان کے سوا
ہے خدا بے شک مدبر اس کی بھی تشریح سن
ہے مگر تدبیر اوس کی حکم اوس کا برملا،
تو نے ان قوموں کو بھی دیکھا ہے اے ظلمت پسند
ظاہری اسباب نے جن کو جہان سے کھو دیا
میں نہ ہوں تو کام تیرے جتنے ہیں ابتر ہیں
حُسن میں تیرے ہے جو کچھ، ہے وہ میری ہی ضیا
تو نے اے تدبیر! پھیلایا ہے وہ دامِ فریب
اسمیں بندہ پھنس کے ہو جاتا ہے آقا سے جدا

گرچہ ذرہ ہر زمین ہمچو قمر تابندہ ایست
کیمیا در نسبتِ خود مہر را او بندہ ایست[1]

[1] قافیہ؟

باب التقریظ والانتقاد

تحفۂ سامی

مؤلفہ شہزادہ سام میرزا صفوی، مطبوعہ دار الفنون پٹنہ، بہ تصحیح مولوی اقبال حسین ایم اے، بی ال صفحات ۱۸۵،

ایران کی صفوی حکومت کے دور مین جو اہلِ کمال پیدا ہوئے، اُن کے حالات مین شہزادہ سام میرزا صفوی نے تحفۂ سامی کے نام سے ایک متوسط الحجم کتاب ۹۵۷ھ مین لکھی تھی، اس دور کے اہلِ کمال کے لئے یہ ایک بیش قیمت ذخیرہ ہے، کتاب سات صحیفون پر منقسم ہے، اوّل شاہ اسمٰعیل صفوی اول اور اسکی اولاد اور معاصر سلاطین کے حالات مین، دوم سادات عظام کے احوال مین، سوم کم گو شعراء کے تذکرہ مین، چہارم وزراء اور اربابِ قلم کے ذکر مین، پنجم اُن شعراء کے حال مین جو اپنے تخلص سے مشہور ہین، ششم ترکون اور اُن کے شعراء کے سوانح مین، اور ہفتم بقیہ عوام کے ذکر مین،

چونکہ یہ کتاب اس دور کے مشاہیر اور اصحابِ کمال کے سوانح اور صفویون کی علمی تاریخ کی تفصیلات کا نادر ذخیرہ ہے، اس لئے یہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیات ایران جلد چہارم مین جب سے اسکا توصیفی حوالہ دیا ہے، ہمارے نوجوان ادیبون کے حلقہ مین بھی اسکا اعتبار ہو گیا، چنانچہ اسی اثر سے متاثر ہو کر پٹنہ یونیورسٹی نے مولوی اقبال حسین صاحب ایم اے، بی ال کو اس کتاب کی تصحیح و تحشیہ کیلئے متعین کیا، مولوی صاحب نے بڑی محنت سے اس کام کو انجام دیا، اور سب سے پہلے صحیفۂ پنجم کو جسمین مشہور شعراء کے حالات ہین شائع کیا،

اس کتاب کو پٹنہ کے ساتھ خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہان کی مشہور مشرقی لائبریری مین اس کے دو سب سے قدیم نسخے موجود ہین، کتاب مذکور ۹۵۷ھ مین تالیف ہوئی ہے اور ۹۸۴ھ مین اسکا مصنف قتل ہوا ہے، اور پٹنہ کے پہلے نسخہ (ع ف ۲۰۹) کی تاریخ ۹۶۵ھ اور دوسرے نسخہ (ع ف ۲۱۰) کی ۹۷۱ھ ہے، یعنی یہ دونون نسخے مصنف کے عہد حیات

کے ہین، پہلا اس کے قتل سے سولہ سال اور دوسرا تیرہ سال پہلے لکھا گیا ہے، مجلّۂ کابل (۳۹-۲-۷) سے معلوم ہوا کہ اسکا ایک تیسرا قدیم نسخہ جسکو منشی کے دوسرے نسخہ کے ایک سال بعد ۹۶۲ھ مین خواجہ نور محمد کاتب نے لکھا ہے، کابل مین موجود ہے، اس کا ایک نسخہ حبیب گنج علیگڈھ کے کتبخانہ مین ہے جو ۹۶۶ھ مین لکھا گیا ہے، افاضل معاصر اورنٹیل کالج میگزین نے فروری ۱۹۳۴ء کے رسالہ مین اس کتاب کے ساتون صحیفون کا ایک مختصر خلاصہ جن دو نسخون پر مبنی کرکے شائع کیا ہے، اُن مین سے ایک پروفیسر آذر (لاہور) کا مملوکہ ہے وہ ۹۵۶ھ مین لکھا گیا ہے، دوسرا جو پروفیسر شفیع صاحب (لاہور) کے پاس ہے وہ ۱۱۹۵ھ کا لکھا ہوا ہے، اس کا ایک صحیح نسخہ جو افسوس ہے کہ ناقص الطرفین ہے، حکیم مظفر حسین صاحب (چھتہ بازار حیدرآباد دکن) کے پاس ہے، حیدرآباد دکن ہی مین دوسرا عمدہ نسخہ نواب سالار جنگ بہادر کے کتب خانہ مین ہو،

اس کتاب کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس مین ارباب کمال کے صنائع اور پیشون کا بھی اکثر ذکر کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صفوی دور مین علم وفضل گداگری کا ذریعہ نہ تھا، بلکہ اہل علم وادب اپنے ہاتھون کی کمائی کھاتے تھے، اسی حقیقت کو یون بھی ظاہر کرسکتے ہین کہ اُس زمانہ مین فضل وکمال کی وسعت صرف امرار واشراف اور خاندانی لوگون کے اندر محدود نہ تھی بلکہ معمولی پیشہ ور اور اہل حرفہ بھی علم وادب اور فضل وکمال مین پورا پورا حصہ لیتے تھے، ہم ذیل مین صرف صحیفۂ پنجم سے ان اہل ہنر پیشہ ور علماء وشعراء کی فہرست دیتے ہین، جس سے اس عہد کی علمی وسعت کا اندازہ ہوگا

نام شاعر	نام پیشہ	نام شاعر	نام پیشہ
بنّائی	معمار	حیدر	نانبائی (کلیچہ پز)
درویش دہکی	نورباف	مولانا ابدال	عطار
شوقی یزدی	کاتب	شاہ حسین ساقی	میوہ فروش
بابا نصیبی	حلوا فروش	مولانا نیکی	ندّاف
مانی شیرازی	سونار	ہلالی ہمدانی	درزی
مانی مشہدی	کمہار	میرزا محمد امتی	سونار

نام شاعر	نام پیشہ	نام شاعر	نام پیشہ
آگہی یزدی	درزی	رفیقی تبریزی،	مطرب،
گلشنی کاشانی	مشک فروش	غزالی ابہری،	باورچی (طباخ)
قدیمی	نقاش	یاری تبریزی	خردہ فروش
غزالی	ابریشم فروش	نباتی تبریزی	نقاش ولاجوردشو
طفیلی	معمار	رسوائی ہمدانی،	کاتب
نوری تبریزی	سقاء وشہد فروش	خاتمی تبریزی،	کتاب فروش،
قوسی تبریزی	کمانگر	مولنا حاضری سمنانی	تاجر
مولنا فنونی	جلد ساز (صحاف)	مولنا میرزائی	معمار
صبوحی شیرازی	کمرباف	فتحی تبریزی	مشک فروش
وفائی سبزواری	والاباف	فتحی قزوینی	دکاندار (بیاع)
فردی	علاقہ بند	قانعی قزوینی	حکاک
عشقی تبریزی	کتابہ نویس	بزم قزوینی	موچی (کفش دوز)
حاصلی تبریزی	ابریشم فروش	جدیدی قزوینی	خردہ فروش
عزیزی قزوینی	پوستین دوز	مولنا دائمی	لوہار (آہنگر)
فصیحی تبریزی	تکمہ بند	گلیمی	خطاط
فقیری عراقی	یخنی پز	مولنا کشوری	خطاط
صیرفی کور تبریزی	صراف	کحلی شیرازی	کحال
نازکی تبریزی،	تاج دوز	ملاشیخی کرمانی	نقاش

نام شاعر	نام پیشہ	نام شاعر	نام پیشہ
عشرتی قلندر	جلد ساز	ذاتی لاری	صحّاف
روحی ساوجی	تاجر	مولٰنا ظریفی	خوردہ فروش
ملا جان کاشی	خوش نویس	آگہی تبریزی	سوزن گر
جمالی	کرباس فروش	مولٰنا غیبی	کاتب
مولٰنا غیاث فصیحی	تاجر	صفاتی تبریزی	کاغذ فروش
مولٰنا محمود صبری	کاتب	مولٰنا ذہنی	سیراب پز
مولانا صفاتی	لوہار (کارد گر)	پاکی غلامی ،	حجّام (سر تراش)
مولانا سرودی	مغنی	فنائی مشہدی	گھاس گھڑا (علاف)
فیضی یزدی ،	تیلی (عصار)	شوقی جوشانی ،	تیر گر ،
مولٰنا نگاہی	کاتب	رضائی کنگ	کاتب
حفظی طہرانی ،	معمار	مولٰنا بیانی	تاجر
ہمرامی رازی	تیلی (عصّار)	مولٰنا زینی مشہدی	تیلی (روغن گر)
لطفی شیرازی	صرّاف	مولٰنا ہجری کاشانی ،	شمشیر گر ،
مولانا مجلد	جلد ساز	مولٰنا یمینی	شمشیر گر
شرطی	تاجر	مولٰنا شکیبی	زرکش
شمسی	زین ساز (سرّاج)	نیازی ،	نیمچہ گر ،
واصلی تبریزی	ابریشم فروش	مولٰنا غواسی خراسانی	خردہ فروش
فکری استرآبادی	صحّاف	ملا بیگ مشکی تبریزی ،	مشک فروش ،

نام شاعر	نام پیشہ	نام شاعر	نام پیشہ
مولانا عنایت	تاجر	مولنا نعمت ،	تاجر
ہدایت اللہ	تاجر	مولنا نظام	کتابہ نویس

۲ - دوسری بات اس کتاب کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس صفوی عہد کے شعرا مین ایسے لوگون کی تعداد بھی خاصی تھی جو بقول مصنف "بے قید و بے تعین" تھے، جس سے مقصود یہ ہے کہ وہ دین و معاشرت کے رسوم و آئین سے الگ ہو کر قلندرانہ زندگی بسر کرتے تھے،

۳ - اس عہد مین شراب نوشی کے علاوہ افیون خوری اور بھنگ نوشی کی عادت بھی لوگون مین پھیل چکی تھی، سلامی اصفہانی ایک شاعر تھا، اُس کے حال مین ہے،

واز بسیار خوردنِ افیون نزدیکست کہ جان بقابض ارواح بسپارد، ص۱۲۶،

ایک دوسرا شاعر جنونی گیلانی ہے، اس کے تذکرہ مین ہے،

"واز خوردنِ افیون بسیار از دائرۂ انسانیت بیرون رفتہ" ص۱۳۸،

ایک اور شاعر کلامی خافی تھا، اس کی بھنگ نوشی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ آگ بگولا رہتا تھا، ص۱۵۲،

۴ - مسکرات کے ساتھ امرد پرستی کا ذوق بھی نمایان معلوم ہوتا ہے، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسین لڑکے فروخت بھی ہوتے تھے، میرم سیاہ شاعر کے حال مین ہے:-

"مردے بے تعین و خوش مشرب بود، بلکہ شراب را بمذہب ترجیح می داد و اوقات او اکثر بہزل و فسق صرف می شد و اشعار او اکثر باین طور ہست و چون ہمیشہ طالب پسرانِ سہل البیع بود و این متاع در ماوراء النہر بیشتر بدست می افتاد روی بر آن دیار نہادہ آنجا فوت شد"، ص۹۶،

فانی تبریزی کے احوال مین ہے،

وپیوستہ با جوانانِ سادہ معاشرت می نمود، ص۱۱۱،

رقیبون مین باہم کھلے بازار مقابلے ہوتے تھے، اور عشاق مارے جاتے تھے، جفائی استرابادی کے ذکر مین ہے

"مرد تیم و عاشق پیشہ و شب گرد بود، روزے رقیبے بدو رسید، باکیدگر بنیاد عربدہ کردند، و ہر دو کارد و تیغ برہم کشیدہ بزخم بیدریغ از پاے درآمدند" ص ۱۲۲،

ایک صاحب ابدال تھے، جو عطاری کرتے تھے، اور ساتھ ہی دل فروشی بھی کرتے تھے، ایک جوان خوشرو کے عشق مین دیوانہ ہوگئے، ص ۲۳، ایک نوخط شاعر زلالی تبریزی تھے، جنکے حسن کے صدقہ مین شعرا، ان کو شعر لکھ کر دیتے تھے،

چون ریشش سر برزد دیگر از شعر دم نزد" ص ۱۲۹،

رات کے ساتھ دن، اور ظلمت کے ساتھ نور بھی ہوتا ہے، چنانچہ ایسے اصحاب کی بھی کمی نہین جو زہد و تقوی اور دینداری سے متصف تھے،

وسعت تمدن کا دوسرا اثر دولت کی کثرت کی صورت مین نظر آتا ہے، فانی تبریزی کے تذکرہ مین ہے کہ اس کی دولت کا یہ حال تھا کہ ہزار تومان ایک دفعہ اس نے دوسرے کو قرض دیا تھا، ص ۱۱۱

شاعرانہ اوصاف کے لحاظ سے اس عہد مین دو نئی باتین معلوم ہوتی ہین، چونکہ صفویون نے اپنی سلطنت کی بنیاد تشیعیت پر رکھی تھی، اس لئے بہت سے ایسے شاعر پیدا ہوگئے تھے، جنکی شاعری کا موضوع صرف مدح اہلبیت رضہ تھا، غالباً یہی صنف بڑھکر خالص مرثیہ گو شعرا کی تخلیق کا باعث ہوئی، اور اس صنف سخن کے لیے "منقبت" کی اصطلاح مقرر ہوئی،

اصناف سخن مین متاخرین کے یہان شہر آشوب ایک قسم ہے، جسمین کسی شہر کی بربادی اور پریشان حالی کی داستان یا وہان کے باشندون کی ہجو لکھی جاے، اس صنف سخن کا آغاز بحیثیت فن اسی عہد سے معلوم ہوتا ہے، آگہی خراسانی کے حال مین ہے،

"و شہر آشوبے جہت سکان ہرات گفتہ" ص ۶۵،

حرفی اصفہانی کی نسبت ہے،

"بگیلان رفت و شہر آشوبے جہت مذمت آنجا و مردم آنجا گفت" ص ۱۴۳

واحدی قمی کے تذکرہ مین ہے،

اما از جہت تبریز شہر انگیزے گفتہ ص۹۳ ،

گب نے اپنی تاریخ "عثمانی شاعری" (عثمانی ترکی شاعری) مین لکھا تھا کہ یہ صنف پہلے ترکی مین پیدا ہوئی، مگر پروفیسر براؤن نے اپنی تاریخ ادبیات ایران مین تحفہ کے حوالہ سے اس کی تردید کی، اور بتایا کہ فارسی مین یہ اس زمانہ مین پیدا ہو چکی تھی، محشی نے اپنے حاشیہ مین ان دونون مستشرقین کے ان نظریون کا ذکر کیا ہے، لیکن اگر یہ سچ ہے کہ امیر خسرو المتوفی ۷۲۵ھ نے پیشہ ورون کی ہجو ملیح مین جو اشعار کہے ہین، ان کا نام بعنوان "شہر آشوب" رکھا ہے[1]، تو اس صنف سخن کی ایجاد کی تاریخ اس سے دو سو برس پہلے سے شروع ہو گی،

زیر نظر حصہ (صحیفۂ پنجم) مین سب سے پہلے مولانا جامی کا ذکر خیر ہے، اور ان کے بعد مشاہیر اہل سخن مین سے ہلالی، ہاتفی، بابا فغانی، اہلی شہیدی قمی، شاہ قاسم انوار، محقق رشتی وغیرہ مین صحیفہ پنجم دو مطلعون پر منقسم ہے؛ پہلا مطلع مشاہیر کے حال مین ہے، اور دوسرا عام شعراء کے ذکر مین،

تحفہ کی زبان نہایت سادہ اور شیرین ہے، عبارت روان، اور بیشتر تکلفات سے بری ہے، جہان عبارت مقفی بھی ہے، تو آورد سے پاک ہے،

اشعار کے انتخابات اچھے ہین، سنین سے عموماً تغافل برتا گیا ہے، تاہم بعض بعض شاعرون کے احوال مین سنین لکھے بھی گئے ہین،

مولوی اقبال حسین صاحب جنھون نے اس حصہ کی تصحیح و اشاعت کی خدمت انجام دی ہے، ہمارے شکریہ کے مستحق ہین کہ انھون نے فارسی ادب کے دلدادون کیلئے یہ اچھا تحفہ پیش کیا ہے، کتاب ٹائپ مین چھپی ہے، اور جہانتک ہماری نگاہ نے کام کیا ہے اس مین اغلاط گویا نہین نظر آئے ہین، اور یقیناً یہ بڑی دیدہ ریزی کا کام ہے، موصوف کے نسخہ کی بنیاد بانکی پور لائبریری کے دو نسخے ہین، ان کے علاوہ دوسرے نسخے ان کو بہم نہین پہنچ سکے، غالباً بانکی پور لائبریری کے نسخون

---

[1] جواہر خسروی مؤلفہ امیر خسرو مرتبۂ مجلس نواب اسحاق مرحوم، ذکر مثنوی شہر آشوب،

کی موجودگی مین کسی دوسرے نسخہ کے حصول کی ضرورت انھون نے نہین سمجھی،

جن شعراء کے حالات دوسرے تذکرون مین بھی پائے جاتے ہین، مصحح ومحشی نے اُن کے حوالے متن کتاب کے نیچے انگریزی مین دیدیئے ہین، آخر مین شعراء اور اُن کے احوال کے صفحات کی فہرست ہے، شروع مین ایک مختصر مقدمہ فارسی مین، اور سب سے آخر مین اسی مضمون کا مقدمہ انگریزی مین ہے، مقدمہ تو خیر مگر حواشی کے انگریزی مین لکھنے کی مصلحت معلوم نہین ہوئی،

مولٰنا جامی کے ایک رسالہ کا نام اس مین "شرح حدیث ابی ذر عقیلی" چھپا ہے، ص۳، غالباً "عقیلی" کے بجائے "غفاری" صحیح ہوگا،

پٹنہ کے جن دو نسخون سے اس کتاب کی اشاعت عمل مین آئی ہے، چونکہ وہ مصنف کی وفات سے بہت پہلے کے ہین، ممکن ہے کہ مصنف نے بعد کو اپنی زندگی ہی مین کچھ اور اضافے کئے ہون، اسلئے ضرورت ہے کہ بعد کے نسخون سے بھی مقابلہ کر لیا جائے،

"س"

شعر العجم

حصہ اوّل

فارسی شاعری کی تاریخ، جسمین شاعری کی ابتدا، عہد بعہد کی ترقیون اور ان کے خصوصیات اور اسباب پر مفصل بحث کیگئی ہے اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعراء (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے اور ان کے کلام پر تنقید وتبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۳۵۰ صفحے، قیمت، سے

حصۂ دوم :- شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک) مع تنقید کلام، ضخامت ۳۰۲ صفحے، قیمت :- عہ

حصۂ سوم، شعرائے متأخرین کا تذکرہ (فغانی سے ابوطالب کلیم تک) مع تنقید کلام، ضخامت ۲۳۰ صفحے، قیمت عہ

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

صولتِ شیر شاہی، مرتبہ جناب سید احمد مرتضیٰ صاحب نظر نصیر آبادی، ناشر کانفرنس بک ڈپو، سلطان جہان منزل علی گڈھ، ۲۰۰ صفحے قیمت:- عہ؍

یہ شیر شاہ کے مکمل سوانح اور اوس کے عہدِ حکومت کی تاریخ ہے، لائق مصنف نے اسمیں خاندان سور کے آغاز سے اسکی حکومت کے زوال تک کے حالات جامعیت اور اختصار کے ساتھ لکھے ہیں، اور شیر شاہی عہد کی سیاسی، علمی اور تمدنی ترقیوں کو دکھایا ہو، اور ایک مستقل باب میں اُن اعتراضوں کے جواب دئے ہین، جو شیر شاہ پر کئے جاتے ہین مصنف نے عہدِ شیر شاہی کی یہ تاریخ پورے جوش وخروش اور ولولے کے ساتھ لکھی ہے، اسلئے اپنے ہیرو کی مدافعت کے جذبہ میں کہیں کہیں اعتدال قائم نہیں رہا ہو، اور تاریخ کی بعض نامور ہستیوں کی نسبت تیز فقرے نکل گئے ہیں، اسی طرح واقعات پر اظہارِ رائے میں ہیرو کی جانب مصنف کے میلانِ طبع اور اس کے حریف ہمایوں کی طرف سے بے محل سوءِ ظن کا اظہار ہوتا ہے، مثلاً ایک ہی قسم کے واقعات شیر شاہ اور اوس کے حریف ہمایوں سے دُو مختلف موقعوں پر سرزد ہوتے ہین، مگر موردِ الزام صرف ہمایوں قرار پاتا ہے، چنانچہ چنار گڈھ کی فتح میں ہمایوں کے ایک ذمہ دار افسر نے خود رائی سے شیر شاہ کے تین سو گولہ اندازوں کے ہاتھ قلم کرا دیے، مصنف نے لکھا "ہمایوں نے سوائے معمولی تنبیہ وتہدید کے اس خلاف ورزی کی پاداش میں کوئی قابلِ عبرت سزا نہ دی" (ص۴۴) دوسری طرف شیر شاہ کا ایک افسر آگرہ کی فتح کے بعد شہر میں قتلِ عام کرتا ہے، سینکڑوں شہری بے قصور مارے جاتے ہیں، یہاں مصنف کے نزدیک شیر شاہ کا اپنے افسر کو معاف کر دینا لائق ستایش ٹھہرتا ہے، چنانچہ لکھا، "کہ شیر شاہ ...... نے سمجھا کہ غیر جنگی وشہری لوگوں کو قتل کرنا آئینِ جنگ کے قطعی مخالف ہے، ہرمزید گورنے معذرت کی، شیر شاہ نے معاف کر دیا" (ص ۶۳) کتاب کا اختصار ایک نمایاں وصف ہے

مگر کہیں کہیں اس اختصار سے تسلسل بے ربط ہو گیا ہے، مثلاً ص ۴۳ پر ہے، کہ قطب خاں پسر شیر خان بطور یرغمال ہمایوں کے سپرد کیا گیا، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ جب نئی جنگ چھڑی تو وہی قطب خاں چنار گڈھ کا قلعہ دار ہے (ص۴۳) ان دونوں زمانوں کے درمیان شیر خان کے یہاں قطب خان کی واپسی دکھانی چاہئے تھی، اسی طرح اگر کسی واقعہ کے متعلق دو مختلف قسم کی روایتیں ہیں، تو مصنف نے ان دونوں کو حزم و یقین کے ساتھ نقل کر دیا ہے (ص۴۴) حالانکہ ان میں سے کسی ایک کو متن میں درج کرنا تھا، یا قولِ راجح کی جانب اشارہ کر دینا تھا، عمارات کے ذکر میں دہلی کے شیر گڈھ کی عمارات شیر منڈل، مسجد جامع اور حصار وغیرہ کا محض سرسری ذکر ہے، جو اس سے زیادہ کا مستحق تھا، پھر شیر شاہ کے وطن سہسرام کی عمارات اور مقبرۂ شیر شاہ کا تو کوئی تذکرہ ہی نہیں آیا،

شیر شاہ ہندوستان کا بیدار مغز فرمانروا گذرا ہے، جس نے محض چند سالہ دورِ حکومت میں نہ صرف سیاسی بلکہ تمدنی و عمرانی کارنامے حیرت انگیز طور پر انجام دے، وہ ہماری بڑی توجہ کا مستحق ہے، مصنف نے اپنے امکان بھر اسکی خدمات نمایاں کئے ہیں، اور اس وقت تک اردو میں اس کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، اوس میں یہ کتاب بسا غنیمت ہے،

عقدِ ثریا، تذکرۂ ہندی گویان، ریاض الفصحا،

از غلام ہمدانی مصحفی، مرتبہ مولوی عبد الحق صاحب، بی اے، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن، حجم بہ ترتیب ۹۳، ۲۸۳، ۲۰۱ صفحے، قیمت بہ ترتیب مجلد عہ، عار، عار،

انجمنِ ترقی اردو شعرا کے تذکروں کی اشاعت کی قابلِ قدر خدمات انجام دے رہی ہے، اس سلسلہ کی آخری کڑی مصحفی کے تین تذکروں کی اشاعت ہے، ان میں سے **عقدِ ثریا** فارسی گو شعرا کا تذکرہ ہے، اس کا سالِ تصنیف سنہ ۱۱۹۹ھ ہے، اس میں تین قسم کے شعرا کا ذکر آیا ہے، اول شعرائے ایران جو کبھی ہندوستان نہیں آئے، دوسرے جو ہندوستان آئے، اور تیسری قسم ہندوستانی فارسی گو شعرا کی ہے، دوسرا **تذکرۂ ہندی گویان،** یعنی شعرائے اردو کے تذکرہ میں ہے، اسکی تصنیف کا سالِ اختتام سنہ ۱۲۰۹ھ ہے، تیسرے تذکرہ کا نام

تذکرۃ الفصحاء ہے، یہ گویا تذکرۂ ہندی گویاں کا تتمہ یا ضمیمہ ہے، لیکن حجم میں اپنے پہلے حصہ سے بڑھ گیا ہے، اسکی تصنیف کا زمانہ سنہ ۱۲۲۱ھ ہے، مصحفی کے ان تذکرون مین ان کے ان ہمعصر قابلِ ذکر شعرا کا ذکر جن سے وہ واقف ہو سکے تھے آگیا ہے، اسلئے یہ ایک ایسے دور کی اردو شاعری کا آئینہ ہے، جب اردو شاعری کو ایک خاص رتبہ حاصل ہو چکا تھا، مولوی عبد الحق صاحب بی اے نے ان تینوں تذکرون پر ایک مقدمہ لکھا ہے، جو ان میں سے ہر ایک کے ساتھ منسلک ہے، اس مقدمہ میں مصحفی کے سوانح حیات خصوصاً جو ان تذکروں سے معلوم ہوتے ہیں، لکھے ہیں، اور ان تذکروں کی حیثیت واضح کی ہے، اور دکھایا ہے کہ یہ تینوں تذکرے اردو کے مستند قابلِ قدر تذکرے ہیں، جنمیں مصنف نے اپنے ذاتی رجحانات تعصبات، اور شاعرانہ چشمکوں سے بلند رہ کر اپنے مخالف و حریف شعرا تک کے متعلق منصفانہ اور ایماندارانہ رائیں لکھی ہیں، اسلئے ان تذکرون کی اشاعت سے اردو کے تذکروں میں ایک عمدہ اضافہ ہوا ہے، ان کی زبان اس زمانہ کی روش کے مطابق فارسی ہے،

تذکرۂ گلزار ابراہیم مع تذکرۂ گلشنِ ہند، مرتبہ جناب ڈاکٹر سید محی الدین قادری، زور، ص ۲۹۶

قیمت، عہ/، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن،

علی ابراہیم خان خلیل کا تذکرۂ گلزار ابراہیم اور اُس کا اردو ترجمہ گلشنِ ہند مرزا علی لطف، دونوں اردو شعرا کے مشہور تذکرے ہین، یہ معلوم ہے، کہ مرزا علی لطف نے گلزار ابراہیم کے تمام شعرا، کو گلشنِ ہند مین درج نہیں کیا تھا، پھر دوسری طرف لطف نے مختلف شعرا کے متعلق اپنے ذاتی معلومات بھی بڑھائے تھے، اسلئے یہ دونوں تذکرے اپنی جگہ اپنا منفرد وجود قائم کر چکے تھے، لیکن یہ امر واقعہ تھا، کہ ان مین سے ہر ایک بغیر دوسرے کے مکمل نہیں سمجھا جا سکتا تھا، ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے اسی ضرورت کا احساس کیا اور جدید ترتیب و تہذیب کے ساتھ ان دونوں نسخوں کو ملا کر یہ نیا مجموعی نسخہ تیار کیا، شعرا، کا ذکر اوسی طریق پر بہ ترتیب حروفِ تہجی ہے، ہر شاعر کے نام پر بہ ترتیب نمبر قائم کیا ہے، اس کے متعلق پہلے گلزار ابراہیم کی عبارت، پھر گلشنِ ہند میں دوسرا جو اضافہ ہے، وہ درج کیا ہے، اور اگر اس کا ذکر صرف گلزار ابراہیم میں ہے، اور گلشنِ ہند نے اوس کو چھوڑ دیا ہے، تو گلزار ابراہیم کی عبارت نقل

کردی ہے، اور جہان کوئی اضافہ نہیں، لکھدیا ہے کہ کوئی اضافہ نہیں، گلزار ابراہیم میں شعراء کے جو انتخابی اشعار تھے، اُنکی تعداد لکھکر اکثر چھوڑ دیا ہے، اگر یہ اشعار بھی لکھ دیے جاتے، تو مناسب ہوتا، اس طرح حجم میں چند صفحات کا اضافہ ضرور ہو جاتا، مگر یہ ایک کارآمد اضافہ ہوتا، مرتب نے اپنے مقدمہ میں دونوں تذکروں پر فاضلانہ نظر ڈالی ہے، اور دونوں کے فرق کو واضح کیا ہے، اور آخر میں اشاریہ (انڈکس) لگا دیا ہے، گلشنِ ہند کے مطبوعہ نسخہ کا مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ بھی موجود ہے،

تاریخ مرثیہ گوئی مرتبہ مولوی حامد حسن صاحب قادری پروفیسر سینٹ جانسن کالج آگرہ، ناشر گیا پرشاد اینڈ سنز تاجر کتب آگرہ ص ۱۲۳،

مصنف نے اس مختصر رسالہ میں مرثیہ گوئی کی عہد بعہد کی تاریخ لکھی ہے، اور ہر عہد کے کلام کا نمونہ پیش کیا ہے، اور ان پر مختصر نقد کیا ہے، مصنف کے پیشِ نظر موازنۂ انیس و دبیر رہی ہے، اکثر مباحث اوسی سے ماخوذ ہیں، لیکن جس اختصار اور ترتیب کے ساتھ مصنف نے ان کو مرتب کیا ہے، اوس سے امید ہے، کہ اردو ادب کے طلبہ کیلئے یہ رسالہ دلچسپ اور کارآمد ہوگا،

روزنامچۂ یورپ از راجکمار راجہ خواجہ پرشاد بہادر ص ۲۳۹، مطبوعہ نستعلیق ٹائپ، دار الطبع سرکارِ عالی، حیدرآباد دکن،

راجۂ راجایان ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت سرکارِ عالی کے خلف الرشید راجکمار راجہ خواجہ پرشاد بہادر اپنے والد بزرگوار کے حسب ہدایت اپنے سفر یورپ کا روزنامچہ ان کے پاس ہر روز بھیجا کرتے تھے، واپسی کے بعد ان روزنامچوں کا مجموعہ روزنامچہ سفر یورپ کے نام چھاپا گیا ہے، اسمیں راجکمار ممدوح نے انگلستان، فرانس، اٹلی، ٹرکی وغیرہ ممالک کی سیاحت کے واقعات اور اپنے روزمرہ کے مشاغل کو انتہائی سادگی و بے تکلفی کے ساتھ قلمبند کیا ہے، نستعلیق ٹائپ کا جو نمونہ حیدرآباد میں تیار ہوا ہے، اوسی میں یہ کتاب چھپی ہے،

مبادی فلسفہ حصہ دوم از مولانا عبد الماجد دریابادی ص ۱۵۱، تقطیع چھوٹی، قیمت ۸؍ منیجر صاحب دار المصنفین، اعظم گڈھ،

مولانا عبد الماجد دریابادی کے فلسفیانہ مضامین کا مجموعہ مجموعہ مبادی فلسفہ کے نام سے گذشتہ سال شائع

ہوا تھا، اب یہ اوسی کا دوسرا حصہ نکلا ہے، جس میں مختلف موضوعون پر سات مضامین ہین، مثلاً واجب الوجود اور حکماے جرمنی، حکمائے ہند کا فلسفۂ جذبات، مذہب ارتقائی نقطۂ نظر سے، وغیرہ، مضامین مولانا ے موصوف کی پچھلی زندگی میں ملک کے مختلف علمی رسالون میں چھپے ہیں، اور اب ان سب پر اونھوں نے نئے سرے سے نظر ڈالی ہے، جس سے یہ پہلے سے زیادہ دلچسپ اور مفید ہو گئے ہین، مولانا ے موصوف اردو میں فلسفۂ جدید کو روشناس کرانے والون میں شرفِ اولیت رکھتے ہیں، امید ہے کہ مبادیِ فلسفہ کے یہ حصے ملک میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جائینگے،

تعلیم و نفسیات، از جناب محمد ظہور الدین احمد ایم اے، پروفیسر فلسفہ اسمٰعیل کالج اندھیری،

ص ۵۴، **قیمت** ۱۰ر

یہ ایک تحریری خطبہ ہے، جسے فاضل خطیب نے بمبئی کارپوریشن کے اردو مدرسوں کے اساتذہ کی کانفرنس میں پڑھا تھا، اس میں جامعیت و اختصار کے ساتھ تعلیم اور طلبہ کے نفسیات پر بحث کی ہے، پہلے تعلیم کے اغراض بتا کر ذہن اور نفسیات کے مختلف شعبون اور کیفیتون کو نمایاں کیا ہے، پھر تعلیم کے علمی و عملی پہلو علٰحدہ علٰحدہ کھولکر بیان کئے ہیں، رسالہ اپنے موضوع کے لحاظ سے دلچسپ اور پر از معلومات ہے،

فوائد بدریہ مولفہ جناب قاضی بدر الدولہ مرحوم ص ۴۴۴، قیمت ۷ر، پتہ مولوی عبد العظیم، مکان جناب عبد الرؤف، جام باغ ترپ، بازار حیدرآباد دکن،

قاضی بدر الدولہ مرحوم جنوبی ہند کے مشہور صاحبِ علم مصنف گذرے ہیں، فوائد بدریہ سیرت نبوی مین ان کی ایک ضخیم تصنیف ہے، جسمیں سوانح و حالات کے علاوہ سیرت پاک کے مختلف نبوی خصوصیات وغیرہ پر بھی مباحث ہین، کتاب کی زبان آج سے یک صدی پیشتر کی جنوبی ہند کی اردو کا نمونہ ہے،

صبغۃ اللہ، مصنفہ جناب شیخ غلام محمد احمد صاحب ایم اے ایم او ایل، ص ۱۰۴، قسم اوّل عہ و دوم عمر، نیاز بک ایجنسی محلہ جولانکہ جموئی، توئی،

تصوّف اسلامی پر پروفیسر نکلسن اور براؤن وغیرہ مستشرقین نے جو کچھ لکھا ہے، اوسے دیکھ کر مصنف کو اسلامی

تصوف کی حمایت میں قلم اٹھانے کی ضرورت پڑی، اور ایک وسیع سلسلۂ تصنیف کا آغاز کیا، صبغۃ اللہ اس کی پہلی کڑی یا پہلا مقدمہ ہے، جسمیں مستشرقین کے اس خیال کی تردید کی گئی ہے، کہ اسلامی تصوف کا ماخذ، اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب و ادیان ہیں، مصنف نے بدلائل اس رسالہ میں صوفیانہ عقائد کو کتاب و سنت سے ماخوذ بتایا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ محض چند آیات و احادیث کو اساس بنا کر کلیتہً یہ کہنا صحیح نہ ہوگا، کہ اسلامی تصوف کے مختلف فرقوں اور مسلکوں میں سے کسی فرقہ و مسلک کے عقائد و طریق ریاضت وغیرہ میں عجمی عقائد و تعلیمات کی آمیزش نہیں ہوئی،

سلطان الہند، از جناب امین الدین خاں مفتوں اجمیری ص ۸۰، تقطیع چھوٹی، قیمت: ۲ر

مکتبہ ابراہیمیہ، عابد روڈ حیدرآباد دکن،

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کے محامد و مناقب کے منظوم بیان میں ہے، اور آخر میں چشتیون کے ذریعہ سارے ہندوستان میں روحانی فیوض کے پھیلنے کا ذکر ہے،

معجزۂ قرآن مجید، مؤلفہ مولوی ادریس احمد صاحب ہڈماسٹر اسلامیہ اسکول بریلی تقطیع خورد، ص ۲۴۸، قیمت: غیر مجلد عمر، مجلد عہ

اسکولوں کے مسلمان طالب علموں اور بچوں کیلئے دلچسپ مذہبی کتابوں کی ضرورت نہایت شدید ہے، مگر عموماً ادھر توجہ نہیں کی جاتی، علماء کی تحریریں اس باب میں اسلئے موثر نہیں ہوتیں کہ وہ موجودہ زمانہ کے ہم آہنگ نہیں ہوتیں، مولوی ادریس صاحب کو جنھیں تعلیم کا پرانا تجربہ ہے، اور جن کا اکثر زمانہ اسلامی اسکولوں کی ہڈماسٹری اور نگرانی مین گذرا ہے، مدت سے اس کا خیال تھا، کہ اسکولوں کے مسلمان طلبہ کی مذہبی تعلیم کے لئے کوئی مفید کام کیا جائے،

ہمارے مذہبی عقائد و اعمال کی جان قرآن مجید ہے، مولوی صاحب نے اس رسالہ میں قرآن مجید کے اعجاز پر مختلف مضامین کو یکجا کیا ہے، اور ہر رنگ کے پھولوں سے ایک نیا گلدستہ تیار کیا ہے، تاکہ ہمارے بچے اور نوجوان طالب علم اس سے اپنے مشامِ جان کو معطر کریں، امید ہو کہ طلبا اس سے فائدہ اوٹھائیں گے، اور قرآن پاک

کی اصلی عظمت کو جو اس کے ساتھ عقیدتِ قلبی اور پھر اوسکے مطابق عمل کرنے میں ہے، پوری طرح سمجھیں گے،

التنقید السدید علیٰ التفسیر الجدید، از مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی ص ۴۸، دفتر النجم، لکھنؤ،

یہ رسالہ مولوی عبد الحیٔ صاحب فاروقی، استاذ جامعہ ملیہ کے رسائل تفسیر پر ایک نظر کی حیثیت رکھتا ہی اسمین چند ایسے مسائل پر موصوف کی تفسیر سے اختلاف کیا گیا ہے، جو عقیدۂ اہلِ سنت کے خلاف نظر آئے،

کاویہ علی الغاویہ از جناب آسی ص ۱۶۴، عہ انجمن خدام الحنفیہ، ہاتھی گیٹ امرتسر،

یہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے مذہبی ادعاؤں کے جواب و تردید میں ایک مبسوط تصنیف ہے، مصنف نے محنت وکاوش سے اپنے فرض کو انجام دیا ہے،

التقریر الاسلم فی توضیح المسلّم از مولوی محمد شریف صاحب اعظم گڈھی، ص ۱۹۶، قیمت: عہ، سلیمانی پریس گائے گھاٹ، بنارس،

مسلم الثبوت، اصول فقہ میں ایک مشہور و متداول کتاب ہے، جو عربی مدارس کے نصاب میں عموماً داخل ہے، مولوی محمد شریف صاحب نے اسکی شرح فارسی زبان میں لکھی ہے، اور آخر میں کتاب کے مسائل سوال وجواب کی شکل میں مرتب کر دئے ہیں، اچھا ہوتا کہ رسالہ کی زبان فارسی کے بجائے اردو ہوتی،

سمندر کا عجائب خانہ، از مولوی سید محمد عسکری جعفری ضخ ۱۴۳، ۱۲ر مکتبہ جامعہ قرول باغ دہلی

اس رسالہ مین طلبہ کیلئے سمندر کے جانور، نباتات، قیمتی اشیا کے حالات اور علم البحر کے عام فہم مسائل دلچسپ انداز بیان میں جو بچوں کیلئے دلآویز ہوگا، لکھے گئے ہیں،

رباعیاتِ انگر، مرتبہ مولوی محمد احمد ندوی ص ۸۰، تقطیع چھوٹی، ۸ر مکتبہ جامعہ، قرول باغ، دہلی،

جناب امداد حسین صاحب انگر مرادآبادی کی رباعیاں معارف مین کبھی کبھی چھپتی رہی ہین، رباعیاتِ انگر انکی منتخب رباعیوں کا مجموعہ ہی، مرتب نے شاعر کے حالات لکھے ہیں، اور مولوی عبد الحق صاحب بی اے نے کلام پر تبصرہ کیا ہی

آئینۂ حسن، از جناب رسا ہمدانی گیاوی ایڈوکیٹ کیرانی گھاٹ، گیا، ص ۱۲۸، تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر

یہ جناب رسا کے منتخب کلام کا مجموعہ ہے، کلام صاف، ستھرا، رواں اور شگفتہ ہے، شروع میں جناب رسا کے خاندانی حالات اور کلام پر تبصرہ درج ہے،

بہار، از جناب الیاس احمد صاحب ایم اے، منصف عدالت یو پی، ص ۲۲۶ چھوٹی تقطیع،

قیمت: عمر، پتہ:- منیجر صاحب دار المصنفین اعظم گڈھ،

چند سال گذرے جناب الیاس احمد صاحب ایم اے، ہمارے شہر اعظم گڈھ میں اپنے عہدۂ منصفی کے فرائض انجام دیتے تھے، تقریباً ہر اتوار کو شبلی منزل تشریف لاتے، کبھی لوگوں سے ملتے جلتے، مگر اکثر کتبخانہ کے کسی گوشہ میں بیٹھکر اردو ادبیات کی الماری سے کچھ نکال کر پڑھتے رہتے، اور حسب ضرورت کتابیں مستعار لیجاتے، آدمی خلیق، کم سخن، متین، اور منکسر مزاج تھے، کبھی اون کے کسی آیندہ عزم کا اظہار نہیں ہوا، یہانتک کہ وہ اس شہر سے تبدیل ہو کر چلے گئے، اسکے بعد یہ پتہ چلا کہ اسی یکشنبہ کی فرصت میں اونھوں نے اپنے ذوق کا پورا سامان نہ صرف خود فراہم کر لیا، بلکہ اوسے اسطرح آراستہ و پیراستہ کر دکھایا کہ ایک گلدستہ بنکر بہار کے نام سے ہمارے سامنے موجود ہے، یہ دراصل اردو کے صدہا دواوین اور تذکروں کے مطالعہ کا نچوڑ ہے، عشق و عاشقی کے مختلف کیفیات اور جذبات کو علٰحدہ علٰحدہ عنوانوں میں درج کیا ہے، پھر اونھیں اس طرح مرتب کیا ہے، اگر کسی شخص کے آغاز عشق سے اُنکی تباہی و بربادی تک کے تمام منازل و مناظر کی مصوری ہو جائے، انتخاب اشعار میں شعراے قدیم و جدید کسی کی تخصیص نہیں، جس کا جو شعر پسند آیا وہ اپنے محل پر درج کر دیا گیا، کہیں کہیں فارسی اشعار بھی ہیں، امید ہے عشق و محبت یا شعر و شاعری کا یہ گلدستہ دلچسپی سے دیکھا جائیگا، دو چار مقام پر شعرار کے ناموں اور شعروں کی نسبت میں اگر مسامحت ہو گئی ہے تو قابل معافی ہے،

تاریخ دکن کی دلچسپ حکایات، حصہ اول از جناب سراج الدین صاحب طالب صفحہ ۴۲

قیمت ۲؍ پتہ:- جناب سید جلال یداللّٰہی تاجر کتب چھتہ بازار، حیدرآباد، دکن،

اسمیں دکن کی تاریخ کے مختصر واقعات صفحہ دو صفحہ میں بچوں کیلئے لکھے گئے ہیں، یہ رسالہ دکن کے مدارس میں داخل ہونیکے لائق ہے،

جلد ۳۴ | ماہ شعبان المعظم ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۳۴ء | عدد ۶

مضامین

شذرات،	سید سلیمان ندوی،	۴۰۲-۴۰۴
اسلام اور تعیین راہ کی کشمکش،	جناب محمد عزیز صاحب ایم اے، ال ال بی رفیق دار المصنفین	۴۰۵-۴۲۶
جان لاک کا فلسفہ،	جناب سید منظور احمد صاحب ایم اے، علیگ،	۴۲۷-۴۴۱
خواجہ حسن دہلوی	مولانا عبد السلام ندوی،	۴۴۲-۴۵۰
مونس الاحرار فی دقائق الاشعار،	نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شیروانی،	۴۵۱-۴۵۳
قانون شیخ کا پہلا مطبوعہ نسخہ،	مولوی امتیاز علیخان صاحب عرشی ناظم کتبخانہ رامپور،	۴۵۴-۴۵۵
مکان و زمان کی سیر،	"ع ز"	۴۵۶-۴۶۲
موصل اور بیان کا فرقہ یزیدیہ،	"ع"	۴۶۲-۴۶۵
اخبار علمیہ،	"ع ز"	۴۶۶-۴۶۹
کلام امجد،	حکیم الشعراء جناب امجد حیدرآبادی،	۴۷۰
مشرق و مغرب،	جناب اسد ملتانی،	۴۷۰-۴۷۱
حقیقت مسلم،	جناب محمد سعید صاحب ہوشیارپوری،	۴۷۱
تابش سہیل،	جناب اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے، علیگ ایڈوکیٹ اعظم گڈھ	۴۷۲
مطبوعات جدیدہ،	"ض"	۴۷۳-۴۸۰

شذرات

اسلامی ہند کی مکمل تاریخ،

ہندوستان مین مسلمانون کی آمد اور سلاطینِ اسلام کی بادشاہی وحکومت اور مسلمانون نے اس ملک کو جو ترقی دی، اور یہان جو تمدن پیدا کیا ان سب کی ایک مفصل ومکمل اسلامی تاریخ کی ضرورت تاریخی، علمی، قومی، سیاسی ہر حیثیت سے روز بروز بڑھتی جاتی ہے، لیکن یہ کام اسقدر اہم ہے کہ اسکو صرف شخصی ہمت سے انجام دینا مشکل ہے، ارباب نظر کی نگاہین اس کے لیے بار بار دار المصنفین پر پڑ رہی ہین، دار المصنفین نے اب تک اس خدمت کے انجام دینے سے اسلئے پہلوتہی کی، کہ اس کیلئے گرانقدر مصارف کی ضرورت ہے، جس کے لئے اسکا موجودہ سرمایہ کافی نہین، اس کام کیلئے اسکو جو ضرورت درپیش ہے، اسکا مختصر خاکہ حسب ذیل ہے:

۱- تاریخ ہند کے غیر مطبوعہ قلمی نسخون کی فراہمی نقل اور ہو سکے تو خریداری،

۲- تاریخ ہند کی جو مطبوعہ کتابین ہمارے پاس نہین اُن کو حاصل کرنا،

۳- یورپین زبانون مین قدیم یورپین سیاحون نے مغلون کے عہد کے احوال لکھے ہین، یا آجکل انگریزی مین ہندوستان کی جو قابلِ ذکر تاریخین لکھی ہین، ان کو خرید کر یا ہدیہ لیکر حاصل کرنا،

۴- مرہٹون اور سکھون نے اپنے اپنے عہد کے جو تاریخی مواد فراہم کئے ہین، اُن کو جمع کرنا،

۵- مختلف کتبخانون مین ہندوستان کی تاریخ کے متعلق جو نادر قلمی کتابین موجود ہین، سفر کرکے اُن کا مطالعہ کرنا اور اُن سے معلومات فراہم کرنا،

۶- کتاب کی ترتیب وتدوین کے لئے چند لائق اشخاص کے خدمات کو مناسب معاوضہ پر حاصل کرنا،

۷- تیار شدہ جلدون کو چھاپکر شائع کرنا،

خیال ہے کہ ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ کو پندرہ حصون مین تقسیم کیا جائے،

حصۂ اوّل، آغازِ اسلام سے غزنویون کی پیدائش تک،

حصۂ دوم، غزنویون کا عہد،

حصۂ سوم۔ غوریون سے لیکر حکومتِ غلامان کے خاتمہ تک،

حصۂ چہارم، خلجی و تغلق،

حصۂ پنجم، از آمدِ تیمور تا خاتمۂ خاندانِ لودھی،

حصۂ ششم، بابر سے خاندانِ سوری تک،

حصۂ ہفتم، ہمایون بار دوم سے جہانگیر تک،

حصۂ ہشتم، شاہجہان سے عالمگیر تک،

حصۂ نہم، بہادر شاہ اوّل سے بہادر شاہ ثانی تک،

حصۂ دہم، بہمنیہ و عادلشاہیہ وغیرہ سلاطینِ دکن،

حصۂ یازدہم، گجرات و مالوہ و خاندیس۔

دوازدہم، کشمیر و ملتان و سندھ،

سیزدہم، جونپور و بنگال و دیگر متفرقات،

چہاردہم، اسلامی ہند کا آخری دور نظامتِ حیدرآباد و مرشدآباد و عظیم آباد، و اودھ و روہیلکھنڈ و میسور و ارکاٹ،

پانزدہم، ہندوستان مین اسلامی تمدن کی تاریخ،

اگر ان پندرہ جلدون مین سے ہر جلد کی ترتیب و تالیف پر کم از کم پانچ سو اور چھپائی پر بھی اسیقدر لاگت کا تخمینہ کیا جائے تو پندرہ جلدون پر پندرہ 15 ہزار سے کم خرچ نہ آئیگا، اور کتابون کی خریداری و بہم رسانی کا خرچ دو ہزار بھی رکھا جائے تو مجموعہ سترہ ہزار روپیہ ہوتا ہے، ہماری قوم مین ایسے اربابِ ہمت موجود ہین جو اس عظیم الشان کام کے لئے سترہ ہزار یکمشت

دے سکتے ہین، اور ہم کو مشکلات اور زحمتون سے بچاکر دین کے ثواب کیساتھ دنیا کی ابدی شہرت وناموری کے مستحق ہو سکتے ہین، لیکن ایسے بلند پرواز عنقا کے انتظار مین ہم کام کو ملتوی کرنا نہین چاہتے، اور اللہ تعالی کے فضل وکرم پر بھروسہ کرکے کام شروع کردینا چاہتے ہین،

* * *

اس وقت تک اس سلسلہ مین دو قومی محسنون نے اپنے چندون کا اعلان کیا ہے، نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خان شیروانی صدر نشین دار المصنفین نے ایک سال تک پچاس روپیے ماہوار کا، اور جناب خان بہادر مولوی محمد حسین خانصاحب سابق ڈپٹی اکونٹنٹ گورنمنٹ آف انڈیا وسابق فینانس منسٹر رامپور نے پانچسو یکمشت کا وعدہ فرمایا ہے، اس کے بعد جو ارباب ہمت علم دوست ہماری امداد فرمائین گے، اُن کے نام بعد کو شائع کئے جائین گے،

اس وقت عام مسلمانون کی خدمت مین یہ گذارش ہے کہ وہ ہماری مدد حسب ذیل صورتون سے کرسکتے ہین

۱۔ اسلامی ہند کی تاریخ کے کسی قلمی یا نایاب مطبوعہ نسخہ کی فراہمی،

۲۔ شاہی فرامین، یا قدیم خاندانی یادداشت وتحریر بہم پہنچانا،

۳۔ کوئی ماہوار یا یکمشت چندہ دینا،

* * *

ان تمام لوگون کو جو اس مسئلہ سے دلچسپی رکھتے ہون، اور کوئی مفید مشورہ دینا چاہتے ہون، ناظم دار المصنفین سے خط وکتابت کرنی چاہئے،

قومی اخبارات سے امید ہے کہ وہ اس تحریر کو اپنے کالمون مین نقل کرکے ہماری مدد کرینگے، اور اگر اسکی تائید مین لکھ سکین تو مزید عنایت ہو،

سید سلیمان ندوی،
ناظم دار المصنفین اعظم گڈھ
۲ر دسمبر ۱۹۳۴ء

مقالات

اسلام اور تعیّن راہ کی کشمکش

از جناب محمد عزیر صاحب ایم اے ایل ایل بی (علیگ) رفیق دار المصنفین

مسلمانون کے عروج وزوال کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہی، کہ جسوقت تک اُن کے دل ایمان ویقین کے نور سے منور تھے، اُن کی ترقی کا قدم زمانہ کی نامساعدت اور مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی وسیع زمین مین بڑھتا ہی چلا گیا، اور دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو بھی اُن کے سامنے سرنگون ہوجانا پڑا، لیکن جب اس نور کی روشنی پھیکی پڑنے لگی، اور ایمان ویقین کی جگہ ضعفِ عقائد اور تشکیک نے دلون مین راہ پانی شروع کی، تو وہ تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹنے لگے، اور خدا کی زمین اپنی وسعت کے باوجود اُن کیلئے تنگ ہوگئی،

مسلمانون کی موجودہ زبون حالی کا واحد سبب اُن کے ایمان کی کمزوری ہی، لیکن یہ کمزوری پیدا کیونکر ہوئی؟ اس کمزوری کی بنیاد خود اُن کے "زمانہ عروج" مین پڑچکی تھی، عہدِ سعادتِ نبویہ اور دورِ خلافتِ راشدہ کے بعد جب جمہوریۂ اسلام نے ایک عظیم الشان سلطنت کا قالب اختیار کرلیا اور اس کا نظامِ حریت جو انّ الحکم الا للہ کی بنیاد پر قائم تھا، انسانی پادشاہت اور شخصی سلطنت کی شکل مین تبدیل ہوگیا، تو مسلمانون کا اپنے مالک کے ساتھ وہ مخصوص رشتہ جو تمام دوسرے رشتون کو توڑ کر جوڑا گیا تھا، کمزور ہوگیا، اور ان کی پیشانیان جو پہلے صرف رب السموات والارض کے سامنے جھکتی تھین، پادشاہون کے دربارون مین زمین بوس نظر آنے لگین، یہ تو نہین ہوا کہ مسلمانون نے خدا کی پرستش چھوڑ کر تخت وتاج کی پرستش شروع کردی، لیکن یہ ضرور ہوا کہ للٰہیت کی وہ روح جو ان کے تمام افعال واعمال کی جان تھی بحیثیت ملی فنا ہوگئی، ان کی فتوحات کا سلسلہ اب بھی صدیون تک جاری رہا، لیکن پہلے وہ اس لئے لڑتے تھے کہ

خدا کا بول بالا ہو، اور اب اسلئے جنگ کرنے لگے کہ سلطان وقت کے مقبوضات کا دائرہ وسیع ہوتا جائے، اونھون نے بڑی بڑی مملکتین فتح کین، اپنی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی روشنی سے تمام عالم کو منور کیا، اور ایسی عظیم الشان سلطنتیں قائم کیں، جنکی نظیر سے دوسری قوموں کی تاریخ خالی ہو، دنیا ان کے اسی دور کو ان کے عروج و کمال کا دور قرار دیتی ہے، لیکن ہمارے نزدیک یہ عروج ہی اُن کے زوال کا پہلا قدم تھا، اسی عروج نے دنیوی جاہ و عظمت کا وہ جذبہ انکے اندر پیدا کر دیا، جس نے تھوڑے ہی دنون مین نصب العین کی حیثیت حاصل کر لی، اور خدا کے وہ بندے جنکی حیات و ممات پہلے تمامتر اپنے خالق کیلئے تھی، اب مادی قوت و اقتدار کے دلدادہ ہو گئے،

اس انقلاب حال کا سب سے زیادہ مہلک اثر یہ ہوا کہ دلوں سے اللہ کی خشیت و محبت رخصت ہونے لگی، اور اسکی جگہ تخت و تاج کا رعب اور قومی عظمت و حشمت سے وابستگی پیدا ہو گئی، مسلمان جب تک مادی حیثیت سے ترقی کرتے رہے، یہ زہر خاموشی کے ساتھ اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہا، اور اوس کے مظاہر رونما نہیں ہوئے لیکن جب دنیا کی اور قومون کی طرح ان کے مادی عروج و کمال کا زمانہ بھی ختم ہو گیا، اور ان کے اندر بھی انحطاط و زوال شروع ہوا تو اس زہر کے اثرات ظاہر ہونے لگے، صدیون تک قومی حشمت و جاہ کی پرستش سے اللہ واحد القہار کے جلال و جبروت کا احساس حد درجہ کمزور ہو گیا تھا، اور دلون مین صرف مادی قوتون کا رعب و استیلا راسخ تھا، اسلئے جب اپنی قوت کا خاتمہ ہو گیا، اور دوسری قومون نے غلبہ حاصل کر لیا تو قوت و اقتدار کے پرستارون نے جنکی پیشانیان ایک طویل مدت سے اسی بُت کی چوکھٹ پر گڑی ہوئی تھین، اپنے نیاز و تعبد مین کوئی فرق پیدا ہونے نہ دیا، اور اپنی وفاداری پر بدستور قائم رہے،

مادی قوت و اقتدار کا یہی رعب آج ملتِ اسلامیہ کا سب سے زیادہ شدید مرض ہو، مسلمانون کی سابقہ عظمت کے مقابلہ مین ان کی موجودہ طاقت کچھ بھی نہیں ہو، برخلاف اس کے مغرب اپنی ترقی کے دور شباب سے گذر رہا ہے، اسکی تہذیب و تمدن کی برقی روشنی کے سامنے مسلمانون کی آنکھیں جو نور حقیقی کی تجلیات سے محروم ہو چکی ہین خیرہ ہو رہی ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں، کہ مغرب کا تسلط آج تمام دنیا پر چھایا ہوا ہے، اور حربی قوت کے علاوہ علوم و فنون

اور تہذیب و تمدن میں بھی اسکی حکمرانی روے زمین کے ہر حصہ پر تسلیم کر لی گئی ہو، پس جن دلون مین صدیون سے مادی اقتدار کے رعب نے آشیانہ بنا رکھا ہو، اُن کیلئے مغرب کے تسلط سے مرعوب ہونا محلِ تعجب نہیں، بلکہ توقع کے عین مطابق ہو، جو لوگ اس بات پر حیرت کرتے ہین کہ مسلمان اپنی اسلامی تہذیب کی خوبیون کو چھوڑ کر مغربی تہذیب کے والدادہ ہو رہے ہین، وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہین کہ اسلامی تہذیب تو مسلمانون نے اُسوقت چھوڑ دی تھی، جب مغرب اپنی وحشت اور بربریت کے دور سے بھی نہین گذر چکا تھا، اصل یہ ہے کہ اسلامی تہذیب کا مفہوم ہی عموماً غلط سمجھا جاتا ہو، اسلامی تہذیب کا دور خلافتِ راشدہ کے اختتام پر ختم ہو گیا تھا، اس کے بعد مسلمانون نے جس تہذیب کو فروغ دیا، وہ حقیقۃً اسلامی تہذیب نہ تھی، بلکہ اسلامی اور عجمی تہذیب کی ایک ایسی آمیزش تھی، جس سے ملت اسلامیہ کی روح حریت کہ بہ منزلہ متاع اصلی کے تھی فنا ہو گئی،

غرض مغرب کا یہی رعب آج دنیائے اسلام کی بنیادی کمزوری ہو، اور اسی کو دور کرنا وابستگانِ دامنِ نبوی کا اولین فرض ہو، مصلحین امت نے بارہا اسکے لئے کوششین کین اور اب بھی اپنے اپنے دائرون کے اندر اور اپنے اپنے حوصلہ و ہمت کے مطابق کرتے جاتے ہیں، چنانچہ اس موضوع پر تقریرون اور تحریرون کا ایک وافر ذخیرہ جمع ہو گیا ہے، خصوصاً ہندوستان مین جہان مسلمانوں کا احساس دینی بہ مقابلہ دیگر ممالک اسلامیہ کے زیادہ بیدار ہے، لیکن "مغرب زدگی" کی ایک شامت یہ بھی ہے، کہ مسلمانوں کی تعلیم یافتہ جماعت کیلئے کوئی چیز اسوقت تک قابلِ اعتنا نہیں ہوتی جب تک وہ مغربی لباس سے آراستہ نہ ہو، اور اس عموم مین ہمارے ملک کے نوجوانوں کو ایک خاص خصوصیت حاصل ہو، اسلئے ضرورت تھی کہ انگریزی زبان میں جو تقریبًا تمام ممالک اسلامیہ میں کسی نہ کسی حد تک رائج ہو چکی ہے، اور ہندوستان مین ثانوی زبان کی حیثیت اختیار کر چکی ہے، ایک ایسی کتاب لکھی جائے، جسمین مسلمانون کے اصلی مرض کی تشخیص اور اسکے علاج کا صحیح طریقہ واضح طور پر بیان کیا گیا ہو، پیشِ نظر تصنیف اسلام اون دی کروس روڈس "(ISLAMONTHE CROSSROADS) اس ضرورت کو نہایت خوبی کے ساتھ پورا کرتی ہے، اس کا لائق مصنف محمد اسد (LEOPOLDWEISS) آسٹریا کا

ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ صاحبِ قلم ہے، جس نے دس بارہ سال ممالکِ اسلامیہ کی سیاحت میں گذارے ہیں، اور مسلمانوں کی موجودہ حالت کا نہایت غور و فکر سے مطالعہ کیا ہے، اس نے ان کی ماضی کی تاریخ اور لٹریچر پر بھی گہری نظر ڈالی ہے، اور پھر ان کی موجودہ بدحالی کے حقیقی اسباب و علل کی جستجو بھی کی ہے، اسی دوران میں ہادیِ مطلق نے اُس کے قلب کو اپنے انوارِ ہدایت سے منور فرمایا، اور قبولِ اسلام کے شرف و امتیاز سے سربلندی بخشی، اسلام کی عظمت کا سچا احساس جو اس نومسلم کے قلم سے ظاہر ہو رہا ہے، وہ اکثر سیزدہ صد سالہ مسلمانوں کے لئے عبرت و موعظت کا سبب ہو سکتا ہے،

تمام دنیا کی طرح اسوقت دنیائے اسلام بھی ایک انقلابی دور سے گذر رہی ہے، یہاں بھی قدیم رسوم اور خیالات غائب ہو رہے ہیں، اور ان کی جگہ جدید خیالات رونما ہو رہے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اسلامی سوسائٹی کا یہ انقلاب جو ترقی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے حقیقۃً مسلمانوں کو کہاں لے جا رہا ہے، اور یہ "ترقی" اسلام کے مقاصدِ عالیہ کے کہاں تک مطابق ہے؟ مسلمانوں کے سامنے اس وقت سب سے زیادہ اہم مسئلہ یہ ہے، کہ تہذیبِ مغرب سے متعلق انکا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیے،

فاضل مصنف نے یہ حقیقت پائی ہے کہ اسلامی اور مغربی تہذیبوں کے بنیادی اصول یکسر مختلف ہیں، اور دونوں میں تطابق پیدا کرنا قطعی طور پر ناممکن، اسلامی تہذیب کی بنیاد تمامتر مذہب پر قائم ہے، یہاں مذہب سے مراد محض وہ "عبادت" نہیں جو مخصوص ریاضتوں تک محدود ہے، مثلاً نماز یا روزہ، بلکہ اوس کا وسیع دائرہ انسان کی تمام عملی زندگی کو محیط ہے، یہی اسلام کا وہ مختص مقام ہے، جو اسکو دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتا ہے، ہماری زندگی کا واحد مقصد خدا کی عبادت ہو، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ. اور خدا کی عبادت نام ہے ان چند در چند اخلاقی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا جو خالص مذہبی ریاضتوں کے علاوہ محض انسان ہونے کی حیثیت سے ہم پر عائد ہیں، عبادت کے مفہوم میں اس نقطۂ نظر سے ہماری زندگی کے تمام بڑے اور چھوٹے کام شامل ہیں، اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ،

برخلاف اسکے جیسا مصنف نے دکھایا ہے، مغرب جدید کی عمارت خالص مادی بنیادون پر قائم ہے، اسکا نصب العین فطرت کی تفتیش و تحقیق اور اس پر حکمرانی کرنا ہے، اسکی زندگی تمامتر حیاتِ دنیاوی تک محدود ہے، مذہبی تخیل کی بنا اس عقیدہ پر ہے، کہ مادی حدود سے ماورا ایک ہمہ گیر اخلاقی قانون کا وجود بھی ہے، جسکی اطاعت ہم انسانوں کیلئے لازمی ہے، لیکن جدید مغربی تہذیب کسی ایسے قانون کی اطاعت تسلیم نہیں کرتی، وہ صرف اقتصادی، معاشرتی یا قومی قانون کی اطاعت ضروری خیال کرتی ہے، اس کا حقیقی معبود عیش و آسایش اور اس کا حقیقی فلسفہ، فلسفۂ قوت ہے، وہ خدا کے وجود سے انکار نہیں کرتی، بلکہ بعض صورتون مین معاشرتی اغراض کیلئے مذہب کی ظاہری شکل کو قائم رکھنا چاہتی ہے، لیکن اسکے نظامِ عملی مین (نعوذ باللہ) خدا کا کوئی مصرف نہیں ہے،

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، کہ مغرب کی جدید مادی تہذیب عیسائیت کی گود میں کیونکر پرورش پاتی رہی لیکن یہ خیال ہی غلط ہے کہ موجودہ تہذیب عیسائیت کی پیداوار ہے، مصنف نے بہت وضاحت کے ساتھ دکھایا ہے کہ یہ تہذیب اُس بغاوت کا نتیجہ ہے، جو کلیسائے مسیحی کے صدیوں کے استبداد و تشدد کے خلاف یورپ کے قوائے ذہنی نے بالآخر برپا کی، اور مغرب کی تمام سائنٹفک اور مادی ترقیان دراصل اسی بغاوت کا حاصل ہین، اسکے بعد موصوف نے اس واقعہ پر تاریخ کی روشنی ڈالی ہے، کہ کلیسا کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے مین یورپ بڑی حد تک عربون کا رہینِ منت ہے، انھون نے یونانی علوم و تمدن کے بہترین اجزا اخذ کرکے اپنے علوم و تمدن کی آمیزش سے ان کو از سرِ نو زندہ کیا، اور ٹھیک اس وقت جب یورپ کلیسا کی تعدیون سے تنگ آکر اپنی آزادی کے لئے تاریکی میں ہاتھ پیر مار رہا تھا، اُسے اُن علوم و تمدن کی روشنی دکھا کر آزادی کی شاہراہ پر لا کھڑا کر دیا، اس طرح عربوں کی وساطت سے یورپ کو ایک نئی زندگی نصیب ہوئی، مصنف کا بیان ہے کہ قرون وسطی نے یورپ کے قوائے اجتہادی کو بالکل برباد کر دیا تھا، تمام علوم پر جمود کی کیفیت طاری تھی، وہم پرستی کا تسلط ہر جگہ تھا، معاشرت ایسی ابتدائی اور ناقص حالت میں تھی، کہ آج اس کا یقین بھی مشکل سے ہوگا، اسوقت دنیائے اسلام کا علمی اور تمدنی اثر جو پہلے مشرق مین محاربات صلیبی اور مغرب مین اندلس کی عالیشان

یونیورسٹیوں کے ذریعہ اور پھر بعد مین اُن تجارتی تعلقات کی راہ سے جو جنیوا اور وینس کی جمہوریتون کے ساتھ روز بروز بڑھتے جاتے تھے، رونما ہوا اور تہذیب یورپ کے بند دروازون کو کھٹکھٹانا شروع کیا، یورپ کے فضلاء اور فلاسفہ کی خیرہ نگاہون کے سامنے ایک دوسری ہی تہذیب ظاہر ہوئی، نفیس، ترقی پذیر، ولولہ انگیزیوں سے معمورؔ اور اُن خزینوں کی مالک جنھیں یورپ مدتون پہلے کھو کر فراموش کرچکا تھا، لیکن عربوں نے قدیم یونانی علوم وتمدن کے احیا کے علاوہ بھی بہت کچھ کیا، اونھوں نے خود اپنی ایک بالکل جدید سائنٹفک دنیا پیدا کی، اور ترقی کی نئی راہین دریافت کرکے انھیں ترقی دی، یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا، کہ ہمارے موجود سائنٹفک دور کا افتتاح مسیحی یورپ کے شہرون میں نہیں، بلکہ دمشق، بغداد، قاہرہ، اور قرطبہ کے اسلامی مرکزوں میں ہوا" چنانچہ یہ اسلامی تعلقات کی اسی حیات بخشی کا اعتراف ہی کہ یورپ اپنی بیداری کے اس دور کو "نشاۃ ثانیہ" (RENAISSANCE) کے نام سے موسوم کرتا ہے،

اسلامی تعلقات کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ نمایان اثر یہ ہوا کہ یورپ کے بہترین دماغون نے کلیسا کے بند استعباد سے آزادی حاصل کرنے کیلئے ایک تازہ قوت کے ساتھ جنگ شروع کردی، ابتداءً اس جنگ نے تحریک اصلاح کی صورت اختیار کی جو تقریباً بیک وقت مختلف ملکوں میں جاری ہوگئی، اگر یہ تحریک اعتدال کے ساتھ جاری رہتی تو بہت ممکن تھا، کہ یورپ میں سائنس اور مذہب کی کشیدگی ایک حد تک دور ہوجاتی، لیکن کلیسا کی تعدیاں اس درجہ تک پہنچ چکی تھیں، کہ ان کی اصلاح میں اعتدال قائم رہ نہ سکا، علاوہ بریں تھوڑے ہی دنون مین یہ تحریک مذہبی حدود سے نکل کر مختلف جماعتون کی سیاسی کشمکش سے وابستہ ہوگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب کا تسلط روز بروز کم ہوتا گیا، یہانتک کہ اٹھارہوین صدی کے ربع آخر میں انقلاب فرانس کے ہاتھوں کلیسا کا استیلا ہمیشہ کیلئے ختم ہوگیا، اسکے بعد ہی صنعت وحرفت کی ترقی کا دور شروع ہوا، اور یورپ جو مذہب کی قید سے ایک گونہ آزاد ہوچکا تھا، پوری سرگرمی کے ساتھ مادی ترقی کی ان جدید راہوں میں مشغول ومنہمک ہوگیا، انیسویں صدی کے دوران میں مذہب کا وہ خفیف سا تعلق بھی جو انقلاب فرانس کی ہنگامہ خیزیوں کے بعد باقی

رہ گیا تھا، منقطع ہوگیا، اور یورپ کلیسا کے تلخ تجربہ کی بنا پر مذہب کی ہر شکل و نوع کا قطعی طور پر مخالف ہوگیا، یہ صحیح ہو کہ مغرب میں اب بھی کچھ لوگ ایسے ہیں، جو اپنے اندر سچا مذہبی احساس رکھتے ہیں، لیکن ان کی تعداد بہت ہی کم ہے، اکثریت انھی لوگوں کی ہے، جو مذہبی قیود سے آزاد ہیں، مصنف کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ یورپ کا عام باشندہ خواہ وہ جمہوریت پسند ہو، یا فاسستی، نظام سرمایہ داری کا موید ہو یا اصول اشتراکی کا، غرض کسی سیاسی مسلک سے تعلق رکھتا ہو، صرف ایک ہی یقینی مذہب کو جانتا ہے، یعنی مادی ترقی کی پرستش اور صرف ایک ہی عقیدہ رکھتا ہے، یعنی زندگی کا مقصد بجز اس کے کچھ بھی نہیں، کہ اسے روز بروز زیادہ ”پرعیش اور فطرت سے آزاد“ بنایا جائے،

ظاہر ہے کہ اس قسم کی تہذیب لازمی طور پر اس تمدن کے لئے زہر قاتل ہوگی، جسکی بنیاد مذہب پر قائم ہے، اسلام میں پہلا اور سب سے بڑھکر مقدم مقصد انسان کی باطنی اور اخلاقی ترقی ہے، لیکن مغرب کی جدید تہذیب میں حالت بالکل برعکس ہے، وہاں مادی افادیت کا خیال اعمال انسانی کے تمام مظاہر پر چھایا ہوا ہے، اور اخلاقیات کی اہمیت روز بروز زائل ہوتی جاتی ہے‘

مذکورۂ بالا مذہبی اور تمدنی ناموافقت کے علاوہ ایک سبب اور بھی ہے، جسکی بنا پر مسلمانوں کو مغربی تہذیب کے اتباع سے پرہیز کرنا چاہئے، وہ یہ کہ مغربی تہذیب اسلام کے خلاف ایک دیرینہ بغض و عناد کا جذبہ اپنے اندر رکھتی ہے، یہ جذبہ بتصریح مصنف ایک حد تک قدیم یونانی اور رومن تہذیب کا ترکہ ہے، یونان اور رومہ کے باشندے صرف اپنے ہی کو تہذیب و تمدن کا مالک سمجھتے تھے، اُن کے علاوہ تمام دنیا کے لوگ خصوصاً وہ جو بحر روم کے مشرق میں آباد تھے، "بربری" اور "وحشی" تھے، یہ اسی ذہنیت کا نتیجہ ہے کہ آج بھی یورپ اپنے علاوہ تمام دوسری قوموں اور نسلوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے‘

لیکن برخلاف دیگر اقوام و مذاہب کے اسلام کے خلاف یورپ کا جذبہ حقارت ہی کا نہیں، بلکہ ایک دیرینہ اور مستقل دشمنی کا جذبہ بھی ہے، اسلام کے علاوہ ہر مذہب کے متعلق یورپ ہمیشہ غور و تامل سے کام لیتا ہے اور آج

جب کہ ہر چیز سائنٹفک تحقیق کی روشنی میں دیکھی جارہی ہے، مذاہب کے مطالعہ و تفحص میں بھی جذباتی میلان کا دخل کم ہوتا جاتا ہے، لیکن جوں ہی یورپ کی توجہ اسلام کی طرف ہوتی ہے، اس کا دماغی توازن دفعۃً بگڑ جاتا ہے، اور تمام سائنٹفک غیر جانبداری پس پشت ڈال دی جاتی ہے، یورپ کے اکابر مستشرقین بھی جیسا کہ مصنف نے صاف صاف بیان فرمایا ہے، اسلام سے متعلق ایسی صریح جانب داری کے مرتکب ہوتے آئے ہیں، جو اصول علمی کے سراسر منافی ہے، وہ اپنی تحقیق کی ابتدا اُس نتیجہ سے کرتے ہیں، جو ان کا تعصب پہلے سے قائم کرلیتا ہے، اسلامی روایات کو مسخ کرکے پیش کرنا اونکا عام شیوہ ہے، اسمیں کسی خاص ملک کی تخصیص نہیں، انگلستان، جرمنی، روس، فرانس، اٹلی، اور ہالینڈ، بلا استثناء ہر ملک کے مستشرقین نے یکساں طور پر اسلام کے خط و خال کی تصویر نہایت کریہہ اور نفرت انگیز شکل مین کھینچ کر دنیا کے سامنے پیش کرنی چاہی ہے، اور چونکہ یہ مستشرقین اپنی تہذیب و تمدن اور اپنے ماحول کے ترجمان ہین، اسلئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ تمام یورپ مذہب اور تمدن دونوں کے لحاظ سے اسلام کے خلاف ایک مستقل عناد رکھتا ہے، اسکا ایک سبب تو وہی قدیم یونانی اور رومن تہذیب کا ترکہ یعنی "یوردپین" اور "باربیرین" کی خود ساختہ تفریق ہے، اور دوسرا سبب جس کا تعلق براہ راست اسلام سے ہے، قرون وسطیٰ کی تاریخ میں پایا جاتا ہے،

فاضل مصنف نے تصریح فرمائی ہو کہ متحدہ یورپ اور اسلام کے درمیان پہلا زبردست تصادم محاربات صلیبی کی شکل مین ظاہر ہوا، اور یہ عین اسوقت پیش آیا جب یورپین تہذیب اپنے ابتدائی مدارج سے گذر رہی تھی، محاربات صلیبی سے پیشتر بھی اہل یورپ اور مسلمانوں میں لڑائیاں ہو چکی تھین، مثلاً صقلیہ اور اندلس کی عرب فتوحات اور جنوبی فرانس پر عربوں کا حملہ، لیکن یہ معرکے اسوقت پیش آئے تھے، جب یورپ کا جدید تمدن شروع نہیں ہوا تھا، اسلئے ان کی اہمیت تمامتر مقامی تھی، برخلاف اسکے محاربات صلیبی مین اسلام کا مقابلہ یورپ کے کسی خاص ملک یا قوم سے نہ تھا، بلکہ ہر ملک و قوم نے متحد ہو کر زور آزمائی کی تھی، اور یہ پہلا موقع تھا جب یورپ نے اپنی وحدت کا احساس کیا، اس سے پہلے یورپ اعظم اینگلو سیکسن، جرمن، فرنچ، نارمن، اٹالین، ڈین وغیرہ قوموں میں تقسیم تھا، لیکن محاربات صلیبی ہی کے دوران مین "مغربی تہذیب" کا جدید تخیل پیدا ہوا، جسمیں یورپ کی تمام قومیں یکسان طور پر شریک تھیں، یہ اتحاد تمامتر اس عناد کا پیدا کردہ

تھا جس نے اسلام کے خلاف یورپ کی ہر قوم کو برانگیختہ کر دیا تھا،

فاضل مصنف کا خیال ہے کہ مشرق و مغرب کے تعلقات کی تلخی اُن ناقابلِ بیان مظالم کا نتیجہ ہے، جو مبلّغین صلیب کے "مقدس" ہاتھوں سے ممالک اسلامیہ کو پہنچے، اور بغض و عناد کا جو بیج محاربات صلیبی نے بویا، وہ برابر نشوونما پاتا رہا، ورنہ حقیقۃً تعلقات کی ایسی شدید ناگواری کے لئے کوئی خلقی سبب موجود نہ تھا، یہ ضرور ہے، کہ اسلامی اور مغربی تہذیبیں بالکل مختلف اور جداگانہ بنیادوں پر قائم ہیں، لیکن جیسا کہ موصوف نے تاریخی دلائل سے دکھایا ہے، ان کے درمیان دوستانہ روابط کا قیام ناممکن نہ تھا اور جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، اُس نے یورپ کی طرف ہمیشہ رواداری اور دوستی کا ہاتھ بڑھایا، مثلاً جب خلیفہ ہارون رشید نے شہنشاہ شارلیمین کے دربار میں اپنی سفارت بھیجی تھی، تو یہ اسی جذبۂ رواداری کا عملی اظہار تھا، ورنہ قوم فرنگ کی دوستی سے خلیفہ کو کسی مالی منفعت کی توقع نہ تھی، یورپ اسوقت اپنے تمدن کی ابتدائی منزلیں طے کر رہا تھا، اور اسمیں اسلامی تعلقات سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانے کی اہلیت نہ تھی، تاہم اسکی طرف سے ان تعلقات کی نسبت کسی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا گیا، ہمیں یقین ہے کہ اگر محاربات صلیبی کے پیش آجانے سے اسلام اور یورپ کے باہمی تعلقات کا شیرازہ دفعۃً درہم برہم نہ ہو گیا ہوتا، تو باوجود مذہبی اور تمدنی اختلافات کے یورپ اس شدت کے ساتھ آج اسلام کا دشمن نہ ہوتا، تاریخ شاہد ہے کہ قوموں کے درمیان سیکڑوں لڑائیاں ہوئیں، اور فراموش کر دی گئیں، انھوں نے باہمی تعلقات پر کوئی مستقل اثر نہیں چھوڑا، لیکن محاربات صلیبی کی اثراندازی صرف میدان کارزار تک محدود نہ تھی، اون سے اسلام کے خلاف یورپ کا ذہن و دماغ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسموم ہو گیا، مغرب کے کیتھولک پادریوں نے جو علوم فنون کے تنہا مالک تھے، جاہل عوام کے سامنے اسلامی تعلیمات کو مسخ کرکے ایک ایسا نفرت انگیز نقشہ پیش کیا، جس کے نقوش مرورِ زمانہ اور تحقیق علمی کے باوجود آج تک مٹ نہ سکے،

نفرت و عداوت کا جو بیج محاربات صلیبی کے ہاتھوں بویا گیا تھا، وہ بہت جلد بار آور ہونے لگا، اندلس کے عیسائیوں نے اسلامی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کیلئے جد و جہد شروع کر دی، اور اس مقصد کے حصول میں جتنی

تاخیر ہوتی گئی، اتنا ہی اسلام کے خلاف یورپ کا جذبۂ عناد زیادہ مضبوط اور مستقل ہوتا گیا، بالآخر انتہائی مظالم اور درندگی کے ساتھ اندلس کے بے شمار مسلمان قتل و برباد کر دئے گئے، اور جو ان روح فرسا تعدیون کے بعد باقی رہ گئے، انھیں جلاوطن کر دیا گیا،

ہنگامۂ اندلس کی بازگشت ابھی ختم بھی نہیں ہوئی تھی، کہ ایک تیسرا نہایت اہم واقعہ پیش آگیا، جس نے یورپ اور اسلام کے رہے سہے تعلقات کو بھی برباد کر دیا، یعنی ترکوں کا سلطنت بازنطینی کے پایۂ تخت قسطنطنیہ پر قبضہ کر لینا، سقوطِ قسطنطنیہ کے بعد یورپ میں اسلامی فتوحات کا جو سلسلہ شروع ہوا، وہ صدیوں تک قائم رہا، اور اب اسلام کے خلاف یورپ کی دشمنی صرف مذہبی اور تمدنی اختلاف تک محدود نہ رہی، بلکہ اوس نے سیاسی اہمیت بھی حاصل کر لی، جسکے باعث اوسکی شدت اور بڑھ گئی، یہ شدت یہان تک بڑھی، کہ تمدنی اور مذہبی تغیرات کے بعد بھی اسمیں کوئی فرق پیدا نہ ہوا، اصلاحِ کلیسا کے عہد میں یورپ مختلف جماعتوں اور فرقوں میں تقسیم ہو گیا تھا، جو ایک دوسرے کو تباہ و برباد کر دینا چاہتے تھے، لیکن اسلام کی نفرت سب کے دلوں میں یکساں طور پر راسخ تھی، پھر ایک زمانہ ایسا آیا، جب مذہب کا اثر یورپ میں زائل ہونے لگا، لیکن اسوقت بھی اسلام کی نفرت بدستور باقی رہی، بالآخر وہ دور شروع ہوا جب فضلاے یورپ دیانتداری کے ساتھ غیر ملکی تمدنوں کا مطالعہ کرنے لگے، لیکن اسلام کے معاملہ میں انکی ضلالت اندیشی اپنی جگہ پر قائم رہی،

ان تاریخی حالات کے باوجود آج بعض اسلامی حلقوں میں یہ آواز سنائی دیتی ہے، کہ اسلام کے خلاف یورپ کے بغض و عناد کی شدت اب کم ہوتی جاتی ہے، اور وہ اسلامی تعلیمات اور اصول معاشرت سے روز بروز قریب تر ہوتا جارہا ہے، بہتیرے مسلمان یہ توقع رکھتے ہیں، کہ عنقریب تمام یورپ اسلام کا حلقہ بگوش ہو جائے گا، فاضل مصنف نے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اس دلفریب غلط فہمی کو دور کیا ہے، موصوف کو یقین ہے کہ تمام مذاہب میں صرف اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ہر بے لاگ تنقید کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کر سکتا ہے، اور جو حسب ارشاد رسول مقبول صلعم بالآخر تمام نوع انسانی کا ایک عالمگیر مذہب ہو کر رہے گا، لیکن مستقبل کے حسن

حدود تک نظر کی رسائی ہے، اس واقعہ کے عالم ظہور میں آنے کی کوئی علامت ابھی دکھائی نہین دیتی، موصوف کا خیال ہے کہ یہ امکان صرف اسی وقت عمل میں آسکتا ہے، جب یورپ کے تمدنی غرور و تمرد کی عمارت معاشرتی تباہ کاریوں کے ہاتھوں بالکل برباد ہوجائے، اور اسکی موجودہ ذہنیت اس حد تک بدل جائے، کہ اسمیں مذہب کے قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوجائے آج مغربی دنیا صرف اپنے مادی کارنامون کی پرستش میں محو ہے، وہ صرف آسایش کو اپنی تمام کوششوں کا نصب العین بنارہی ہے، اسکی مادیت اور مذہب سے مخالفت بڑھتی ہی جارہی ہے اور اسمیں کوئی تخفیف نہیں ہو رہی ہے، جیسا کہ بعض سادہ لوح مسلمانوں کا خیال ہے،

"یورپ آج اسلام سے جسقدر دور ہے پہلے کبھی اس سے زیادہ نہ تھا، ممکن ہے کہ ہمارے مذہب کے خلاف اسکی عملی دشمنی کم ہو رہی ہو، لیکن اس کا سبب اسلامی تعلیمات کی قدردانی نہیں، بلکہ وہ روز افزوں تمدنی انحطاط و اختلال ہے، جو دنیائے اسلام میں واقع ہو رہا ہے، مغرب ایک زمانہ میں اسلام سے خائف تھا، اور اس خوف نے اُسے ہر اس شے کا دشمن بنادیا تھا، جسمیں اسلامی رنگ پایا جاتا تھا، خواہ وہ شے خالص روحانی اور معاشرتی معاملات ہی سے تعلق رکھتی ہو، لیکن ایسے وقت میں جب کہ اسلام یورپ کے ایک مخالف کی حیثیت سے اپنی اہمیت کا بیشتر حصہ کھو چکا ہے، یہ ایک بالکل قدرتی امر ہے، کہ تخفیف خوف کے ساتھ یورپ اُن جذبات کی شدت میں بھی کچھ کمی کردے، جو اسلام کے خلاف ابتدار میں اس نے قائم کرلئے تھے، اگر ان جذبات کے اظہار عمل میں کمی پیدا ہوگئی ہے، تو اس سے ہمیں یہ نتیجہ نکالنے کا حق نہیں ہے، کہ مغرب باطنی طور پر اسلام سے زیادہ قریب آگیا ہے، اوس کا یہ طرز عمل اسلام سے متعلق صرف اُسکی بے پروائی کو ظاہر کرتا ہے"

مغربی تہذیب مذہب کی مخالف جیسی پہلے تھی ٹھیک ویسی ہی آج بھی ہے، یہ صحیح ہے کہ یورپ اور امریکہ میں چند اسلامی انجمنیں تبلیغ کا کام کر رہی ہیں، اور اُن کی کوششوں سے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کرلیا ہو، لیکن یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ مغرب پھر مذہب کی طرف رجوع کر رہا ہے، علاوہ بریں اس معاملہ میں اسلامی مشن کوئی انفرادیت بھی نہیں رکھتا عیسائیت کے بے شمار روحانی فرقون کے علاوہ مغرب میں تھیوسوفیکل تحریک کا بھی اچھا خا

اثر ہے، اور یورپ کے مختلف پایہ تختوں میں بودھ مذہب کے معبد اور مشن بھی موجود ہیں، جرمنی میں بودھ مشن اسلامی مشن سے زیادہ کامیاب ثابت ہوا ہے، اس کامیابی کی بنا پر مسلمانوں ہی کی طرح بودھ مذہب والے بھی یہ دعوی کرسکتے ہیں کہ یورپ اُن کے مذہب سے قریب ہوتا جارہا ہے، لیکن بقول مصنف دونوں صورتوں میں یہ دعوی مضحکہ انگیز ہے، چند افراد کا اسلام یا بودھ مذہب میں داخل ہوجانا مغربی تہذیب پر کوئی قابلِ ذکر اثر ڈالنے کیلئے کافی نہیں،

موصوف کا خیال ہے کہ ان میں سے کوئی مشن چند افراد کے دلوں میں تلاش و تحقیق کے ایک بہت ہی محدود شوق سے زیادہ ابتک کچھ پیدا نہ کرسکا، اور وہ بھی زیادہ تر اس اثر کی وجہ سے جو ایک غیر ملکی مذہب تخیل پسند دماغوں پر ڈالتا ہے، بلاشبہ بعض لوگوں نے محض حق کی تلاش میں سچائی کے ساتھ تبدیل مذہب کیا ہے، لیکن ان کا شمار مستثنیات میں ہے، اور ان کے عقائد تہذیب جدید کی رو پر کچھ بھی اثر نہیں ڈالتے، برخلاف اسکے جو لوگ ہر روز خالص مادی مسلکوں میں داخل ہوتے جاتے ہیں، انکی تعداد شمار سے باہر ہے، اور انہی کے خیالات سے مغربی تہذیب کے رجحانات کا صحیح اندازہ ہوتا ہے،

اوپر دکھایا جاچکا ہے کہ چونکہ اسلامی اور مغربی تہذیبوں کی بنیادیں بالکل مخالف اصولوں پر قائم ہیں، اسلئے دونوں میں ہم آہنگی پیدا کرنا کسی طرح ممکن نہیں، ایسی صورت میں یہ توقع بھی نہیں کی جاسکتی کہ مسلمانوں کو جو تعلیم مغربی اصول پر دی جائے گی، وہ اُن اثرات سے محفوظ رہ سکے گی، جو اسلام کے مخالف ہیں،

مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی وقت کے اُن اہم مسائل میں ہے، جو ہنوز ایک متفق علیہ فیصلہ کے محتاج ہیں، ہمارے اربابِ فکر میں ایک جماعت صرف علومِ دینیہ کی تعلیم کو ضروری بلکہ کافی خیال کرتی ہے، دوسری جماعت ان "روشن خیال" مفکرین کی ہے، جو تمام تر علومِ جدیدہ کے شیدائی ہیں، اکثریت انہی کی ہے، اور موجودہ نسل انہی کی متبع اور ہم نوا ہے، لیکن ان دونوں کے درمیان ایک تیسری جماعت بھی ہے، جس کا عقیدہ ہے کہ

اسلام دین اور دنیا دونوں کی فلاح وبہبود کا ضامن ہے، اسلئے وہ علوم بھی جو مادی اور "دنیاوی" ہونے کی حیثیت سے خالص مذہبی حلقوں میں مسترد کردئے گئے ہیں، مسلمانوں کی توجہ کے مستحق اور رفتار زمانہ کا ساتھ دینے کے لئے ضروری ہیں، فاضل مصنف اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں لیکن وہ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں، کہ مذہب کا اثر ان اشخاص کے دلوں سے جنھوں نے مغربی اصولوں پر تعلیم پائی ہے، سرعت کے ساتھ زائل ہو رہا ہے، تعلیم یافتہ طبقوں میں مذہب سے جو بے تعلقی اور برگشتگی پھیلی ہوئی ہے، اس کا سبب نادانوں کے نزدیک یہ قرار دیا جاتا ہے، کہ مغربی سائنس مذہب کی صداقت کو غلط ثابت کر رہی ہے، موصوف اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ سائنس مذہب کی صداقت کے خلاف کوئی معقول حجت پیش کرنے سے اسوقت تک قاصر ہے اور اس برگشتگی کا سبب محض یہ ہے، کہ تہذیب جدید کا عقلی ماحول جو نہایت شدت کے ساتھ خلاف مذہب ہے، نوجوان مسلمانوں کے قوائے مذہبی کو اپنے اثر سے بالکل ماؤف کر دیتا ہے

اسوقت بنیادی سوال یہ ہے کہ علوم جدیدہ سے متعلق ہمارا رویہ کیا ہونا چاہئے؟

مسلمانوں کیلئے مغربی تعلیم کو مضر قرار دینے کے یہ معنی نہیں کہ اسلام نفس تعلیم کا مخالف ہے، جو لوگ اسلام پر یہ الزام عائد کرتے ہیں، وہ یا تو مذہب اور تاریخ دونوں سے ناواقف ہیں، یا تعصب کی شدت سے مغلوب ہو کر دیدہ و دانستہ غلط بیانی کرتے ہیں، قرآن پاک شروع سے آخر تک عقل و شعور اور فکر و تدبر کی دعوتوں سے پر ہے، پھر طلب علم کی فرضیت اور اہمیت پر مشہور حدیث طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ کے علاوہ ارشادات نبوی کا ایک خاصہ ذخیرہ موجود ہے، اسلام علوم جدیدہ کی تحصیل سے نہیں روکتا، مسلمانوں کو ان علوم کے حاصل کرنے اور مغربی قوموں کی طرح سائنٹفک اور اقتصادی حیثیت سے ترقی کرنے کی پوری اجازت ہے، مغربی تعلیم فی نفسہ ان کیلئے کوئی مضرت نہیں رکھتی، لیکن جو چیز ان کیلئے مضرت رکھتی ہے، وہ یہ ہے، کہ مغربی آنکھوں سے دیکھیں اور مغربی دماغوں سے سوچیں، فاضل مصنف نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ علم بذاتِ خود نہ مشرقی ہے، اور نہ مغربی لیکن اسکی تحصیل و مطالعہ میں ہر قوم کا نقطۂ نظر اسکی مخصوص تمدنی ذہنیت کے مطابق ہوتا ہے، مغرب کی موجودہ ذہنیت اپنی اعلیٰ عقلیت کے باوجود تمام تر مادی اور مخالف مذہب ہے، اسلئے اس کا پورا تعلیمی نظام بھی اسی رنگ میں رنگا

ہوا ہے، جہاں تک جدید تجربی سائنسوں کا تعلق ہے، ان کی تحصیل مسلمانوں کیلئے مضرت رساں نہیں مضرت صرف اس مغربی ذہنیت میں ہے، جسکے توسط سے مسلمان اُن سائنسوں کو حاصل کر رہے ہیں،

اگر مسلمان طلب علم کے فریضہ کی ہمیشہ پابندی کرتے، تو آج انھیں ان جدید سائنسوں کیلئے یورپ کا محتاج ہونا نہ پڑتا، اور وہ اسکی طرف "ویسی نگاہ نہ ڈالتے، جیسی کوئی پیاس کا مارا ریگستان میں پڑا ہوا افق کے سراب پر ڈالتا ہے" لیکن غفلت میں مبتلا رہ کر انھوں نے اپنے مواقع کھو دئے، اور یورپ ترقی کی راہ میں اُن سے بہت آگے بڑھ گیا، اب وہ مجبور ہیں کہ جدید سائنسوں کو یورپ کے تعلیمی واسطہ سے حاصل کریں، لیکن اسمیں بھی احتیاط کی ضرورت ہے، مصنف کی رائے ہے، کہ یورپ سے ہمیں صرف سائنٹفک مواد (Matter) اور طریقہ (Method) حاصل کرنا چاہیے، اسکے علاوہ اور کچھ نہیں موصوف کے نزدیک مدارس اسلامیہ کے نصاب میں تمام علوم مغربی میں سے صرف علوم طبعیہ (Natural Sciences) اور ریاضیات کی تعلیم کو نمایاں جگہ دینی چاہیے، باقی مغربی فلسفہ، مغربی لٹریچر، اور وہ تاریخ عالم جو مغربی نقطۂ نظر سے مرتب کی گئی ہو، اسلامی نصاب تعلیم میں ان سب کی اہمیت بہت کم کر دینی چاہیے، مغربی لٹریچر کی تعلیم کو محض اسکی لسانی حیثیت تک محدود رکھنا چاہیے، اسکی تعلیم کا جو طریقہ اسوقت ممالک اسلامیہ میں رائج ہے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ مغربی تہذیب و تمدن کی روح مسلمان طلبہ کے خام دماغوں میں سرایت کر جاتی ہے، جو اسلام کی روح کے ساتھ کبھی ہم آہنگ نہیں ہو سکتی، ضرورت ہے، کہ مغربی لٹریچر کے بجائے اسلامی لٹریچر کی تعلیم پر زیادہ زور دیا جائے" تاکہ اسلامی تمدن کی وسعت و زرریزی مسلمان طلبہ کے ذہنوں کو متاثر کرے اور اُن میں مستقبل کیلئے ایک نئی امید پیدا ہو"

یورپین لٹریچر کی مروجہ تعلیم سے زیادہ مسلمان نوجوانوں کے لئے اس تاریخ عالم کا مطالعہ مضر ہے، جو اہلِ مغرب کے قلم سے نکلتی ہے، مورخین یورپ جب دنیا کی تاریخ لکھنے بیٹھتے ہیں، تو اُن کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہوتا ہے، کہ یورپ کی نسلیں اور ان کی تہذیب تمام دوسری نسلوں اور تہذیبوں پر فوقیت رکھتی ہیں، اور اسی خود ساختہ فوقیت کو وہ ساری دنیا پر حکمرانی کرنے کیلئے ایک سند تصور کرتے ہیں، دنیا کی جو تاریخ ان کے قلم سے نکلتی ہے، وہ

"حقیقۃً ایک وسیع پیمانہ پر مغرب ہی کی تاریخ ہوتی ہے، جسمیں دوسری قوموں کا ذکر صرف اسی حد تک آتا ہے، جس حد تک اُن کے وجود اور ترقی سے خود یورپ پر کوئی اثر براہ راست پڑتا رہا" ظاہر ہے کہ ایسی تاریخ کا مطالعہ مشرقی نوجوانوں کے دماغوں پر صرف یہ اثر ڈالے گا کہ وہ اپنے تمدن، اپنے ماضی اور نیز مستقبل کے امکانات میں یورپ کی قوموں سے بہت گرے ہوئے ہیں،

سخت ضرورت ہے کہ اس اثر کو دور کرنے کیلئے اسلامی اداروں میں تاریخ کی تعلیم پر نظر ثانی کی جائے، بلاشبہہ یہ کام آسان نہیں، اسکے لئے تمام تاریخ کی تفتیش و تحقیق ازسر نو کرنا پڑے گی، لیکن اگر ایسا نہ کیا گیا، تو مسلمان طلبہ کے دلوں میں اسلام کی حقارت کا جذبہ روز بروز زیادہ مضبوط ہوتا جائیگا اور اپنی پستی کا احساس اُن کے اندر بڑھتا ہی جائے گا،"اگر مسلمان ابتک سائنٹفک تحقیقات کی طرف سے غافل تھے، تو آج اس غلطی کی تلافی اسطرح نہیں ہو سکتی کہ ہم بے سوچے سمجھے مغربی علوم کو قبول کرلیں، سائنس سے متعلق ہماری تمام پچھلی کوتاہیاں اور ہمارا افلاس اس مہلک اثر کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا، جو مغربی نظام تعلیم کی کورانہ تقلید سے دنیائے اسلام کے مذہبی امکانات پر پڑے گا، اگر ہم اسلام کی حقیقت کو ایک تمدنی عنصر کی حیثیت سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، تو ہمیں تہذیب مغرب کے عقلی ماحول سے بچنا ضروری ہے، جو ہماری سوسائٹی اور ہمارے میلان پر غلبہ پا رہا ہے، مغربی اخلاق و آداب اور مغربی طرز معاشرت کی تقلید سے مسلمان رفتہ رفتہ مغربی مطمح نظر کو اختیار کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں، ظاہری وضع و قطع کی تقلید بتدریج ویسی ہی ذہنیت بھی پیدا کر دیتی ہے"

آج کل اکثر تعلیم یافتہ اشخاص کا خیال ہو کہ لباس اور وضع کو کسی قسم کی روحانی اہمیت حاصل نہیں ہے، اور نہ مذہب رسم و رواج کا پابند ہے، مصنف کو بھی اعتراف ہے کہ اسلام میں تنگ ذہنی نہیں، لیکن وہ اس حقیقت سے باخبر ہیں، کہ کسی تہذیب کی ظاہری وضع و قطع کو اختیار کرنا اس تہذیب کی روح سے متاثر ہوئے بغیر ممکن ہی نہیں ہے، اور وہ بالکل صحیح فرماتے ہیں، کہ قطع نظر اس واقعہ کے کہ مغربی تہذیب کی بہتیری باتیں صریحی طور پر تعلیمات اسلام کے خلاف ہیں، مثلاً عورتوں اور مردوں کا آزادانہ ایک دوسرے سے ملنا جلنا یا سود کا رواج یہ

تہذیب خود اپنی فطرت کی بنا پر بھی تمامتر مخالف مذہب ہے، یہی وجہ ہے کہ جہان تک اس تہذیب کی اثراندازی کا تعلق ہے، وہ معاشرتی زندگی کے "اہم" اور "غیراہم" پہلوؤں کی تفریق کو روا نہیں رکھتے، علاوہ بریں "اگر کوئی مسلمان یورپ کے لباس اخلاق وآداب اور طرز معاشرت کی تقلید کرتا ہے، تو خواہ اس کا ادعا کچھ بھی ہو، وہ اس حقیقت کو فاش کردیتا ہے، کہ اسکے نزدیک یورپین تہذیب کو ترجیح حاصل ہے" اس موقع پر موصوف نے چند سطروں میں جو کچھ لکھدیا ہے، وہ اپنے اندر عبرت وبصیرت کا ایک پورا دفتر رکھتا ہے، فرماتے ہیں "کسی غیرتہذیب کی تقلید کا میلان خود اپنی پستی کے احساس کا نتیجہ ہے، یہی اور صرف یہی حال اُن مسلمانون کا ہے، جو مغربی تہذیب کی تقلید کرتے ہین، وہ اس تہذیب کی قوت، فنی استعداد اور ظاہری چمک دمک کا مقابلہ دنیاے اسلام کی زبون حالی سے کرتے ہیں، اور پھر یہ سمجھتے ہیں، کہ ہمارے زمانہ میں مغربی راہ کے علاوہ کوئی دوسری راہ نہیں ہے، اسلام کے سر خود اپنی کوتاہیوں کا الزام عائد کرنا آجکل ایک دستور ہوگیا ہے، ہمارے نام نہاد عقلا زیادہ سے زیادہ جو کرتے ہین، وہ یہ کہ معذرت اور صفائی کا پہلو اختیار کرلیتے ہین، اور اپنے اور دوسروں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں، کہ اسلام مغربی تہذیب کی روح کو بخوبی قبول کرسکتا ہے"

سطور بالا میں مصنف نے جس ذہنیت کو دکھایا ہے، وہ اسی مرعوبیت کا نتیجہ ہے، جس کا ذکر ہم نے اس تبصرہ کے ابتدائی حصہ میں کیا ہے، مغرب کا رعب مسلمانوں کے دماغون پر اس درجہ مستولی ہوگیا ہے، کہ وہ ہر چیز کو اسی کے معیار سے جانچتے ہیں، چنانچہ مذہب کے ساتھ بھی ان کا طرز عمل یہی ہے، وہ اس حقیقت کے اعلان کی جرأت تو نہیں رکھتے کہ اسلام اور مغربی تہذیب کی بنیادیں بالکل مخالف اصولوں پر قائم ہیں، اسلئے ان میں ہم آہنگی پیدا کرنا کسی صورت سے ممکن ہی نہیں، لیکن اپنے خیال میں اسلام کی حمایت یوں کرتے ہیں کہ اس کے اصولوں کو کھینچ تان کر مغربی تہذیب سے مطابق کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مصنف نے اسی افسوسناک ذہنیت کو دور کرنا چاہا ہے، اور مسلمانون کو غیرت دلائی ہے، کہ جس چیز کو وہ اپنے لئے عار سمجھ رہے ہیں، وہ حقیقۃً باعث صد فخر وناز ہے، فرماتے ہین:

"احیاے اسلام کے حصول کیلئے اصلاحی تدبیریں اختیار کرنے سے پیشتر ضروری ہے کہ مسلمان اپنے مذہب

کی نسبت معذرت کا پہلو بالکل ترک کر دیں، مسلمان کو اپنا سر بلند کر کے رہنا چاہیے، اُسے سمجھنا چاہیے کہ وہ تمام دنیا سے مختلف اور ممیز ہستی ہے، اور اسے اپنی اس انفرادیت پر حد درجہ فخر ہونا چاہیے، اُسے چاہیے، کہ اس فرق کو ایک بیش قیمت وصف سمجھ کر محفوظ رکھنے کی کوشش کرے، اور دلیری کے ساتھ دنیا کے سامنے اس کا اعلان کرے، نہ یہ کہ اسکے لئے معذرت پیش کرے، اور دوسرے تمدنی حلقوں میں ضم ہو جانے کی کوشش کرے، اسکے یہ معنی نہیں کہ مسلمان اپنے کو خارجی اثرات سے بالکل علحدہ رکھیں، اپنی تہذیب کو برباد کئے بغیر بھی کسی غیر تہذیب کے اثرات کو قبول کرنا ہمیشہ ممکن ہے“

فاضل مصنف کا خیال ہے، کہ اب تک مسلمانوں کی اصلاح میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہونے کا سبب محض یہ ہے، کہ سنت نبوی کے اتباع پر کافی زور نہیں دیا گیا، ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی طرح وہ سمجھتے ہیں کہ سنت کی پابندی اسلام کے وجود و ترقی کی مترادف اور اس سے غفلت اسکے اختلال و زوال کے ہم معنی ہے، اُن کے نزدیک مسلمانوں کے تمام امراض ملی کا واحد علاج اتباع سنت ہے، اور یہی وہ مخصوص تجویز ہے، جو موصوف کو عہد حاضر کے اکثر مصلحین امت سے ممتاز کر دیتی ہے، سنت کی جو اہمیت بیسویں صدی کے اس نو مسلم کے دل میں راسخ ہے، کاش ایک ٹکڑا بھی اُن مسلمانوں کو نصیب ہوتا، جو صدیوں سے اسلام کے مدعی ہیں، لیکن اتباع رسول کی ناگزیری کے قائل نہیں، مصنف نے صحیح فرمایا ہے، کہ ایسے لوگوں کی مثال اس شخص کی ہے، جو کسی محل میں داخل ہونے کی خواہش کرتا ہے، لیکن اس کنجی کو استعمال کرنا نہیں چاہتا، جس کے بغیر دروازہ کا کھلنا ممکن ہی نہیں، موجودہ دور میں بعض دانش فروشوں نے یہ خیال پیش کیا ہے، کہ اسلام کی حقیقت سنت نبوی سے بے نیاز رہ کر بھی حاصل ہو سکتی ہے، یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ حضور کی حیات طیبہ قرآن پاک کی ایک زندہ تفسیر تھی، اور آپ نے جو احکام صادر فرمائے، وہ اسی ذات باری تعالیٰ کے حکم و ایماء سے فرمائے جس نے یہ کتاب مقدس آپ پر نازل فرمائی تھی، ما ینطق عن الھوی مصنف کا قلب سنت کے ولولہ سے ایسا معمور ہے کہ وہ رسول کے احکام میں اس تفریق کو جائز نہیں سمجھتے، کہ فلاں فلاں احکام روحانی اور مذہبی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں

اسلئے زیادہ اہم اور لائق پابندی ہیں، اور فلان فلان کا تعلق دنیاوی معاملات سے ہے، اسلئے ان کی اہمیت بھی کم ہے، یہ تفریق ان کے نزدیک مقام رسالت کی جامعیت سے ناآشنا ہونے کی علامت ہے، کیا اس زمانہ کے کسی بڑے سے بڑے عالم دین نے بھی سنت کی اہمیت پر اس سے زیادہ زور دیا ہے؟

دور جدید کے اکثر "روشن خیال" مسلمان اتباع سنت کے لئے اپنی آمادگی تو ظاہر کرتے ہیں لیکن انھیں احادیث کی صحت میں کلام ہے، اور چونکہ سنت کی بنیاد تمامتر احادیث ہی پر ہے، اسلئے وہ اپنے کو سنت کی پیروی سے معذور خیال کرتے ہیں، اس فتنہ کی اشاعت بھی مستشرقین یورپ کا ایک نمایاں کارنامہ ہے، مصنف نے اس مسئلہ پر نہایت فاضلانہ بحث کی ہے، اور مستند احادیث کی صحت کو بہت مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے، ہم اس بحث کا خلاصہ سطور ذیل میں پیش کرتے ہیں:۔

کسی حدیث کے غلط ہونے کی پہلی وجہ یہ ہو سکتی ہے، کہ اس کے پہلے راوی یعنی کسی صحابی یا بعد کے راویون میں سے کسی ایک نے قصداً غلط بیانی کی، جہان تک صحابہ کا تعلق ہے، ایسی غلط بیانی کا گمان بھی نہیں ہو سکتا، آنحضرت صلعم کی شخصیت کا جس درجہ گہرا اثر صحابہ پر تھا، وہ تاریخی حیثیت سے پوری طرح ثابت ہے، لہذا یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ جو لوگ حضور کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان اور مال سب کچھ قربان کر دینے کیلئے ہر وقت تیار رہتے تھے، وہ آپ کے ارشادات کے ساتھ بددیانتی برتیں گے، خصوصاً اس صورت میں جب کہ آنحضرت صلعم کا یہ فرمان ان تک پہنچ چکا تھا، مَنْ كذب علی متعمداً فليتبوأ مقعده من النّار، (جو شخص قصداً میرے متعلق جھوٹ بیان کرے اُسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں کرے)

حدیث سے متعلق غلط بیانی کی دوسری وجہ کوئی ذاتی غرض ہو سکتی ہے، سو ایسی تمام حدیثوں کو جو مختلف افراد یا جماعتوں کے سیاسی اغراض سے تعلق رکھتی ہیں، اکابر محدثین خصوصاً امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے سختی کے ساتھ مسترد کر دیا ہے، ان حدیثوں کو چھانٹ دینے کے بعد جو ذخیرہ باقی رہ گیا، اوس میں کسی ذاتی منفعت کا شبہہ نہیں ہو سکتا،

کسی حدیث کے مستند نہ ہونے کی ایک تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے، کہ ممکن ہے کہ خود راوی اول یعنی صحابی نے یا بعد کے راویوں میں سے کسی ایک نے اُسکے مفہوم کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے یا حافظہ کی خطا سے یا کسی اور نفسیاتی سبب سے اسکی روایت میں غلطی کی ہو، جہانتک اس مسئلہ کے نفسیاتی پہلو کا تعلق ہے، ایسی غلطی کا امکان خصوصًا صحابۂ کرام سے بہت ہی کم ہے، صحابہؓ کیلئے حضور کا ہر ارشاد اور ہر عمل حد درجہ اہمیت رکھتا تھا، نہ صرف آپکی شخصیت کے غیر معمولی اثر کی بنا پر بلکہ اس سبب سے بھی کہ وہ پختہ عقیدہ رکھتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کی زندگی کے معمولی جزئیات میں بھی تمام تر اتباعِ رسولؐ ہی کی ہدایت فرمائی ہے، پس وہ آپ کے ارشادات کو محفوظ رکھنے کی تمام امکانی کوششیں کرتے تھے، اور اس مقصد کے لئے بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرتے تھے، بیان کیا جاتا ہی کہ جو صحابہ آنحضرتؐ کی خدمت میں زیادہ حاضر رہا کرتے تھے، انھوں نے آپس میں دو دو آدمیوں کی ٹولیاں بنائی تھیں، اور ہر ایک باری باری حضور کی خدمت میں حاضر رہا کرتا تھا، اور جو کچھ دیکھتا یا سنتا تھا، اُسے اپنے ساتھی سے بیان کر دیتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ حضورؐ کے ارشاد و اعمال کے تحفظ کا کسقدر اہتمام کرتے تھے، ایسی صورت میں یہ زیادہ قرین قیاس نہیں کہ وہ الفاظ حدیث کے تحفظ میں بے پروائی کرتے رہے ہوں، اور پھر اگر ہزاروں صحابہ کیلئے پورے قرآن کو حفظ کر لینا ممکن تھا، اور حج کے جزئیات تک اُن کے حافظہ سے فروگذاشت نہیں ہوئے، اور حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں متفقہ طور پر وہ پورے قرآن کو ضبط تحریر میں لا سکے، تو صحابہ اور تابعین کیلئے یہ بھی ممکن تھا، کہ ارشادات نبوی کو بغیر گھٹائے بڑھائے اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیں، علاوہ بریں محدثین صرف اُنھی حدیثوں کو کامل طور پر صحیح قرار دیتے ہیں، جو ایک ہی طرح سے مختلف سلسلۂ رواۃ میں بیان کی گئی ہیں، اسمیں شبہہ نہیں کہ صحیح حدیثوں کے ساتھ بے شمار موضوع حدیثیں بھی شامل ہو گئی ہیں، لیکن ان کی چھان بین ہمیشہ ہوتی آئی ہے، اور محدثین نے اُن کی تفتیش و تحقیق میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے، علی الخصوص امام بخاری، اور امام مسلم نے احادیث کی جانچ میں جرح و تعدیل کا کوئی ذرہ باقی نہیں چھوڑا، چنانچہ یہ اسی کاوش کا نتیجہ ہے، کہ رواۃ حدیث کی تحقیق میں اسماء الرجال کا ایک مستقل فن مرتب ہو گیا، محدثین نے صرف اُنھی حدیثون کو لیا ہے جنکے راوی انکے قائم کردہ معیار میں پورے اُترے، اور وہ

معیار اسقدر سخت تھا کہ کسی روایت کی تحقیق میں اُس سے زیادہ سخت معیار قائم کرنا ممکن ہی نہیں،

مذکورہ بالا بحث کے بعد فاضل مصنف دعوی کرتے ہیں، کہ اسوقت تک کوئی ناقد یہ ثابت نہیں کرسکا ہے کہ جو حدیثیں اکابر محدّثین کے معیارِ صحت کے مطابق صحیح قرار دی جاچکی ہیں، وہ صحیح نہیں ہیں، اور پھر فرماتے ہیں، کہ جو مسلمان آج حدیثوں سے انکار کرتے ہیں، وہ ایک خاص سبب سے ایسا کرتے ہیں، وہ اپنی پست ذہنیت اور ذلیل طرزِ معاشرت کو روحِ اسلام سے جو سنتِ رسول میں پائی جاتی ہے، کسی طرح مطابقت نہیں دیکھتے اسلئے بجائے اسکے کہ اپنے اور اپنے ماحول کے نقائص کو دور کریں، وہ اتباعِ سنت کی پابندی ہی سے آزاد ہوجانا چاہتے ہیں، کیونکہ اگر ایسا ہوجائے تو وہ تعلیماتِ قرآن کی تفسیر اپنے خاطر خواہ "عقلیت" کے سطحی طریقہ پر کرسکیں گے، اور پھر ہر شخص اپنی طبیعت اور اپنی رائے کے مطابق قرآن کے معنی بیان کرسکے گا، علاوہ بریں مسلمانوں کی موجودہ نسل مغربی تہذیب کی ترقی سے مرعوب ہوکر اسکی ہر ادا کی دلدادہ ہورہی ہے، اور اُسے اختیار کرنے کی بجز اسکے کوئی صورت نہیں، کہ احادیث کو ناقابلِ اعتماد قرار دے کر سنت ہی سے آزادی حاصل کرلی جائے، جس کے بعد قرآن کے مفہوم کو توڑ مروڑ کر مغربی تہذیب کے مطابق کرلینا آسان ہوجائے گا،

مخالفینِ اسلام کی طرف سے یہ ایک بہت قدیم اعتراض چلا آتا ہے، کہ اتباعِ سنت کی سختی کے ساتھ پابندی کرنا انسان کی آزادی پر ایک روک عائد کردیتا ہے، جس سے سوسائٹی کی فطری ترقی محدود ہوجاتی ہے، چنانچہ معترضین نے مسلمانوں کے انحطاط کا ایک بڑا سبب اتباعِ سنت ہی کو قرار دیا ہے، فاضل مصنف اس اعتراض کا جواب دیتے ہوے فرماتے ہیں، کہ فہم انسانی سختی کے ساتھ محدود ہے، اور ہمارا دماغ اپنی فطرت کے لحاظ سے کلیت کے تخیل کا احاطہ کرنے سے قاصر، ہم تمام چیزوں کے جزئیات ہی کو سمجھ سکتے ہیں، لہذا اس مذہب کے مسائل میں جو فوق العقلی بنیادوں پر قائم ہے، ہمیں لابدی طور پر ایک ایسے ہادی کی ضرورت ہے، جس کا دماغ انسانی دماغوں سے فائق اور جس کا قلب انوارِ الٰہیہ سے معمور ہو، یعنی ہمیں ایک نبی کی ضرورت ہے، جو ہماری ہدایت کیلئے مبعوث ہوا ہو، پس اگر ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں، کہ قرآن خدا کا کلام ہے، اور محمد صلعم خدا کے رسول تھے، تو ہم نہ صرف اخلاقی بلکہ

عقلی حیثیت سے بھی آپ کی ہدایتوں پر بے چوں وچرا عمل کرنے کیلئے مجبور ہیں، یہ صحیح ہے، کہ حضورؐ کے بعض احکام صریحی طور پر زیادہ اہمیت رکھتے ہیں، اور بعض ایسے ہیں، جنکی اہمیت مقابلۃً کم ہے، ہمیں چاہیئے کہ جو زیادہ اہم ہیں ان کو کم اہمیت والوں پر مقدم سمجھیں، لیکن ہمیں یہ حق ہرگز حاصل نہیں ہے، کہ اُن میں سے کسی ایک کو بھی غیر ضروری سمجھ کر اس سے بے اعتنائی برتیں، کیونکہ آپ کا ہر حکم اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ہے،

اس اعتراض کے علاوہ مخالفین کا یہ بھی خیال ہے کہ اسلام اب محض ایک "زائل شدہ قوت" ہے، اور دنیا کو جو کچھ فائدہ اس سے پہنچ سکتا تھا، وہ اب سے پہلے پہنچ چکا، اس رائے سے وہ مسلمان بھی متفق ہیں، جو تہذیب جدید سے مغلوب ہو چکے ہیں، اور اپنے اندر مقابلہ کی جرأت بالکل نہیں پاتے، اُن کے نزدیک دنیا کے اور تمدنوں کی طرح اسلامی تمدن کا دور عروج بھی ختم ہو گیا، اور اب اس کے انحطاط و زوال کا زمانہ ہے، جو ہر تہذیب و تمدن کو ایک وقت قدرتی طور پر پیش آتا ہے، لہذا ایسی حالت میں تمام جد وجہد بے سود ہے، فطرت کا قانون عروج و زوال بدل نہیں سکتا، اور اسلامی تمدن کی تباہی بھی ناگزیر ہے،

لیکن مصنف کی قوت ایمانی اس تاریخی دلیل سے قطعی مرعوب نہیں ہوتی، وہ اسلام کو اس کلیہ سے مستثنیٰ سمجھتا ہے، اور اعلان کرتا ہے، کہ اگر اسلامی کلچر ایک ایسے قانون کی پیروی کا نتیجہ ہے، یا تھا، جو خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے، تو ہم ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے، کہ دوسرے کلچروں کی طرح یہ بھی مرور زمانہ کے ساتھ وابستہ اور قوانین حیات عضویہ کے ساتھ محدود ہے، جو چیز بظاہر اسلام کی موت معلوم ہوتی ہے، وہ ہمارے دلوں کی موت اور تہی مائگی کے سوا اور کچھ بھی نہیں، جو اپنی شدت سستی کی وجہ سے دائمی آواز کو سننے سے قاصر ہیں، اس بات کی کوئی علامت نظر نہیں آتی، کہ انسان اپنی موجودہ حالتِ عروج میں اسلام سے مستغنی ہو گیا ہے، وہ اسلام کے پیش کردہ نظام اخلاق سے بہتر کوئی نظام پیش نہیں کر سکا، وہ اخوتِ انسانی کے تخیل کو کسی عملی بنیاد پر قائم نہیں کر سکا، جیسا کہ اسلام نے اپنے فوق الملی تخیل "امت" میں کر دکھایا ہے، وہ کوئی ایسا معاشرتی نظام پیدا نہیں کر سکا جس میں افراد کے باہمی تنازعات و مناقشات اس حد تک کم ہو جائیں جس حد تک اسلام کے معاشرتی نظام میں ۔

کر دیا ہے، وہ انسان کی قدر و منزلت اسکے احساس امن و سلامتی، اسکی امید روحانی، اور سب سے آخر لیکن یقیناً سب سے کمتر نہیں، اسکی مسرت کو ترقی نہیں دیسکا“

آج جب کہ ہر ”روشن خیال مُصلح“ جس کے مُنہ میں زبان اور ہاتھ میں قلم ہو، اسلام کی ”اصلاح“ کیلئے بیقرار نظر آرہا ہے، مناسب ہے، کہ ایک خالص یوروپین اور تہذیب جدید کی گود میں پرورش پائے ہوئے شخص کی رائے بھی اس باب میں سُن لیجائے:۔

”ہمارے لئے اسکی ضرورت نہیں ہے، کہ اسلام کی ”اصلاح“ کریں جیسا کہ بعض مسلمانوں کا خیال ہو، کیونکہ اسلام پہلے ہی سے کامل اور مکمل ہے، ہمیں جس چیز کی اصلاح کرنیکی ضرورت ہو، وہ مذہب کی نسبت ہمارا رویہ، ہماری سستی، ہماری خود پرستی، ہماری کوتاہ نظری، مختصر یہ کہ خود ہمارے نقائص ہیں نہ کہ اسلام کے بعض مفروضہ نقائص، اسلام میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے کیلئے ہمیں باہر کے جدید اصول عمل کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ صرف قدیم اور چھوڑے ہوئے اصولوں ہی کو عمل میں لانے کی ضرورت ہے، بلاشبہ ہم غیر تمدنوں سے نئی قوت حاصل کر سکتے ہیں لیکن اسلام کے مکمل نظام کو کسی غیر شے سے خواہ وہ مغربی ہو، خواہ مشرقی بدل نہیں سکتے، اسلام بحیثیت ایک روحانی اور اجتماعی نظام کے بہتر نہیں بنایا جا سکتا“

سیرۃ النبی حصہ دوم

از ۵ھ تا ۱۱ھ جسمیں اقامت امن، تاسیس خلافت اشاعت اسلام، انتظامات مذہبی تکمیل شریعت، حجۃ الوداع، وفات و شمائل و اخلاق و عادات کی تفصیل اور ازواج و اولاد کا مختصر تبصرہ ہو، طبع اول تقطیع کلاں، ضخامت ۳۵۱ صفحے، قیمت قسم اعلیٰ عہ طبع دوم تقطیع خورد ضخامت ۴۲۰ صفحے قیمت باختلاف کاغذ صر، ہے،

خطبات مدراس، ضخامت ۱۵۰ صفحے، طبع دوم، قیمت:۔ عہ

”منیجر“

جان لاک[1] کا فلسفہ

سنہ ۱۶۳۲ء - سنہ ۱۷۰۴ء

از جناب سید منظور احمد صاحب ایم اے (علیگ) پٹنہ

ہمارے سارے علوم اور معلومات کی بنیاد ہمارے ذہنی تصورات پر ہے، یہ تصورات کیا تمام تر بدیہی ہیں؟ اور یہ ہمکو فطرت کی طرف سے ازخود ملے ہیں، یا یہ بھی ہمارے کسب واستدلال اور خارجی تجربوں سے حاصل ہوئے ہیں، ان سوالون کے جواب مین مختلف فلسفیون نے مختلف نظریے پیش کئے ہیں، لاک یہ کہتا ہے کہ بدیہی تصورات کوئی چیز نہیں، نیز یہ کہ ہمارے ذہنی تصورات خارجی محسوسات سے ماخوذ ہیں، ذیل کی تحریر میں انہی دو باتوں کی تشریح کی گئی ہے، **معارف**

جان لاک دوسرے انگریز فلسفیون کی طرح اثباتی (Positivistic) رجحانات کا بہت بڑا حامی ہے طب کے مطالعہ کی راہ سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا، کہ یورپ کے عہد وسطیٰ کے اکثر علوم جنکی نشو ونما کلیسا کی چار دیواری کے اندر ہوئی تھی، بے سود اور لاحاصل ہیں، اس کا خیال ہے کہ افلاطون کے مابعد الطبیعیات، اخلاقیات، اور آلہیات کے بدیہی (a priori) قوانین حقیقت سے روشناس ہونے میں بڑی حد تک مانع ہیں، دور جدید میں بھی بدیہیات کے متعلق بلند پروازیوں کی بدعت دیکارت (Descartes) نے جاری رکھی،

اگر ادراک حقیقت کیلئے ذہن خارجی عالم کا محتاج نہیں، مشاہدہ اور تجربہ بیکار ہے، ریاضی کی طرح طب مین بھی تجربہ کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے، لیکن یہ واقعہ ہے، کہ اسمیں بغیر تجربہ کے مفر نہیں دیکارت نے فلسفہ اور آلہیات

---

[1] John Locke 1632 - 1707

کے مبحث مین اپنی آنکھوں اور کانون کو بند کرلیا، اور تمامتر بدیہیات سے نتائج حاصل کئے، لیکن یہ بلند پروازیاں اسوقت ختم ہوجاتی ہیں جب وہ جسمانیات کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہوتا ہو، کلیسا کی مابعد الطبعیات کا بھی یہی طریقہ تھا، کہ عالمِ خارجی سے قطع نظر کرلیا جائے، اور ذہن یا روحِ انسانی کو تمام خیالات کا مبدء سمجھا جائے،

اسلئے فلسفیوں کی آنکھیں کھولنے کیلئے یہ ثابت کرنا ضروری ہوا کہ ہمارے خیالات عالمِ خارجی کے رہینِ منت ہیں، اس موضوع پر لاک نے ایک کتاب "عقل انسانی کے متعلق" (Essay Concerning Human understanding) لکھی یہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، جس کا خاتمہ کانٹ (Kant) کی تنقید (Critique) نے کیا،

اس کتاب میں حسب ذیل مسائل کے متعلق بحث ہے،

۱۔ خیالات کا مبدء کیا ہے؟

۲۔ علم کی وسعت کہاں تک ہو؟ اور کہاں تک وہ یقینی ہے؟

۳۔ فلسفہ کو مجبور کرنا کہ وہ ان مباحث کو ترک کرے، جو یقینی طور پر ہمارے علم کی حد سے خارج ہیں،

خیال پرستی (Idealism) کے خلاف اس کا انقلاب انگیز جہاد اسلئے تھا کہ بدیہی علوم کی کوئی حقیقت نہین، ظاہر ہے، کہ نوزائیدہ بچے، بہتیرے غبی آدمی، اور بیشمار جہلا کو ان اولیات (axioms) کے متعلق کچھ خبر نہیں ہوتی، جو بدیہی کہے جاتے ہیں، بدیہی تصورات (Ideas) کے حامی یہ کہتے ہین، کہ ذہن میں ایسے تصورات موجود ہو سکتے ہیں، جن کا شعور (Consciousness) نہ ہو، لیکن یہ کہنا کہ تصور ذہن میں موجود ہے، درانحالیکہ اس کا شعور نہیں مہمل ہے، اسکے معنی یہ ہوئے کہ ایک چیز ذہن میں ہو بھی اور نہیں بھی ہو، اسلئے کہ شعور ذہنِ انسانی کا خاصہ ہے، اور وہ چیز جس کا شعور نہ ہو، ذہن میں نہیں پائی جا سکتی،

یہ سچ ہے کہ بعض تصورات کا علم بہت پہلے سے ہوتا ہے، لیکن اگر ہم غور کریں تو یہ بات صاف طور پر ظاہر ہو جائے گی، کہ ان حقائق کا علم کسبی (acquired) ہو، وہبی (Innate) نہیں، ہم بتدریج تصورات حاصل کرتے ہین، اس کے بعد ان کو دوسروں پر ظاہر کرنے کے لئے ان کے نام رکھتے ہیں، اور اس کے

بعد ان کے مابین جو تعلقات ہیں، ان کو سمجھتے ہیں، اگر تمام عالم انسانی کسی حقیقت کا معترف ہے، تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حقیقت بدیہی ہے، ایسے حقائق کا علم اسی وقت ہوتا ہے، جب وہ کسی دوسرے شخص کی زبانی سُنے جائیں، حالانکہ اگر وہ بدیہی ہیں، تو محتاجِ سماعت کیوں ہیں، یہ کہنا کہ ایک حقیقت بدیہی بھی ہو اور نامعلوم بھی صریح متناقض اور غیر معقول ہے،

اخلاقیات کے اصول بھی دوسرے علوم کی طرح بدیہی نہیں، اسلئے کہ مسرت کی تمنا اور تکلیف سے تنفر ہمارے اندر موجود ضرور ہے، لیکن یہ کسی ایسی حقیقت کو ظاہر نہیں کرتا، جو ذہن میں پہلے سے منقوش ہو، بلکہ یہ طبیعتِ انسانی کے رجحانات ہیں، مزید بران اخلاقیات کا کوئی ایسا اصول نہیں، جسپر ساری دنیا متفق اور کاربند ہو، خدا کا تصور اور اخلاق کے قوانین مختلف قوموں میں مختلف ہیں، سچ بولنے کے متعلق بھی اگر پوچھا جائے تو خدا کے ماننے والے یہ کہیں گے، کہ سچ بولنا خدا کا حکم ہے، اور دائمی سزا یا جزا خدا کے ہاتھ میں ہے، لیکن مادہ پرست، (Materialist) یہ جواب دین گے، کہ سچ بولنا اسلئے ہم پر فرض ہے، کہ رائے عامہ (Public opinion) ہم سے اسکی توقع کرتی ہے، بخلاف اسکے فلسفی ایک تیسرا جواب دے گا، وہ کہے گا کہ انسان کے علو مرتبت کے شایانِ شان نہیں کہ وہ جھوٹ بولے، اخلاقیات والے یہ بھی کہتے ہیں کہ ضمیر (Conscience) اخلاق کے قوانین کے توڑنے پر ملامت کرتا ہے، لیکن ضمیر دراصل اپنے عمل پر اپنے نفس کی رائے ہے، اگر ضمیر بدیہی اصول کی دلیل ہوتا، تو یہ اصول متضاد نہ ہوتے، کیا یہ واقعہ نہیں کہ جنگلی اور وحشی قومیں ان بربری جرائم کی مرتکب ہوتی ہیں، جنکو سنکر ہر مہذب شخص کانپ اٹھتا ہے، لیکن وہ خود ان حرکات پر منفعل ہونے کے بجائے فخر کرتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ کسی اخلاقی قانون کا توڑنا، اس کے عدم واقفیت کی دلیل نہیں، لیکن یہ خیال کرنا کس قدر بعید از قیاس ہے، کہ ساری کی ساری قوم علانیہ اس قانون سے انحراف کرے جس کا علم بدیہی اور لازمی طور پر ہر فرد کو ہو، یہ بھی ظاہر ہے، کہ اخلاق کے عملی قوانین کو بدیہی کہدینے سے یہ الزام آتا ہے، کہ اخلاق کی تعلیم کی قطعاً حاجت نہیں، اسلئے کہ ہر متنفس کو

خود ہی اس کا علم ہوگا،

اس سلسلہ میں یہ بھی قابل غور ہے کہ بعض وہ تصورات جنکی ابتدا، بوڑھی عورتوں کی توہم پرستی سے ہوتی ہے، کسطرح مرور زمانہ اور عوام کی پذیرائی سے آخر میں مذہب یا اخلاق کے اہم قوانین کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں، بچوں کا ذہن سادہ کاغذ کی طرح ہوتا ہے، اور ان پر جس قسم کے نقوش ہم کھینچنا چاہیں، کھینچ سکتے ہیں، جب بچے سن شعور کو پہنچتے ہیں اور اپنے علم کا جائزہ لیتے ہیں، تو ان کو یہی توہمات قدیم ترین نظر آتے ہیں، اور خارجی طور پر ان کو ان کی کوئی مثال اور علت نظر نہیں آتی، اسلئے وہ سمجھتے ہیں کہ خدا یا فطرت نے یہ تصورات ان کے ذہن میں شروع ہی سے منقوش کر دئے ہیں، اسلئے یہ بدیہی ہیں،

مزید برآں ایسی حقیقت جو قضیہ (Proposition، جملہ) کی صورت میں ہو، کیونکر بدیہی ہو سکتی ہے، جب کہ وہ تصورات جو اس قضیہ کے اجزا ہیں بدیہی نہیں، کسی قضیہ کے بدیہی ہونے کیلئے بعض تصورات کا بدیہی ہونا لازمی ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نوزائیدہ بچے میں بظاہر سوائے بھوک پیاس اور لذت والم کے احساس کے اور کسی تصور کا شائبہ بھی نہیں ہوتا، خدا کا تصور بھی بدیہی نہیں، ملحدوں کے علاوہ ایسی قومیں بھی ہیں جن میں خدا کا کوئی تصور نہیں، اور نہ اس کے لئے ان کی زبان میں کوئی اصطلاح ہے، اس کے علاوہ خدا کا تصور مذہب تشبیہ (anthropomorphism) سے لیکر فلسفیوں کی اعلیٰ الٰہیات (Theology) تک اسطرح بدلتا ہے، کہ ایک کو دوسرے سے کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی، اور اگر کسی تصور کا عام اور یکساں ہونا ہی اسکی بدیہیت کی دلیل ہے، تو غالباً خدا کا تصور آگ کے تصور سے زیادہ عام نہیں، اسلئے کہ ایسا کوئی بشر نہیں، کہ جسکو خدا کا تصور ہو، اور آگ کا تصور نہ ہو،

ذہن یا نفس انسانی ابتدائً سادہ تختہ کی طرح ہوتا ہے، ہمارے تمام تصورات کی بنا اور سارے علوم کا ذریعہ مشاہدہ (Experience) ہے، تصورات دو ذرائع سے ہمارے ذہن میں آتے ہیں، ایک حس (Sense) جس سے عالم خارجی کا شعور ہوتا ہے، اور دوسرے وجدان (Reflection) جسکے

ذریعہ اندرونی کیفیات کا علم ہوتا ہے، ذہن مین ایک تصور بھی ایسا نہیں ہوتا جو ان دو کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے آیا ہوا ہو، بچے کے ابتدائی تصورات کا ذریعہ حواس ہیں، جب وہ کچھ بڑا ہوتا ہے، تو اسے اپنی داخلی کیفیات کا علم ہونے لگتا ہے، اس دعوے کی دلیل بہت کچھ لسانیات سے ملتی ہے، جتنے الفاظ بھی ہم استعمال کرتے ہیں محسوس تصورات پر مبنی ہین، وہ الفاظ بھی جو ایسے افعال اور خیالات کے حامل ہیں، جن کا تعلق حواس سے بہت دور کا ہے، یا بظاہر کچھ بھی تعلق نہیں محسوس تصورات سے لئے گئے ہین، اسمیں شک نہیں کہ بتدریج ان کی صورت بدلتی جاتی ہے، اور آخر مین ان کو محسوس تصور سے منسوب کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے، مثلاً روح خود ایک غیر محسوس شے ہے، لیکن ریح (ہوا) سے ماخوذ ہے، جو ایک محسوس شے ہے، اسی طرح مَلَک اَلَک (پیغام بھیجنا) سے ماخوذ ہے، یا فرشتہ (فرستہ) فرستادن سے لیا گیا ہے،

اگر ہم ہر لفظ کے مادہ اور ترکیب پر غور کریں اور ان کے معنی کے عہد بعہد کے تغیر کو دریافت کریں توصاف معلوم ہوگا کہ ان کی ابتدا کسی نہ کسی محسوس تصور سے ہوئی ہے، بچے کی کیفیات کا اسکی پیدایش کے وقت سے مطالعہ کیا جائے، تو صاف معلوم ہوگا، کہ جون جون ذہن حواس کے ذریعہ سے تصورات حاصل کرتا جاتا ہے، اسمیں غور و فکر کا مادہ بڑھتا جاتا ہے، اسلئے کہ حواس فکر کیلئے مواد بہم پہنچاتے ہیں، ہم اس وقت تک غور و فکر نہیں کر سکتے ہیں جبتک ہمارے پاس محسوس تصورات نہ ہون، اور ذہن میں صرف وہی چیزیں ہو سکتی ہیں، جن کا مشاہدہ ہو چکا ہو، خیال پرستوں کے نزدیک، خیال نفس کا خاصہ ہے، اسلئے یہ ناممکن ہے کہ نفس مین کسی وقت بھی خیال نہ ہو، اور محسوسات سے پہلے، اور ان سے بالکل الگ رہنے پر بھی نفس غور و فکر کرتا رہتا ہے، وہ کہتے ہین کہ نفس خیال کرتا رہتا ہے اور یہ ممکن ہے، کہ بعض اوقات اسکو اس کا شعور نہ ہو، لیکن تجربہ ہی اس مسئلہ کو حل کر سکتا ہے، اور وہ اس دعویٰ کی تائید نہیں کرتا، نفس کیلئے ہمہ دم فکر کرنا اسی طرح ضروری نہیں جسطرح کہ جسم کیلئے ہر وقت حرکت کرنا، خیال کا دائمی تسلسل ایسا نظریہ ہے، جس کا ہمارے تجربہ سے کوئی ثبوت نہیں ملتا، آدمی فکر نہیں کر سکتا جب تک کہ اسکو اسکا شعور بھی نہ ہو، اگر یہ سچ ہو تو ہم کہہ سکتے ہین کہ آدمی ہر وقت بھوکا رہتا ہے، لیکن وہ ہمیشہ اسکو

محسوس نہیں کرتا،

تخیل تمامتر حواس پر مبنی ہے، تخیل کی اعلیٰ سے اعلیٰ بلند پروازیوں اور تصور کی انوکھی سے انوکھی جولانیوں میں بھی ہم اس حد سے باہر نہیں جاتے، جو ہمارے حواس یا وجدان نے متعین کئے ہیں، ایسے موقع پر عقل بالکل مجبور ہوتی ہے، محسوس اشیا اپنے تصورات ہمارے ذہن پر نقش کردیتی ہیں، خواہ ہم چاہیں یا نہ چاہیں، یہ مفرد تصورات جب ذہن کو پیش کئے جاتے ہین، تو نفس نہ ان سے انکار کرسکتا ہے، نہ ان میں کوئی تغیر کرسکتا ہے، اور نہ انھیں مٹا سکتا ہے، اسکی حالت بالکل آئینہ کی سی ہوتی ہے، جو سامنے رکھی ہوئی چیز کا عکس قبول کرنے پر مجبور ہوتا ہے،

تصورات دو قسم کے ہوتے ہیں، مفرد (Simple) اور مرکب (Complex) مفرد تصورات جو کہ تمام علم کی بنیاد ہیں، ذہن میں مندرجۂ بالا دو ذرائع سے آتے ہین، مفرد تصورات کیلئے ذہن مجبور رہتا ہے، لیکن مرکب تصورات کے معاملہ میں ایک حد تک مختار رہتا ہے، اول الذکر ذہن خود بناتا ہے، جب ذہن مین مفرد تصورات آجاتے ہیں تو اس کو اختیار ہوتا ہے کہ انکی تکرار کرے، ان میں مقابلہ کرے، یا ان مین امتزاج کرے، اور ان کی صورتین بے شمار طور پر بدلی جاسکتی ہیں، جن کے نتائج مرکب تصورات ہوتے ہیں، لیکن یہ اعلیٰ سے اعلیٰ دماغ کی قدرت سے باہر ہے کہ ایک بھی نیا مفرد تصور خود بنالے، عالم خیال مین بھی انسان کا احاطۂ قدرت اسی قدر ہے کہ جتنا کہ عالم خارجی (اشیار محسوس کی دنیا) مین یہاں بھی علم و فن کی ندرت وجدت اشیا کی تقسیم اور ترکیب پر محدود ہے، وہ اس پر قادر نہیں کہ ایک ذرہ کا بھی اضافہ کرسکے، یا اسے معدوم کرسکے،

مفرد تصورات ذہن مین ایک حس کے ذریعہ یا اُس سے زیادہ حواس کے ذریعہ یا محض وجدان سے، یا حواس اور وجدان دونون سے آتے ہین، اُن تصورات مین سے جو صرف ایک حاسہ کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں (رنگ، آواز، مزہ، بو، وغیرہ (کوئی تصور ایسا نہیں جو ٹھوس پن (Solidity) سے زیادہ متواتر ہمارے ذہن کو پیش ہوتا ہو، یہ تصور لمس (Touch) کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، اور اوس کو تمام مفرد تصورات سے زیادہ جسم سے گہرا تعلق ہو، ٹھوس پن نہ مکان (SPACE) ہے جسکو دیکارٹ غلطی سے مترادف سمجھتا ہے، اور نہ یہ سختگی (HAYDNESS) ہے

اس میں اور مکان میں وہی فرق ہے، جو تصادم (Resistance) اور غیر تصادم میں، جسم کے ٹھوس ہونیکے معنی یہ ہیں، کہ وہ اس مکان کو بھر دے، جسمیں وہ ہو، اور پھر اسمیں دوسرے جسم کی گنجایش نہ چھوڑے، اور سختگی سے یہ مراد ہے، کہ آسانی سے اپنی شکل نہ بدلے،

مندرجۂ بالا بیان جو لاک ٹھوس پن کے متعلق پیش کرتا ہے، اسکی منطقی تعریف نہیں، اگر اس سے پوچھا جائے، کہ ٹھوس پن کی تعریف کیا ہے، تو وہ یہ کہے گا کہ اپنے حواس سے اسکے متعلق واقفیت حاصل کرو، ہمارے مفرد تصورات ایسے ہی ہوتے ہیں، جیسا مشاہدہ ہمیں بتاتا ہے، لیکن اگر ہم چاہیں، کہ ذہن میں اسکو اور واضح اوصاف کریں، تو ہم کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتے،

جن تصورات کیلئے ایک حاسہ سے زیادہ کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے، وہ مکان، شکل، حرکت اور سکون کے تصورات ہیں، وجدان کے ذریعہ تخیل اور ارادہ وغیرہ کے تصورات حاصل ہوتے ہیں، لذت والم قوت اور وجود وغیرہ کے تصورات حواس اور وجدان دونوں کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں،

ہمارے احساسات کی بعض خارجی علتیں حقیقی (Real) اور وجودی (Positive) ہیں اور بعض محض عدمی (Privations) جیسے ٹھنڈک اور اندھیرا وغیرہ جب ذہن کو ان تصورات کا شعور ہوتا ہے تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ دوسرے تصورات کی طرح ہیں، اور وجودی ہیں، اور ان کی علت کی طرف توجہ نہیں کرتا ہے، جس کی تحقیق تصور سے متعلق نہیں ہے، بلکہ حقیقت اشیاء سے جو موجود فی الخارج ہیں، اور یہ دونوں بالکل مختلف چیزیں ہیں، ان کو ہمیشہ پیش بین رکھنا چاہئے، ہمکو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہمارے تصورات کسی ایسی چیز کے جو اس شے میں مضمر ہے، اور جو تصور کی علت ہو، مشابہ یا مماثل ہیں، کیونکہ بیشتر حواس کے تصورات جو ہمارے ذہن میں ہوتے ہیں، اس چیز سے مشابہ نہیں ہوتے، جو موجود فی الخارج ہے، جسطرح چیزوں کے نام ہمارے تصورات کی تصویر نہیں ہوتے، حالانکہ ان ناموں کے سننے سے ہمارے ذہن میں بعض تصورات آجاتے ہیں، (ابھر آتے ہیں)

ذہن کو حواس کے ذریعہ جو شعور ہوتا ہے، لاک اسکو تصور کہتا ہے، اور اس چیز کو جو اس تصور کو ہمارے

ذہن میں پیدا کرتی ہے، صفت (Quality) کہتا ہے، لاک کے نزدیک صفات دو قسم کی ہیں،

۱۔ ٹھوس پن، شکل، حرکت، وغیرہ جو جسم سے غیر منفک ہیں، خواہ وہ کسی حال میں ہو، اور باوجود تغیر کے بھی ان صفات کا حامل رہتا ہے، یہ اصلی یا اوّلی (Primary) صفات ہیں،

۲۔ رنگ، آواز، مزہ، وغیرہ، یہ صفات خود جسم میں نہیں ہوتیں، بلکہ یہ ایک قسم کی قوت ہیں، جنکے ذریعہ اوّلی صفات ہمارے ذہن میں احساسات پیدا کرتی ہیں، یہ صفات غیر محسوس اجزا، کی شکل ٹھوس پن حرکت کے تغیر کا نتیجہ ہوتی ہیں، لاک انھیں ثانوی صفات (Secondary) کہتا ہے، صفات اسلئے کہ عرفِ عام میں سُرخ و سفید میٹھا اور نمکین وغیرہ جسم کی خاصیت سمجھے جاتے ہیں، اور ثانوی اسلئے کہ انھیں حقیقی صفات سے متمائز کرے، یہ ثانوی صفات محض احساسات ہیں جو ذہن میں اوّلی صفات پیدا کرتی ہیں، یہ وہ احساسات ہیں جو کسی طرح بھی ان صفات کے مشابہ نہیں، جو اشیاء میں موجود ہوتی ہیں، تصور میں جو میٹھا، نیلا یا گرم ہوتا ہے دراصل شکل اور حرکت ہی خود جسم کے ان اجزا کی جن کا ہم یہ نام رکھتے ہیں، فرض کیجئے کہ ہم ان صفات کو محسوس نہ کریں، یعنی آنکھیں بند کر لیں، پھر رنگ اور روشنی کا وجود کہاں رہتا ہے، اور کان بند کر لیں، تو آواز کہاں رہتی ہے، اسی طرح ذائقہ اور شامہ اگر نہ ہو، تو مزہ اور بو بھی نہ ہو، اگر انسان کے حواس بہت لطیف اور نفیس ہوتے اور مختصر اجزا جن پر محسوس صفات کا انحصار ہے، معلوم ہوتے، تو بالکل مختلف قسم کے تصورات پیدا ہوتے، اسکا ثبوت خورد بین سے ملتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے، کہ خون جراثیم کا مجموعہ ہے، جنمیں سُرخ جراثیم کی تعداد نسبۃً بہت کم ہے، اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اگر اس سے ہزار یا لاکھ گونہ قوت والا خوردبین ہو تو پھر یہ جراثیم کیسے نظر آئیں گے،

تصورات کے حاصل کرنے اور انکی ترکیب و ترتیب کیلئے حسب ذیل قوتوں کا ہونا ضروری ہے،

۱۔ احساس (Perception) (یا ادراک) جو علم کا پہلا زینہ اور اس کے تمام مواد کے درآمد دروازہ ہے،

۲۔ حافظہ (Retention) جو تصورات کو ذہن میں محفوظ رکھتا ہے، اور دوبارہ ان تصورات کو بوقت ضرورت پیش کرتا ہے،

۳۔ امتیاز (Discernment) جسکے ذریعہ مختلف تصورات کو ہم الگ الگ پہچانتے ہیں،

۴۔ موازنہ (Comparison) جس سے ہم ایک تصور کا دوسرے تصور سے تعلق معلوم کرتے ہیں،

۵۔ ترکیب (Composition) جس سے مفرد تصورات کو ملا کر مرکب تصورات بناتے ہیں،

۶۔ تجرید (abstraction) اگر ہر تصور کیلئے ایک خاص نام رکھا جاتا تو الفاظ کی تعداد لامحدود ہو جاتی، اسکو روکنے کے لئے ذہن خاص تصورات سے عام تصورات بناتا ہے، یہ اشیاء کی ان صفات کو جو انھیں خاص بناتی ہیں، الگ کر دیتا ہے، اور ان کی ایسی صفات کو جو دوسری اشیاء اور دوسرے تصورات میں مشترک ہوں ملا کر ایک عام تصور بنا لیتا ہے، ذہن کے اس فعل کو تجرید کہتے ہیں، اور یہ ذہن انسانی کیلئے مخصوص ہے، حالانکہ ما قبل قوتیں انسان اور حیوان میں مشترک ہیں،

احساس کے وقت ذہن مجبور ہوتا ہے، لیکن اسکے بعد جوں جوں وہ دوسرے زینوں پر قدم رکھتا جاتا ہے، اس کا اختیار بڑھتا جاتا ہے، موازنہ ترکیب اور تجرید ذہن کے اعلیٰ افعال ہیں، لیکن مرکب تصورات کے بنانے میں ذہن کو کتنا ہی، اختیار کیوں نہ ہو، جب اسکے مواد کا تجزیہ کیا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے، کہ یہ وہی احساسات ہیں، جنکے معاملہ میں ذہن بالکل مجبور ہے، اسی طرح مکان، شکل اور فصل مفرد تصورات کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں، جو حواس خمسہ کے رہین منت ہیں، اگر یہ کہا جائے کہ ہمیشگی لامحدودیت وغیرہ کا تصور کیونکر ہو سکتا ہے، جب کہ ہمارے گرد و پیش کی اشیاء کوئی بھی ایسی نہیں، تو لاک جواب دیتا ہے، کہ یہ تصورات عدمی ہیں، ہمیں دراصل نہ لامحدود مکان کا تصور ہوتا ہے، اور نہ غیر محدود زمان کا، ہمارے تمام وجودی تصورات محدود ہوتے ہیں، لامحدود زمان و مکان کا عدمی تصور ذہن اسطرح حاصل کرتا ہے، کہ زمان و مکان کے تصورات کو بیشمار طور پر مضاعف کرتا ہے،

اضطراری اور اختیاری قوتوں کا تصور اس طرح ہوتا ہے، کہ ایک طرف تو اشیاء میں مسلسل تغیر کا مشاہدہ ہوتا ہے، اور دوسری طرف ہمارے تصورات کا دائمی تغیر معلوم ہوتا ہے، جو بعض وقت خارجی اشیاء کی وجہ سے ہوتا ہے، اور بعض وقت اپنے ارادہ کی وجہ سے،

جب ہم یہ دیکھتے ہیں، کہ ذہن ایک تصور کو دوبارہ پیدا کر سکتا ہے، یا اوسے محو کر سکتا ہے، یا جسم کے مختلف اعضا

ہیں سے کسی ایک کو اپنی خواہش کے مطابق حرکت میں لاسکتا ہے، تو ارادہ کا تصور حاصل ہوتا ہے، ارادہ ضرورت نہیں، بلکہ پابندی کے متضاد ہے، آزادی ارادے کی صفت نہیں، ارادہ ایک قوت یا صلاحیت ہے، اور آزادی بھی ایک قوت ہے، اس لئے یہ کہنا کہ آدمی کا ارادہ آزاد ہو گویا یہ کہنا ہے کہ ایک قوت کو دوسری قوت حاصل ہے، یا ایک صلاحیت میں دوسری صلاحیت ہے، ارادہ کو آزاد کہنا بالکل ایسا ہی ہے، جیسا نیند کو تیز رو یا نیکی کو گول کہنا، ہم ارادہ کرنے میں آزاد نہیں، ہم اس پر مختار نہیں کہ کسی چیز کے متعلق جو ہمارے اقتدار میں ہے، ارادہ کریں یا نہ کریں جبکہ ہم اس طرف متوجہ ہو چکے، ارادہ ذہن کا پابند ہے، اور ذہن مسرت کی خواہش کا پابند، اس معاملہ میں لاک، لائبنز (Leibnitz) اور اسپنوزا (Spinoza) متفق ہیں، اور دیکارت اس رائے کا مخالف ہے،

مرکب تصورات کی تین قسمیں ہیں:-

۱- صفات (Modes) کے متعلق جیسے دوستی، جھوٹ، احسان وغیرہ،

۲- مادہ (Substance) یا جوہر کے متعلق جیسے آدمی، گھوڑا، درخت وغیرہ، ذہن مشاہدہ کرتا ہے کہ چند مفرد تصورات مختلف حواس کے ذریعہ ہمیشہ ساتھ ذہن میں داخل ہوتے ہیں، اس لئے تصورات کے اس مجموعہ کو ایک شے قرار دیتے ہیں، اور اس کا ایک نام رکھتے ہیں، جوہر یا مادہ مفرد تصورات کے ایسے مجموعے کا نام ہے جو ہمیشہ ساتھ ہوں، آفتاب صرف روشنی، گرمی، گولائی، اور مسلسل حرکت کے تصورات کا مجموعہ ہے، مادہ سے دیکارت ایک نامعلوم شے مراد لیتا ہے، اور اس کا یہ خیال ہے کہ مادہ میں وہ صفات ہوتے ہیں، جو ہم میں مفرد تصور پیدا کرتے ہیں، اور مادہ وہ چیز ہے، جس پر ان صفات کا انحصار ہے، لیکن مادہ کو مجموعہ صفات کے علاوہ کچھ سمجھنا یا یہ خیال کرنا کہ صفات کے پردہ میں کوئی چیز پوشیدہ ہے محض واہمہ کی خلاقی ہے، ہم صفات سے الگ کسی ایسے جوہر کا تصور نہیں کر سکتے، اگر کسی سے پوچھا جائے، کہ رنگ اور وزن کس چیز میں ہیں، تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ٹھوس طول و عرض میں، اگر اس سے پھر دریافت کیا جائے، کہ ٹھوس پن کس چیز میں ہے، تو اسکی حالت اس شخص سے بہتر ہوگی جس نے یہ کہا تھا کہ دنیا کو ایک ہاتھی اٹھائے ہوئے ہے، جب اس سے پوچھا گیا کہ ہاتھی کس پر قائم ہے، تو اس نے کہا کہ ایک بہت بڑے کچھوے کی پیٹھ پر جب اُس

سے پھر پوچھا گیا، کہ کچھوے کے نیچے کون چیز ہے، تو اس نے جواب دیا کہ کچھ ہو ہی گا، لیکن مجھے اسکی خبر نہیں" ہمارا علم صفات کی حد سے باہر نہیں جاسکتا یعنی صرف مفرد تصورات پر منحصر ہے، اور جب بھی مابعد الطبیعیات والے اس سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں، تو لاینحل مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے،

۳۔ تیسری قسم کے مرکب تصورات، تعلق، علاقہ اور اضافت (Relations) کو ظاہر کرتے ہین،

سب سے زیادہ عام تعلق جو ہر شے پر حاوی ہے، علت و معلول کا تعلق ہے، اس کا تصور اسطرح ہوتا ہے، کہ ہم اشیار میں تغیر محسوس کرتے اور یہ مشاہدہ کرتے ہین، کہ ان کا وجود منحصر ہوتا ہے، کسی دوسری شے کے فعل پر، لاک علت (Cause) کے تصور کا زیادہ تجزیہ نہیں کرتا، اس کا تکملہ اس کے بعد ہیوم نے کیا جو اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ تصور بھی اسی قدر واہمہ کی تخلیق ہے، جسقدر کہ مادہ کا تصور،

تصورات کے مطالعہ کے بعد علم اور یقین کے مسائل کی طرف لاک متوجہ ہوتا ہے، اور اس سلسلہ میں اس نے لسانیات کے متعلق ایک طویل بحث کی ہے، جسے ہم نے مختصراً اوپر بیان کیا، اسی وجہ سے لاک فلسفہ کے بانیوں مین شمار کیا جاتا ہے،

تمام اشیار جو موجود ہیں، جزئی (Particular) ہین، لیکن الفاظ کی زیادہ تعداد عام تصورات کے متعلق ہے، یہ بات بے توجہی کا نتیجہ نہیں، بلکہ ضرورت اور عقل کا تقاضا ہے، اب سوال یہ ہے کہ نوع (Species) اور جنس (Genus) کے کیا معنی ہیں، اور یہ کس طرح بنتے ہیں، ہمارے تصورات ابتداءً مخصوص ہوتے ہیں، بچوں کا تصور اپنے ماں اور باپ کے متعلق صرف انہی افراد کی تصویر ہوتا ہے، ان کیلئے جو نام وہ رکھتا ہے اس سے مراد صرف ان کی ذات ہوتی ہے لیکن جون جون وقت گذرتا جاتا ہے، اور دنیا سے واقفیت ہوتی جاتی ہے، وہ دیکھتے ہین کہ دوسرے لوگ بھی ان کے ماں باپ سے مشابہ ہیں، اور ان میں جو مشترک خصوصیات ہیں، اُن کیلئے ایک خاص تصور ذہن میں پیدا ہوجاتا ہے، جس کا نام وہ آدمی رکھتے ہین، اور اس طرح وہ ایک کلی تصورات (General) کے لئے ایک عام نام رکھتے ہیں، جسمیں وہ کوئی ایجاد نہیں کرتے، بلکہ مختلف افراد کی خصوصیات

کو نظر انداز کرکے ان کے مشترک صفات کو لے لیتے ہیں، اسی طرح عام تصور حاصل ہوتے ہیں عمل تجرید و تعمیم ضروری چیز ہے، اسلئے کہ ہر شے کیلئے خاص نام رکھنا ناممکن ہے، ذہن انسانی کی قوت سے زیادہ ہے، کہ وہ ہر چیز کا جسے کہ وہ محسوس کرے، خاص نام رکھے، اور اسے حافظہ میں محفوظ رکھے، بفرض محال ایسا ہو بھی، تو اس کا کوئی فائدہ نہیں، اور نہ اس طرح علم کی ترقی ہو سکتی ہے، اگرچہ ہمارا علم مخصوص (PARTICULAR) مشاہدات پر منحصر ہے لیکن اسکی ترقی عام خیالات کی محتاج ہے، جو صرف اسی طرح حاصل ہو سکتے ہیں، کہ چیزوں کو نوع میں تقسیم کیا جائے اور ان کیلئے عام اصطلاحات ہوں، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عام تصورات ہمارے ذہن کی تخلیق ہیں، ان کا خارجی وجود نہیں، اس میں شک نہیں کہ فطرت نے بعض چیزوں کو یکساں بنایا ہے، جس میں خصوصاً جانوروں کی مختلف قسمیں ہیں، لیکن ان کو ایک نوع قرار دینا، ذہن انسانی کی ایجاد ہے، افلاطون کا یہ نظریہ کہ عام تصورات غیر مخلوق اور غیر تغیر پذیر جوہر ہیں، فطرت اشیاء کے علم کی کمی پر مبنی ہے، وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے، کہ تمام اشیاء اپنے خالق کے سوا تغیر پذیر ہیں، آج جو چیز گھاس نظر آتی ہے کل کسی جانور کا گوشت و پوست ہو جائے گی، اور چند دنوں کے بعد ایک آدمی کا جزو بدن، غیر جاندار اور جاندار عالم میں جنس، نوع، جوہر اور جوہری شکل SUBSTANTIAL FORM کو مابعد الطبیعیات والے فطرت کی تخلیق سمجھتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں، کہ ان کا اشیاء میں وجود ہے، (ارسطو) یا اشیاء سے الگ وجود ہے، (افلاطون) ان کا جب غائر مطالعہ کیا جاتا ہے، تو ان کی حقیقت صرف اس قدر نظر آتی ہے، کہ یہ ذہن کی ایجاد ہیں، جو صرف سہولت کے خیال سے بنائے گئے ہیں، تاکہ بعض مجموعۂ تصورات کے بیان کرنے میں صرف ایک لفظ کافی ہو،

اس ضمن میں یہ قابل غور ہے، کہ بعض الفاظ کے معنی میں کسقدر التباس ہوتا ہے، خصوصاً نوع یا جاندار ہستی کی تعریف کرنا کسقدر مشکل ہے، نوع حیوانی کے حدود اس قدر غیر متیقن ہیں، کہ آدمی کی کوئی تعریف بھی ابتک اسقدر جامع اور مانع نہیں کیگئی ہے، کہ ایک مفکر کے لئے تشفی بخش ہو، علمائے نباتیات، نوع کی بہتیری تقسیم کرتے ہیں، بخلاف اسکے بعض جگہ نوع کی تقسیم میں کمی کی جاتی ہو، ہر جگہ افراط و تفریط نظر آتی ہے، مثلاً بربشیرا

اور چیتا کیوں اسقدر صاف طور پر مختلف نوع نہیں، جتنے کہ کتا اور ہاتھی، ہر وہ شخص جو غور و فکر کا عادی ہے، اور ایک عام تصور کے ماتحت مختلف افراد کا مشاہدہ کرتا ہے، یقینی اس نتیجہ پر پہنچے گا، کہ ان میں کے بعض افراد اسی قدر متبائن اور مختلف ہیں جتنے کہ بعض وہ افراد جو مختلف ناموں سے پکارے جاتے ہیں، اس سلسلہ میں یہ قابل ذکر ہے کہ تغیر انواع (Transmutation of species) کا نظریہ لاک کے اس خیال سے مستنبط ہے، کہ نوع کا وجود خارجی حقیقی نہیں، یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ انتہائی اسمیت (Nominalism) انتہائی موجودیت (Realism) کے قریب پہنچ گئی ہے، لاک برابر یہی کہتا ہے کہ اپنے خالق کے علاوہ ہر چیز تغیر پذیر ہے، اسلئے نوع و جنس وغیرہ محض نام ہیں علمائے مابعد الطبیعیات کی یہ تاریخی غلطی ہے، کہ وہ الفاظ کو اشیاء کی حقیقت سمجھتے ہیں، ہمیں اس پر قانع ہونا چاہیے، اور یہ سمجھ لینا چاہئے کہ علم کی ایک سرحد ہے، جسکے پرے ہم نہیں جا سکتے ہیں،

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم کی حقیقت کیا ہے، لاک کے نزدیک یہ صرف تصورات کا تعلق ان کا باہمی اتفاق یا عدم واقفیت اور بے تعلقی کا احساس ہے، اس تعریف سے یہ مستنبط ہوتا ہے، کہ ہمارا علم ہمارے تصورات سے زیادہ نہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ اس سے بھی زیادہ محدود ہے، اسلئے کہ ہمیں بہتیرے مفرد تصورات کے تعلق کا علم نہیں، ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ موجودہ علم میں بہت کچھ ترقی کی گنجائش ہے، تاہم یہ کبھی بھی اس حد تک نہیں پہنچ سکتا کہ ہم اپنے تمام تصورات کے تعلق کو اپنی خواہش کے مطابق معلوم کر لیں، نہ یہ ممکن ہے کہ ان کے متعلق جو سوالات پیدا ہوں ان سب کو حل کر لیں، مثلاً ہمکو مادّہ اور نفس کا تصور ہے، لیکن غالبًا ہم کبھی بھی جان نہیں سکیں گے کہ ایک محض مادی شے میں شعور کی صلاحیت ہے، یا نہیں، چونکہ یہ ناممکن ہے کہ ہم یہ معلوم کر سکیں کہ قادر مطلق نے کسی خاص مادہ میں شعور کی صلاحیت دی ہے، یا نہیں، ہمیں اپنی روح کے وجود کا پورا شعور ہے، لیکن یہ نہیں جانتے کہ وہ کیا ہے، اور جو شخص بھی آزادی رائے کے ساتھ روحانی یا مادّی نظریوں کی دشواریوں پر غور کریگا، تو وہ شاید ہی اس بات کا قطعی اور حکمی فیصلہ کر سکے، کہ روح مادہ نہیں، جس طرح کہ ہم مادہ اور احساس کے تعلق یا اختلاف سے بالکل ناواقف ہیں، اسی طرح ہمارے لئے یہ ناممکن ہے، کہ کسی شے کے ثانوی صفات کے مابین یا ثانوی صفات

اور ان کی صفات کے اتحاد یا تنافر کے متعلق کچھ جان سکیں،

ہمارا علم تصورات کے پرے نہیں جا سکتا، صرف ان کے اتفاق یا عدم موافقت کا احساس ہو سکتا ہے، ہم یہ بھی نہیں جان سکتے ہیں، کہ جن چیزوں کے یہ تصورات ہیں، ان کی اصل حقیقت کیا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا، کہ ہمارا علم ایک مسلسل التباس اور مبہم فریب ہے، ہمیں اپنے وجود کا بلا واسطہ وجدانی علم ہے، اگرچہ مابعد الطبیعیات کے نقطۂ نظر سے روح کی حقیقت سے ناواقف ہوں، ہمیں خدا کا تصریحی (DEMONSTFATIVE) علم ہے، اگرچہ ہمارا شعور اسکے صفات کی کثرت پر حاوی نہیں ہو سکتا، اس کے علاوہ دوسری چیزون کا علم اسی طرح حواس کے ذریعہ ہوتا ہے، یہ صحیح ہے کہ ہم ان کو بلا واسطہ نہیں جانتے، اسلئے ہمارا علم اسی حد تک صحیح ہے، جہانتک کہ ہمارے تصورات اور حقیقت اشیار میں مناسبت ہے، لیکن ایسا نہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسی کسوٹی نہیں، جس کے ذریعہ ہم یہ معلوم کر سکیں کہ ہمارے تصورات اشیار کے مطابق ہیں یا نہیں، یہ یقینی ہے کہ ہمارے مفرد تصورات خارجی حقیقت کے مطابق ہیں، ذہن بغیر حواس کی مدد کے انھیں بنا نہیں سکتا، اندھے رنگ اور روشنی کا تصور نہیں رکھتے، اسلئے یہ ظاہر ہے کہ تخیل کی تخلیق نہیں، بلکہ واقعی اور حقیقی نتیجہ ہین خارجی اشیار کے جو ہم پر اپنا اثر کرتی ہیں، خارجی اشیار کی حقیقت کا اس سے بھی ثبوت ملتا ہے، کہ کسی شے کو محسوس کرنے اور پھر حافظہ میں اس کا تصور کرنے میں بہت فرق ہے، اور وہ لذت یا الم جو کسی احساس کے ساتھ ہوتا ہے، اس وقت نہین پیدا ہوتا، جب کہ خارجی اشیا موجود نہ ہون، اور صرف حافظہ میں اس کا شعور کیا جائے، مزید برآں ہم ایک حس کا دوسرے حس کے نتائج سے مقابلہ کرتے ہیں، اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے، کہ محسوس اشیار کا خارجی وجود ہے، اگر کوئی شخص آگ کا مشاہدہ کرے اور یہ شک ہو کہ یہ محض وہم ہے، تو اپنے ہاتھ کے ذریعہ بھی اسکو جانچ سکتا ہے، اور اگر یہ واقعی وہم ہے، تو اس کو جلنے کی تکلیف محسوس نہیں ہوگی، اسطرح مختلف حواس ایک دوسرے کی صداقت پر شہادت دیتے ہیں،

خلاصہ بدیہی تصورات کا وجود نہین، بدیہی اصول و قوانین یا اولیات بھی نہیں ہو سکتے، علم کے ذرائع دو ہین،

حواس خارجی اشیار کیلئے اور وجدان داخلی کیفیات کیلئے، اسلئے علم کی سرحد خواہ وہ خارجی ہو، یا داخلی مشاہدہ اور تجربے سے باہر نہیں، فلسفہ کو جوہر اور حقیقت اشیار کے مسئلہ سے قطع نظر کرنا چاہیئے، مشاہدہ، استقرار اور تجربہ کے سوا، اور کوئی طریقہ نہیں استعمال کرنا چاہیئے، روح کا وجود ہے، لیکن ہم یہ نہیں جان سکتے کہ اس کا وجود مادی ہے یا غیر مادی ہے، بے تعلقی کی آزادی ناممکن ہے، خدا موجود ہے، لیکن اسکی حقیقت کا ہمیں علم نہیں، خارجی طور پر ٹھوس پن، مکانیت، شکل اور حرکت وغیرہ اولی صفات ہیں، ان کے علاوہ ثانوی صفات (رنگ، آواز، ذائقہ وغیرہ) بھی ہیں، جو صرف ہمارے ذہن کے احساسات ہیں جنھیں اولی صفات ہمارے ذہن میں پیدا کرتی ہیں، یہ بجائے خود اشیار میں موجود نہیں، جسم کا جوہر اور اسکی صفات کا مجموعہ ایک ہی چیز ہے، نوع کی حقیقت کچھ بھی نہیں،

ابن رشد

مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانوں میں ارسطو کے فلسفے کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے، اور جس کی تصنیفات مدتوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی تھیں، سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ اور اسی ضمن میں مسلمانوں کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ میں اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرۂ معلومات کسی مشرقی زبان میں کیا کسی مغربی زبان میں بھی نہیں ملسکتا، ضخامت ۲۰۹ صفحے قمت ہے،

برکلے اور اُس کا فلسفہ

مشہور فلاسفر برکلے کے حالات زندگی، اور اسکے فلسفہ کی تشریح، اردو میں فلسفۂ جدیدہ کی یہ پہلی کتاب ہے،

قیمت :- عہ، ضخامت ۱۲۶ صفحے،

"منیجر"

خواجہ حسن دہلوی

(از مولانا عبد السلام صاحب ندوی)

عام طور پر مشہور ہے کہ ہندوستان کے فارسی گو شعرا میں صرف فیضی اور امیر خسرو کو یہ شرف حاصل ہے، کہ انکے شاعرانہ فضل و کمال کو ایرانی شعرا نے بھی تسلیم کیا ہے، لیکن اس شہرت میں امیر خسرو کے معاصر خواجہ حسن دہلوی بھی اُن کے شریک و سہیم ہیں، اور ایرانی شعرا اور تذکرہ نویسوں نے جا بجا دونوں کا نام ایک ساتھ لیا ہے، چنانچہ دولت شاہ سمرقندی ایک موقع پر لکھتے ہیں، :-

"فضلا متفق اند کہ سوزِ خسرو و لطافتِ حسن و نازکیہائے کمال و صفائے سخن حافظ در کلام امیر شاہی جمع است"

آصفی کہتے ہیں، :-

زخوباں گفتہائے آصفی حالے دگر دارد که او را سوزِ خسرو نازکیہائے حسن دیدم

عبید زاکانی کہتا ہے،

گر غزلہائے جہاں روز بہ ہندستان فتد روح خسرو با حسن گوید کہ ایں ... گفتہ است

دولت شاہ نے حسن کی ایک غزل نقل کی ہے اور لکھا ہے، کہ "فضلا نے اس غزل کے بہت سے جواب لکھے، لیکن کوئی جواب اس غزل سے بہتر نہ ہو سکا،" حسن کے فخر کیلئے یہ بات کیا کم ہے، کہ نہ صرف امیر خسرو بلکہ کمال اور حافظ کے ساتھ ان کا نام لیا جاتا ہے، اور ایرانی شعرا ان کی غزلوں کا جواب لکھتے ہیں، اور اُن سے جواب بن نہیں آتا،

یہ عجیب بات ہے کہ خواجہ حسن عام طور پر سعدیِ ہند کے لقب سے مشہور ہیں لیکن دولت شاہ نے لکھا ہے، کہ وہ امیر خسرو کا تتبع کرتے ہیں، لیکن بہرحال بات ایک ہی ہے، خود امیر خسرو شیخ سعدی کے متبع ہیں، اور حسن نے

امیر خسرو کا تتبع کر کے اس شراب کو اور دو آتشہ کر دیا ہے، دولت شاہ نے خواجہ حسن کے کلام پر ان الفاظ مین اجمالی ریویو کیا ہے،

"سخن پرحال و سہل ممتنع دارد، اگرچہ پر صنعت نیست اما بغایت بدل نزدیک و روان است"،

اور ہم اسی اجمال کی تفصیل کرنا چاہتے ہین،

غزل درحقیقت نام ہے، اُن عاشقانہ جذبات کا جو نہایت، نرم و شیرین الفاظ، اور پُر درد لہجہ مین عجز و نیاز کے ساتھ ظاہر کئے جائیں، خسرو اور سعدی کا اصلی وصف یہی ہے، اور حسن نے اس وصف کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا ہے،

مثالیں ملاحظہ ہون،:-

سرگرداں کہ خاک پائے توام   عہد شکن کہ در وفائے توام
تا تو چوں آسماں شدی سرکش   من زمیں وار خاک پائے توام
تا تو سلطان آرزو بخشی،   من بصد آرزو گدائے توام
گر نہ رایت بود نیارم زیست   من کہ خود زندہ ام برائے توام
گر اجابت کنی دعاے کسے،   من شب و روز در دعائے توام
از درت دور نیستم چوں حسن   چہ تواں کرد مبتلائے توام

غمت را جائے جز در جاں نباشد   من از جاں فارغم گر آں نباشد
غمت ہر گہ کہ مے آید بیا گو،   درِ درویش را درباں نباشد
غریبے دوش می نالید و می گفت   شبِ عشاق را پایاں نباشد
حسن وصلِ تو مے جوید محال ست   گدا ہم کاسہ سلطاں نباشد

مرا ہے نخرد ہیچ کس ببازارے   غلام راہنرے نہ چہ عیب بر دلال

یک غلامست حسن نام درونے ناخوش   گر قبول از تو فتد گردِ سرش گردانم

دو سہ بار با تو گفتم کہ مرا بہ ہیچ بستان   نشد اتفاق شاید کہ بایں بہا گرانم

عشق و محبت میں درد و غم اور سوز و گداز کے اظہار کا بہترین موقع اسوقت ملتا ہے، جب دو درد رسیدہ ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی پر درد کہانی سنکر اپنی داستان غم سنانا چاہتا ہے، شیخ سعدی نے اس خیال کو اس طرح ظاہر کیا تھا،

اے بلبل اگر نالی من با تو ہم آوازم   تو عشقِ گلے داری من عشقِ گل اندامے

اور خواجہ حافظ نے اس خیال کو اور بھی بلند آہنگی کے ساتھ ظاہر کیا ہے،

بنال بلبل اگر بامنت سر یاری است   کہ ما دو عاشق زاریم کارِ من زاری است

لیکن خواجہ حسن نے اس لے کو بہت زیادہ بڑھایا ہے،

اے مرغ بنال تا بنالیم   از اخترِ خویش در دبالیم
از دوستی ہوا تو نالی،   ما ہم بہوائے دوست نالیم
تو بہرِ وصالِ گل زنی پر،   ما زیرِ پرِ فراق بالیم،
میدانِ فراق راشدہ گوئے   انگاہ مپرس درچہ حالیم،
تو یافتۂ جمالِ محبوب   ما گم شدگانِ آں جمالیم،
تو ساختۂ، ہزار دستان   ما سوختگان تو زلالیم
ما و حسن و نوا و نالہ،   اے مرغ بنال تا بنالیم،

یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس درد و غم اور عجز و نیاز کے ساتھ جوش بیان کو بھی پوری طور پر قائم رکھتے ہیں، اور الفاظ کی سادگی اور شیرینی میں کوئی فرق نہیں آنے دیتے، مثلاً:-

بیا کہ بر ہمہ خوبانِ شہر شاہ توئی،   چو غنچہ در صفِ گل صاحب کلاہ توئی
کلہ بپوش کہ فرمان ہر دیار تراست   کمر بہ بند کہ سالارِ ہر سپاہ توئی

زہے نشاط دران سینہ کہ منزل تست
زہے رواج دران کشورے کہ شاہ توئی
بروشنان فلک حاجتے ندارم ازانک
مرا بروز و شب آفتاب و ماہ توئی
زدست تو بکجا نالم زمام حکم تراست
ز تو بسوئے کہ گریزم گریزگاہ توئی
ہراس چیست چو امید مرحمت از تست
گناہ چیست چو بخشندۂ گناہ توئی
کدام قاضی حکم حسن تواند کرد،
کہ ہم میانجی و ہم خصم و ہم گواہ توئی،

یہ جوشِ بیان اسوقت اور بڑھ جاتا ہے، جب وہ رندی و سرمستی کے مضامین باندھتے ہیں، اور اسوقت وہ سعدی ہند کے بجائے حافظ شیراز معلوم ہوتے ہیں،

صبا جنبید و وقت آمد کہ بلبل از چمن پرسد
بنفشہ یاسمن شنید سمن از یاسمن پرسد
بہار است و ہوائے خوش خوشا وقت کسان کنون
یکے جوئے رواں جوید یکے راہ چمن پرسد
بیک جرعہ ز جام لب دو عالم زندہ کن ورنگہ
خضر را گوئے اینک آب حیواں انچنیں باید
من باز بادہ خوردم رسم گذشتہ نو شد
تسبیح بیع کردم، سجادہ ہم گرو شد
ساقی بیار مے کہ چون زر گشت کارہا
گل ریخت گنج زر ہمہ مرغزارہا
آمد بہار نو بدہ آں بادۂ کہن،
کز یک نسیم او شگفند نو بہارہا
وقت ہوا خوش است ہوا از مزاج صبا
بفشاندہ اند از ہمہ جانب غبارہا

اون کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے، کہ غزل میں مدح لکھتے ہیں، چنانچہ اس غزل میں بھی سلطان علاء الدین کی مدح لکھی ہے،

شہ اتفاق جشن کند گوئیا کہ گل،
از زر و سیم ساختہ اند این نثارہا،
با غنچہ داشت ہر سر و کارے کہ داشت گل
بکشا سر قرابہ کہ بکشاد کارہا،
سلطان علاء دنیی و دین آنکہ روزگار
شاہے چو او نیافتہ در روزگارہا،

نامش محمد است، محمد صفت بہ بیں، دیں را زوال دولت او شد مدار ہا،
چوں شرح بذل او ست بروں از حسابہا سال بقاش باد فزوں از شمار ہا

اور اس لحاظ سے گویا اوپر کے اشعار تشبیب بن گئے ہیں،

اس زور بیان نے اُن میں ایک وصف قادر الکلامی کا پیدا کر دیا ہے، جس کا اظہار مختلف طریقوں سے ہوتا ہے، بعض اوقات مسلسل غزلیں لکھتے ہیں، اور اون میں ایک ہی قسم کے خیالات نہایت دلآویزی سے ظاہر کرتے ہیں، مثلاً:۔

این منم کز تو سلامے بمن آورد رسول تازہ تر کرد ہوائے من و امید وصول
نامہ آورد رسولِ تو و من از شادی گہ سرِ نامہ ہمی بوسم و گہ پائے رسول
گر جوابے نہ نویسم کرمت بسیار است فضل کن ہر چہ ترا در نظر آید ز فضول
من خود از شوق تو پیچیدہ سرم چوں نامہ تنِ نالاں چوں قلم از کشش عشق ملول
روئے خود ساختہ ام صفحہ بجائے کاغذ عذر قرطاس بود نزد کریماں مقبول
قلم از نوک مژہ کردہ سیاہی از چشم ہمہ شب شرح غمت را بکتابت مشغول
گفتیم حالِ حسن چیست ز اقبال غمت
کار بر حسب مراد است غرضہا محصول

اسی سلسلے میں معشوق کے مسلسل اوصاف بھی داخل ہیں، مثلاً:۔

برد از من روانے من روانے، بتے شوخے، لطیفے، دلستانے،
سنے، قمرے، گلے، مشکے، عبیرے خوشے، خوبے، حبیبے، مہربانے،
حریفے، دلبرے، شنگے دلیرے ظریفے، نازکے، تیرے، کمانے،
طبیبے، داروے، دردے، بلائے، قضائے، محنتے، رنجے، فراقے،

کمندے، ناوکے، تیرے، خدنگے، امیرے، بادشاہے، پہلوانے،
شریفے، شاہدے، اخمرے، خمارے لطیفے، سرکشے، جانِ جہانے،
حسن مداح او گشتی، ازاں شد زبانت در سخن، گوہر فشانے،

اگرچہ ان اشعار میں کوئی کیف واثر نہیں ہے، تاہم بہرحال ان سے اون کی قادر الکلامی ظاہر ہوتی ہے، بعض اوقات اپنی اور معشوق کی ایک ایک چیز کو لیکر ایک وصف خاص میں دونوں کا اشتراک ثابت کرتے ہین جس سے کہیں تو معشوق کی خوش جمالی اور اپنی زبون حالی ثابت ہوتی ہے، اور کہین دونوں میں مساوات کا اظہار ہوتا ہے، مثلاً:-

خال تو و حال من ہر دو سیہ ہمچو قیر ذہنِ من و روے تو ہر دو چو ماہ منیر
قد من و ابرویت ہمچو کمان کژ بود قد تو و قولِ من، راست بود ہمچو تیر
فرق تو و جسم من ہر دو چو ماہ نو ست موئے تو و روز من ہر دو چو شب گشت تیر
قہر تو و صبر من تلخ چو زہر آمدہ است وصل تو و کام من ہیچ چو امید بیر
لطف تو و عشق من ہمچو فرح جان فزا،
حسنِ تو و شعر حسن ہر دو روان دلپذیر

بعض اوقات مکرر قافیے لاتے ہین، اور ان کو نہایت خوبی کے ساتھ نباہتے ہیں۔ مثلاً

اے طبیب آخر ز من تا کے نپرسی آہ آہ دردمندانِ غمت را پرسشے کن گاہ گاہ
میکشم بار غم عشق تو بر دل کوہ کوہ خرمن صبرم بباد نیستی شد کاہ کاہ
در ہواے ابرویت پیوستہ سرگردان ہلال میشود باریک زین غم می گریزد ماہ ماہ
پیل بند عشق تو بر عرصہ دل استوا شاہ رخ بنما کہ مات است از غزای شاہشاہ
از سر مستی حسن چاہ زنخدانش گرفت دست بگرفتش کہ اے دیوانہ ہستی چاہ چاہ

اونکے کلام کی ایک خصوصیت تشبیہ کی جدت اور لطافت ہی، وہ نہایت سادہ مگر بالکل جدید اور نیچرل تشبیہیں پیدا کرتے ہیں، جو نہایت نازک اور لطیف ہوتی ہیں، مثلاً

خالِ تو بر زنخ چہ تکیہ زند، طفلِ نزدیکِ چہ چرا خسپد،
خطت بر لب چو زنگی دایۂ ہیں گرفتہ شیر خوارے را در آغوش
کنوں کہ ختم شدش بر بتاں نبوت حسن ز زلفِ تیرہ بر انگیخت لیلۃ المعراج
دوست حاضر ہمچو شاخ گل و لے از رقیبش تند بادے داشتم
یار خوے کردہ بر بام آمدی، چون گل نو خاستہ باراں زدہ،
ز دستِ عشقِ چناں عاجز ست عقلِ حسن کہ پیش شحنۂ جبار عاملِ معزول
ابر چوں چشمِ زلیخا بہر یوسف اشکبار ژالہا چوں دیدۂ یعقوب پیغمبر سفید
بید لرزاں از شمال اینک چو اصحاب الشمال یاسمیں مانند اصحاب الیمیں دفتر سفید

بعض الفاظ میں عربی فقرے نہایت خوبی کے ساتھ لاتے ہیں، جس سے ان کی علمی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے، مثلاً :-

سورۂ فاتحۂ روے ترا ہر کہ بدید، "قُل ھُوَ اللہ اَحَد" خواند و باخلاص دمید
"انبت اللہ نباتا حسنا" گفت و گذشت خضر آنگہ کہ بگردِ شکرت سبزہ بدید
"زادک اللہ جمالاً" نتواں گفت کہ نیست بجمالِ طرب افزاے تو امکانِ مزید
خط تو بر لبِ تو فسو نیست پر شکر تا ذکر شہد "فیہ شفاء" نوشتہ اند
عفو است گر ز چشمت تیرے رسید مارا بے قصد بود دانم "رُمیا بغیر رامی"

اون کے کلام کی ایک عام خصوصیت جو حضرت امیر خسرو کے تتبع کا فیض ہے، رعایتِ لفظی ہے، لیکن حضرت امیر خسرو نے اپنی بعض مثنویوں میں اسکو ضلع جگت کی حد تک پہنچا دیا ہے، لیکن امیر حسن اسکا

استعمال نہایت لطافت کے ساتھ کرتے ہیں،

سرکش چو نہ سپہری روشن چو ہفت کوکب   در چار دہ نباشد ماہے بدیں تمامی،
باآنکہ در وصلم بخشیدۂ تو خواہم   زاں لعل آبدارت یک چند بوسہ وامی

چشم حسن سفید شد در رہ انتظار تو   بو کہ ز چوں تو یوسفے بوے وفا بوے رسد

روحے کہ یابد روحِ من از یک نسیم کوے او   واللہ کہ نتواں یافتن از ہشت بستاں اینقدر

حسن اگرچہ تصوف کے ایک خاص سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن ان کے کلام میں صوفیانہ حقائق و اسرار اور اخلاقی مضامین نہیں پائے جاتے، وہ خالص عاشقانہ رنگ میں کہتے ہیں، اور اس رنگ میں ان کے داخلی اشعار حد اعجاز تک پہنچ جاتے ہیں مثلاً

اے سرو بتو شادم شکلت بفلاں ماند،   اے گل بتو خوشنودم تو بوے کسے داری
گر غنچہ دہد بوئے دانم کہ تو می خیزی،   در صبح شود طالع دانم کہ تو می آئی،

گر بندہ خریدن را از خانہ بروں آئی،   امروز مرا باشد ز اقبال تو بازارے

اے دو جہاں فدائے تو تو ز جہان دیگری   باغ و بہارِ حسن را سرو روان دیگری

بامداداں نامۂ دادت حسن گریہ کناں   قصہ اش خواندی و در آب برو انداختی

اے قاصد از کجائی از ہر کجا کہ آئی   بنشیں کہ ہست در تو سیماے آشنائی
از آستینت مارا پر مشک گشت دامن   ایں نامہ میکشی تو یا نافہ مے کشائی،
دارم بشہر ماہی کز خرمنِ جمالش   خورشید خوشہ چیند مانند روستائی
امروز وقت صبحم آمد از و سلامے،
خوشوقت صبحگاہاں آغازِ روشنائی،

اللہ اللہ ایں توئی یارب کہ مہمانِ منی   دوش در دل بودہ امروز در جانِ منی

سر بسودائے تو در بازم کہ سر باز توام
جاں بزیر پایت افشانم کہ جانانِ منی،

خسرو پرویز گر شیرین و شکر ہر دو داشت
تو بدیں لبہائے شیرین شکرستانِ منی،

اے کہ عمرے تشنہ بودم شکرِ وصلِ ترا
قطرۂ در کارِ من کن کآبِ حیوانِ منی،

گر حسن صد بار میگوید کہ من زانِ توام،
کے چناں باشد کہ یک رہ گوئی آنِ منی

بود گہے کہ سر گیسوئے تو باز کنم،
برائے وصلِ تو از وے شبے دراز کنم

ہمہ حدیث بہشت است و آیت رحمت
بفال روے تو ہر مصحفے کہ باز کنم

بموضعے کہ مرا قبلہ مشتبہ گردد
بجانبے کہ توئی آن طرف نماز کنم

مسافرے کہ برو گردت از درت نبود
اگر ز کعبہ رسید است در فراز کنم

غرض ان تمام خصوصیات کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں، کہ انکا کلام سعدی، حافظ، اور امیر خسرو کے کلام کا مجموعہ بلکہ ان سب کا عطر مرکب ہے، اور وہ امیر خسرو کے متبع ہونے کے ساتھ جیسا کہ جامی کا خیال ہے ایک طرز خاص کے موجد بھی ہیں،

مقالاتِ شبلی جلد چہارم
(تنقیدی)
مطبوعہ اور قلمی کتابوں پر مولانا شبلی مرحوم کے جو تبصرے الندوہ اور دوسرے رسالوں میں شائع ہوئے تھے اسمیں یکجا کئے گئے ہیں، مصر کے مشہور عیسائی مورخ جرجی زیدان کی تصنیف تمدن اسلامی پر عربی میں جو ریویو ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہوا تھا، اس کا اردو خلاصہ بھی مولانائے مرحوم کے قلم سے الندوہ میں شائع ہوا تھا، وہ اہم تنقیدی مضمون بھی اس میں آگیا ہے، ضخامت ۱۹۰ صفحے، قیمت :- عہ

مونس الاحرار فی دقائق الاشعار

از

نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمان خان شیروانی

یہ متقدمین شعرائے فارسی کے کلام کی ایک بیاض میرے کتاب خانہ مین ہو جو ۷۴۱ھ مین تالیف ہوئی، جامع بیاض کا نام احمد بن محمد بن احمد بن محمد معروف بہ کلاتی اصفہانی ہے، محلہ دردشت کے رہنے والے تھے، کلاتی کے ذکر سے معجم البلدان اور انساب سمعانی دونون ساکت ہین، کشف الظنون مین مونس الاحرار کا نام نہین، تذکرے بھی کلاتی کے حال سے خالی معلوم ہوتے ہین،

دیباچہ مین جامع بیاض نے لکھا ہو کہ مین اصفہان کے علماء و فضلا، کی خدمت مین حاضر رہتا تھا، اُن کی صحبت مین امام رشید الدین محمد المعروف بہ رشید وطواط کی کتاب حدائق السحر کا تذکرہ رہتا، شعرائے ماضی کے کلام کا مذکور ہوتا، مین نے اُن کے اس شوق کو دیکھ کر اور ایما پا کر مشاہیر شعرا کے کلام سے یہ انتخاب تیار کیا،

موضوعِ انتخاب یہ ہے کہ جن لطائف اور صنائع و بدائع کا بیان حدائق السحر مین ہے اور جن کی مثال مین رشید نے ایک ایک شعر نقل کیا ہے، مین نے ان کے متعلق ایک ایک باب مرتب کر دیا ہے، انتہی خلاصۃً، چنانچہ تمیش باب پر یہ بیاض مشتمل ہو، ترتیب ملاحظہ ہو،

باب اول توحید، دوم نعت، سوم حکمت و موعظت، چہارم قسمیات، پنجم تسمیطات علی ہذا القیاس،

خوبی خاص اس بیاض کی یہ ہے کہ ہر باب مین پورے پورے قصیدے اساتذہ کے وافر مقدار مین نقل کئے ہین، اور تمام مشہور اساتذہ کا کلام انتخاب مین لایا گیا ہے، جملہ ۴۷، اشعرا کا کلام ہے، کتاب کے صفحات کا شمار ۲۰۴ ا ہے، مثلاً طبقۂ اول کے حسب ذیل شعراء کا کلام ہے،

غضائری[1]، اسدی[2] طوسی، ابوالفرج[3] رونی، عنصری[4]، عسجدی[5]، مسعود[6] سعد سلمان، ناصر[7] خسرو، عمعق[8] بخاری، قطران[9]، فرخاری[10]، امیر معزی[11]، ابوالفتح[12] بستی، ابوالمعالی[13] رازی، ازرقی[14]، خواجہ[15] سنائی،

ان مین سے ابوالفرج رونی کے قلمی قصائد اور خواجہ سنائی کا کلیات میرے یہان ہے، دوسرے طبقات مین سے شمس الدین طبسی، سوزنی، وغیرہما کے دیوان ہین،

طبقۂ بالا کے شعرا مین وفات کے لحاظ سے سب سے مقدم اسدی طوسی ہے، المتوفی ۴۶۵ھ۔ اس کے بعد غضائری ہے، المتوفی ۴۲۶ھ،

چوتھی صدی سے لیکر چھٹی صدی تک کے شعرا کا تین سو برس کا کلام اس بیاض مین ہے، رودکی کا کلام نہین ہے، معلوم ہوتا ہے اُس وقت بھی نایاب تھا،

جب اس پر لحاظ کیا جائے کہ جن شعرا کا کلام اس مجموعے مین ہے، اُن مین سے بہت سے ایسے ہین جنکا کلام بالکل نایاب ہے یا مفقود ہو چکا ہے تو اس کی قدر و قیمت بہت بڑھ جاتی ہے، آخر کا باب (بتیسوان) اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس مین "لغت فرس، عروض اور رباعیات" ہین،

نسخہ جدید الخط ہے مگر بالکل جدید نہین، خط صاف پختہ ہے، جہان نگاہ ڈالی گئی اغلاط سے پاک معلوم ہوا، ایسا قیاس ہوتا ہے کہ کسی سخن شناس نے اپنے شوق سے نقل کی ہے، آخر مین نام کاتب یا سنہ کتابت نہین ہے، اس کی بھی تصریح نہین ہے کہ کتاب ختم ہوئی، دفعۃً قلم رکھدیا ہے، ممکن ہے کہ ظرف ناقص ہو، بہرحال آخر کے باب کا حصۂ وافر موجود ہے،

(باقی)

معارف:- مونس الاحرار فی دقائق الاشعار کے نام سے اسی قسم کی ایک بیاض یا مجموعہ اس کے بعد محمد ابن بدر شاعر نے ۷۴۱ھ مین لکھا ہے، سر ڈینی راس نے اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز کے جرنل مین اسکا حال یہ لکھا تھا،

> اس قلمی نسخہ کا نام مونس الاحرار (فی دقائق الاشعار) ہے، پانچ سو صفحون کی کتاب ہے، تالیف کا سال ۷۴۱ھ ہے اس مین قدیم شعراء سے لیکر مصنف کے وقت تک کے نامی شعراء کے کلام کا انتخابات

موجود ہیں، مصنف کا نام محمد بن بدر جاجرمی ہے۔"

مصنف کا نام اور سال تصنیف اس قطعہ سے معلوم ہوتا ہے، جو اس کتاب کے دیباچہ میں ہے،

در ہفصد و چل بود و یک اندر رمضان مہر اندر حوت و ماہ اندر سرطان
سنہ ۷۴۱ھ
بر دست محمد بن بدر شاعر مجموعہ تمام شد بفضل یزدان

کتبخانۂ حبیب گنج کے اس نسخہ کا نام اور موضوع گو یہی ہے، مگر اس کا مصنف اور ہے، اور زمانہ اس سے ۳۹ برس پیشتر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلاتی اصفہانی کا یہ مجموعہ اس خیال کا نقش اول اور محمد بن بدر کا مجموعہ نقش ثانی ہے،

شعر العجم

حصۂ اول

فارسی شاعری کی تاریخ، جس میں شاعری کی ابتدا، عہد بعہد کی ترقیوں اور اُن کے خصوصیات اور اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعراء (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے اور ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۲۵۰ صفحے، قیمت ے ر

حصۂ دوم

شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فرید الدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک) مع تنقید کلام، مطبوعۂ معارف پریس، ضخامت ۲۰۲ صفحے، قیمت عہ ر

حصۂ سوم

شعرائے متاخرین کا تذکرہ (فغانی سے ابو طالب کلیم تک) مع تنقید کلام، مطبوعۂ معارف پریس، ضخامت ۲۳۰ صفحے، قیمت عہ ر

قانونِ شیخ کا پہلا مطبوعہ نسخہ،

از

مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی ناظم کتب خانہ رامپور،

شاہی کتاب خانہ رامپور میں قانونِ شیخ الرئیس (ابو علی سینا) کا ایک نسخہ محفوظ ہو، یہ نسخہ کتاب اول ثانی اور ثالث پر مشتمل ہو، اور حسب تحریر کاتب ۱۱۳۱ھ میں لکھا گیا ہے،

کاتب نے کتاب ثانی کے خاتمہ میں جو عبارت لکھی ہے، وہ قابلِ غور ہے، وہ لکھتا ہے،:-

قَدْ نسخ الکتاب الثانی علی الکتاب الذی ھو مضروبٌ سکّۃ. لامکتوب بقلم وقد کتب فیہ ھذہ العبارۃ نسخ الکتاب الثانی من نسخۃ کانت بخط سید الامام ابن الحسن الحسینی. وھو ذکر فی آخر کتابہ انہ نقل من تعلیق الشیخ الرئیس ابن علی بن سینا ،

اس تحریر سے دو باتیں معلوم ہوتی ہین،

۱- اوّل یہ کہ نسخہ رامپور کا منقول عنہ مصنف کے نسخہ کی نقل در نقل تھا،

۲- دوم یہ کہ نسخہ رامپور کا منقول عنہ قلم کا لکھا ہوا نہ تھا، مضروب سکۃ تھا، سکّۃ محاورۂ عرب میں وہ منقوش لوہا کہلاتا ہے، جس سے روپے ڈھالے جائیں، صاحب اقرب الموارد نے سکہ کی حسب ذیل تفسیر کی ہے،:-

"السکۃ حدیدۃ منقوشۃ یضرب علیھا الدراھم. یقال "یضرب الدرھم فی سکۃ فلان." (اقرب، ج ۱ ص ۵۲۰)

ہمارے محاورہ میں سکہ کو ڈائی کہتے ہیں، ڈائی عموماً چھوٹی ہوتی ہے، اسلئے بڑے نقوش والے لوہے کو پلیٹ کہہ سکتے ہیں، بہر نوع مضروب سکہ کا مفہوم یہ قرار پاتا ہے، کہ منقوش لوہے کے ذریعہ تیار کیا گیا تھا، چونکہ اس طریق کار کا نام طباعت ہے، لہذا بجائے مضروب سکہ کے مطبوع کہنا خلاف محاورہ نہ ہوگا۔

اب دونوں صفتوں کے یکجائی معنی یہ ہوں گے، کہ نسخۂ رامپور کا منقول عنہ قلمی نہ تھا مطبوعہ تھا، اور چونکہ اُس زمانہ میں مطبوعہ کتاب کم یاب تھی، اسلئے کاتب نے خصوصیت سے منقول عنہ کی اس صفت کا ذکر کیا،

وہ نسخہ کب طبع ہوا، کہاں طبع ہوا، اور کس نے طبع کیا، ان تمام سوالات کے قبل یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ کیا اٹھارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں پریس اس حد تک ترقی کر چکا تھا، کہ عربی کتابیں طبع ہوں، اگر اس کا جواب اثباتی ہے، تو یقیناً مقام طباعت اسپین یا فرانس وغیرہ یورپی ممالک ہونے چاہئیں، جہاں قانون شیخ درس میں داخل تھا،

مجھے امید ہے کہ اصحاب علم، بذریعہ معارف یا تحریر شخصی، اس امر کے متعلق، کہ آیا عبارت کا مرقوم مفہوم درست ہے یا نہیں، مجھے معلومات مہیا فرما کر ممنون کریں گے،

معارف: عربی زبان کی کتابوں کی طبع کا آغاز یورپ میں سولہویں صدی میں ہو چکا تھا، ۱۵۱۶ء میں عربی زبور چھاپی گئی تھی، (دیکھو الآداب العربیہ فی القرن التاسع عشر للاب لویس شیخو، جلد اول ص ۸، بیروت) قانون شیخ بزبان عربی سب سے پہلے رومہ (اٹلی) میں ۱۵۹۳ء میں تین جلدوں میں طبع ہوئی تھی پہلی جلد ۶۱۵، دوسری ۷۰۰، اور تیسری ۵۰ صفحوں میں اور اس کے آخر میں شیخ کی ایک فلسفیانہ کتاب نجات ضمیمہ کے طور پر تھی، (معجم المطبوعات العربیہ یوسف الیاس سرکیس (جلد اول ص ۱۳۰)

خیام

خیام کے سوانح، تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی کی تاریخ، اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث اور آخر میں خیام کے چھ عربی و فارسی رسالوں کا ضمیمہ اور اسکے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے، ضخامت ۵۲۰ صفحات قیمت غیر مجلد ہے مجلد للعہ "منیجر"

تلخیص و تبصرہ

مکان و زمان کی سیر

برطانیہ کے نہایت ممتاز سائنس دان سر جیمس جانس (SirJAMES JEANS) نے حال مین کائنات کے متعلق تقریرون کا ایک نیا سلسلہ ریڈیو کے ذریعہ شروع کیا ہے جس کی پہلی قسط کے اقتباسات رسالہ "لسنر" (LISTENER) کے حوالہ سے سنڈے اسٹیٹسمین (۴ر نومبر ۱۹۳۴ء) مین شائع ہوئے ہین، موصوف نے اس تقریر مین اپنے سامعین کو خیالی طور پر عالم کائنات کی سیر کرائی ہے، اور مکان و زمان کی وسعت سے انھین آشنا کیا ہے، ناظرین معارف کے لئے اسکا ملخص ترجمہ ذیل مین پیش کیا جاتا ہے۔

ستارون اور حقیقۃً اُن تمام اشیاء سے متعلق جو ہمارے کرۂ زمین سے باہر واقع ہین، تقریباً ہماری تمام واقفیت اُس اشعاع (RADIATION) سے حاصل ہوتی ہے جو ان اشیاء کی طرف سے ہم تک پہنچتا ہے، اشعاع موجون کی شکل مین سفر کرتا ہے جو اپنی فطرت کے لحاظ سے ریڈیو کی موجون سے مشابہ ہین، دونون مین خاص فرق یہ ہے کہ ریڈیو کی موج اشعاع حرارت کی موج سے کروڑون گنا اور اشعاع نور کی موج سے تقریباً ایک ارب گنا زیادہ بڑی ہے، تاہم باوجود اس کے کہ اشعاع اور ریڈیو کی موجون کی لمبان مین اتنا زبردست فرق ہے، دونون قسم کی موجین بالکل ایک ہی رفتار سے سفر کرتی ہین، یعنی (۱۸۶۰۰۰) میل فی سکنڈ،

ریڈیو کی موجین اس رفتار سے سفر کرتی ہوئی اکثر سطح زمین کے قریب پہنچکر رک جاتی ہین اور کرۂ ارض کے گرد ایک سکنڈ کے تقریباً ساتوین حصہ مین چکر کرلیتی ہین، لیکن ان کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا فضا مین نکل جاتا ہے، اور اسی

رفتار سے سفر کرتا ہوا زمین سے زیادہ دور ہوتا جاتا ہی،

ایک لمحہ کے لئے فرض کیجئے کہ ہم ان لاسلکی موجون مین سے ایک موج کے ساتھ سفر کر رہے ہین اور ہماری رفتار، روشنی کی رفتار کے برابر ہے، پانچ سکنڈ کے بعد ہم چاند کے فاصلہ سے چوگنا فاصلہ طے کر لین گے اور ہماری زمین آسمان سے تقریبًا اتنی ہی بڑی دکھائی دینے لگے گی جتنا بڑا چاند ہمین اس وقت دکھائی دیتا ہے، ہم دیکھین گے کہ اس کی شکل گول ہے اور ظاہری صورت مین چاند کی طرح معلوم ہوتی ہے، پانچ منٹ کے سفر کے بعد زمین ہمین اتنی ہی بڑی نظر آئے گی جتنے بڑے سیارے اس وقت نظر آتے ہین، اس وقت ہم دیکھین گے کہ زہرہ، مریخ مشتری اور دوسرے سیارون کی طرح یہ بھی محض ایک معمولی سیارہ ہے، پانچ سال کے سفر کے بعد خود آفتاب بھی صرف ایک چھوٹا سا ستارہ معلوم ہونے لگیگا، لیکن روشنی کی رفتار سے پانچ سال تک سفر کرنے کے بعد بھی ہم اپنے سفر کی محض ابتدائی منزلون مین ہونگے، ہم اسوقت بھی اپنے کو قریب ترین ستارون ہی کے درمیان پائین گے، لاکھون برس تک اسی رفتار سے چلنے کے بعد بھی ہمارے سفر کی راہ ستارون ہی سے روشن ملیگی جو ہمارے آفتاب سے کم وبیش مشابہ ہین،

سطور بالا سے ہمین اپنے مجوزہ سفر کے پیمانہ کا کچھ اندازہ ہو جائیگا، اس پیمانہ کو میل کے حساب سے بیان نہین کرسکتے اس کے لئے ہیئت دانون کے نوری سال (LIGHTYEAR) کا حساب بہتر ہوگا، یعنی وہ فاصلہ جو روشنی ایک سال مین طے کرتی ہے، ایک نوری سکنڈ تقریبًا (۱۸۶۰۰۰) میل کے برابر ہے، اور ایک نوری سال تقریبًا چھ ملین (۶۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰) میل کے، چاند کا فاصلہ $1\frac{1}{4}$ نوری سکنڈ ہے، جو سیارے قریب ہین اُن کا فاصلہ چند نوری منٹ اور جو دور ہین ان کا چند نوری گھنٹے ہے، لیکن قریب ترین ستارون کا فاصلہ بھی چند نوری سال کے برابر ہے، اور جو ستارے دور ہین ان کا فاصلہ سینکڑون ہزارون نوری سال کے برابر ہے

اگر اس زبردست فاصلہ کو طے کرنے کے بعد بھی ہم اپنے سفر کو جاری رکھین تو کچھ عرصہ کے بعد ہم دیکھین گے کہ ہمارا راستہ اب کم روشن ہے اور ستارے فضا مین زیادہ دور دور بکھرے ہوئے ہین، بالآخر ہم اس خطہ مین پہنچتے ہین جہان

ستارے بالکل نہین ہین، اب ہم فضار کی تاریکی مین پہنچ گئے ہین، وہان سے ہمین ان ستارون کا جن کے درمیان سفر کرتے ہوئے ہم آئے ہین، ایک جھرمٹ دکھائی دیتا ہے اور پھر زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ تمام فضار، ایسے جھرمٹون سے پُر نظر آتی ہے، انفرادی ستارون کی روشنی ہمین نظر نہین آسکتی، لیکن لاکھون ستارون کے مجموعہ سے ایک طرح کی دھیمی اور مسلسل روشنی پیدا ہوتی ہے، ہم اس دھندلی روشنی کو سحابیہ کہتے ہین، ستارون کا وہ مجموعہ جو سب سے دور واقع ہے اور جسے ہم زمین سے دیکھ سکتے ہین اسکا فاصلہ کرۂ ارض سے ایک سو ملین (۱۰۰۰۰۰۰۰۰) نوری سال سے زیادہ ہے، ہم اسے اس روشنی کی مدد سے دیکھتے ہین جو دس کرور برس پہلے ہماری طرف روانہ ہوئی تھی، یعنی نسل انسانی کے روئے زمین پر ظاہر ہونے سے بہت پہلے، اسوقت زمین بڑے بڑے حشرات الارض کے قبضہ مین تھی، اس وقت سے برابر یہ روشنی ایک کروڑ دس لاکھ میل فی منٹ کی مستقل رفتار سے فضار مین سفر کرتی ہوئی آرہی ہے اور ابھی ہم تک پہنچی ہے، ہم نہین کہہ سکتے کہ اس طویل مدت مین اُن ستارون پر کیا گذری جس کی روشنی ہم اسوقت دیکھ رہے ہین؛ اسے معلوم کرنے کا اور کوئی طریقہ نہین بجز اس کے کہ ہم ایک سو ملین سال سے زیادہ انتظار کرین،

اس کے بعد ہم فضا کی بعید تر گہرائیون مین جائینگے اور ایسے خطون کے درمیان سے گذرینگے جن سے ریاضی دان کا تخیل تو آشنا ہے لیکن ہیئت دان کی آنکھون نے ان کو آج تک نہین دیکھا، اب ہم اپنے سفر کے اختتام تک پہنچ رہے ہین، اور پھر اپنے گھر واپس آجانا چاہتے ہین، لیکن ہم دیکھتے ہین کہ اپنے گھر پہنچنے کی سب سے قریب راہ یہ ہے کہ اس سفر کو برابر جاری رکھین، یہانتک کہ ہم پھر واپس اپنی زمین پر پہنچ جائین، وجہ یہ ہے کہ فضا بھی ہمارے کرۂ ارض کی طرح خود اپنی ہی جانب خم ہوتی ہے، اس لئے اگر ہم بخط مستقیم سفر کرتے چلے جائین تو بالآخر اسی نقطہ پر پہنچ جائینگے جہان سے روانہ ہوئے تھے، لیکن ہمین صحیح طور پر نہین معلوم کہ اس مین کتنی مدت صرف ہوگی، بعض ہیئت دانون کا خیال ہے کہ ہمین تقریبًا بارہ ہزار ملین سال تک روشنی کی رفتار سے سفر کرنا پڑیگا، بعض کہتے ہین کہ اس سے بھی زیادہ مدت تک، اور بعض ہیئت دانون کی رائے یہ ہے کہ جب تک ہم روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ تیز رفتار

سے سفر نہ کرین ہم کبھی واپس پہنچ ہی نہین سکتے،

جو سفر ہمارے سامنے ہے اُس کی نوعیت یہ ہے، لیکن قبل اس کے کہ ہم اس سفر پر روانہ ہون ہمین چاہئے کہ اچھی طرح اپنی زمین کو دیکھ بھال لین، کیونکہ فضا کی تمام چیزون مین یہی ایک چیز ایسی ہے جس کی تحقیق واکتشاف ہم پوری طرح کر سکتے ہین، اور یہ بھی کوئی آسان کام نہین ہے، روشنی کی شعاعین ہر وقت زمین تک پہنچتی اور ہم تک ستارون کے پیغامات پہنچاتی رہتی ہین، لیکن ایسی شعاعین جو زمین کے اندرونی حصہ کے پیغامات لائین موجود نہین ہین، کیونکہ زمین غیر شفاف ہے، یہ ایک تعجب خیز لیکن سچا واقعہ ہے، کہ چند سال پیشتر تک ہم ستارون کی ساخت وترکیب کی نسبت جو کرورون میل کی دوری پر واقع ہین زیادہ واقفیت رکھتے تھے، بہ مقابلہ زمین کے اُس حصہ کی ساخت وترکیب کے جو ہمارے قدم کے چند میل نیچے واقع ہے،

بہرحال ایسی موجین بھی ہین جو اگرچہ روشنی کی موجین نہین ہین، تاہم زمین کے اندرونی حصہ سے متعلق ہمین اطلاعات پہنچاتی رہتی ہین، یعنی وہ موجین جو زلزلون اور زمین کی تھرتھراہٹ کے وقت آزاد ہوجاتی ہین، بادی النظر مین زمین ایک بالکل ٹھوس اور سخت چیز معلوم ہوتی ہے، غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا اکثر حصہ سخت ترین فولاد سے بھی زیادہ سخت اور ٹھوس ہے، لیکن باوجود اس کے یہ ہمیشہ اینٹھتی اور کھنچتی رہتی ہے، کیونکہ اس کے اندرونی حصہ کے زبردست دباؤ کی وجہ سے اس پر برابر زور پڑتا رہتا ہے، بعض اوقات اس پر اتنا زور پڑتا ہے کہ اس کا مادہ کھنچکر ٹوٹ جاتا ہے، جیسے لوہے کی سلاخ یا کوئی لچکدار چیز زیادہ کھینچنے سے ٹوٹ جاتی ہے، اس ٹوٹنے سے جو دھماکا ہوتا ہے، اس سے زمین کے اندرونی حصہ مین وہ ارتعاش اور موجین پیدا ہوتی ہین جنکو ہم زلزلہ کے نام سے موسوم کرتے ہین،

موجین دو قسم کی ہوتی ہین، زلزلہ کی موجین انہی مین سے کسی ایک قسم کی ہوتی ہین، کچھ موجین ایسی ہوتی ہین جن کی حرکت ایک جانب سے دوسری جانب ہوتی ہے، اور کچھ ایسی ہوتی ہین جنکی حرکت آگے پیچھے ہوتی ہے، آگے پیچھے حرکت کرنے والی موجین ہر قسم کے مادہ کے اندر سے گذر سکتی ہین، خواہ وہ مادہ ٹھوس ہو، رقیق ہو

یا گیس کی شکل مین ہو، لیکن جو موجین ایک جانب سے دوسری جانب حرکت کرتی ہین وہ صرف ٹھوس مادہ مین سے گذر سکتی ہین،

زلزلہ کے وقت دیکھا جاتا ہے کہ دونون قسم کی موجین اندرون زمین کے بڑے حصہ سے گذرتی ہین، اور جب وہ سطح زمین پر نکلتی ہین تو اپنے ساتھ زمین کے اندرونی حصہ کی ساخت اور حالت کے متعلق وافر معلومات لاتی ہین، صرف اسی واقعہ سے کہ ایک جانب سے دوسری جانب حرکت کرنے والی موجین اندرون زمین کے اکثر حصہ سے گذرتی ہین، یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حصہ ٹھوس مواد سے پُر ہے، لیکن اس کے علاوہ ایک مرکزی خطہ بھی ہے، جس کے اندر ان موجون کا گذر نہین ہو سکتا، اس خطہ سے صرف وہی موجین گذر سکتی ہین جو آگے پیچھے حرکت کرتی ہین، اس طرح ہمین معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے مرکزی خطے ٹھوس نہین ہین، واقعہ یہ ہے کہ زمین کے مرکز مین ایک وزنی رقیق مادہ پایا جاتا ہے، جس کے چارون طرف ٹھوس مادہ کا خول ہے،

لیکن یہ ٹھوس خارجی خول بھی بالکل سخت نہین ہے، ہم دیکھ چکے ہین کہ یہ خول اندرون زمین کے دباؤ کا اثر برابر قبول کرتا جاتا ہے، اس پر سطح زمین کے دباؤ کا اثر بھی پڑتا رہتا ہے، سائبیریا اور شمالی ایشیا کے برفستانی خطون کے پگھلنے کا اثر بھی نمایان طور پر زمین کی ساخت پر پڑتا ہے، اسی طرح پہاڑون کے وزن کا اثر بھی پڑتا ہے، اب تک ہم پہاڑون کو محض سطح زمین کی ناہمواری سمجھتے تھے، لیکن اب ہمارا خیال یہ ہے کہ پہاڑ زمین کی پپڑی کے چند ٹکڑے ہین جو اپنے مادہ کی نوعیت مین بقیہ ٹکڑون سے زیادہ ہلکے ہین اور اس لئے زمین کے کسی اندرونی طبق پر اسی طرح تیرتے ہین جس طرح کارک پانی پر تیرتا ہے، یہ اندرونی طبق اتنا کافی سخت ہے کہ اس مین سے زلزلہ کی دونون قسم کی موجین گذر جاتی ہین، تاہم اتنا نرم و ملائم بھی ہے کہ پہاڑون کے وزن سے دب جاتا ہے، پہاڑ اس طبق پر اسی طرح تیرتے ہین جس طرح جہاز سمندر مین، پہاڑون کا وزن بارش اور تیز دھارون کی وجہ سے جو اُن کے مادہ کو بہا کر سمندر مین لیجاتے ہین کم ہوتا جاتا ہے اور وزن کی کمی کیساتھ اُن کی سطح بھی زیادہ بلند ہوتی جاتی ہے، جس طرح کسی جہاز کا زیرین حصہ وزن کم ہو جانے کے بعد کچھ اوپر آجاتا ہے،

ان تمام باتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین کوئی سخت اور ٹھوس چیز نہین ہے، بلکہ ایک نرم اور ملایم شے ہے، جو ہمیشہ بدلتی اور اثر قبول کرتی رہتی ہے، اور ضرور اس کی تاریخ کا ایک قدیم تر عہد بھی رہا ہوگا جب یہ اس وقت سے بھی زیادہ اثر پذیر تھی، کیونکہ ہمین زلزلہ کی موجون سے معلوم ہوتا ہے کہ جو مادے زمین کے مرکز کے قریب ہین وہ اُن مادون سے زیادہ وزنی ہین جو اس کی سطح کے قریب ہین، اس کے مرکز کا اکثر حصہ غالباً لوہے سے مرکب ہے اور اس کی سطح چند ہلکے مادون سے بنی ہے، مثلاً آکسیجن، سیلیکون، اور الیومینیم،

یہ صورت حال محض اتفاقی نہین ہو سکتی، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو مادے زیادہ وزنی تھے وہ تہ مین ڈوب گئے تھے، اور جو زیادہ ہلکے تھے ابھر آئے تھے، زمین کے اندر کے موجودہ حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک قدیم تر دور سے بھی گذر چکی ہے، جب کہ مادے اُبھرتے اور تہ نشین ہوتے تھے، یہ بات تقریباً مسلم ہے کہ زمین شروع مین گیس کا ایک گرم کرہ تھی جو ابتداءً آفتاب سے علیحدہ کر لیا گیا تھا، رفتہ رفتہ گیس کا یہ گرم کرہ ٹھنڈا ہوتا گیا اور ٹھنڈا ہوتے وقت پہلے رقیق ہوا اور پھر ٹھوس ہوگیا، جو پرت سب سے اوپر تھے وہ قدرۃً سب سے پہلے سرد ہوئے، لہذا تسلیم کرنا پڑیگا کہ ایک وقت ایسا بھی تھا جب ایک سرد ٹھوس پرت زمین کے اوپر بننا شروع ہوئی تھی اور زمین کے اندر کا تیز گرم مادہ اُس وقت تک رقیق اور شاید کسی حد تک گیس کی شکل مین تھا، اس کے بعد اندر کا حصہ سرد ہونے لگا ہوگا، اور سرد ہونے کی حالت مین پہلے سکڑا ہوگا اور پھر اس نے باہر کی ٹھوس پرت کو چھوڑ دیا ہوگا، یہ حصہ اندر کی رقیق پرتون پر بیٹھ گیا ہوگا، اور ایسی حالت مین بالائی سطح پر شکنین پڑ گئی ہونگی، ماہرین ارضیات کا خیال ہے کہ پہاڑی سلسلون کی تعمیر یون ہی ہوئی ہے، وہ زمین کی پرت مین گویا تہین اور شکنین ہین،

زمین کی عمر کا اندازہ اس مثال سے ہو سکیگا، زمین کی عمر کو پانچ سو صفحون کی ایک کتاب فرض کیجئے اس کتاب کا ہر نقطہ کم سے کم دس ہزار سال کے برابر ہوگا، نسل انسانی اس کتاب کے سب سے آخر صفحہ پر بہت نیچے دکھائی دیگی، تمام انسانی تہذیب اس کے آخری نقطہ مین محدود نظر آئیگی اور تمام عہد عیسوی اس کے آخری حرف مین، اور ایک انسان کی پوری زندگی آخری نقطہ اختتام سے بھی کم مین،

کرۂ ارض کی تاریخ بھی ایک نہایت دلچسپ افسانہ ہے، ہم دیکھتے ہین کہ زندگی کے اول اول نمودار ہونے سے کرورون برس پہلے سے زمین ٹھنڈی ہو رہی ہے اور اس مدت سے بھی کرورون برس پیشتر سے موجود ہے، اس کے بعد ہم زندگی کو اس کی بالکل سادہ اور ابتدائی شکلون مین پاتے ہین، سب سے پہلے یہ صرف پانی تک محدود نظر آتی ہے، تقریباً چار سو ملین برس پہلے جمادات دکھائی دیتے ہین، پھر رفتہ رفتہ نباتات سطح زمین پر پھیلنا شروع ہوتے ہین اور ان کے بعد حیوانات نمودار ہوتے ہین جو پہلے نباتات سے اپنی غذا حاصل کرتے ہین اور پھر خود ایک دوسرے کو کھانے لگتے ہین، تقریباً دس کروڑ برس ہوئے زمین پر بڑے بڑے حشرات الارض کا قبضہ تھا، ان مین سے بعض نوے فٹ لمبے اور چالیس پچاس ٹن وزنی تھے، لیکن اپنی جسامت کے باوجود وہ تنازع للبقاء کی کشمکش مین بالآخر ناکام رہے، اور انسان نے اُن کی جگہ اپنا تسلط قائم کر لیا،

زندگی کے حالات مین پچھلے پچاس سالون کے اندر جو تبدیلیان واقع ہوئی ہین وہ ان تبدیلیون سے کہین زیادہ ہین جو زمین کی ابتدائی زندگی کے پچاس ملین سالون مین پیش آئی تھین، اگر پچاس برس کی مدت مین یہ حالات اس درجہ بدل گئے ہین، تو آیندہ پچاس ملین سال کی مدت مین اُن مین کتنا تغیر واقع ہو جائیگا؟ کیا نسلِ انسانی کسی ایسی حیرت انگیز شکل مین تبدیل ہو جائے گی کہ ہم اس وقت اسکا تخیل بھی نہین کر سکتے، یا پھر روئے زمین سے بالکل غائب ہی ہو جائے گی، مثل اُن عجیب و غریب جانورون کے جو پچاس ملین برس پہلے اس پر قابض تھے؟

"ع ز"

موصل اور یہان کا فرقۂ یزیدیہ

شیخ تقی الدین ہلالی مراکشی دار العلوم ندوۃ العلماء مین عربی علم ادب کے استاذ تھے، اب عراق مین بسلسلۂ درس و تدریس مقیم ہین، انھون نے عراق کے مشہور شہر موصل کی سیر کی ہے، اور وہان کی مذہبی علمی اور اخلاقی حالت پر اخبار الفتح مین ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے، جس کی تلخیص حسب ذیل ہے،

موصل نہایت قدیم شہر ہے، حضرت یونس علیہ السلام نے یہین اپنا فرض رسالت ادا کیا تھا، اسوقت

نینوی کے آس پاس کی آبادی کو ملاکر وہان کے باشندون کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے زیادہ تھی، لیکن اسوقت صرف شہر کی آبادی قریب قریب اسی قدر ہے، اس کے علاوہ اس کے آس پاس بہت سے دیہات ہین، جہان بہت سے لوگ آباد ہین،

موقع یہ شہر بغداد کے شمال غربی جانب ۲۰۰ میل کے فاصلے پر آباد ہے، اور یہ مسافت موٹر پر ۹ سے لیکر ۱۱ گھنٹے مین طے ہوتی ہے، شہر دجلہ کے مغربی کنارے پر واقع ہے، اور شہر نینوا اور اسکی فصیل دوسرے کنارے پر ہے، اور تقریبًا ایک سال سے وہان نہایت قیمتی آثار دریافت ہورہے ہین،

باشندے موصل کے زیادہ تر باشندے تو مسلمان ہین، لیکن مختلف مذاہب کے عیسائی اور تھوڑے سے یہودی بھی یہان آباد ہین، تیاری جنکو انوری کہتے ہین زیادہ تر شہر کے گرد اپنے مخصوص دیہاتون مین رہتے ہین، موصل کے باشندے صورت اور سیرت دونون مین اہل عراق سے بالکل مختلف ہین، ملک کی برودت کی وجہ سے ان کا رنگ نہایت سرخ وسفید ہے، ان کے اخلاق مین نہایت نرمی پائی جاتی ہے، لیکن جب ان کے مذہب اور عزت پر حملہ کیا جاتا ہے تو وہ نہایت سخت ہوجاتے ہین، فیاضی، شگفتہ روئی اور انس ومحبت ان کے فطری خصائل ہین، مذہب اور عزت کے معاملے مین نہایت غیور ہین، دعوتِ حق کو نہایت سرعت کیساتھ قبول کرتے ہین، اپنے مذہب کو گران سے گران قیمت پر بھی فروخت نہین کرتے، عراق کے اطراف مین جو شہر ہین ان مین عام طور پر بدزبانی پھیلی ہوئی ہے، لیکن یہ لوگ اپنی زبانون کو گالی گلوج سے آلودہ نہین کرتے،

مذہبی پابندی اُن کی مذہبی پابندی کے متعلق صرف اس قدر بیان کردینا کافی ہے کہ ہندوستان کے علاوہ مین نے اور کسی شہر مین یہ نہین دیکھا کہ پبلک باغات مین نماز کی جماعت قائم ہوئی ہو، لیکن موصل اس سے مستثنٰی ہے، کیونکہ مین جادۂ حلب (حلب روڈ) پر ایک قہوہ خانے مین چند علماء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ دفعۃً مؤذن نے قہوہ خانے کے باغ مین "اللہ اکبر اللہ اکبر" کی آواز دی، ابھی اس کی اذان ختم بھی نہین ہونے پائی

تھی، کہ قہوہ خانے سے لوگ اُٹھ کر ایک مقام کی طرف بڑھے جہان چٹائیان بچھی ہوئی تھین، اور دم بھر مین یہ جگہ اس قدر بھر گئی کہ بعض لوگون کو واپس آنا پڑا، ایک مقرر شدہ امام نے سب کو نماز پڑھائی، اور نماز پڑھنے کے بعد سب کے سب واپس آئے، اور علمی و تجارتی گفتگو مین نہایت متانت و سنجیدگی سے مشغول ہو گئے، نہ کسی قسم کا شور ہوا، نہ کسی قسم کا غل،

اہل موصل کی پاکبازی کی یہ کیفیت ہے کہ راستے مین کہین بے حجاب عورتین نظر نہین آتین، صرف مسلمان عورتون ہی کی تخصیص نہین بلکہ عیسائی عورتون کا بھی یہی حال ہے، شراب کے متوالے کہین نہین دکھائی دیتے، خدا اور خدا کے مذہب کو کبھی برا بھلا نہین کہا جاتا، حالانکہ بغداد مین اس قسم کے ناشائستہ کلمے عام ہین، اور باہمی لعن وطعن کا تو کچھ پوچھنا ہی نہین، لیکن موصل مین گاڑیبان تک بھی جو نہایت بدزبان ہوتے ہین، اس قسم کے الفاظ استعمال نہین کرتے،

خصائل عربی مذہب کے بعد اہل موصل نے سب سے زیادہ بدویانہ خصائل کو محفوظ رکھا ہے، ان خصائل مین فصاحت، شجاعت، فیاضی، مروت وحیا، وغیرہ خاص طور پر اُن مین موجود ہین، عراق کی زبان مین ہندی اور فارسی الفاظ کی جو کثرت اور لب ولہجے کی جو خرابیان عام طور پر پائی جاتی ہین، اُن سے اہلِ موصل کی زبان بالکل خالی ہے، صرف بعض حروف کے لہجے مین یہ خرابی پائی جاتی ہے،

علما، اور طلبہ موصل کے علما، درس وتدریس مین نہایت مستعدی کیساتھ مصروف رہتے ہین، طلبہ کی زیادہ تر تعداد مالی اعانتون سے بے نیاز رہتی ہے، نہ یہ شہر کے باشندون سے طالب امداد ہوتے، نہ اُن اوقاف سے فائدہ اٹھاتے، جنکا منافع دولتمند لوگ ناجائز طور پر اپنے اوپر صرف کرتے ہین، باوجود اس کے طلب علم مین ہمہ تن مصروف رہتے ہین، ایک عالم نے بہت سی تکلیفین برداشت کر کے اہلِ موصل کو طریقۂ اسلف کی دعوت دی، اور بدعات سے روکا، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگون کے خیالات سدھر گئے، اور ایک خاص متبع سنت جماعت پیدا ہو گئی،

شبان المسلمین یہان نوجوان مسلمانون نے ایک انجمن شبان المسلمین قائم کی ہے، جس مین لوگ نہایت کثرت سے

شریک ہو رہے ہین، لیکن اس شرکت کا مقصد شطرنج، ٹینس اور دوسرے تفریحی مشاغل نہین ہین، اس لئے توقع ہی کہ آیندہ چل کر اس سے نہایت عمدہ مذہبی اور اخلاقی فوائد حاصل ہونگے،

یزیدی فرقہ یہان ایک فرقہ یزیدیہ موجود ہے، جو عرف عام مین یہان "عبدۃ الشیطان" یعنی شیطان کا پوجاری کہا جاتا ہے، جس کی اجمالی تاریخ یہ ہے کہ یہ لوگ عربی النسل ہین، اور خاندان بنو امیہ سے تعلق رکھتے ہین، یزید ابن معاویہ ان کے ہان افضل الانبیاء ہے، ابن تیمیہ کے زمانے تک یہ لوگ شیخ عدی ابن مسافر کے طریقہ کے پیرو تھے اور ابن تیمیہ نے اُن کو اس طریقہ کی بدعات سے روکنا چاہا تھا، لیکن بعد کو ان کے شیوخ کی جہالت بڑھتی گئی، اور وہ ابتک بھی وہ لوگ روز بروز گمراہ ہوتے گئے، معلوم ہوتا ہو کہ عراق کے غالی شیعون کے مقابلہ مین عدی بن مسافر اموی نے یہ جماعت بنائی جو رفتہ رفتہ اس قدر دور جا پڑی، مجھے اس جماعت کے شیخ سے اس مرتبہ ملنے کا اتفاق ہوا، وہ نہایت اخلاق سے پیش آیا، گفتگو کا موضوع فرقۂ یزیدیہ تھا، اس مین اس کے جو عقائد و اعمال معلوم ہوے وہ ملخصاً حسب ذیل ہین

۱- یہ لوگ قرآن مجید کو مانتے ہین اور اس کو پڑھتے ہین، لیکن احکام قرآنی کی پابندی نہین کرتے،

۲- انبیاء کے منکر نہین ہین، لیکن یزید بن معاویہ کو اپنا خاص پیغمبر مانتے ہین اور اس کو افضل الانبیاء سمجھتے ہین،

۳- یہ لوگ ابلیس کی عبادت کرتے ہین، مور کی شکل مین اسکا بت بناتے ہین، اس کے سامنے قصائد جو انکی کتاب مقدس مین ہین پڑھتے ہین، اور اس کے لئے مذہبی مجلسین کرتے ہین، محافل و معابد کے لئے بہت سے اوقاف ہین،

۴- ان کا ایک شیخ ہوتا ہے، جس کا کام پڑھنا لکھنا اور اس گروہ کی تاریخی کتابون کی حفاظت کرنا ہے، اس شیخ کے علاوہ ہر شخص پر پڑھنا لکھنا حرام ہے، وہ صرف اپنی بڑی اولاد کو تعلیم دے سکتا ہی تاکہ وہ اسکا جانشین ہو سکے،

۵- ایک امیر ہوتا ہے جو ان لوگون پر خود مختارانہ حکومت کرتا ہی، سلطنت انکے اندرونی معاملات مین مداخلت نہین کرتی،

۶- ایک قوال ہوتا ہی جو امام نماز کے فرائض انجام دیتا ہی یعنی قصائد پڑھتا ہی، اور نماز مین گانے والی جماعت کی امامت کرتا ہے،

عراق مین اُن کی تعداد ۲۰ ہزار ہے، اور شام کے بعض اطراف مین بھی اُن کی ایک جماعت ہے، اور ان کے خیال مین دنیا کے اور حصون مین بھی ان کے ہم مشرب موجود ہین، یہ لوگ کسی فرقہ کو برا نہین کہتے۔ "ع"

اخبار علمیہ

عراق اور مصر کے اہم اکتشافات

گذشتہ سال شکاگو یونیورسٹی (امریکہ) کی ایک جماعت عراق کے قدیم شہر خورس آباد مین آثار قدیمہ کی دریافت و تحقیق مین مصروف تھی، وہان اُس نے چند ایسی چیزین برآمد کین جو تاریخی حیثیت سے بہت اہمیت رکھتی ہین، ان مین سب سے زیادہ اہم ایک تختی تھی جس پر سنہ ۲۴۰۰ سے سنہ ۶۵۰ قبل مسیح تک کے تمام اسیرین بادشاہون کے نام ترتیب وار درج تھے، اس تختی کی دریافت سے پہلے ان بادشاہون کا نام تاریخی ترتیب کیساتھ معلوم نہ تھا، معارف کی کسی گذشتہ اشاعت مین اس اہم اکتشاف کی خبر شایع ہو چکی ہے، امسال شکاگو یونیورسٹی کی مہم نے خورس آباد کا ایک نیا حصہ برآمد کیا ہے، یہ عظیم الشان شہر آٹھوین صدی قبل مسیح مین اسیرین قوم کے ایک بڑے تاجدار سارگن ثانی (Sargon II) کا پایۂ تخت تھا جس نے اپنا مرکز حکومت نینوا کے قدیم شہر سے منتقل کرکے یہان قائم کیا تھا، لیکن سارگن ثانی کی وفات پر اس کے جانشین نے نینوا کو پھر دار السلطنت بنالیا اور خورس آباد رفتہ ویران ہوکر ریگستان کی خاک مین دفن ہوگیا،

امسال اس شہر کے جو آثار کھود کر نکالے گئے ہین اُن مین سب سے زیادہ نمایان ایک قلعہ ہے جس کے پھاٹک پر بہت خوبصورت کام بنا ہوا ہے، پھاٹک کے دونون طرف پتھر کے دو نہایت عظیم الشان پردار بیل بنے ہوئے ہین، جنکا چہرہ انسانی چہرہ سے مشابہ ہے، یہ بیل اسیرین کلچر کے خاص نمونے ہین، یہ تیرہ فٹ لمبے اور تیرہ فٹ اونچے ہین اور ہر ایک کا وزن بیس ٹن ہے، دونون بالکل محفوظ حالت مین پائے گئے ہین، انہی سے متصل دو پردار دیوون کی تصویرین ہین، جو پتھر مین کھود کر بنائی گئی ہین، یہ دیو بیلون پر تیل کی مالش کر رہے ہین، سارگن کے قدیم محل سے باہر ایک بڑا معبد بھی

پایا گیا ہے، جو سڑک کی سطح سے (۲۵) فٹ اونچے چبوترے پر بنا ہوا ہے، یہ معبد نابو د (NABU) کے نام سے موسوم تھا، جو اُس عہد مین مورخین اور مصنفین کا خدا سمجھا جاتا تھا[1]، اس معبد مین (۴۵) سے زیادہ کمرے ہین، اور انہی مین سے ایک کمرہ مین وہ تختی پائی گئی تھی جس پر اسیریا کے بادشاہون کے نام کندہ ہین، قلعہ کی دو اور عمارتون کے بھی کچھ حصے کھود کر نکالے گئے ہین، لیکن ابھی یہ صحیح طور پر نہین معلوم ہو سکا ہے، کہ ان عمارتون کا استعمال کیا تھا،

عراق کے مذکورۂ بالا اکتشافات کے علاوہ حال مین مصر سے متعلق بھی نہایت اہم معلومات حاصل ہوئے ہین، برطانیہ کے مشہور ماہر اثریات مصر سر فلنڈرس پٹری (Sir Flinders Petrie) نے رسالہ "نیچر" کی ایک قریبی اشاعت مین ان نو دریافت شہادتون کا ذکر کیا ہے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصر پر قاف کے باشندون نے کم سے کم چھ بار حملے کئے، ان مین سے پہلا حملہ اسوقت ہوا جب مصر اپنی تہذیب کے ابتدائی دور مین تھا، اور آخری حملہ موصوف کی رائے مین سلطان صلاح الدین کے زمانہ مین ہوا، غزہ مین سر فلنڈرس نے جو آثار قدیمہ برآمد کئے ہین ان مین ایک خاص قسم کے خنجر اور چند ایسی چیزین بھی ملی ہین جو قاف اور بحر کاسپین کے ملحق علاقون کی مخصوص چیزین ہین، غزہ جنوبی فلسطین مین واقع ہے، لیکن غزہ اور مصر کی تاریخ مین ہمیشہ بہت قریبی تعلق رہا ہے، اور وہان کے آثار سے یہ انکشاف ہو گیا ہے کہ غزہ قوم ہائکسوس (Hyksos) کا ایک عظیم الشان شہر تھا[2]، یہ جنگجو سوار سر فلنڈرس کی تحقیق کے مطابق، بحر کاسپین کے نشیبی علاقون سے نکل کر لڑتے ہوئے مغرب کی جانب شام مین داخل ہوئے اور وہان سے جنوب مین غزہ پہنچے، غزہ مین کچھ دنون قیام کرنے کے بعد ۱۶۰۰ قبل مسیح کے قریب وہ مصر مین داخل ہوئے اور "راعی سلطان" (Shepherd King) کے لقب سے مصر کے تخت پر قابض ہوگئے، سر فلنڈرس نے لکھا ہے کہ مصر پر باشندگان قاف کے متعدد حملون کی تصدیق مصری قصص الاصنام (mythology) خصوصاً مشہور کتاب "الموتیٰ"

---

[1] معارف :- یہ وہی نابو ہے جسکا معروف نام عطارد ہے، جسکو اسی لئے دبیر فلک اور منشی فلک کا لقب دیا جاتا ہے، جو آج تک قصیدہ نویس شعراء کی زبانون پر جاری ہے،

[2] معارف :- قوم ہائکسوس کا قاف سے متعلق ہونا ایک نیا نظریہ ہے جو بہت کچھ محتاج ثبوت ہے، ہائکسوس بدوی عرب تھے، اس کے دعویٰ کے دلائل ارض القرآن جلد اول مین مذکور ہین،

سے بھی ہوتی ہے، مثلاً مصر مین مردون کے خدا اوسائرس (Osiris) کا پایۂ تخت اکریت (Akrel) تھا اور قاف کا یونانی پایۂ تخت اکریلیکے (Ekrelike) تھا، مصریون کی مقدس اور زرخیز سرزمین وادی ایارو (Iaru) تھی جس کے متعلق بیان کیا جاتا تھا کہ اس مین آگ کی بڑی بڑی جھیلین ہین، قاف کی زرخیز وادی کا نام آیورا (Iora) ہے، اس مین پٹرولیم کے چشمے ہین، اور ممکن ہے کہ قدیم زمانہ مین آگ کی جھیلین بھی رہی ہون،

امریکہ مین جرائم کی کثرت

امریکہ اپنی اعلیٰ "تہذیب" کے علاوہ جرائم کی کثرت کے لحاظ سے بھی دنیا کے "متمدن" ممالک مین ایک خاص امتیاز رکھتا ہے، وہان نئے نئے جرائم جس تیز رفتاری کے ساتھ پیدا ہو رہے ہین اسکی نظیر کسی دوسرے ملک مین مشکل ہی سے ملیگی، ان جرائم کی کثرت کا اندازہ بارہ ۱۲ ارب ڈالر کی خطیر رقم سے ہوتا ہے، جو حسب روایت لٹریری ڈائجسٹ (۲۲ر اکتوبر ۳۲ء) ریاستہائے متحدہ مین انسداد جرائم کے مصارف کا سالانہ اوسط ہے، ہر سال جرائم کی روک تھام مین اتنی کثیر رقم کے صرف کرنے کے باوجود ان مین روز بروز ترقی ہی ہوتی جاتی ہے اور یہ مسئلہ قوم کے لئے ایک نہایت اہم مسئلہ بن گیا ہے، چنانچہ اٹرنی جنرل ہومر کمنگز (Homer S. Cummings) کی تحریک سے واشنگٹن مین ایک قومی کانفرنس منعقد ہونے والی ہے، جسکا اجلاس ۱۰ ر دسمبر سے ۱۳ ر دسمبر تک ہوگا، اس کانفرنس مین صدر امریکہ تقریر کرینگے، اس کی شرکت کے لئے تمام ریاستون کے گورنرون کو دعوت دی گئی ہے، نیز تمام قومی انجمنون مثلاً قانونی، طبی، عمرانی، سائنٹفک، تعلیمی، مذہبی، صحافتی، وغیرہ وغیرہ کو دعوت نامے بھیجے گئے ہین، اس کانفرنس کا مقصد یہ ہے کہ تمام سرکاری اور غیر سرکاری حلقے متحد ہو کر انسداد جرائم کی تحریک کو کامیاب بنانے کی کوشش کرین، اور باہمی اشتراک عمل سے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرین جس سے یہ مقصد پوری طرح حاصل ہو سکے، کیونکہ یہ بات اب عام طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ گھر، کلیسا، اور مدرسے جرائم کی روک تھام مین ناکام ثابت ہوئے، اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے پروفیسر کینٹر (N. CANTOR) نے فرمایا کہ انسان اپنے لئے جو راہ عمل اختیار کرتا ہے، اس مین دخل زیادہ تر اتفاق کو ہوتا ہے نہ کہ ذاتی پسند کو، چنانچہ موصوف کی رائے ہے کہ مجرم صرف اسلئے مجرم ہے کہ اُس کے ماحول اور گرد و پیش کے حالات نے اُسے جرم کرنے پر مجبور

کیا ورنہ حقیقۃً اس کی یہ زندگی نہ خدا کی مرضی کے مطابق ہے اور نہ شیطان کے وسوسہ کی بنا پر،

حال تک یہ خیال عام طور پر پھیلا ہوا تھا کہ جرائم کا اصلی گہوارہ بڑے بڑے شہرون کی تنگ و تاریک گلیان ہین اور اسی بنا پر امریکہ مین ایسی گلیون کو ویران اور اُن کے مکانات کو مسمار کر دینے کی ایک عام تحریک جاری ہو گئی تھی، لیکن اسی سلسلہ مین ان گلیون کی تحقیق کرنے والے اس نتیجہ تک پہنچے ہین کہ ماحول لازمی طور پر جرائم کا باعث نہین ہوتا، انکی تفتیش و تحقیق سے یہ غلط فہمی دور ہو گئی ہے کہ جرائم صرف ایسی گلیون ہی مین پیدا ہوتے ہین یا مجرم صرف اپنے ماحول ہی سے مجرم بنتا ہے، انھون نے اعداد و شمار سے ثابت کیا ہے کہ حال کے بڑے بڑے مجرم زیادہ تر دیہاتی رقبون یا شہر کے متمول حصون کے رہنے والے تھے، وہ ماحول کی اہمیت کو نظر انداز نہین کرتے لیکن ان کا خیال ہے کہ جرائم مین انسان کی ذاتی فطرت کو بہت کچھ دخل حاصل ہے،

دنیا کی سب سے بڑی دوربین

اسوقت دنیا کی سب سے بڑی دوربین رصد خانہ ماؤنٹ ولسن کیلیفورنیا (امریکہ) مین ہو، اسکے شیشہ کا قطر ۱۰۰ سو انچ ہو، جب یہ دوربین تیار ہوئی تھی اسوقت بہت کم لوگون کو خیال تھا کہ کوئی اس سے بھی بڑی دوربین بنائی جا سکتی ہو، لیکن اس دوربین نے کائنات کا جو وسیع حصہ آنکھون کے سامنے کر دیا اس سے ہیئت دانون کا حوصلہ اور بڑھ گیا، اور چند سال ہوئے امریکن ہیئت دانون کی ایک جماعت بعض جرمن اور انگریز ہیئت دانون کی مدد سے ایک ایسی دوربین کا نقشہ تیار کرنے بیٹھی جسکے شیشہ کا قطر ۲۰۰ دو سو انچ ہو، حال مین یہ اطلاع شائع ہوئی ہو کہ نیویارک کے ایک کارخانہ (CORNING GLASS WORKS) نے اتنا زبردست شیشہ تیار کر لیا ہو اور اوسکا وزن ۲۰ بیس ٹن ہو، اسی پیمانہ کا ایک دوسرا قرص بھی عنقریب تیار کیا جانے والا ہو تاکہ اگر پہلے قرص مین کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو یہ دوسرا دوربین مین لگا دیا جائے، اس دوربین کو نصب کرنے کیلئے ماؤنٹ ولسن کے قریب کسی پہاڑی پر ایک دوسرا رصد خانہ تعمیر کیا جائیگا جسکے مجموعی اخراجات کا تخمینہ دس لاکھ پونڈ سے زیادہ کیا جاتا ہو، موجودہ سب سے بڑی دوربین سے جتنی دور دیکھا جا سکتا ہو، یہ نئی دوربین اس سے چوگنا زیادہ دور دیکھ سکیگی، سو انچ قطر والی دوربین سے تقریباً (۱۵۰۰۰۰۰۰۰۰) ستارے دیکھے جا سکتے ہین، اور انکی تصویر لی جا سکتی ہو، لیکن اس نئی دوربین کی تیاری کے بعد توقع کیجاتی ہے کہ یہ تعداد (۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰) تک پہنچ جائیگی،

"ع ز"

ادبیات

کلامِ امجد

از

حکیم الشعرا جناب امجد حیدرآبادی

حاملِ بارِ امانت، ظالم و جاہل بنا
اللہ اللہ مجھ سا نا قابل بھی اس قابل بنا،
عشق کا خنجر، رگِ جاں پر لگا روزِ ازل
ایک قطرہ خون کا اس سے ٹپک کر دل بنا
تُعرف الاشیاء بالاضداد" یہ ثابت ہوا
ذاتِ حق کی معرفت کے واسطے باطل بنا
آج، جو کرتا ہوں میں، پاتا ہوں کل اسکی جزا
ماضیء افعال ہی سے میرا مستقبل بنا
مل ہی جائے گا کوئی ہمدرد آخر! ایک دن
پہلے اپنے دل کو امجد! درد کے قابل بنا

مشرق و مغرب

از جناب اسد ملتانی

پوچھا یہ میں نے ایک حکیمِ فرنگ سے
انصاف کا یہ کونسا معیار ہے کہ یوں
مغرب کی پستیوں کو کہا جائے سر بلند
مشرق کی رفعتوں کو کیا جائے سرنگوں
مغرب میں جس کو جذبۂ ملت قرار دیں
مشرق میں ہو وہی تو کہیں مذہبی جنوں
مغرب میں ہو قتال تو وہ جہد للبقا
مشرق میں ہو جہاد تو بیہودہ کشتِ خوں
مغرب میں فتنہ گر کو بھی آزادیٔ زباں
مشرق میں راست گو کی بھی اک حرفِ نا گفتنی

مغرب میں وہم و خبط کی بھی قدر دانیاں
مشرق میں علم و فضل کی قسمت بھی واژگوں
مغرب مین داستان بھی تاریخ کا مواد
مشرق میں واقعات بھی افسانہ و فسوں
مغرب میں تو ہوس بھی ہو فطرت کا اقتضا
مشرق میں جوشِ عشق بھی ٹھہرے فسادِ خوں
مغرب میں شغلِ رقص بھی تہذیب کا نشاں
مشرق میں وحشیانہ ہر اک حرکت و سکوں
بوے نہیں یہ مشرق و مغرب کا امتیاز
ہے یہ تو صرف سطوتِ ظاہر کا اک فسوں

طاقتوروں کی عقل کے معیار میں اسند
کمزور کو کہاں ہے مجالِ چرا و چوں

حقیقتِ مسلم

از جناب محمد سعید ہوشیارپوری،

جو بوالہوس ہیں، وہ مجکو سمجھ نہیں سکتے
شہید ناز ہوں میں کشتۂ وفا ہوں میں،
زمانہ لا نہ سکا جس کی تابِ جولانی،
اسی مجاہدِ اعظم کا نقشِ پا ہوں میں،
محالِ عقل ہے عالم سے میرا مٹ جانا،
کہ آفرینشِ عالم کا مدعا ہوں میں،
میں بے نیاز ہون قطع و برید کے غم سے
جو راست ہے قدِ فطرت پہ وہ قبا ہوں میں
میں ترجمانِ حقیقت ہوں رازِ استقلال
تغیرات کی حد سے نکل چکا ہوں میں،
مرے مقام سے اونچا نہیں کسی کا مقام
کمالِ اوج ہون رفعت کی انتہا ہوں میں
جو کہہ رہا ہوں میرے پاس اسکی حجت ہے
مآلِ کار کو گویا کہ دیکھتا ہوں میں
کروں گا مشرق و مغرب کو پھر میں زیرِ نگیں
زمانہ دیکھ ہی لے گا جو کہہ رہا ہوں میں
میرے محاذ سے کہہ دو ہوس پرستوں کو
کھڑے ہوں ہٹ کے کہ اک تیرِ بے خطا ہوں میں
میری گرفت سے دنیا نکل نہیں سکتی،
زبانِ وقت بتا دے گی ہاں! کہ کیا ہوں میں

تابشِ سہیل،

از جناب اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے (علیگ) ایڈوکیٹ اعظم گڈھ،

فطرت کریگی شاید تجدید رنگ و بو کی
قربانگہِ محبت جو یا ہے پھر لہو کی
اللہ ری بہارین فردوسِ آرزو کی
خلوتکدے مین دل کے دنیا ہے رنگ و بو کی
بادِ بہار بسمل ہے کس کی جستجو کی
ہر برگِ گل حکایت ہے خونِ آرزو کی
خنجر نے کس کے دی ہے دعوت رگِ گلو کی
ہے رقص بے خودی مین جو بوند ہے لہو کی
غم ہے اساس فطرت دنیاے رنگ و بو کی
شبنم کے اشک سے ہین تر دستیان نمو کی
کیا کیجئے شکایت بے مہری عدو کی
دیکھی ہے مہربانی یارانِ فتنہ جو کی
سرشاریان نہ پوچھو آغاز آرزو کی
دل تھا کہ کوئی مینا صہباے مشکبو کی
صبحِ ازل کسی نے چھیڑا تھا نشتر سے
پسلی پھڑک رہی ہے ابتک رگِ گلو کی
دل کی بہار کیا ہے غم سے فگار رہنا
زخمِ جگر کو گل کے حاجت نہین رفو کی
کہنے کو لاکھ کہئے سنتا ہے کب کہانی
حسن گرہ برابرو عشقِ نیاز خو کی
اے کاروانِ ملت اٹھ تو بھی گامزن ہو
ہر سمت سے صدائین آتی ہین طرقوا کی
شاید حیات اسی کو کہتے ہین دہر والے
ہوتی ہے اک چبھن سی رگ رگ مین آرزو کی
اے انقلابِ گردون بہتی رہیگی کب تک
عشق وفا منش سے حسنِ بہانہ جو کی!
گم کردۂ طلب ہو اب بے نیاز منزل
اب جا کے حد ملی ہے صحراے جستجو کی
یارب وہ چشمِ فتان ساقی رہیگی تاکے
ٹکر رہیگی کب تک پیمانہ و سبو کی
سجدے بھی ناتوان کے ہوتے نہین پذیرا
فریاد کون سنتا اقبالِ تلخ گو کی

مطبوعات جدیدہ

مخزنِ شعراء، مرتبہ مولوی عبد الحق صاحب بی اے، انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد دکن ، ۲۰۰ صفحات ،

قیمت مجلد عہ، غیر مجلد ۱۲ر

یہ گجرات کے اردو زبان کے شعراء کا تذکرہ ہے، اس کے مصنف قاضی نور الدین حسین خاں رضوی فائق ہیں، زمانۂ تالیف سنہ ۱۲۸۵ھ ہی، گجرات سے اردو زبان کا تعلق اسی طرح رہا ہو جیسے دکن، پنجاب اور دلی وغیرہ سے، قدیم دکھنی شعراء کی طرح گجراتی شعراء کی تصنیفات و دواوین بھی گجراتی اردو میں ہیں، معارف میں کبھی کبھی گجراتی شعراء کا تعارف کرایا گیا ہو، اس زمانہ میں اگرچہ گجرات میں "گجراتی زبان" یہاں کی ملکی زبان سمجھی جاتی ہو اور یہاں سے اردو شعر و سخن کا چرچا اٹھتا جاتا ہو، مگر مخزنِ شعراء کو دیکھ کر حیرت ہوئی، کہ بارھویں اور تیرھویں صدی ہجری میں گجرات میں اردو زبان ایسی شُستہ تھی جیسے اردو کے دوسرے مرکزوں کی زبان، مصنف مخزنِ شعراء نے قدیم گجراتی شعراء کا تذکرہ نظر انداز کر دیا ہی، اور بارھویں صدی کے شعراء کے صرف وہی اشعار لئے ہیں، جو "عربی و فارسی آمیز گجراتی زبان" سے پاک ہیں، اس لحاظ سے یہ حیرت کی بات ہی، کہ اس تذکرہ میں اچھے اور بلند پایہ شعراء کے کافی نام جمع ہو گئے ہیں، اور ان کے منتخب اشعار کی زبان، محاورہ اور انکی شاعری اس عہد کے دلی اور لکھنؤ کے شعراء سے کسی طرح فروتر نہیں، اور بعض ان میں بھی استاذانہ حیثیت رکھتے ہیں، کیا آج باشندگانِ گجرات متحدہ قومیت و وطنیت کے نام پر اس مشترکہ زبان پر نئے سرے سے توجہ نہیں کر سکتے، جو مدتوں اون میں پھلی پھولی اور اسکی ترقی میں اون کے اسلاف کے کارنامے اور احسانات ہیں،

تذکرہ پر حسب معمول مولوی عبد الحق صاحب کا مقدمہ ہے، اسمیں ولی کے دکھنی و گجراتی ہونے کی بحث تازہ کیگئی ہی، مقدمہ نگار کا رجحان ولی کے گجراتی ہونے کی جانب مائل ہو، اس کے قوی دلائل بھی درج کئے ہیں، کہ بعض اہل تذکرہ نے

ولی کو دکھنی لکھنے کے باوجود اسے مولداً گجراتی بتایا ہی، اور عمر کا بڑا حصہ احمد آباد میں صرف ہوتے دکھایا ہے، کہ شمالی ہند والوں کی اصطلاح میں دکھن سے مراد گجرات، اور حیدر آباد وغیرہ کا پورا خطہ تھا،

مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر، از مولوی عبدالحق صاحب بی اے، معتمد اعزازی انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن، ۱۲۳ صفحات،

یہ مولوی عبدالحق صاحب کا ایک مقالہ ہے، پہلے علی گڈہ میگزین میں چھپا تھا، اب نظر ثانی کے بعد رسالہ کی شکل میں شائع ہوا ہے، اسمیں مرہٹی زبان پر فارسی زبان کے اثرات دکھائے ہیں، یہ خیال سب سے پہلے معارف میں "مسلمانوں کے عہد میں ہندوؤں کی تعلیم" کے سلسلہ میں ظاہر کیا گیا تھا، اور اسکی طرف مختصر اشارات کئے گئے تھے، مولوی صاحب نے اپنی قابلِ قدر تحقیقات سے ان اثرات کی پوری تشریح فرمائی ہے، انھیں یوں سمجھنا چاہئے کہ مثلاً موجودہ زمانہ میں اردو زبان پر انگریزی زبان کے اثرات کا مطالعہ اگر کیا جائے تو ان اثرات کے پڑنے کے جو اسباب ہوں گے، وہی فارسی کے اثرات مرہٹی پر پڑتے گئے ہیں، مؤلف نے مرہٹی زبان کی عبارتوں، جملوں، ضرب الامثال، اور مفرد الفاظ کو علٰحدہ علٰحدہ نمونہ کے طور پر درج کرکے ان میں فارسی زبان کے اثرات کی مثالیں دی ہیں، مرہٹی زبان کے حروف عطف و ربط، مرکب مصادر، اور مشتقات میں بھی فارسی زبان دخیل نظر آتی ہی، پھر دکھایا ہی کہ مرہٹی زبان سے فارسی کے اثر کو خارج کرنے کی کوششیں شیواجی نے کیں پھر یہ تحریک تلک کے زمانہ میں اٹھی، مگر تلک نے شدومد سے اسکی مخالفت کی،

حضرت امجد کی شاعری، از جناب نصیر الدین ہاشمی مؤلف "یورپ میں دکھنی مخطوطات" جام باغ ترپ بازار حیدر آباد دکن، ۸۰ صفحات قیمت عمر

حضرت امجد حیدر آبادی کو معارف نے حکیم الشعرا کے لقب سے یاد کیا، اور ان کا یہ لقب ملک کے سنجیدہ ادبی حلقہ میں مقبول ہوا، ان کا کلام معارف کی اس اشاعت میں بھی درج ہی، اس رسالہ میں ان کی شاعری کے محاسن دکھائے گئے ہیں، اور مختلف اصناف سخن کو نمونۂ کلام کے ساتھ پیش کیا گیا ہی، ابتدا میں موصوف کے مختصر سوانح حیات درج ہیں، رسالہ

کا پیش لفظ "سر امین جنگ بہادر نے لکھا ہے،

جنگ نامۂ عالم علی خان، مرتبہ مولوی عبدالحق صاحب بی اے، ناشر انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن، ۸۰ صفحات، قیمت عہ

جس زمانہ میں دہلی کے سلاطین سادات بارہہ کے اثر و اقتدار میں تھے، نظام الملک اول کو ان سے اختلاف پیدا ہو گیا تھا، سید عبداللہ قطب الملک نے اپنے بھتیجے عالم علی خان کو اسکی سرزنش کیلئے مامور کیا، ان دونوں کی لڑائی ۱۱۳۲ھ میں پیش آئی جسمیں سید عالم علی خاں مارا گیا، یہ رسالہ اسی لڑائی کی منظوم تاریخ ہے، اس کا ناقص نسخہ مسٹر ولیم ارون نے رسالہ انڈین اینٹی کیوری بابت ماہ جنوری ۱۹۰۴ء میں انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا تھا، مصحح نے قیاسی دلائل سے اس رسالہ کے مصنف کی تعیین کی تھی، مولوی عبدالحق صاحب کو اس کا مکمل نسخہ ملا، اس کے آخری شعر میں مصنف کا نام غضنفر حسین موجود ہے جس سے مسٹر ولیم کی تحقیق کی تردید ہو گئی، جنگ کے واقعات تاریخ کی مستند روایتوں کے مطابق ہیں، اس لئے یہ دلی دکھنی کے عہد کی اردو کی ایک منظوم و مستند تاریخ ہے،

ترکوں کی اسلامی خدمات اور اُن کی زبان و ادبیات، ناشر انجمن ترقی اردو، ۱۳۵ صفحات، قیمت عمر،

ڈاکٹر جولیس جرمانس پروفیسر بداپسٹ یونیورسٹی نے جامعہ عثمانیہ میں تین خطبے ترکوں کی زبان و ادب پر دیے تھے، ان کا ترجمہ جناب سید وہاج الدین صاحب بی اے نے کیا ہے، ترکی ادبیات کی نسبت ہماری زبان میں بہت کم سامان ہے، اسلئے بھی یہ مقالہ قابل مطالعہ ہے،

خلق عظیم، از جناب قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہاروی، بہ مکان مولوی فیض الدین ایڈوکیٹ، محلہ عابد شاہ، حیدرآباد دکن، ۲۴۰ صفحے، عہر

جناب قاضی ظہور الحسن صاحب ناظم نے سیرت نبوی کے مختلف واقعات چھوٹی چھوٹی نظموں میں وقتاً فوقتاً لکھے تھے، ان کا مجموعہ خلق عظیم کے نام سے شائع کیا ہے، نظمیں سلیس اور انداز بیان دلنشیں ہے، واقعات و روایات مستند ہیں

اور حتی الوسع مبالغہ سے پاک رکھنے کی کوشش کی ہے،

گلہاے جعفری، ناشر نگار بک ایجنسی، لکھنؤ، ۴۴ صفحے، تقطیع جیبی، قیمت ۴ر

جناب مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی، ڈپٹی کلکٹر کے اشعار کا انتخاب جناب نیاز فتحپوری نے کیا ہے، دیباچہ میں دکھایا ہے کہ وہ لکھنوی شاعری کے مخالف ہیں، لیکن اثر کی شاعری کا نمایاں امتیاز یہ ہے کہ وہ لکھنوی نہیں، ان دس میں منتخب شعروں سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے،

اصنام خیالی، از جناب جلیل احمد قدوائی، ایم اے، ۲۵۱ صفحات، عہ، ناشر کتابستان نمبر ۱۷ سٹی روڈ الہ آباد،

یہ جناب جلیل احمد قدوائی کے مختصر افسانوں کا دلچسپ مجموعہ ہے، یہ افسانے مختلف رسالوں میں چھپ چکے ہیں، اون میں سے اکثر ماخوذ و ترجمہ اور بعض طبعزاد ہیں،

سمن پوش، از جناب مجنوں گورکھپوری، ۱۰۶ صفحات، عہ، ناشر ایوان اشاعت گورکھپور،

یہ جناب مجنوں گورکھپوری کے روحانیات کے موضوع پر چند مضامین اور چند افسانوں کا مجموعہ ہے، یہ مضامین لکھنؤ کے روحانیات کے رسالہ "جن" میں جس کے متعلق اس مجموعہ سے پتہ چلا کہ موصوف ہی اسکے اصل روح رواں تھے، شائع ہو چکے تھے،

دل کی رانی، از جناب فرید مچھلی شہری، ناشر ملت بک ڈپو، دہلی، قیمت ۴ر

یہ بھی اک افسانہ ہے، اسمیں ایک نوجوان برہمن کا ذات پات کی بندشوں کو توڑ کر ایک اچھوت لڑکی سے شادی کر لینے کی روداد دلپذیر انداز میں لکھی گئی ہے،

آئین برطانیہ، از جناب ڈاکٹر سید نجم الدین احمد جعفری، ایل ایل ڈی، بار ایٹ لا، ناشر باغ و بہار بکڈپو دہلی، ۴۸ صفحات، تقطیع چھوٹی، قیمت ۹ر

جناب سید نجم الدین احمد صاحب جعفری، ڈپٹی ڈائرکٹر پبلک انفارمیشن حکومت ہند نے انگلستان کی آئینی ترقیوں پر اردو کے ایک پرچہ میں ایک سلسلہ مضمون لکھا تھا، اُسے اب آئین برطانیہ کے نام سے رسالہ کی شکل میں شائع کیا ہے،

اس میں حکومت انگلستان کے آئین، اسکی ترتیب، انگلستان کی سیاسی جماعتوں اور دستوری ترقیوں پر اختصار کے ساتھ عام فہم انداز میں روشنی ڈالی ہے، اس رسالہ کے پڑھنے سے ہندوستان کے سیاسی حالات کے سمجھنے میں بھی امداد ملے گی،

قانون وقف علی الاولاد، مرتبہ جناب محمد اسمٰعیل حنفی ایڈوکیٹ میرٹھ، ۲۰ صفحات، قیمت ۸؍

اس رسالہ میں قانون وقف علی الاولاد (ایکٹ نمبر ۶ سنہ ۱۹۱۳ء) کا پورا ترجمہ مع تشریح درج ہی، ابتدا میں اس قانون کے عالم وجود میں آنے کی تاریخ اور اس کے مقاصد و فوائد سمجھائے گئے ہیں، تعجب ہے کہ اس میں علمائے ہند کی ان مساعی کا تذکرہ نہیں آیا، جو مولانا شبلی مرحوم کی سرکردگی میں انجام پائیں، کہ مسٹر جناح تو اس کو اسمبلی میں پاس کرانے والے تھے، لیکن ابتداءً اسکی تحریک کرنے اور قوم و ملک سے اس کی حمایت حاصل کرنے کی تمام کوششیں ندوۃ العلماء لکھنؤ ہی نے انجام دی تھی،

اقوال الشریفیہ فی نکات الکلمۃ الطیبہ، (حصہ اول) از مولوی شاہ محمد سلیم اللہ صاحب صابری، محلہ پہاڑپور، اعظم گڈھ، ۲۲۴ صفحے قیمت :- عاؔر

یہ رسالہ بریلوی جماعت کے بعض عقائد کے اثبات میں ہے، مثلاً آنحضرت صلعم کی بشریت سے انکار، قیام میلاد کا جواز، روحوں کا مکانوں میں نذر قبول کرنے کیلئے آنا، عرس و اعراس کا جائز ہونا، فاتحہ و نیاز کا احادیث، سنن اور صالحین کے اقوال سے ثابت ہونا دکھایا گیا ہے، اور محدثین دہلی و علماے دیوبند کے فتاویٰ کے رد کرنے کی کوشش کیگئی ہی، ثبوت کی اکثر حدیثیں موضوع، متروک اور ضعیف ہیں، مستند اور صحیح حدیثیں بھی دعوی کے ثبوت میں درج ہیں، لیکن ان کا نفس دعوی سے دور کا بھی واسطہ نہیں، شاہ صاحب نے ضمناً اپنے واردات بھی لکھے ہیں، مثلاً انکا ۱۳۲۸ھ میں کلیر میں حضرت مخدوم صابر سے "دعائے حیدری شریف" کی تعلیم و تلقین حاصل کرنا، رسالہ اس لحاظ سے لائق تعریف ہے کہ مناظرات میں ہونے کے باوجود اس کا لب ولہجہ نرم اور شیریں ہے، رسالہ کی زبان قدیم وضع کی ہی،

المسیح الدجال و یاجوج و ماجوج

از مولانا محمد علی صاحب، ایم اے امیر جماعت احمدیہ"

احمدیہ بلڈنگ لاہور، ۱۰۰ صفحے، قیمت مع محصول ۵ر

کتب احادیث میں "مسیح موعود" کے پہلو بہ پہلو "مسیح دجال" کی حدیثیں بھی لکھی ہوئی ہیں، اور ان دونوں کے ظہور کا زمانہ ایک ہی بتایا گیا ہے، اسلئے جب ایک جماعت نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے مختلف دعاوی میں سے ایک دعویٰ یعنی ان کے مسیح موعود ہونے کو تسلیم کر لیا، تو لازماً مسیح دجال کے ظہور کا بھی یہی زمانہ قرار پاگیا، لیکن کسی شخص واحد کو مسیح دجال بتانا ممکن نہ تھا اسلئے ایک دوسری راہ اختیار کیگئی، بعض مفسرین نے جیسا کہ تفسیر کبیر میں ہے یاجوج وماجوج سے ترکوں کو مراد لیا ہے، سر سید احمد خاں مرحوم نے بھی یہی کیا ہے، مولوی محمد حسن صاحب امروہوی مرحوم نے اپنی تفسیر شاہی میں جو ۱۲۹۳ھ میں چھپی ہے، ان سے روس و انگریز کو مراد لیا ہے، اور تعجب یہ ہے کہ اسی زمانہ میں انھوں نے انگریزوں کے بیت المقدس پر قابض ہوجانے کی پیشینگوئی کی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی، (تفسیر شاہی جلد اول ص ۸۳) احمدی دوستوں کیلئے یہ سہارا کافی تھا، انھوں نے مسیح دجال سے متعلق احادیث کو بھی انہی پر منطبق کیا، اور تاویلات کی عظیم الشان عمارت کھڑی کرلی، اسی کا بیان اس رسالہ میں آیا ہے لیکن اس سوال کا حل نظر نہیں آیا، کہ اگر مسیح دجال سے مراد شخص واحد نہیں بلکہ مستولی ہونے والی اقوام ہیں، تو مسیح موعود کا مصداق کیوں نہ وہ امت صالحہ قرار پائے جو توحید و رسالت اور اسلام کے بھولے ہوئے اساسی اسباق کو اپنے عمل سے دوبارہ زندہ کرے، اور یہ دلچسپ لطیفہ ہے، کہ چودھویں صدی کے "مسیح موعود" کی یہ امتیں ایک طرف انگریزوں کی حکومت برطانیہ کو مسیح دجال کی حکومت ثابت کرتی ہیں، اور دوسری طرف جہاد بالسیف کو منسوخ قرار دیکر اسی "مسیح دجال" کی حکومت کی اطاعت سرزمین ہند میں فرض اور واجب بتاتی ہیں،

نظریۂ مہدی

از جناب ایم حسن لطیفی (جرنلسٹ) دفتر مطالعہ "شاطو" وکفیلڈ روڈ، "لدھانہ" قیمت ۴ر

اس رسالہ میں چودھویں صدی میں ایک نئے مہدی کے آنے کی بشارت دیگئی ہے، جو پنجاب کے "ارض لد" یعنی مقام لودھیانہ سے ظہور کریگا، زمانہ ظہور ۱۹۴۵ء بتایا گیا ہے، سردست "مبشر" خود آئندہ اپنی مہدیت کے دعوی سے

اوسی طرح انکار کرتا ہے، جیسے مرزا غلام احمد صاحب نے ابتداءً نبوت و رسالت کے دعوی سے انکار کیا تھا، اس رسالہ کے مضامین پہلے پنجاب میں اشتہاروں کی شکل میں نکلے، جب اون کی مخالفت کی گئی، تو مرتب رسالہ کی زیادہ ہمت بڑھی، اور انھوں نے اونھی مضامین کو مبسوط رسالہ کی شکل میں شائع کیا، ہماری اولین غلطی یہی ہوتی ہو کہ ایسے لٹریچر پر مخالفانہ سہی مگر توجہ کیجاتی ہو،

دعوتِ عمل، از مولانا محمد عبد الحامد صاحب قادری بدایونی، مولوی محلہ بدایون، ۵۰ صفحے، قیمت ۲ر

اس رسالہ میں قرآن مجید کی آیتوں کے ذریعہ مسلمانوں کو اخلاق و عمل کی درستی کی دعوت دی گئی ہو، ہر آیت ایک عنوان کے ماتحت ہے، ایسے رسالوں کی اشاعت مسلمانوں کیلئے مفید ہوگی،

کرامات، ترجمہ جناب ملیح آبادی، ہند بک ایجنسی نمبر ۲۰، چترنجن ایونیو کلکتہ ۲۹ صفحے، قیمت ۲ر

یہ علامہ ابن تیمیہ کے کسی رسالے کا ملخص ترجمہ ہے، اس میں اولیا کی کرامتوں کی صداقت تسلیم کی ہو، اور ان کے نتائج کے اعتبار سے ان کے مفید و مضر ہونے کے پہلو دکھائے ہیں، اور نتیجۃً بتایا ہو کہ کرامات کے ظہور کی قوت پیدا کرنے کیلئے مجاہدہ و ریاضت کرنا دینداری کیلئے سودمند نہیں،

خوارقِ عادات، از مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی، ناشر مجلس علمی جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل، سملک، سورت، ۴۱ صفحے،

اس رسالہ میں انبیا کے معجزوں اور اولیا کی کرامتوں کو ثابت کیا گیا ہو، اور عقلی دلائل سے منکرین کا رد کیا گیا ہو،

الرّوح فی القرآن، از مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی، مجلس علمی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک (سورت) ۱۴ صفحے،

یہ رسالہ روح کی حقیقت کے بیان میں ہو جمہور اہل شرع کے مسلک میں، روح کو صوفیہ کے اجسام مثالیہ کے مترادف بتایا ہے،

مرنیکے بعد کیا ہوگا، از جناب حکیم محمد یوسف صاحب حضروی مدیر شفا نمبر ۱۶۲ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ، لکھنؤ کے ایک رسالہ میں حیات بعد الممات کا انکار کیا گیا تھا، اس رسالہ میں اسکی تردید کی گئی ہو،

صداے ایمان، از مولانا شبیر احمد عثمانی، } ناشر مجلس علمی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، سملک (سورت)
نور ایمان، از مولوی بدر عالم دیوبندی } حجم مجموعی ۱۵ صفحے،

یہ دونوں رسالے ایک ہی سرورق کے اندر چھپے ہیں، اور دونوں قادیانیوں کے بعض ادعاؤں کے جواب میں ہیں،

اعجاز القرآن، از مولوی محمد یسین صاحب نجم ہلالی، ناشر جناب شمس النبی محلہ داؤد سرائے سہارنپور، ۹ صفحے،

پنجاب رلیجیس بک سوسائٹی نے "حقائق القرآن" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا تھا، اسمیں آنحضرت صلعم پر معاندانہ اعتراضات کئے گئے تھے، اس رسالہ میں انکے مدلل جوابات درج ہیں، رسالہ کو ناشر نے افادۂ عام اور تبلیغ کیلئے مفت شائع کیا ہے، ناشر سے مل سکتا ہے،

عثمانی قاعدہ، از جناب واحدہ خانم، ۴۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، پتہ:- کلیۃ القرآن نرسمہا راجہ روڈ بنگلور،

یہ بچوں کو قرآن مجید پڑھانے کا قاعدہ ہے، جو تعلیم کے نئے اصولوں پر مرتب کیا گیا ہے، شاید بنگلور کے اسلامی مدرسوں میں داخل ہے، وہاں کے علما کا بیان ہے کہ یہ مفید ثابت ہوا ہے،

طریقہ تعلیم مطالعۂ قدرت، از جناب جگ موہن لال چترویدی، لکچرار عثمانیہ ٹریننگ کالج، حیدرآباد، دکن، ۱۰۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عمر/ ۱۲ر،

اس کتاب میں لائق مصنف نے بچوں کو مطالعۂ قدرت (نیچر اسٹڈی) کی تعلیم دینے کے طریقے بتائے ہیں، پہلے مطالعۂ قدرت کے معنی و مفہوم اور اسکی تعلیم کے فوائد بتائے ہیں، پھر مختلف عمر کے بچوں کو تعلیم دینے کے طریقے جداگانہ بیان کئے ہیں، اسکے بعد ۲۰، ۲۲ مختلف جاندار اور بے جان چیزوں پر سبق لکھے ہیں، یہ کتاب نہ صرف اسکول کے ان اساتذہ کیلئے جو اسکی تعلیم دیتے ہیں، مفید ہوگی، بلکہ جن لوگوں کے سپرد کم عمر بچوں کی نگرانی ہے، ان کے لئے بھی سودمند ثابت ہوگی،

چڑیا گھر، از میاں سلطان احمد وجودی، ایم آر، اے ایس، "رکن دار المصنفین اعظم گڈہ" (؟) ۵۶ صفحات، قیمت ۴ر پتہ:- نظامیہ بٹالہ (پنجاب)

اس رسالہ میں چھوٹے بچوں کیلئے نصیحت آمیز اخلاقی قصے لکھے گئے ہیں، یہ قصے زیادہ تر انگریزی ریڈروں سے ماخوذ ہیں،

"س"

دارالمصنفین کی ادبی کتابین

شعر الہند حصۂ اول، جس مین قدماء کے دور سے لے کر دور جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۵۵۴ صفحے، قیمت: للعہ، از مولانا عبد السلام ندوی،

حصۂ دوم ۔ جس مین اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۵۵۴ صفحے، قیمت: للعہ

گلِ رعنا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو مین شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس مین آب حیات کی غلطیون کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لے کر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۵ صفحے، قیمت: عہ، از مولانا سید عبد الحئی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ ۔ مولانا شبلی مرحوم کے دوستون، عزیزون، شاگردون کے نام خطوط کا مجموعہ جسمین مولانا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی، اور ادبی نکات ہین، یہ درحقیقت مسلمانون کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم،

حصۂ اول، ضخامت ۳۴۹ صفحے، قیمت: عہ ۱۲/

حصۂ دوم، ضخامت ۱۶۱ صفحے، قیمت: عہ ۱۲/

موازنۂ انیس و دبیر (از مولانا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میرانیس کی شاعری پر ریویو، اردو مین فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ میرانیس کے بہترین مرثیون کا انتخاب، اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو مین اپنے فن مین یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت، ۴۸۲ صفحے، قیمت: ے ر

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جس مین مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی، اور تاریخی نظمین، جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین، یکجا ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے۔ قیمت: عہ

افادات مہدی، ملک کے نامور انشاپرداز ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت عہ، حجم ۳۷۵ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس مین ترکی [illegible] مختصر اجمالی تاریخ دلآویز انداز مین بیان کی گئی ہے ۲ کے ٹکٹ بھیجکر طلب کرین، دارالمصنفین [illegible]

دارالمصنفین کی تاریخی کتابین

تاریخ صقلیہ جلد اول، مسلمانون نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کیطرح اسکو بھی، اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانچسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اسکی کوئی تاریخ اردو انگریزی مین کیا عربی مین بھی موجود نہ تھی چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدون مین اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہے جنمین سے پہلی جلد اب شایع ہوگئی ہے جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اسمین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام عہد بعہد کے دورون کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ مین مسلمانون کے مصائب اور جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۹۰۵ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلی قیمت :- للعہ

تاریخ فقہ اسلامی، مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جسمین ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مفصل اور ایسا تبصرہ ہے، جس سے جدید فقہ کی ترتیب مین مدد مل سکتی ہے، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت للعہ مترجمہ مولنا عبدالسلام ندوی،

رقعات عالمگیر، اورنگزیب عالمگیر کے خطوط اور رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہین اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، اور ان سے علم و ادب، سیاست و تاریخ کے متعلق بیسیون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، ضخامت، ۹۳۰ صفحات چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص ٹائٹل نہایت دلفریب، قیمت :- للعہ مرتبہ سید نجیب اشرف ایم اے ندوی

مقدمہ رقعات عالمگیر، اسمین رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغہ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا، اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کیگئی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ، ضخامت ۴۰۰ صفحے قیمت عہ مصنفہ سید نجیب اشرف ایم اے ندوی

الفاروق، یعنی حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، صحابہؓ کے فتوحات، طریقہ حکومت، عراق و شام، مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق زہد، عدل، اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولنا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت مین معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسیون اڈیشن فروخت ہوئے ہین، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اسکے اعلی اڈیشن کی خواہش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور ترقی طبع سے اسکا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلی چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ مطلا ٹائٹل، ضخامت ۶۱۲ صفحے، قیمت :- للعہ

خلفائے راشدین سیر الصحابہ کا حصہ اول، یہ چارون خلفاء کے ذاتی فضائل اور مذہبی و سیاسی کارنامون اور فتوحات کا آئینہ ہے، حجم ۳۸۷ صفحے، قیمت :- ہے، از مولنا حاجی معین الدین ندوی،

(دارالمصنفین کی کتابون کی مفصل فہرست دفتر دارالمصنفین اعظمگڈھ سے طلب کیجئے)

مسعود علی ندوی
منیجر دارالمصنفین
اعظم گڈھ

(مطبع معارف مین محمد ادریس وارثی نے چھاپ کر شایع کیا)